کشف الغم فی تفسیر العم

ترتیب وتالیف

مفتی نثار محمد

فاضل؛ جامعہ یوسفیہ بنوریہ (شرف آباد)

امام وخطیب جامع مسجد بیت المکرم (لانڈھی)

استاذ؛ مدرسہ تدریس القرآن بنوریہ (لانڈھی)

نوٹ؛

فہرست عنوانات برائے کشف الغم

انتساب

میں اپنی یہ کاوش اپنے والدین کریمین کے نام منسوب کرتا ہوں جن کی دعاؤں اور شفقتوں سے میں اس قابل ہوا کہ قرآنِ مجید کی کچھ خدمت کرسکا، اللہ تعالی میرے والدین کو بہترین بدلہ عطافرمائے آمین۔

[گزارشات]

الحمدلله الذی علم القرآن،خلق الانسان،علمه البیان،والصلوۃ والسلام علی نبیه خیر الانام،وعلی آله وازواجه واصحابه الکرام وعلی اتباعه وعلمأ امته من المفسرین والمحدثین والفقهأ الی یوم القیام۔امابعد:

اللہ تعالی کا انتہائی فضل وکرم ہے کہ اس رب لم یزل نے مجھ جیسے کم علم کو اپنے کلام کی خدمت کی توفیق عطا فرمائی ،اصل بات یہ ہیکہ انسانی طاقت کلامِ الٰہی کے سامنے بےبس ہے یہ محض اللہ تعالی کا فضل ہے کہ اپنے بندوں سے کام لے لیتا ہے۔

کافی عرصہ قبل درجہ ثانویہ عامہ کے عم پارے کی تفسیر پڑھانے کا موقع ملا تھا،اس وقت اپنی اور طلبا کرام کی آسانی کے لئے سبق کا خلاصہ اور راہم نکات لکھ لیا کرتا تھا،جس کے نتیجے میں سبق کے اختتام تک کافی مواد جمع ہو گیا اس بنا پر حاشیہ خیال میں یہ بات موجود تھی کہ جب بھی موقع ملا تو اس مواد کو باقاعدہ کتابی صورت میں ترتیب دونگا،اس اثنا میں دس سال گزر گئے اب اللہ تعالی نے توفیق عطا فرمائی تو اس مواد کو ازسرِ نو ترتیب دیا اور پہلے سے زیادہ نئی چیزوں کا اضافہ کیا اور اس بات کی مکمل پابندی کی ہے کہ ہر بات متقدمین ومتاخرین مفسرین کی تفاسیر سے مأخوذ ہو۔

اس تفسیر کی چند خصوصیات:

[۱]عام فہم سلیس ترجمہ اور روزمرہ کے مانوس الفاظ کا استعمال،[۲] کوائفِ سورہ؛[۳]ربط بین السورتین؛[۴]مدلل ومختصر تفسیر؛[۵]لغوی وصرفی تحقیق؛[۶]روان ترکیب؛[۷]تفسیر القرآن بالقرآن [۸]تفسیر القرآن بالحدیث[۹]متقدمین مفسرین کی تفاسیر سے ماخوذ[۱۰]فوائد نافعہ سے مزین۔

یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ یہ تفسیر میں نے فی الحال پی،ڈی،ایف فائل میں ثواب کی غرض سے عام کی ہے کیونکہ طباعت کے اسباب نہیں تھے امید ہے کہ اللہ تعالی اس کے بھی اسباب پیدا فرمادیں گے،(وما توفیق الا باللہ)

مراجع:اس تفسیر میں مندرجہ ذیل تفاسیر سے استفادہ کیا گیا ہے:

تفسیر ابن کثیر،قرطبی،مجاھد،طبری،روح المعانی،رازی،اندلسی۔بغوی،مظہری،درمنثور،معارف کاندھلوی؛معارف مفتی شفیع،ذخیرۃ الجنان،معالم العرفان۔انوار البیان،تبیان القرآن،تعلیم القرآن،تفسیر ماتریدی،وغیرہ،،،،

دست بدعا ہوں کہ اللہ تعالی اس کتاب کو طلبا وطالبات ،اساتذہ کرام اور مدرسین کے لئے نافع بنائے،اور مجھ سمیت میرے والدین،اور اساتذہ کرام کے لئے نجات کا ذریعہ بنائے،

ربنا تقبل مناھذا الجھد وتب علینا یاربنا انک انت التواب الرحیم

ابوصہیب نثار عفی اللہ عنہ

03212881695

[تقدیم]

قرآن کریم کی تعریف:

قَرَ اَ : جمع کرنے اور ملانے کے معنی میں آتا ہے، اور القراءۃ پڑھتے ہوئے کلمات اور حروف کو ایک دوسرے کے ساتھ ملانے کو کہا جاتا ہے۔ قرآن بھی اصل میں قراءۃ کی طرح ہے، یعنی مصدر ہے جیسے : قراء، یقرءُ قراءۃً وقرآناً۔

فرمان الٰہی ہے:

﴿اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ. فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ﴾ (القیامۃ :۱۷۔۱۸)

''اس کا جمع کرنا اور (آپ کا زبان سے) پڑھانا ہمارے ذمہ ہے، ہم جب اسے پڑھ لیں تو آپ اس کے پڑھنے کی پیروی کریں۔''

یہاں قرآن سے مراد قراءت ہے، یہ فُعْلان (فا کے ضمہ کے ساتھ) مصدر ہے، جس طرح غفران اور شکران مصدر آتے ہیں

۔

آپ کہتے ہیں قراءتہ، قرأتٗ وقراءۃً وقرءانا جو بھی پڑھیں، مطلب ایک ہی ہوگا، پڑھی جانے والی چیز کو ''قرآن'' کا نام دیا جاتا ہے۔ یعنی مصدر کو مفعول کے معنی میں استعمال کرتے ہیں۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل شدہ کتاب کو قرآن کہا جاتا ہے اور یہ نام اسی کے ساتھ مخصوص ہو چکا ہے۔

قرآن کا لفظی اطلاق پورے قرآن پر بھی ہوتا ہے اور ایک آیت پر بھی، چناں چہ جب آپ کسی شخص کو قرآن کی ایک آیت تلاوت کرتے ہوئے سنیں تو آپ کہہ سکتے ہیں کہ یہ قرآن پڑھ رہا ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

﴿وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا﴾ (الاعراف :۲۰۴)

''اور جب قرآن پڑھا جائے تو غور سے سنو اور خاموش رہو۔'' بعض اہل علم کا کہنا ہے کہ اس کتاب کو قرآن کا نام دینے کی وجہ یہ ہے کہ یہ تمام کتب سماویہ کا نچوڑ ہے، بلکہ اس میں تمام علوم کا نچوڑ ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ اس بات کی طرف اشارہ فرماتے ہیں:

﴿وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ﴾ (النحل :۸۹)

''ہم نے آپ پر ہر چیز کی وضاحت کرنے والی کتاب نازل فرمائی۔''

نیز فرمایا:

﴿مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ﴾ (الانعام :۳۸)

''ہم نے کتاب میں کوئی کمی نہیں چھوڑی۔''

بعض علماء کا مذہب ہے کہ لفظ قرآن ''قرء'' سے مشتق نہیں، وہ کہتے ہیں : یا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہونے والی

کتاب کا اصل نام قرآن ہے، یا یہ قرن (ملانے) سے ماخوذ ہے، یا یہ قرائن سے مشتق ہے، کیوں کہ اس کی آیات ایک دوسرے سے ملتی جلتی ہیں اور اس میں نون اصلی ہے لیکن یہ رائے درست نہیں، پہلی بات ہی صحیح ہے۔

قرآن کریم کی کوئی ایسی جامع تعریف کرنا بہت مشکل ہے جس میں اس کی اجناس وفصول اور اس کے خواص کا بیان ہو سکے اور وہ تعریف اس کی حقیقی تعریف بن جائے۔

اس کی حقیقی تعریف یہی ہے کہ اسے ذہن میں موجود سمجھا جائے اور حسی طور پر اس کا مشاہدہ کیا جائے۔ مطلب یہ کہ قرآن مصحف میں لکھا گیا ہو یا زبان سے پڑھا جا رہا ہو تو آپ کہیں : قرآن تو وہ ہے جو ان دوگتوں کے درمیان ہے۔ یا آپ یہ کہیں کہ قرآن بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ سے لے کر مِنَ الۡجِنَّۃِ وَ النَّاسِ تک ہے۔

علماء اس کے معنی کے قریب قریب ایک تعریف بھی ذکر کرتے ہیں جس کی وجہ سے دوسری کتابوں سے اس کا امتیاز ہو جاتا ہے اور لوگ سمجھ جاتے ہیں کہ اس سے مراد قرآن ہے، وہ تعریف یہ ہے:

((کَلَامُ اللّٰہِ الْمُنَزَّلُ عَلٰی مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وسلم اَلْمُتَعَبَّدُ بِتِلَاوَتِہٖ.))

”اللہ تعالیٰ کا وہ کلام جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا گیا، جس کی تلاوت عبادت ہے۔“

تعریف میں کلام جنس ہے جو ہر کلام کو شامل ہے، اور جب اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کر دی تو دوسری ہر قسم کی کلام وہ انسانوں اور جنات کی ہو یا فرشتوں کی، اس سے خارج ہو گئی اور ”المنزل“ کہہ کر اسے اس کلام سے خارج کر دیا گیا جو اس کے پاس محفوظ ہے، جس کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿قُلۡ لَّوۡ کَانَ الۡبَحۡرُ مِدَادًا لِّکَلِمٰتِ رَبِّیۡ لَنَفِدَ الۡبَحۡرُ قَبۡلَ اَنۡ تَنۡفَدَ کَلِمٰتُ رَبِّیۡ وَ لَوۡ جِئۡنَا بِمِثۡلِہٖ مَدَدًا ﴾ (الکہف :۱۰۹)

”(اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ کہہ دیجیے اگر سمندر میرے رب کے کلمات کے لیے روشنائی بن جائیں تو میرے رب کے کلمات ختم ہونے سے پہلے سمندر ختم ہو جائیں گے، خواہ ہم اس کے برابر مزید روشنائی لے آئیں۔“

﴿وَ لَوۡ اَنَّ مَا فِی الۡاَرۡضِ مِنۡ شَجَرَۃٍ اَقۡلَامٌ وَّ الۡبَحۡرُ یَمُدُّہٗ مِنۡۢ بَعۡدِہٖ سَبۡعَۃُ اَبۡحُرٍ مَّا نَفِدَتۡ کَلِمٰتُ اللّٰہِ﴾ (لقمان :۲۷)

”اگر روئے زمین کے درخت قلم اور سمندر روشنائی بن جائیں، ان کے بعد سات سمندر اور آ جائیں تو بھی اللہ تعالیٰ کے کلمات ختم نہیں ہوں گے۔“

منزل کے ساتھ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت کر کے اسے سابقہ انبیاء پر نازل ہونے والی کتب مثلاً : تورات وانجیل وغیرہ سے خارج کر دیا گیا۔ نیز المتعبد بتلاوتہ یعنی اس کی تلاوت عبادت ہے، کہہ کر اخبار احاد اور احادیث قدسیہ کی قراءت کو اس سے خارج کر دیا، گو کہ احادیث قدسیہ کے الفاظ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتے ہیں، لیکن انہیں قرآن کریم جیسا درجہ حاصل نہیں ہے، کیوں کہ ”اس (قرآن) کی تلاوت عبادت ہے۔“ اس جملے کا مطلب ہے کہ نماز وغیرہ میں عبادت کی غرض سے اس کی قراءت کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

قرآن کریم اور حدیث قدسی میں فرق:

قرآن کریم اور حدیث میں کئی پہلوؤں سے فرق ہے، جن میں سے چند امور کا تذکرہ کیا جارہا ہے:

1۔ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا وہ کلام ہے جس کے الفاظ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف وحی کیے گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ کے ساتھ عرب کو چیلنج کیا کہ وہ اس جیسا قرآن، دس سورتیں یا کم از کم ایک ہی سورت ہی بنالائیں۔ یہ چیلنج آج بھی موجود ہے اور اس کا اعجاز قیامت تک باقی رہے گا۔ جب کہ حدیث قدسی میں اس جیسا چیلنج اور اعجاز نہیں ہے۔

2۔ قرآن کریم کو صرف اللہ تعالیٰ ہی کی طرف منسوب کیا جاسکتا ہے، یعنی یہی کہا جائے گا: قال اللہ تعالیٰ۔

جب کہ حدیث قدسی کی روایت اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہوتی ہے اور اس وقت یہ نسبت انشائی ہوتی ہے۔ چناں چہ کہا جاتا ہے: قال اللہ او یقول اللہ تعالیٰ۔

اور کبھی اس کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہوتی ہے اور یہ نسبت اخباری ہوتی ہے، لہٰذا اس میں کہا جاتا ہے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فیما یرویہ عن ربہ عزوجل۔

3۔ قرآن کریم مکمل طور پر تواتر سے منقول اور قطعی الثبوت ہے، جب کہ احادیث قدسیہ زیادہ تر اخبارِ احاد پر مشتمل ہیں جو کہ ظنی الثبوت ہیں۔ نیز حدیث قدسی کبھی صحیح ہوتی ہے کبھی حسن اور کبھی ضعیف۔

4۔ قرآن کریم لفظی اور معنوی دونوں اعتبار سے اللہ کی طرف سے وحی ہے۔

جب کہ حدیث قدسی کا مفہوم اللہ کی طرف سے اور الفاظ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہوتے ہیں۔ یعنی یہ معنوی لحاظ سے وحی ہوتی ہے نہ کہ لفظی اعتبار سے، اسی لیے جمہور محدثین کے نزدیک اس کی روایت بالمعنیٰ جائز ہے۔

5۔ قرآن کریم کی تلاوت عبادت ہے، نیز اس کی قراءت کو نماز میں متعین کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ﴾ (المزمل: ۲۰)

"قرآن کریم سے جو آسان ہے اس کی قراءت کرو۔"

نیز اس کی قراءت ایسی عبادت ہے جس پر اللہ تعالیٰ ثواب عطا فرماتے ہیں۔ جیسا کہ حدیث میں آتا ہے:

"جس شخص نے کتاب اللہ کا ایک حرف پڑھا اسے ایک ملی اور نیکی کا دس گنا ثواب ہوتا ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ الٓمٓ ایک حرف ہے، بلکہ الف، لام اور میم تینوں علیحدہ علیحدہ حروف ہیں۔" (ترمذی عن ابن مسعود)

جب کہ نماز میں حدیث قدسی کی تلاوت جائز نہیں ہے اور اس کی قراءت پر اللہ تعالیٰ عام ثواب عطا فرماتے ہیں نیز جو ثواب قرآن کی قراءت پر ملتا ہے، یعنی ایک حرف پر دس نیکیاں وہ حدیث قدسی پر نہیں ملتا۔

تفسیر کا مفہوم:

تفسیر کا لغوی معنی:

لغوی لحاظ سے تفسیر "ف،س،ر" سے باب تفعیل کا مصدر ہے۔ جس کا معنی ہوتا ہے: واضح کرنا، کھولنا۔

اس کا فعل ضَرَبَ اور نَصَرَ کے وزن پر ہوتا ہے۔ فَسَرَ الشَّيْئَ يَفْسِرُ اور يَفْسُرُ فَسْرًا کا معنی ہے: ڈھکی ہوئی چیز کو کھولا اور ظاہر کیا۔

لسان العرب میں ہے: اَلْفَسْرُ كَشْفُ الشَّيْءِ: کسی ڈھکی ہوئی چیز کو کھولنا۔ لہٰذا تفسیر کا معنی ہوا: مشکل لفظ کی مراد کو کھولنا۔" قرآن کریم میں ہے:

﴿وَلَا يَأْتُونَكَ بِمَثَلٍ إِلَّا جِئْنَاكَ بِالْحَقِّ وَأَحْسَنَ تَفْسِيرًا﴾ (الفرقان: ۳۳)

یعنی بیان اور تفصیل۔ ان دونوں فعلوں میں زیادہ تر مزید فیہ کا استعمال ہوتا ہے۔

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے بھی اَحْسَنَ تفسیرا کا معنی تفصیل ہی کیا ہے۔

بعض کہتے ہیں یہ سَفَرٌ سے مقلوب ہے، اس کا معنی بھی کھولنا ہی ہے، جب کوئی عورت چہرے سے نقاب ہٹا دے تو عرب کہتے ہیں:

((سَفَرَتِ الْمَرْأَةُ سُفُوْرًا۔)) اور ایسی عورت کو سافرہ کہا جاتا ہے۔ اور اَسْفَرَ الصُّبْحُ کا معنی ہوتا ہے: صبح روشن ہو گئی۔

باب تفعیل میں اسے ذکر کرنے کا مقصد کثرت کو ظاہر کرنا ہے۔ جیسے

﴿يُذَبِّحُونَ أَبْنَاءَكُمْ﴾ (البقرۃ: ۴۹)

وہ تمہارے بچوں کا خوب قتل کرتے تھے۔ اسی طرح وَغَلَّقَتِ الْأَبْوَابَ) (یوسف ۲۳:) اور اس (عزیز کی بیوی) نے اچھی طرح سے دروازے بند کر دیے۔

گویا تفسیر میں بھی یہی کیفیت ہوتی ہے کہ ایک سورت کے بعد دوسری سورت اور ایک آیت کے بعد دوسری آیت۔

علامہ راغب اصفہانی کہتے ہیں:

فسر اور سفر جس طرح الفاظ میں قریب قریب ہیں، اسی طرح ان کے معانی بھی متقارب ہیں۔ لیکن فرق یہ ہے کہ فَسْر سے مراد ہے معقول معنی کو ظاہر کرنا، جب کہ سَفْر کا معنی ہے: کسی مادی چیز کو لوگوں کی نظروں کے سامنے لانا۔ جیسے کہا جاتا ہے:

((سَفَرَتِ الْمَرْأَةُ عَنْ وَجْهِهَا۔)) اور ((اَسْفَرَ الصُّبْحُ۔))

تفسیر کا اصطلاحی معنی:

ابو حیان نے تفسیر کی یہ تعریف کی ہے:

"تفسیر ایسے علم کو کہا جاتا ہے جس میں قرآن مجید کے الفاظ کو ادا کرنے کا طریقہ، الفاظ کے مدلولات، ان کے انفرادی و ترکیبی

احکام، ان کے ترکیبی حالات اور ان سے متعلقہ تتمہ جات کے بارے بحث ہوتی ہے۔'' اس کے بعد وہ تعریف کی وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں:

علم سے ہر قسم کا علم مراد ہے، قرآن کے الفاظ کو ادا کرنے کے طریقے سے مراد علم القراءت ہے، مدلولات سے مراد ان الفاظ کے مدلولات ہیں اور یہ لغت کا علم ہے جو اس (تفسیر کے) علم کے لیے ضروری ہے۔ اس کے انفرادی اور ترکیبی احکام کا مطلب ہے کہ یہ علم صرفی، اعرابی، علمِ بیان اور علمِ بدیع پر مشتمل ہوتا ہے۔ ان کے ترکیبی حالات سے مراد ہے کہ یہ علم الفاظ کی حقیقی اور مجازی معنی کو بھی واضح کرتا ہے کیوں کہ بسا اوقات یہ بھی ہوتا ہے کہ جملہ کی ظاہری حالت کسی ایک چیز کو واضح کرتی ہے لیکن ظاہری مفہوم مراد لینے سے کوئی رکاوٹ موجود ہوتی ہے تو اسے غیر ظاہری یعنی مجازی معنی پر محمول کیا جاتا ہے اور الفاظ سے متعلقہ تتمہ جات کا مطلب ہے: ناسخ و منسوخ، اسبابِ نزول اور قرآن کے بعض مبہم قصائص کی پہچان کروانا۔

زرکشی کہتے ہیں:

تفسیر سے مراد وہ علم ہے جس کے ذریعے اللہ تعالی کی اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کردہ کتاب کی سمجھ، اس کے معانی کی وضاحت اور اس کے احکام کا استنباط ہو سکے۔'' (الاتقان ۱۷۴ : /۲)

تفسیر کی عظمت:

علوم شرعیہ میں تفسیر کو ایک بلند اور نمایاں مقام حاصل ہے۔ نیز اپنے موضوع، غرض و غایت اور ضرورت کے لحاظ سے یہ بہت ہی عظیم علم ہے۔ کیوں کہ اس علم کا موضوع کلام اللہ ہے جو ہر حکمت کا سرچشمہ اور ہر فضیلت کے حصول کا ذریعہ ہے۔ نیز اس کا مقصد اسلام کے مضبوط کڑے کو تھامنا اور حقیقی سعادت کا حصول ہے۔ اس کی ضرورت کا سبب یہ ہے کہ دین و دنیا میں کمال حاصل کرنے کے لیے لازم ہے کہ وہ کام شریعت اور کتاب اللہ کے مطابق ہو۔

[سورۃ النبا]

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

آیت ا تا ۵

عَمَّ يَتَسَاءَلُونَ (۱) عَنِ النَّبَإِ الْعَظِيمِ (۲) الَّذِي هُمْ فِيهِ مُخْتَلِفُونَ (۳) كَلَّا سَيَعْلَمُونَ (۴) ثُمَّ كَلَّا سَيَعْلَمُونَ (۵)

ترجمہ:

کس چیز کے بارے میں وہ آپس میں سوال کرر ہے ہیں؟(۱)(کیا) اس بڑی خبر کے بارے میں؟(۲) وہ کہ جس میں وہ اختلاف کرنے والے ہیں۔(۳) ہرگز نہیں، عنقریب وہ جان لیں گے۔(۴) پھر ہرگز نہیں، عنقریب وہ جان لیں گے۔(۵)

کوائف:

اس سورت کا نام نبا ہے اور نبا کا معنی ہے خبر یہ سورۃ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی، اس سے پہلے اناسی 79 سورتیں نازل ہو چکی تھیں اس کا اسی نمبر ہے۔ اس کے دو رکوع اور چالیس آیتیں ہیں۔

ما قبل سے ربط:

سورۃ نباء مکی سورت ہے جس کی چالیس آیات اور دو رکوع ہیں۔ اس سے قبل سورۃ المرسلات میں حق تعالیٰ شانہ نے بڑی ہی قوت وعظمت کے ساتھ اعلان فرمایا کہ جس قیامت کا انسانوں سے وعدہ کیا گیا وہ یقیناً برپا ہو کر رہے گی، اس کے لیے خداوند عالم نے ہواؤں اور فرشتوں کی قسم کھا کر نہ صرف یہ کہ وقوع قیامت کا اعلان فرمایا بلکہ احوال قیامت بھی ذکر کر دیئے گئے کہ جب نظام عالم درہم برہم ہوگا، تو زمین وآسمان اور چاند سورج اور کواکب کا کیا حال ہوگا، اب اس سورت میں مجرمین ومنکرین قیامت کے معاملہ میں جس گستاخی سے سوال کرتے تھے یا یہ مطالبہ کہ قیامت کب آئے گی، اور کیوں نہیں قیامت واقع ہوتی بیان کر کے ان کا رد، اور ان پر تنبیہ کی جا رہی ہے اور ساتھ ہی دلائل قدرت اور جزاء وسزا کا قانون بھی بیان فرمایا جا رہا ہے۔

شان نزول:

ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے حسن کی روایت سے بیان کیا کہ جب نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی بعثت ہوئی تو لوگ (قیامت کے بارے میں) ایک دوسرے سے سوال کرنے لگے۔ اس پر عم یتساءلون عن النباء العظیم نازل ہوئی۔ (مظہری ج10، ص171)

تفسیر:

سوال کرنے والوں کا مصداق:

اس آیت میں فرمایا ہے : یہ لوگ کس چیز کے متعلق ایک دوسرے سے سوال کررہے ہیں؟۔
یہ سوال کرنے والے کون لوگ تھے؟اس کی حسب ذیل تفسیریں ہیں:
(۱) کفار سوال کرتے تھے، کیونکہ کَلَّا سَیَعْلَمُونَ ۔ ثُمَّ کَلَّا سَیَعْلَمُونَ ۔ (۴۔ ۵) ہرگز نہیں! یہ عنقریب جان لیں گے۔ پھر ہرگز نہیں! یہ عنقرب جان لیں گے۔ یہ دھمکی ہے اور دھمکانا صرف کفار کے لیے مناسب ہے، اس سے معلوم ہوا کہ یہ کفار تھے جو ایک دوسرے سے سوال کرتے تھے۔
(۲) کفار اور مؤمنین دونوں سوال کرتے تھے، رہے مؤمنین تو وہ اس لیے سوال کرتے تھے کہ دین میں ان کی بصیرت اور قیامت پر ان کا ایمان اور زیادہ قوی ہوجائے اور رہے کفار تو وہ اسلام کا مذاق اڑانے کے لیے اور اسلام کے خلاف لوگوں کے دلوں میں شکوک اور شبہات ڈالنے کے لیے سوال کرتے تھے۔
(۳) سوال کرنے والے کفار اور مشرکین تھے اور وہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے سوال کرتے تھے کہ آپ جس قیامت کا ہم سے وعدہ کررہے ہیں، وہ کب آئے گی۔

پہلی تفسیر کہ عظیم خبر سے مراد قرآن مجید کی خبر ہے

جس عظیم خبر کے متعلق کفار سوال کرتے تھے وہ کس چیز کی خبر تھی؟ آیا قرآن کی یا سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی نبوت کی یا قیامت کی، ان تینوں احتمالات کی طرف مفسرین گئے ہیں، پہلا قول یہ ہے کہ وہ قرآن مجید کی خبر ہے۔
(۱) امام ابوجعفر محمد بن جریری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:
مجاہد نے کہا :" النبا العظیم " سے مراد قرآن مجید ہے۔ (جامع البیان رقم الحدیث ۲۷۸۹۰ :)
اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے : جس میں یہ اختلاف کررہے ہیں۔ (النبا ۳ :)
اور قرآن مجید کے متعلق کفار مکہ اختلاف کررہے تھے، بعض کہتے تھے کہ قرآن مجید جادو ہے، اور بعض کہتے تھے کہ وہ شعر ہے اور بعض کہتے تھے کہ وہ " اساطیر الاولین " ہے یعنی پچھلی قوموں کے افسانے ہیں اور سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی نبوت اور قیامت کے انکار پر وہ متفق تھے، نیز النبا ۲ : میں فرمایا : وہ عظیم خبر کے متعلق سوال کرتے تھے، اور خبر کا مصداق صرف قرآن مجید ہے، اور سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی نبوت خبر نہیں ہے بلکہ آپ کی نبوت کی خبر دی گئی ہے، اسی طرح قیامت بھی خبر نہیں ہے بلکہ قیامت کے آنے کی خبر دی گئی ہے۔

دوسری تفسیر کہ عظیم خبر سے مراد آپ کی بعثت کی خبر ہے

(۲) دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی نبوت کی خبر ہے۔
زجاج نے کہا ہے :اس سے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا معاملہ اور آپ کا دعویٰ نبوت مراد ہے۔
(زاد المسیر ج ۹ ص ٤ ، مکتب اسلامی، بیروت، ١٤٠٧ھ)

تیسری تفسیر عظیم خبر سے مراد حیات بعد الموت کی خبر ہے

(۳) اس کی تیسری تفسیر یہ ہے کہ وہ قیامت اور لوگوں کو دوبارہ زندہ ہونے کے متعلق سوال کرتے تھے۔

امام محمد بن جعفر محمد بن جریری طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: قتادہ نے "النبا العظیم کی تفسیر میں کہا: اس سے مراد مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیا جانا ہے۔ (جامع البیان رقم الحدیث ۲۷۸۹۱ :)

ابن زید نے اس آیت کی تفسیر میں کہا: اس خبر سے مراد قیامت کا دن ہے، کفار نے کہا: اس دن کے متعلق تم یہ زعم کرتے ہو کہ ہم اور ہمارے آباء کو اس دن میں زندہ کیا جائے گا اور ان کا اس میں اختلاف تھا اور وہ اس پر ایمان نہیں لاتے تھے، پس اللہ تعالیٰ نے بتایا: بلکہ وہ عظیم خبر ہے جس سے تم اعراض کرتے ہو، وہ قیامت کا دن ہے جس پر تم ایمان نہیں لاتے۔

قتادہ نے کہا: موت کے بعد زندہ کیے جانے میں ان کے دو فرقے تھے: بعض تصدیق کرتے تھے، اور بعض تکذیب کرتے تھے۔ (جامع البیان جز ۲۹ ص ٤، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ١٤١٥ھ)

فرمایا: ہرگز نہیں! یہ عنقریب جان لیں گے۔ پھر ہرگز نہیں! یہ عنقریب جان لیں گے۔

"کلا" کا لفظی اور مرادی معنی

ان دونوں آیتوں کے شروع میں "کلا" ہے "کلا" کے الفاظ کو اس لیے وضع کیا گیا ہے کہ جو چیز پہلے مذکور ہے اس کو نہ کیا جائے، یعنی واقعہ اس طرح نہیں ہے، جس طرح یہ کفار اور مشرکین کہتے ہیں کہ یہ خبر عظیم باطل ہے، وہ حیات بعد الموت کو باطل کہتے ہیں، ہرگز نہیں! حیات بعد الموت باطل نہیں ہے، ان کو جب عنقریب ان کی موت کے بعد دوبارہ زندہ کیا جائے گا تو وہ اس کو عین الیقین کے ساتھ جان لیں گے، پھر ہرگز نہیں! ان کو جب دوبارہ زندہ کیا جائے گا تو وہ اس کو حق الیقین کے ساتھ جان لین گے۔

عین الیقین کا معنی ہے :

کسی چیز کا مشاہدہ سے علم ہونا، اور حق الیقین کا معنی ہے: کسی چیز کا تجربہ سے یقین ہونا، جب مشرکین قبروں سے نکلیں گے تو وہ دیکھیں گے کہ لوگ قبروں سے زندہ ہو کر نکل رہے ہیں تو ان کو حیات بعد الموت پر علم الیقین ہوگا، پھر جب وہ اس پر توجہ کریں گے کہ وہ خود بھی مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہو گئے ہیں تو ان کو حیات بعد الموت پر حق الیقین ہو جائے گا۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ "کلا" کا لفظ "حقا" کے معنی میں ہے یعنی یقیناً یہ عنقریب جان لین گے۔ پھر یقیناً یہ عنقریب جان لیں گے۔ اور یہ جو فرمایا ہے: یہ عنقریب جان لیں گے، اس میں ان کے لیے وعید اور عذاب کی دھمکی ہے کہ یہ جس چیز کے متعلق ایک دوسرے سے سوال کر رہے ہیں اور جس چیز کا مذاق اڑا رہے ہیں، وہ برحق ہے، اس کو کوئی ٹالنے والا یا مسترد کرنے والا نہیں ہے اور لاریب وہ چیز ضرور واقع ہوگی اور دوبارہ جو اس جملہ کا ذکر کیا ہے، اس میں یہ بتایا ہے کہ دوسری دھمکی پہلی دھمکی سے زیادہ شدید ہے۔

ترکیب نحوی وتحقیق صرفی۔

عَمَّ، اصل میں " عَنۡ " اور " مَا " ہے۔ نون کا میم میں ادغام کیا گیا ہے کیونکہ " ن " اور " م " حروف غنہ میں شریک ہیں اور " مَا " کے الف کو اس لیے حذف کیا گیا ہے تاکہ استفہامیہ اور " مَا " خبریہ میں تمیز باقی رہے عَنۡ ، حرف جار، مَا، مجرور، استفہامیہ، یَتَسَآءَلُوۡنَ ، فعل مضارع جمع مذکر غائب تَسَآءَلَ یَتَسَآءَلُ ، مصدر تَسَاؤُلٌ، ایک دوسرے سے پوچھنا، باہم سوال کرنا، عَنِ النَّبَاِ الۡعَظِیۡمِ (عَنۡ ۔ النَّبَاِ ۔ الۡعَظِیۡمِ) عَنۡ ، حرف جار، کے بارے میں، النَّبَاِ، مجرور، موصوف خبر، اَلۡعَظِیۡمِ ، صفت، عَظۡمَۃٌ مصدر سے صفت مشبہ، عظیم، بہت بڑی، الَّذِیۡ، اسم موصول واحد مذکر (جس) ہُمۡ، ضمیر جمع مذکر غائب (وہ) فِیۡہِ (فِیۡ، ہِ) فِیۡ، حرف جار برائے تعلق، کے بارے میں، ہِ، مجرور، ضمیر واحد مذکر غائب، اس (اس کے بارے میں) مُخۡتَلِفُوۡنَ ، اِخۡتِلَافٌ، مصدر سے اسم فاعل جمع مذکر (اختلاف کرنے والے) واحد، مُخۡتَلِفٌ کَلَّا، حرف ردع وزجر (ہرگز نہیں) سَیَعۡلَمُوۡنَ (سَ ۔ یَعۡلَمُوۡنَ) سَ، فعل مضارع پر داخل ہو کر اسے مستقبل کیلئے خاص کرتا ہے، عنقریب، بہت جلد، یَعۡلَمُوۡنَ، فعل مضارع جمع مذکر غائب عَلِمَ یَعۡلَمُ ، مصدر عِلۡمًا، جاننا، وہ جان لیں گے، ثُمَّ، حرف عطف (پھر) کَلَّا، حرف ردع وزجر، سَیَعۡلَمُوۡنَ (سَ ۔ یَعۡلَمُوۡنَ) سَ، حرف استقبال، فعل مضارع پر داخل ہو کر اسے مستقبل کیلئے خاص کرتا ہے، عنقریب، بہت جلد، یَعۡلَمُوۡنَ ، فعل مضارع جمع مذکر غائب عَلِمَ یَعۡلَمُ ، مصدر عِلۡمًا، جاننا، وہ جان لیں گے،

آیت ۶ تا ۱۷

اَلَمۡ نَجۡعَلِ الۡاَرۡضَ مِهٰدًا (۶) وَّالۡجِبَالَ اَوۡتَادًا (۷) وَّخَلَقۡنٰكُمۡ اَزۡوَاجًا (۸) وَّجَعَلۡنَا نَوۡمَكُمۡ سُبَاتًا (۹) وَّجَعَلۡنَا الَّيۡلَ لِبَاسًا (۱۰) وَّجَعَلۡنَا النَّهَارَ مَعَاشًا (۱۱) وَّبَنَيۡنَا فَوۡقَكُمۡ سَبۡعًا شِدَادًا (۱۲) وَّجَعَلۡنَا سِرَاجًا وَّهَّاجًا (۱۳) وَّاَنۡزَلۡنَا مِنَ الۡمُعۡصِرٰتِ مَآءً ثَجَّاجًا (۱۴) لِّنُخۡرِجَ بِهٖ حَبًّا وَّنَبَاتًا (۱۵) وَّجَنّٰتٍ اَلۡفَافًا (۱۶) اِنَّ يَوۡمَ الۡفَصۡلِ كَانَ مِيۡقَاتًا (۱۷)

ترجمہ:

کیا ہم نے زمین کو فرش نہیں بنایا۔(۶) اور پہاڑوں کو میخیں۔(۷) اور ہم نے تمھیں جوڑا جوڑا پیدا کیا۔(۸) اور ہم نے تمھاری نیند کو (باعث) آرام بنایا۔(۹) اور ہم نے رات کو لباس بنایا۔(۱۰) اور ہم نے دن کو روزی کمانے کے لیے بنایا۔(۱۱) اور ہم نے تمھارے اوپر سات مضبوط (آسمان) بنائے۔(۱۲) اور ہم نے ایک بہت روشن چراغ بنایا۔(۱۳) اور ہم نے پانی بھرے بادلوں سے کثرت سے برسنے والا پانی اتارا۔(۱۴) تاکہ ہم اس کے ساتھ غلہ اور پودے اگائیں۔(۱۵) اور گھنے باغات۔(۱۶) یقیناً فیصلے کا دن ایک مقرر وقت ہے۔(۱۷)

تفسیر:

حیات بعد الموت پر اجمالی شواہد اور دلائل:

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتا دیا تھا کہ کفار حیات بعد الموت کا اور حشر اجساد کا انکار کرتے ہیں، ان کے انکار کی بنیاد یہ تھی کہ جب انسان مر کر مٹی ہو جائے گا، اور ایک مردہ کی مٹی دوسرے مردے کی مٹی میں مل جائے گی اور تیز ہواؤں اور آندھیوں سے ان کے ذرات دور دراز علاقوں میں پہنچ جائیں گے تو کیسے معلوم ہوگا کہ کونسا ذرہ کس انسان کا ہے اور کونسا ذرہ

دوسرے انسان کا ہے؟ ان کے اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ جس کا علم ناقص ہو وہ ان مختلط ذرات کو باہم ممتاز نہیں کرسکتا اور جس کی قدرت ناقص ہو وہ ان بکھرے ہوئے ذرات کو جوڑ کر پھر ویسا ہی انسان بنا کر کھڑا نہیں کرسکتا، اللہ تعالیٰ کا علم بھی کامل ہے اور اس کی قدرت بھی کامل، پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے علم اور اپنی قدرت کے کمال پر النبا ۱٦ :۔٦ تک شواہد پیش کیے کہ اس نے زمین کو فرش بنایا، اس میں پہاڑوں کی میخیں لگائیں، انسانوں کو پیدا کیا، دن اور رات کا نظام بنایا، سات مضبوط آسمان بنائے، سورج اور بادلوں کو پیدا کیا، زمین سے غلہ اور سبزہ اور گھنے باغات لگائے، کیا جس نے یہ ساری کائنات تخلیق کی ہے وہ تم کو دوبارہ پیدا نہیں کرسکتا اور آخرت میں تمہارا محاسبہ نہیں کرسکتا اور نیکو کاروں کو ثواب اور گناہ گاروں کو عذاب نہیں دے سکتا؟۔

فرمایا :اور پہاڑوں کو میخیں۔

"اوتاد" کا معنی

اس آیت میں ـــ"اوتاد ـــ" کا لفظ ہے، یہ ـــ"وتد ـــ" کی جمع ہے ـــ"وتد ـــ" کا معنی ہے : میخ اور کیل، اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو فرش بنا کر اس میں پہاڑوں کی میخیں لگا دیں تا کہ زمین اپنی جگہ قائم رہے، اس آیت میں پہاڑوں کو میخوں کے ساتھ تشبیہ دی ہے کہ جس طرح میخ کو جب کسی چیز میں گاڑ دیا جائے تو وہ اس چیز کو قائم رکھتی ہے، اسی طرح جب پہاڑوں کو گاڑ کر زمین کو قائم فرمایا۔

فرمایا :اور ہم نے تم کو جوڑا جوڑا پیدا کیا۔

"زوج" کے معنی سے اللہ تعالیٰ کی قدرت پر استدلال

اس آیت میں ـــ"زوج ـــ" کا لفظ ہے، علامہ محمد بن یعقوب فیروز آبادی متوفی ٨١٧ھ ـــ"زوج ـــ" کے معنی میں لکھتے ہیں:

ـــ"زوج ـــ" شوہر، بیوی، طاق (فرد کے خلاف) یعنی جفت کو کہا جاتا ہے، دو چیزوں کے لیے کہا جاتا ہے کہ وہ ـــ"زوج ـــ" ہیں۔

(القاموس المحیط ص ١٩٢، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، ١٤٢٤ھ)

اس آیت میں ـــ"زوج ـــ" سے یہی آخری معنی مراد ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس حال میں پیدا کیا ہے کہ تمہاری دو صفتیں ہیں اور تم دونوں کی وجہ سے نسل انسانی کا فروغ ہو رہا ہے اور زوج کا اطلاق ہر اس چیز پر کیا جاتا ہے جس کی دو مشقین ہوں، عام ازیں کہ وہ جان دار چیزیں ہوں یا بے جان چیزیں ہوں، جیسے میاں بیوی، جرابیں، موزے اور جوتے وغیرہ، اسی طرح وہ متقابل چیزوں پر بھی زوج کا اطلاق کیا جاتا ہے، جیسے فقر اور غنا، صحت اور مرض، علم اور جہل اور قوت اور ضعف وغیرہ، اسی طرح قبیح اور حسین، طویل القامت اور قصیر القامت وغیرہ اضداد پر بھی زوج کا اطلاق کیا جاتا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی کمال قدرت اور انتہائی حکمت پر واضح دلیل ہے کہ اس نے غنی اور فقیر، صحت مند اور بیمار اور توانا اور کمزور متضاد صفات کے

حامل انسان پیدا کیے تا کہ ان کا امتحان اور آزمائش ہو سکے اور یہ دیکھا جائے کہ غنی اور صحت مند، صحت اور خوش حالی پر شکر کرتا ہے، نہیں اور فقیر اور بیمار اپنے فقر اور مرض پر صبر کرتا ہے یا نہیں، کیونکہ انسان بیماری کی حالت میں صحت کی قدر کرتا ہے اور فقر کی حالت میں خوش حالی کی قدر کرتا ہے۔

فرمایا :اور ہم نے تمہاری نیند کو راحت بنایا۔

"نوم" اور "سبات" کے معانی اور نیند کو "سبات" فرمانے کی وجوہ:

اس آیت میں دو لفظ ہیں :"نوم" اور "سبات" علامہ راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ "نوم" کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"نوم" کے کئی معانی بیان کیے گئے ہیں اور وہ سب صحیح ہیں:

(۱) رطب (تر) بخارات کے دماغ کی طرف چڑھنے کی وجہ سے دماغ کے پٹھوں کا ڈھیلا پڑ جانا۔

(۲) اللہ تعالیٰ نفس کو بغیر موت کے وفات دے دے، قرآن مجید میں ہے:

اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا (الزمر :۴۲)

اللہ ہی روحوں کو ان کی موت کے وقت قبض فرماتا ہے اور جن کو موت نہیں آئی ان کی روحوں کو نیند کے وقت قبض فرماتا ہے۔

(۳) نیند خفیف موت ہے اور موت ثقیل نیند ہے۔ (المفردات ج ۲ ص ۶۶۰، مکتبہ نزار مصطفی، مکہ مکرمہ، ۱۴۱۸ھ)

"سبت" کے اصل معنی ہیں :"نقطع" یعنی کسی کام کو منقطع کرنا، ہفتہ کے دن کو "یوم السبت" کہا جاتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کی تخلیق اتوار کے دن سے شروع کی اور چھ دنوں میں اس تخلیق کو مکمل کر لیا، پھر ہفتہ کے دن اس نے اپنے عمل کو منقطع کر دیا تو اس لیے اس کا نام "یوم السبت" ہوا، یعنی کام منقطع کرنے کا دن، قرآن مجید میں ہے:

اِذْ يَعْدُوْنَ فِي السَّبْتِ اِذْ تَاْتِيْهِمْ حِيْتَانُهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا وَّيَوْمَ لَا يَسْبِتُوْنَ لَا تَاْتِيْهِمْ (الاعراف :۱۶۳)

جب وہ (بنو اسرائیل) ہفتہ کے دن تجاوز کرتے تھے، جب ان کے کام کے انقطاع کے دن مچھلیاں ظاہر اً سامنے آتی تھیں اور جس دن وہ کام منقطع کرتے تھے (ہفتہ کے دن) اس دن وہ ان کے سامنے نہیں آتی تھیں۔

اور فرمایا: اور ہم نے تمہاری نیند کو کام کاج کے انقطاع کا ذریعہ بنا دیا یعنی راحت۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نیند کو "سبات" فرمایا یعنی قطع کا ذریعہ اور سبب، سو اس کی علماء نے حسب ذیل توجیہات کی ہیں۔

(۱) زجاج نے کہا :نیند انسان کے اعمال اور اس کی حرکات کے منقطع ہونے کا سبب ہے، اس لیے اس کو "سبات" فرمایا۔

(۲) قرآن مجید میں نیند کو موت فرمایا ہے(الزمر ٤٢ :)اس لیے بیداری کو حیات اور معاش یعنی روزی کمانے کا ذریعہ فرمایا ہے

(۳) لیث نے کہا :"السبات" ایسی نیند ہے جو بے ہوشی کے مشابہ ہے، اگر چہ ہر نیند ایسی نہیں ہوتی لیکن وجہ تسمیہ کے لیے جامع ہونا ضروری نہیں ہے۔

(٤) "سبات" کا معنی قطع ہے یعنی ٹکڑے ٹکڑے اور انسان کو نیند بھی ٹکڑے ٹکڑے کر کے اور قطع وار آتی ہے، ایسا نہیں ہوتا کہ انسان مسلسل کئی دن سوتا رہے، وہ چند گھنٹے سوجاتا ہے، پھر جاگ کر کام کام کرتا ہے، پھر سوجاتا ہے تو اس کو نیند قطعات کی صورت میں آتی ہے۔

(٥) انسان جب کام کرنے سے تھک جاتا ہے تو کام منقطع کر کے سوجاتا ہے اور یہ نینداس کی تھکاوٹ کو زائل کر دیتی ہے، پس اس تھکاوٹ کے ازالہ کو "سبات"، فرمایا یعنی تھکاوٹ کو قطع کرنا۔ اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی نیند کو راحت بنا دیا۔

(٦) مبرد نے کہا :جب انسان پر نیند کا غلبہ ہو اور انسان اس نیند کو دور کرنے اور منقطع کرنے کی کوشش کرے تو عرب اس کو بھی "سبات" کہتے ہیں، اس صورت میں اس آیت کا معنی یہ ہے کہ ہم نے تمہاری نیند کو خفیف اور ہلکی بنایا ہے تا کہ تمہارے لیے اس نیند کو منقطع کرنا آسان ہو۔

فرمایا :اور ہم نے رات کو پردہ پوش بنایا۔

لباس کا معنی اور رات کو لباس فرمانے اور اس کے نعمت ہونے کی وجوہ

اس آیت میں "لباس" کا لفظ ہے، علامہ محمد بن ابوبکر رازی حنفی متوفی ٦٦٠ھ لکھتے ہیں:

"لباس" کا ایک معنی ہے :اشتباہ، یعنی کسی شخص پر کوئی معاملہ خلط ملط کر دینا، قرآن مجید میں ہے:

وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ. (الانعام :٩)

اور اگر ہم فرشتہ کو رسول بناتے تو ہم اس کو انسان ہی بناتے اور ہم ان پر اسی چیز کا التباس اور اشتباہ ڈال دیتے جس کا التباس اور اشتباہ انھیں اب ہو رہا ہے۔

اور لباس اس چیز کو کہتے ہیں جس کو پہنا جائے، مرد عورت کا لباس ہے اور عورت مرد کا لباس ہے، قرآن مجید میں ہے:

هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ (البقرہ :١٨٧)

وہ (بیویاں) تمہارا لباس ہیں اور تم ان کا لباس ہو۔

وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ذٰلِكَ خَيْرٌ (الاعراف :٢٦)

اور تقویٰ کا لباس یہی زیادہ بہتر ہے۔

تقوی کے لباس سے مراد حیا ہے (یعنی اللہ تعالیٰ کے خوف سے یا عذاب کے ڈر سے فحش کاموں اور دیگر برائیوں کو ترک کر دینا)۔(مختار الصحاح ص ٣٤٣،دار احیاء التراث العربی، بیروت،١٤١٩ھ)
ہر وہ چیز جو انسان کی قبیح چیزوں کو ڈھانپ لے، اس کو لباس کہتے ہیں، شوہر بیوی کا لباس ہے کیونکہ بیوی کی ضروریات اور اس کی خواہش کو پورا کرنے کی وجہ سے وہ بیوی کو فحش اور غلط کاموں کے ارتکاب سے روکتا ہے، اسی طرح بیوی شوہر کا لباس ہے کیونکہ اس کی خدمت اور اس کی خواہش پوری کرنے کی وجہ سے وہ شوہر کو غلط راہوں پر جانے سے روکتی ہے۔
قفال نے کہا :اصل میں لباس ڈھانپنے کی چیز کو کہتے ہیں اور چونکہ رات اپنی ظلمت اور اندھیرے کی وجہ سے لوگوں کو ڈھانپ لیتی ہے، اس لیے رات کو لباس فرمایا ہے، اور رات انسان کے حق میں اس لیے نعمت ہے کہ جب انسان اپنے دشمن سے چھپنا چاہے تو رات اس کے لیے ساتر ہوتی ہے اور جس طرح لباس کی وجہ سے انسان کا جمال زیاد اور کامل ہوتا ہے اور لباس کی وجہ سے وہ سردی اور گرمی کے ضرر کو دور کرتا ہے، اسی طرح رات کی نیند کی وجہ سے انسان کا حسن و جمال زیادہ ہوجا تا ہے، اس کی تھکاوٹ کے زائل ہونے کی وجہ سے اس کے چہرے سے اضمحلال دور ہوجا تا ہے اور وہ تر و تازہ اور شاداب ہوجا تا ہے اور اس کے دماغ سے تفکرات کا ہجوم نکل جا تا ہے اور وہ پر سکون ہوجا تا ہے۔
فرمایا :اور ہم نے دن کو روزی کمانے کا وقت بنایا۔

"معاش" کا معنی اور اس کے نعمت ہونے کی توجیہ:

اس آیت میں "معاش" کا لفظ ہے "معاش" "عیش" سے بنا ہے "عیش کے معنی ہے :وہ حیات جو جان داروں کے ساتھ مخصوص ہے، کیونکہ مطلقاً حیات کا لفظ تو حیوان کے علاوہ اللہ تعالیٰ کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے، اسی لفظ سے معیشت بنا ہے۔(المفردات ج٢ ص ٤٠٨)
معیشت کا معنی ہے :حیات کے ذرائع اور وسائل یعنی زندگی گزارنے کے اسباب۔
فرمایا :اور ہم نے تمہارے اوپر سات مضبوط آسمان بنائے۔

لفظ "بنینا" لانے کی حکمت:

"شداد" کا لفظ "شدیدۃ" کی جمع ہے یعنی جس کی تخلیق مضبوط اور محکم ہو اور وقت کے گزرنے سے اس میں کوئی تغیر نہ ہو سکے اور اس میں نہ کوئی ٹوٹ پھوٹ ہو سکے اور نہ اس میں کوئی شکایت پڑ سکے، اس کی نظیر یہ آیت ہے:

وَجَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا مَّحْفُوْظًا (الانبیاء :٣٢)

اور ہم نے آسمان کو محفوظ چھت بنا دیا ہے۔
اس آیت میں "بنینا" کا لفظ ہے، اس کا معنی ہے :ہم نے بنیاد رکھی اور بنیاد مکان کے نیچے ہوتی ہے اور چھت اوپر ہوتی ہے تو چھت بنانے کے لیے لفظ "بنینا" کو لانے کی کیا حکمت ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ بنیاد ٹوٹ پھوٹ سے محفوظ

ہوتی ہے، جب کہ چھت میں ٹوٹ پھوٹ کا خطرہ ہوتا ہے، تو "بنینا" کا لفظ لا کر یہ ظاہر فرمایا ہے کہ یہ چھت کی بنیاد کی طرح مضبوط ہے اور ٹوٹ پھوٹ کے خطرہ سے محفوظ ہے۔

فرمایا: اور ہم نے سورج کو چمکتا ہوا چراغ بنایا۔

"وھاج" کا معنیٰ:

اس آیت میں "وھاج" کا لفظ ہے، یہ مبالغہ کا صیغہ ہے اور یہ "وھج" سے بنا ہے "وھج" کا معنی ہے: روشن ہونا، چمکنا اور بھڑکنا، سو اس کا معنی ہے: بہت زیادہ روشن۔

بعض علماء نے کہا: الوھج" کا معنی ہے: "مجمع النور والحرارۃ" گویا اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ سورج انتہائی درجہ کا روشن اور انتہائی درجہ کا گرم ہے، کلبی نے حضرت ابن عباس (رض) سے روایت کیا ہے کہ "الوھاج" صرف نور کا مبالغہ ہے، اور الخلیل کی کتاب میں لکھا ہے کہ "الوھج" آگ اور سورج کی گرمی ہے۔

اس کا تقاضا ہے کہ "الوھاج" حرارت کا مبالغہ ہو یعنی انتہائی گرم اور روشن۔

فرمایا: اور ہم نے برسنے والے بادلوں سے زوردر بارش نازل کی۔

المعصرٰت کا معنیٰ:

اس آیت میں "المعصر ات" کا لفظ ہے، اس کا واحد "المعصر ۃ" ہے، اس کا لغوی معنی ہے: نچوڑنے والی، یعنی بادلوں کو نچوڑنے والی ہوائیں۔

"المعصر ات" کی تفسیر میں حضرت ابن عباس (رض) سے دو روایتیں ہیں، ایک روایت یہ ہے کہ اس سے مراد وہ ہوائیں ہیں جو بادلوں کو چیر دیتی ہیں، اور دوسری روایت یہ ہے کہ اس سے مراد بادل ہیں۔

مجاہد، مقاتل، کلبی اور قتادہ نے حضرت ابن عباس (رض) سے یہ روایت کیا ہے کہ "المعصر ات" سے مراد وہ تند و تیز ہوائیں ہیں جو بادلوں کو چیر دیتی ہیں، قرآن مجید میں ہے:

اَللّٰہُ الَّذِیۡ یُرۡسِلُ الرِّیٰحَ فَتُثِیۡرُ سَحَابًا (الروم: ٤٨)

اللہ ہوائیں چلاتا ہے جو بادل کو اٹھاتی ہیں۔

ابو العالیہ، الربیع اور الضحاک نے کہا: "المعصر ات" سے مراد بادل ہیں اور انھوں نے بادلوں کو "المعصر ات" کہنے کی حسب ذیل وجوہ بیان کی ہیں:

(۱) المؤرج نے کہا: لغت قریش میں "المعصر ات" کا معنی بادل ہے۔

(۲) المازنی نے کہا کہ ہوسکتا ہے کہ "المعصر ات" ہی بادل ہوں، جو نچڑتے ہیں کیونکہ جب نچوڑنے والی چیزیں بادلوں کو نچوڑتی ہیں تو ان سے پانی برستا ہے اور بارش ہوتی ہے۔

(۳) "المعصرات" سے مراد وہ بادل ہیں جو نچڑنے کے قریب ہوتے ہیں کیونکہ جب ہوائیں ان بادلوں کو نچوڑتی ہیں تو وہ برسنے لگتے ہیں، جس طرح جب فصل کٹنے کے قریب ہو تو کہا جاتا ہے فصل کٹ گئی۔

"ثجاج" کا معنی ہے :

زور وشور کے ساتھ برسنے والا، اس کا معنی ہے : پانی برسنا اور بہنا "ثج" کا مصدر لازم بھی ہوتا ہے اور متعدی بھی ہوتا ہے، گویا اس کا معنی بہنا بھی ہے اور بہانا بھی ہے، حدیث میں بھی "الثج" کا لفظ ہے : جب نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے پوچھا گیا کہ کونسا حج افضل ہے؟ تو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا : "افضل الحج العج والثج" یعنی سب سے افضل حج وہ ہے جس میں بلند آواز سے تلبیہ کہا جائے اور قربانی کے جانوروں کا خون بہایا جائے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث ۷۹۷)

فرمایا : تا کہ ہم اس کے سبب سے غلہ اور سبزہ اگائیں۔ اور گھنے باغات۔

غلہ اور سبزہ اگانے کی تفسیر:

جب یہ پانی زمین تک پہنچ جائے گا اور مٹی اور بیج سے مختلط ہوجائے گا تو ہم اس سے غلہ اور سبزہ اگائیں گے، غلہ سے مراد وہ زرعی پیداوار ہے، جو انسان کی خوراک بنتی ہے، جیسے گندم، جو، چاول اور مختلف دالیں، اور سبزہ سے مراد وہ مختلف اقسام کا چارہ ہے۔ جو جانوروں کی خوراک بنتا ہے، اللہ تعالیٰ نے انسانوں اور حیوانوں دونوں کی خوراک کا بندوبست کیا ہے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

كُلُوْا وَارْعَوْا اَنْعَامَكُمْ (طه :۵۴)

تم خود کھاؤ اور اپنے جانوروں کو چراؤ۔

فرمایا : اور گھنے باغات۔

تا کہ انسان باغات کے پھلوں سے نئے نئے ذائقوں کی لذت حاصل کرنے جنت کا اصل معنی ستر اور چھپانا ہے، ڈھال کو "جنۃ" اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ دشمن کے وار کے لیے ستر ہوتی ہے، گھنے باغات سے مراد کھجور اور دوسرے پھلوں کے باغات ہیں "الفافا" کے معنی ہیں : ایک دوسرے سے لپٹے ہوئے یعنی گھنے۔ شجر اس درخت کو کہتے ہیں جس کی بہ کثرت گھنی اور سایہ دار شاخیں ہوتی ہیں، درخت کی شاخیں جب ایک دوسرے میں گھسی ہوئی ہوتی ہیں تو وہ گھنا ہوتا ہے اور خوب صورت معلوم ہوتا ہے۔

فرمایا : بیشک فیصلہ کا دن مقرر شدہ وقت ہے۔

حیات بعد الموت پر دلائل اور شواہد کا خلاصہ ہے

اس آیت میں جو فرمایا ہے : بیشک فیصلہ کا دن مقرر شدہ وقت ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ یہ دن اللہ تعالیٰ کی تقدیر میں ہے،

اللہ تعالیٰ نے پہلے سے ایک دن مقرر فرمایا ہے جس میں قیامت قائم ہوگی، اس دن تمام لوگ ختم ہو جائیں گے اور ان کے اعمال بھی منقطع ہو جائیں گے، پھر ایک اور دن مقرر فرما دیا ہے جس میں صور پھونکا جائے گا تو تمام مردہ لوگ زندہ ہو جائیں گے اور جو بے ہوش تھے وہ ہوش میں آجائیں گے، پھر سب لوگوں کو جمع کر کے ان کا حساب لیا جائے گا، نیکوں کو ثواب دیا جائے گا اور بدکاروں کو عذاب دیا جائے گا۔

ترکیب نحوی وتحقیق صرفی:

اَلَمْ نَجْعَلِ (اَ۔ لَمْ نَجْعَلْ) اَ، ہمزہ استفہامیہ، کیا، لَمْ نَجْعَلْ، فعل مضارع منفی جحد بلم مجزوم جمع متکلم جَعَلَ یَجْعَلُ، مصدر جَعْلًا، بنانا، مِهٰدًا، اسم (بچھونا، قرارگاہ، فرش) وَّالْجِبَالَ اَوْتَادًا وَ، حرف عطف (اور) اَلْجِبَالَ (پہاڑوں) واحد، جَبَلٌ۔ اَوْتَادًا (میخیں) واحد، وَتَدٌ۔ وَّخَلَقْنٰكُمْ اَزْوَاجًا وَ، حرف عطف (اور) خَلَقْنٰكُمْ (خَلَقْنَا۔ كُمْ) خَلَقْنَا، فعل ماضی جمع متکلم خَلَقَ يَخْلُقُ، مصدر خَلْقًا، پیدا کرنا، ہم نے پیدا کیا، كُمْ، ضمیر جمع مذکر حاضر، اَزْوَاجًا (جوڑے، ہم مثل چیزیں، نر اور مادہ) واحد، زَوْجٌ۔ وَّجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا وَ، حرف عطف (اور) جَعَلْنَا، فعل ماضی جمع متکلم جَعَلَ يَجْعَلُ، مصدر جَعْلًا، بنانا (ہم نے بنایا) نَوْمَكُمْ (نَوْمَ۔ كُمْ) نَوْمَ، مضاف، نیند، كُمْ، مضاف الیہ، ضمیر جمع مذکر حاضر، تمہاری (تمہاری نیند) سُبَاتًا۔ سَبَتَ يَسْبُتُ، کا مصدر ہے بمعنی (قطع عمل کے ہے، آرام، راحت، تھکان کا دفع کرنا) وَّجَعَلْنَا الَّيْلَ لِبَاسًا وَ، حرف عطف (اور) جَعَلْنَا، فعل ماضی جمع متکلم جَعَلَ يَجْعَلُ، مصدر جَعْلًا، بنانا (ہم نے بنایا) اَلَّيْلَ (رات) لِبَاسًا، جو جسم کو ڈھانپ لے (لباس) وَّجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا وَ، حرف عطف (اور) جَعَلْنَا، فعل ماضی جمع متکلم جَعَلَ يَجْعَلُ، مصدر جَعْلًا، بنانا (ہم نے بنایا) اَلنَّهَارَ (دن) مَعَاشًا، مصدر میمی، اسم ظرف، زندگی بسر کرنا، روزی کمانا، وقت معاش، روزی تلاش کرنے کا وقت وَّبَنَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا شِدَادًا وَ، حرف عطف (اور) بَنَيْنَا، فعل ماضی جمع متکلم بَنٰى يَبْنِيْ، مصدر بِنَآءٌ، بنانا، تعمیر کرنا (ہم نے بنائے) فَوْقَكُمْ (فَوْقَ۔ كُمْ) فَوْقَ، مضاف، اوپر، كُمْ، مضاف الیہ، ضمیر جمع مذکر حاضر، تمہارے (تمہارے اوپر) سَبْعًا شِدَادًا۔ سَبْعًا، موصوف، اسم عدد مؤنث، سات، شِدَادًا، صفت، واحد، شَدِيْدٌ شَدٌّ، مصدر سے صفت مشبہ، سخت، مضبوط (سات مضبوط (آسمان)) وَّجَعَلْنَا سِرَاجًا وَّهَّاجًا وَ، حرف عطف (اور) جَعَلْنَا، فعل ماضی جمع متکلم جَعَلَ يَجْعَلُ، مصدر جَعْلًا، بنانا (ہم نے بنایا) سِرَاجًا وَّهَّاجًا۔ سِرَاجًا، موصوف، چراغ، مجازاً سورج اور ہر روشن چیز کیلئے استعمال ہوتا ہے، وَهَّاجًا۔ وَهْجٌ، مصدر سے مبالغہ کا صیغہ، بہت روشن (ایک بہت روشن چراغ (سورج)) وَّاَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرٰتِ مَآءً ثَجَّاجًا وَ، حرف عطف (اور) اَنْزَلْنَا، فعل ماضی جمع متکلم اَنْزَلَ يُنْزِلُ، مصدر اِنْزَالًا، اتارنا، نازل کرنا، برسانا (ہم نے برسایا) مِنَ الْمُعْصِرٰتِ (مِنَ۔ اَلْمُعْصِرٰتِ) مِنَ، حرف جار، سے، اَلْمُعْصِرٰتِ، مجرور، اِعْصَارٌ، مصدر سے اسم فاعل جمع مؤنث، وہ بادل جو پانی سے بھرا ہوتا ہے اور برس کر جانے والا ہوتا ہے، بھرے بادلوں، واحد، اَلْمُعْصِرَةُ (بھرے بادلوں سے) مَآءً ثَجَّاجًا۔ مَآءً، موصوف، پانی، ثَجَّاجًا، صفت، ثَجٌّ، مصدر سے مبالغہ کا صیغہ، زور شور سے پانی کا برسنا، موسلا دھار (موسلا دھار پانی) لِّنُخْرِجَ بِهٖ حَبًّا وَّنَبَاتًا لِنُخْرِجَ (لِ۔ نُخْرِجَ) لِ، لام تعلیل ناصبہ، تاکہ، نُخْرِجَ، فعل مضارع منصوب جمع متکلم اَخْرَجَ يُخْرِجُ مصدر اِخْرَاجًا، نکالنا، ہم نکالیں (تاکہ ہم نکالیں) بِهٖ (بِ۔ هٖ) بِ، حرف جار، کے ذریعے، هٖ، مجرور، ضمیر واحد مذکر غائب، اس، ضمیر کا مرجع، مَآءً، ہے (اس کے ذریعے) حَبًّا (دانہ، غلہ، اناج) جمع، حُبُوْبٌ، وَ، حرف عطف (اور) نَبَاتًا، اسم منصوب نکرہ (زمین سے اگنے والی چیزیں، سبزہ، نباتات) وَّجَنّٰتٍ اَلْفَافًا وَ، حرف عطف (اور) جَنّٰتٍ اَلْفَافًا۔ جَنّٰتٍ، موصوف، باغات، واحد، جَنَّةٌ، اَلْفَافًا، صفت، لپٹے ہوئے گھنے، گنجان درخت، ایک دوسرے سے پیوست (گھنے باغات) اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ كَانَ مِيْقَاتًا اِنَّ، حرف مشبہ بالفعل (بے شک، بلاشبہ) يَوْمَ الْفَصْلِ (يَوْمَ۔ اَلْفَصْلِ) يَوْمَ، مضاف، دن، اَلْفَصْلِ، مضاف الیہ، حق و باطل کی تمیز، فیصلہ کا (فیصلہ کا دن) كَانَ، فعل ناقص ماضی واحد مذکر غائب كَانَ يَكُوْنُ، مصدر كَوْنًا، ہونا (وہ ہے) مِيْقَاتًا، ظرف زمان منصوب نکرہ (ایک مقرر وقت)

آیت ۱۸ تا ۳۰

يَوْمَ يُنفَخُ فِي الصُّورِ فَتَأْتُونَ أَفْوَاجًا (۱۸) وَفُتِحَتِ السَّمَاءُ فَكَانَتْ أَبْوَابًا (۱۹) وَسُيِّرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ سَرَابًا (۲۰) إِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتْ مِرْصَادًا (۲۱) لِلطَّاغِينَ مَآبًا (۲۲) لَابِثِينَ فِيهَا أَحْقَابًا (۲۳) لَا يَذُوقُونَ فِيهَا بَرْدًا وَلَا شَرَابًا (۲۴) إِلَّا حَمِيمًا وَغَسَّاقًا (۲۵) جَزَاءً وِفَاقًا (۲۶) إِنَّهُمْ كَانُوا لَا يَرْجُونَ حِسَابًا (۲۷) وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا كِذَّابًا (۲۸) وَكُلَّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَاهُ كِتَابًا (۲۹) فَذُوقُوا فَلَن نَّزِيدَكُمْ إِلَّا عَذَابًا (۳۰)

ترجمہ:

جس دن صور میں پھونکا جائے گا، توتم فوج درفوج چلے آؤ گے (۱۸) اور آسمان کھولا جائے گا تو وہ دروازے دروازے ہوجائے گا۔ (۱۹) اور پہاڑ چلائے جائیں گے تو وہ سراب بن جائیں گے۔ (۲۰) یقیناً جہنم ہمیشہ سے ایک گھات کی جگہ ہے۔ (۲۱) سرکشوں کے لیے ٹھکانا ہے (۲۲) وہ مدتوں اسی میں رہنے والے ہیں۔ (۲۳) نہ اس میں کوئی ٹھنڈ چکھیں گے اور نہ کوئی پینے کی چیز۔ (۲۴) مگر گرم پانی اور بہتی پیپ۔ (۲۵) پورا پورا بدلہ دینے کے لیے۔ (۲۶) بلاشبہ وہ کسی حساب کی امید نہیں رکھتے تھے۔ (۲۷) اور انھوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا، بری طرح جھٹلانا۔ (۲۸) اور ہر چیز، ہم نے اسے لکھ کر محفوظ کر رکھا ہے۔ (۲۹) پس چکھو کہ ہم تمھیں عذاب کے سوا ہرگز کسی چیز میں زیادہ نہیں کریں گے۔ (۳۰)

تفسیر:

فرمایا: جس دن یوم صور میں پھونکا جائے گا۔

نفخ صور کی تشریح:

حدیث نفخ صور (ب ۱ ترمذی ص ٤٦٧) میں صور کی تشریح موجود ہے۔ صحابہ کرام (رض) نے حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے دریافت کیا۔ تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ صور کو ایک سینگ کی مانند سمجھو جس کا ایک کنارہ باریک اور دوسرا پھیلا ہوا ہوتا ہے۔ اسرافیل (علیہ السلام) فرشتہ کہ صور کے باریک کنارے میں پھونک مارے گا۔ جو کھلے دہانے سے پھیلے گی۔ قرآن حکیم سے معلوم ہوتا ہے کہ صور دو دفعہ پھونکا جائے گا۔ پہلی پھونک پر تمام جانداروں پر موت طاری ہوجائے گی۔ یہ سارا نظام درہم برہم ہوجائے گا۔ یہ فنا کا صور ہوگا۔ جب دوسری دفعہ صور پھونکا جائے گا۔ تو تمام مردے زندہ ہوجائیں گے۔ ادر پھر ان کا محاسبہ ہوگا اس کی تفصیلات موجود ہیں۔

حدیث شریف (ب ۲ مسلم ص ٤٠٦ ج ۲ و تجاری ص ٧٣٥ ج ۲) میں آتا ہے کہ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کہ پہلے اور دوسرے صور کے درمیان چالیس ٤٠ کی مسافت ہے۔ صحابہ (رض) نے پوچھا کہ چالیس ٤٠ سال حضرت ابوہریرہ (رض) نے کہا میں نہیں کہہ سکتا۔ صحابہ (رض) نے پھر پوچھا کہ! چالیس دن؟ انھوں نے کہا میں نہیں کہہ سکتا۔ بہرحال دوصور کے درمیان چالیس ٤٠ دن یا چالیس سال کی مسافت ہوگی۔ پہلی بار صور پر تمام نظام ملیامیٹ ہوجائے گا۔ اور دوسری

بارصور پر پھر زندہ ہوجائینگے۔ایک دوسری حدیث (ب ۳ ترمذی ص ٤٦٦) میں حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے یہ الفاظ بھی آتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا! میں کس طرح خوش رہ سکتا ہوں جب کہ صور پھونکنے والے فرشتے نے صور منہ میں پکڑا ہوا ہے پیشانی جھکائی ہوئی ہے۔اور کان لگائے ہوئے منتظر ہے کہ کب حکم ہو اور وہ پھونک مارے۔

تو فرمایا جس دن صور پھونکا جائے گا فتاتون افواجا تو تم چلے آؤ گے فوج درفوج غول کے غول یا جھنڈ کے جھنڈ۔ دوسری روایت میں وضاحت ہے کہ۔جس طرف سے آواز آرہی ہوگی۔لوگ اس طرف ایسے دوڑیں گے، جیسے تیر نشانے کی طرف جاتا ہے۔

(ب ۳ ترمذی ص ٤٦٦ ۔ ٤ عرف شذی ص ٤٦٩)

صور پھونکنے پر مختلف ارواح اپنے اپنے اجسام کے ساتھ بالکل اسی طرح منسلک ہوجائیں گی جس طرح وہ دنیا میں ہوا کرتے تھے جو بھی نیکی یا بدی انھوں نے دنیا کی زندگی میں کی تھی، وہ ان کے ساتھ ہوگی دوسری جگہ قرآن پاک میں موجود ہے کہ جب انسان دوبارہ زندہ کئے جائیں گے ھم یوزعون الگ الگ کر دیا جائے گا۔یعنی کافر الگ ہوں گے، مومن الگ ہوں گے، اطاعت والے علیحدہ ہوں گے اور معصیت میں ملوث علیحدہ۔زانی، قاتل چور وغیرہ ہر قسم کے لوگ اپنے اپنے گروہ میں شامل ہوں گے۔اس طرح خوش عقیدہ گروہ الگ ہوگا اور بد اعتقاد لوگ اپنے ٹولہ میں ہوں گے۔صابر وشاکر اپنے ساتھیوں کے ساتھ اٹھیں گے اور ناشکر گذار اپنے جیسوں کے ہمراہ ہوگے۔اس طرح گویا تمام اقسام کے لوگ گروہ در گروہ آگے جائیں گے۔بعض ضعیف روایات میں آتا ہے کہ اس وقت بعض لوگوں کی شکلیں بندروں کی ہوں گی اور بعض کی خنزیروں جیسی۔ بعض کے ہاتھ پاؤں ٹوٹے ہوں گے اور بعض کی زبانیں لٹک رہی ہوں گی۔گویا مختلف جرائم میں ملوث لوگ اپنی بدعقیدگی، اور بداعمالی اور بداخلاقی کی بنیاد پر اپنے اپنے گروہوں میں اکٹھے ہوں گے۔

(ب ۱ تفسیر درمنثور ص ۳۰۷ ج ۲ تفسیر عزیز فارسی ص ۱۲ پ ۳۰ روح المعانی ص ۱۲ ج ۳۰)

فرمایا؛ اور آسمان کھول دیا جائے گا تو اس میں دروازے بن جائیں گے۔

آسمان کے دروازوں کا ثبوت

اس آیت کا معنی ہے :فرشتوں کے نزول کے لیے آسمان میں دروازے بن جائیں گے، قرآن مجید میں ہے :

وَيَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ وَنُزِّلَ الْمَلٰٓئِكَةُ تَنْزِيْلًا ۔ (الفرقان :۲۵)

جس دن آسمان بادل سمیت پھٹ جائے گا اور فرشتوں کو لگاتار اتارا جائے گا۔

ایک قول یہ ہے کہ آسمان ٹکڑے ٹکڑے ہوجائے گا اور دروازوں کی مثل ہوجائے گا، ایک قول یہ ہے کہ دروازوں سے مراد آسمان کے راستے ہیں، ایک قول یہ ہے کہ آسمان بکھر جائے گا اور اس میں درازے بن جائیں گے، ایک قول یہ ہے کہ ہر شخص کے لیے آسمان میں دو دروازے ہیں، ایک دروازے سے اس کے نیک اعمال اوپر کی طرف چڑھتے ہیں اور دوسرے

دروازے سے اس کا رزق آسمان سے اترتا ہے، اور جب قیامت قائم ہوگی تو آسمان کے دروازے کھول دیئے جائیں گے، آسمان کے دروازوں کا اس حدیث میں ذکر ہے:

شب معراج کی حدیث میں ہے : پھر ہم کو آسمان کی طرف لے جایا گیا، حضرت جبرائیل نے دروازہ کھلوایا تو پوچھا گیا : تم کون ہو؟ انھوں نے کہا : میں جبرائیل ہوں، کہا گیا : تمہارے ساتھ کون ہے؟ انھوں نے کہا : حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پوچھا گیا : کیا ان کو بلایا گیا ہے؟ کہا ہاں! ان کو بلایا گیا ہے، پھر ہمارے لیے دروازہ کھول دیا گیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث ۳۴۹ : ،صحیح مسلم رقم الحدیث ۱۶۳ : ،السنن الکبریٰ رقم الحدیث ۳۱۴ :)

قرآن مجید کی درج ذیل آیات میں آسمان کے دروازوں کا صراحتہً ذکر ہے:

إِنَّ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَاسْتَكْبَرُوا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ أَبْوَابُ السَّمَاءِ (الاعراف :۴۰)

جن لوگوں نے ہماری آیات کی تکذیب کی اور ان پر ایمان لانے سے تکبر کیا ان کے لیے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے۔

فرمایا : اور پہاڑ چلائے جائیں گے تو وہ سراب بن جائیں گے۔

قیامت کے دن پہاڑوں کے چھ احوال:

اس آیت میں "سراب" کا لفظ ہے، شدید گرمی میں دوپہر کے وقت دھوپ کی تیزی سے ریگستان میں جو ریت پانی کی طرح چمکتی ہوئی نظر آتی ہے اور دور سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پانی بہ رہا ہے اور درختوں کا عکس اس میں دکھائی دے رہا ہے اس کو سراب کہتے ہیں کیونکہ اس چمکتی ہوئی ریت پر نظر پڑنے سے پانی کا دھوکا ہو جاتا ہے، اس لیے دھوکے اور فریب کے لیے سراب کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔

اور اس آیت میں "سیرت" کا لفظ ہے، اس کا معنیٰ ہے : کسی چیز کو جڑ سے اکھاڑ دینا یا کسی چیز کو اپنی جگہ سے ہٹا دینا۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں پہاڑوں کے حسب ذیل احوال ذکر فرمائے ہیں:

(۱) پہلا حال یہ ہے کہ پہاڑوں پر ایک ضرب لگا کر ان کو جڑ سے اکھاڑ دیا جائے گا اور اپنی جگہ سے ہٹا دیا جائے گا:

وَحُمِلَتِ الْأَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَاحِدَةً۔ (الحاقہ :۱۴)

اور زمین اور پہاڑوں کو اٹھا لیا جائے گا اور ان کو ایک ضرب سے توڑ کر ریزہ ریزہ کر دیا جائے گا۔

(۲) دوسرا حال یہ ہے کہ پہاڑ دھنی ہوئی رنگین اون کی طرح اڑ رہے ہوں گے:

وَتَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوشِ۔ (القارعہ :۵)

اور پہاڑ دھنکی ہوئی رنگین اون کی طرح ہو جائیں گے۔

(۳) تیسرا حال یہ ہے کہ پہاڑ بکھرے ہوئے ذرات کے غبار کی طرح ہوجائیں گے:

وَّبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا۔ فَكَانَتْ هَبَآءً مُّنْبَثًّا۔ (الواقعہ :۵۔۶)

اور پہاڑ ریزہ ریزہ کردیئے جائیں گے۔ پھر وہ بکھرے ہوئے غبار کی طرح ہوجائیں گے۔

(٤) چوتھا حال یہ ہے کہ پہاڑوں کو دھنک دیا جائے گا کیونکہ پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے اور ریزہ ریزہ ہو کر زمین کے مختلف حصوں میں پڑے ہوں گے، پھر اللہ تعالیٰ ہواؤں کے ذریعہ ان کو دھنک ڈالے گا:

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّيْ نَسْفًا۔ (طٰہٰ :۱۰۵)

وہ آپ سے پہاڑوں کے متعلق سوال کرتے ہیں، سو آپ کہیے کہ میرا رب ان کو دھنک ڈالے گا (یعنی ریزہ ریزہ کرکے اڑا دے گا)۔

(٥) پانچواں حال یہ ہے کہ جس طرح کسی سوراخ یا روشن دان سے سورج کی شعاعیں نکلتی ہیں اور ان میں روشنی کے باریک ذرات کے غبار دکھائی دیتے ہیں، اسی طرح جب اللہ تعالیٰ ہواؤں کو بھیجے گا تو وہ پہاڑوں کے ذرات کو اڑائیں گی اور وہ شعاعوں میں باریک ذرات کے منتشر غبار کی طرح دکھائی دیں گے:

وَيَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ وَتَرَى الْاَرْضَ بَارِزَةً (الکہف :۴۷)

اور جس دن ہم پہاڑوں کو چلائیں گے اور تم زمین کو صاف کھلی ہوئی حالت میں دیکھو گے۔

وتری الجبال تحسبها جامدة وهی تمر مرا السحاب (النمل :۸۸)

اور آپ پہاڑوں کو دیکھ کر گمان کرتے ہیں کہ یہ اپنی جگہ جمے ہوئے ہیں حالانکہ وہ بھی بادلوں کی طرح اڑ رہے ہوں گے۔

(٦) پہاڑوں کا چھٹا حال یہ ہے کہ وہ ریزہ ریزہ ہو کر سراب اور فریب نظر ہوجائیں گے اور حقیقت میں لاشی اور معدوم ہوجائیں گے اور جو شخص پہاڑوں کی جگہ دیکھے گا اس کو کوئی چیز نظر نہیں آئے گی جیسے کسی شخص کو دور سے ریگستان میں چمکتا ہوا پانی نظر آتا ہے لیکن حقیقت میں وہاں پانی کا نام ونشان بھی نہیں ہوتا اور اس حال کو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بیان فرمایا:

وَّسُيِّرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ سَرَابًا۔ (النبا :۲۰)

اور پہاڑ چلائے جائیں گے تو وہ سراب بن جائیں گے۔

فرمایا: بیشک دوزخ گھات میں ہے۔

"مرصاد" کا معنی اور مصداق

دوزخ گھات میں ہے، اس کا معنی یہ ہے کہ دوزخ منتظر ہے یعنی جب سے دوزخ بنائی گئی ہے، وہ مجرموں کا انتظار کررہی ہے کہ ان کو کب دوزخ میں ڈالا جائے گا۔

"مرصاد" کے متعلق دو قول ہیں: ایک قول یہ ہے کہ "مرصاد" اسم ظرف ہے اور یہ اس جگہ کا نام ہے جہاں سے گھات لگائی جاتی ہے، جیسے "اضمار" اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں گھوڑوں کو "اضمار" کیا جاتا ہے یعنی پہلے انھیں کچھ

کچھ دن خوب کھلاتے پلاتے ہیں اور بعد میں انھیں کچھ دن بھوکا رکھتے ہیں تا کہ ان کا جسم مضبوط ہوجائے اور مشقت برداشت کرنے کا عادی ہوجائے۔ اس اعتبار سے اس میں دو احتمال ہیں، ایک یہ کہ اس سے مراد وہ جگہ ہے جہاں دوزخ کے محافظ مجرموں کے لیے گھات لگائے بیٹھے ہیں، دوسرا احتمال یہ ہے کہ اس سے مراد وہ جگہ ہے جہاں سے مؤمنین دوزخ کے اوپر سے گزریں گے، کیونکہ قرآن مجید میں ہے:

وَاِنۡ مِّنۡكُمۡ اِلَّا وَارِدُهَا (مریم ۷۱)

تم میں سے ہر شخص دوزخ میں سے گزرے گا۔

پس جنت کے محافظین دوزخ کے پاس مؤمنین کے استقبال کرنے کے لیے گھات لگائے بیٹھے ہوں گے۔

"مرصاد" کے متعلق دوسرا قول یہ ہے کہ "وصد" کا مبالغہ ہے، "وصد" کا معنی ہے: انتظار کرنا اور "مرصاد" کا معنی ہے: بہت شدید انتظار کرنا، گویا کہ دوزخ اللہ کے دشمنوں کا بہت شدید انتظار کر رہی ہے، جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

تَكَادُ تَمَيَّزُ مِنَ الۡغَيۡظِ (الملک ۸)

قریب ہے کہ دوزخ مارے غیظ و غضب کے پھٹ جائے۔

اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ دوزخ کو پیدا کیا جا چکا ہے، کیونکہ اس آیت میں فرمایا ہے: بیشک دوزخ گھات میں ہے یعنی وہ ابتداء سے مجرموں کا انتظار کر رہی ہے اور جب دوزخ کی تخلیق کی جا چکی ہے تو جنت کی بھی تخلیق کی جا چکی ہے کیونکہ دونوں کی تخلیق میں فرق کا کوئی قائل نہیں ہے۔

فرمایا: سرکشوں کا ٹھکانا ہے۔

یعنی دوزخ تمام مجرموں کی گھات میں ہے، خواہ وہ کفار ہوں یا مؤمنین فساق ہوں، وہ انتظار تو تمام مجرموں کا کر رہی ہے لیکن ٹھکانا صرف سرکشوں کا ہے، اور سرکشوں سے مراد وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے سامنے تکبر کرتے ہیں اور اس کی مخالفت اور اس سے معارضہ کرنے میں حد سے بڑھتے ہیں۔

فرمایا: جس میں وہ مدتوں تک رہیں گے۔

"احقاب" کا معنی:

اس آیت میں "احقاباً" کا لفظ ہے یہ "حقب" کی جمع ہے "حقب" کا منی ہے: زمانہ کی ایک مقرر مدت، اس مدت کے تعین میں اہل لغت کا اختلاف ہے، بعض نے کہا: یہ مدت اسی برس ہے، بعض نے کہا: تین سو برس اور بعض نے کہا: تین ہزار برس، قتادہ نے کہا: "احقاب" سے مراد ہے: غیر متناہی زمانہ۔

امام رازی نے لکھا ہے کہ "احقاب" کی تفسیر میں مفسرین سے حسب ذیل وجوہ منقول ہیں:

(۱) کلبی اور مقاتل نے حضرت ابن عباس (رض) سے روایت کیا ہے کہ "احقاب" کا واحد "حقب" ہے اور اس کا معنی ہے: اسی اور کچھ سال اور سال تین سو ساٹھ دنوں کا ہوتا ہے اور ایک دن دنیا کے ہزار سالوں کے برابر ہے، حضرت ابن عمر (رض) نے بھی رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے اس طرح کی روایت کی ہے۔

(۲) ہلال ہجری نے حضرت علی (رض) سے "احقاب" کے متعلق سوال کیا تو حضرت علی نے فرمایا: "احقاب" کا واحد "حقب" ہے، اور اس کا معنی سو سال ہیں، اور ایک سال میں بارہ مہینے ہیں اور ایک مہینہ میں تین دن ہیں اور ایک دن ایک ہزار سال کا ہے۔

(۳) حسن بصری نے کہا: "احقاب" کے متعلق کوئی نہیں جانتا کہ اس سے کتنی مدت مراد ہے لیکن اس کا واحد "حقب" ہے اور اس کی مدت ستر سال ہے اور ہر دن ایک ہزار سال کے برابر ہے۔

اب اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ "احقاب" خواہ کتنا طویل ہو مگر اس کی مدت ہے تو متناہی اور اہل دوزخ کے عذاب کی مدت غیر متناہی ہے؟ اس اعتراض کے حسب ذیل جوابات ہیں:

(۱) "احقاب" اس پر دلالت کرتا ہے کہ اہل دوزخ کو کئی "حقب" تک عذاب دیا جائے گا، ایک "حقب" ختم ہونے کے بعد دوسرا "حقب" شروع ہو جائے گا اور یوں ان کو غیر متناہی "حقب" تک عذاب ہوتا رہے گا۔

(تفسیر مجاہد ص ۳۱۸، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت)

(۲) زجاج نے کہا: اس آیت کا معنی یہ ہے کہ وہ "احقاب" یعنی مدت طویل تک عذاب میں مبتلا رہیں گے، ان کو ٹھنڈک حاصل ہوگی نہ کوئی مشروب، پس "احقاب" کی مدت میں انھیں ایک خاص قسم کا عذاب ہوتا رہے گا اور اس مدت میں ان کو پینے کے لیے صرف گرم پانی اور دوزخیوں کی پیپ دی جائے گی، پھر جب اس "احقاب" کی مدت گزر جائے گی تو ان کو دوسری قسم کا عذاب دیا جائے گا اور یوں ہر "احقاب" کے بعد عذاب کی جنس بدلتی رہے گی اور ان کو غیر متناہی زمانہ تک عذاب ہوتا رہے گا اور کبھی ختم نہیں ہوگا۔

(۳) اگرچہ اس آیت میں مفہوم مخالف سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ "احقاب" کی مدت گزرنے کے بعد اہل دوزخ کا عذاب منقطع ہو جائے گا لیکن اس کے مقابلہ میں صریح قرآن میں یہ مذکور ہے کہ اہل دوزخ کو غیر متناہی زمانہ تک عذاب ہوگا اور صریح دلیل مفہوم مخالف والی دلیل پر مقدم ہوتی ہے اور عذاب ختم نہ ہونے کا صریح ذکر اس آیت میں ہے:

يُرِيدُونَ أَن يَخْرُجُوا مِنَ النَّارِ وَمَا هُم بِخَارِجِينَ مِنْهَا وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيمٌ۔ (المائدة: ۳۷)

کفار دوزخ سے نکلنے کا ارادہ کریں گے حالانکہ وہ اس سے نہیں نکل سکیں گے اور ان کے لیے دوزخ میں دائمی عذاب ہوگا۔

(تفسیر کبیر ج ۱۱ ص ۱۶۔ ۱۵، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس آیت میں یہ دلیل نہیں ہے کہ کس وقت کفار دوزخ سے نکل جائیں گے اور وہ دوزخ میں خلود اور دوام کے ساتھ نہیں رہیں گے، کیونکہ ہر چند کہ "احقاب" کا معنی متناہی زمانہ ہے لیکن دوزخ میں کفار کے لیے ایک "احقاب" نہیں ہوگا بلکہ احقاب کثیرہ غیر متناہیہ ہوں گے، اور اگر بالفرض یہ آیت مفہوم مخالف کے اعتبار سے دوزخ میں کفار کے عدم خلود پر دلالت کرتی ہے تو قرآن مجید کی بہت آیتیں دوزخ میں کفار کے خلود اور دوام پر مفہوم صریح سے دلالت کرتی ہیں۔ مثلاً یہ آیت ہے:

وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنْهَا وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ۔ (المائدہ: ۳۷)

اور کفار دوزخ سے نہیں نکل سکیں گے اور ان کے لیے اس میں دائمی عذاب ہوگا۔

(روح المعانی جز ۳۰ ص ۲۵-۲۴، دارالفکر، بیروت، ۱۴۱۷ھ)

فرمایا: اس میں وہ نہ ٹھنڈک پائیں گے نہ کوئی مشروب۔ سوا کھولتے ہوئے پانی اور پیپ کے۔ یہ ان کے موافق بدلہ ہے۔

"برد" کی تفسیر:

یعنی کفار اور مشرکین بار بار مدتوں تک جس عذاب میں مبتلا رہیں گے، اس میں وہ نہ ٹھنڈک پائیں گے نہ کوئی مشروب، شدید گرمی اور تپش میں رہنے کے باوجود انھیں ٹھنڈی ہوا کا کوئی جھونکا نصیب نہیں ہوگا، اور نہ کوئی سایہ ملے گا جو انھیں دوزخ کی گرمی سے بچا سکے، اور نہ انھیں کوئی مشروب ملے گا جس سے انھیں پیاس میں تسکین حاصل ہو، اور ان کے باطن کی گرمی کو زائل کر دے۔

غساق کا معنی:

نیز اس آیت میں "غساق" کا لفظ ہے، اس کا معنی ہے: ٹھنڈا یخ بدبودار پانی۔ (غریب القرآن) دوزخیوں سے بہنے والا لہو۔ (جلالین، المفردات) حدیث میں ہے کہ اگر "غساق" کا ایک ڈول دنیا میں بہا دیا جائے تو تمام دنیا والوں کے دماغ سڑ جائیں۔ (مجمع بحار الانوار)

علامہ پٹنی نے لکھا ہے: "غساق" کا معنی ہے: دوزخیوں کا بہنے والا لہو یا ان کا دھوون یا آنسو یا زمہریر کی انتہائی ٹھنڈک۔ "قاموس" اور "تاج العروس" میں بھی اس کا معنی زمہریر کی انتہائی ٹھنڈک لکھا ہے۔

امام فخر الدین رازی متوفی ۶۰۶ھ نے "غساق" کے حسب ذیل معانی لکھے ہیں:

(۱) ابو معاذ نے کہا: "غساق" فارسی کا لفظ ہے جس کو عربی بنا لیا ہے، فارس کے لوگ جب کسی چیز سے گھن کھاتے تھے تو اس کو خاشاک کہتے تھے۔

(۲) جس چیز کی ٹھنڈک ناقابل برداشت ہو، اس کو "غساق" کہتے ہیں، زمہریر بھی اسی کو کہتے ہیں۔

(۳) دوزخیوں کی آنکھوں سے جو آنسو بہیں گے اور ان کی کھالوں سے جو خون اور پیپ بہے گا اور ان کی رگوں سے جو گھناؤنی

رطوبات نکلیں گی، اس کو "غساق" کہتے ہیں۔

(٤) "غساق" کا معنی ہے: سخت بد بودار چیز، نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: اگر "غساق" کا ایک ڈول دنیا میں بہا دیا جائے تو تمام بد بودار ہو جائے۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث ٤٨٥٢: ، مسند احمد ج ٣ ص ٣٨، الترغیب والترہیب ج ٤ ص ٨٧٤، مشکوۃ رقم الحدیث: ٢٨٦٥)

(٥) "غاسق" کا معنی ہے: اندھیری رات کی تاریکی، قرآن مجید میں ہے:

وَمِنۡ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ۔ (الفلق: ٣)

(میں پناہ میں آتا ہوں) اندھیری رات کی تاریکی کے شر سے جب وہ پھیل جائے۔

اس اعتبار سے "غساق" ایسا مشروب ہے جو سخت سیاہ اور مکروہ ہوگا اور آدمی اس کو دیکھ کر اس طرح گھبرائے گا جس طرح اندھیری رات کی تاریکی کو دیکھ کر گھبراتا ہے۔

ان معانی کے اعتبار سے اس آیت کا معنی ہے کہ دوزخی سخت کھولتے ہوئے پانی کو پیئے گا یا بد بودار پیپ کو پیئے گا۔

فرمایا: یہ ان کے موافق بدلہ ہے۔

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے دوزخیوں کی سزاؤں کی انواع اور اقسام کو بیان فرمایا اور اب یہ بتایا ہے کہ یہ ان کے جرائم کی مکمل سزا ہے، کیونکہ ان کا جرم بہت بڑا تھا، اس لیے ان کو سزا بھی بہت بڑی دی ہے اور یہ سزا ان کے اعمال کے موافق ہے۔ (تفسیر رازی ج ١١ ص ٨١)

ف

رمایا: بیشک وہ کسی حساب کی امید نہیں رکھتے تھے۔

حساب کی امید نہ رکھنے کی توجیہات؛

[١] مفسرین نے کہا ہے کہ یہاں "رجاء" کے لفظ کا معنی امید نہیں ہے بلکہ توقع ہے، یعنی ان کو یہ توقع نہیں تھی کہ ان کا حساب لیا جائے گا، پھر اچانک قیامت کے دن ان کا محاسبہ شروع ہو جائے گا اور جو آفت اور مصیبت خلاف توقع پیش آ جائے وہ اس کے لیے زیادہ تکلیف دہ ہوتی ہے۔

[٢] اس آیت میں امید کا معنی خوف ہے یعنی کفار اور مشرکین قیامت کے دن کے حساب اور محاسبہ سے ڈرتے نہ تھے اور بے دھڑک فحاشی اور منکرات کا ارتکاب کرتے اور کفر و شرک کے علاوہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی شان میں گستاخیاں کرتے تھے۔

نیز اس آیت میں یہ اشارہ بھی ہے کہ وہ مومن نہ تھے کیونکہ مومن تو ہر آن آخرت کا محاسبہ سے ڈرتا رہتا ہے۔

فرمایا :اورانھوں نے ہماری آیات کی پوری پوری تکذیب کی۔

قوتِ عملیہ اور قوتِ نظریہ کا فساد؛

اس سے پہلی آیت میں کفار کی قوت عملیہ کا فساد بتایا تھا کہ وہ بڑی بے خوفی سے اور دیدہ دلیری سے کفر اور شرک کرتے تھے، اور منکرات اور فواحش اور گناہ کا ارتکاب کرتے تھے، یعنی انھوں نے اپنی قوتِ عملیہ کو فاسد کرلیا تھا اور اس آیت میں ان کی قوت نظریہ کا فساد بتایا ہے کہ وہ حق کا انکار کرتے تھے اور باطل پر اصرار کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کی توحید کا انکار کرتے تھے اور سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی تکذیب کرتے تھے، قیامت، حیات بعد الموت اور جزاء اور سزا کی نہ صرف تکذیب کرتے تھے بلکہ ان کا مذاق اڑاتے تھے، قرآن مجید کو اللہ تعالیٰ کا کلام نہیں مانتے تھے، اس کو شعر اور سحر کہتے تھے اور اس پر پھبتیاں کستے تھے، اور دوسرے احکام شرعیہ کی بھی تکذیب کرتے تھے اور جس طرح ان کی قوت عملیہ فاسد تھی اسی طرح ان کی قوت نظریہ بھی فاسد تھی۔

فرمایا :اور ہم نے ہر چیز کو گن کر لکھ رکھا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے لیے جزئیات کے علم کا ثبوت؛

اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ازل میں ہر چیز کا علم تھا اور اس نے اپنے علم کو لوح محفوظ میں لکھ کر محفوظ کرلیا ہے اور اس کے فرشتوں نے بندوں کے صحائف اعمال میں بندوں کے تمام اعمال کو لکھ کر محفوظ کرلیا ہے، اللہ تعالیٰ کو ازل میں علم تھا کہ بندے اپنے اختیار سے کیا عمل کریں گے اور اس کو ان کے ہر ہر جزی عمل کا تفصیلی علم تھا اور اس کا علم غیر متبدل اور غیر فانی ہے ورنہ اس کا جہل لازم آئے گا اور یہ محال ہے، اس کی نظیر یہ آیت ہے :

يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللهُ جَمِيعًا فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا أَحْصٰهُ اللهُ وَنَسُوْهُ وَاللهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ۔ (المجادلہ :٦)

جس دن اللہ ان سب کو زندہ کرکے اٹھائے گا اور ان کو ان کے کیے ہوئے عملوں کو خبر دے گا، جن کو اللہ نے شمار کر رکھ ہے اور جن کو یہ بھول گئے تھے اور اللہ ہر چیز کا نگہبان ہے۔

بندوں نے اپنے اختیار سے جو عمل کیے ان ہی اعمال کا اللہ تعالیٰ کو ازل میں پیشگی علم تھا، جس کو اس نے گن گن کر لوح محفوظ میں لکھ لیا تھا، اور بعد میں فرشتوں نے ان کے ہر ہر عمل کو لکھ لیا، ان آیات میں یہ دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کو تمام جزئیات کا علم ہے،

فرمایا :اب چکھو ہم تمہارا عذاب بڑھاتے ہی رہیں گے۔

کفار سے اللہ تعالیٰ کا کلام ؛

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے کفار اور مشرکین کے اقوال اور افعال بیان فرمائے تھے اور پھر ان کے عذاب کی اقسام

اور انواع کو بیان فرمایا، اس کے بعد مکرر بیان فرمایا کہ انھوں نے ہماری آیات کی تکذیب کی اور ہم نے ہر چیز کو گن کر لکھ رکھا ہے اور اب اس رکوع کے آخر میں فرمایا :اب چکھو ہم تمہارا عذاب بڑھاتے ہی رہیں گے، یہ آیات ان کے عذاب میں مبالغہ پر کئی وجوہ سے دلالت کرتی ہے :

(۱) اس آیت میں تاکید کے ساتھ فرمایا :فَذُوْقُوْا فَلَنْ نَّزِيْدَكُمْ اِلَّا عَذَابًا۔ (النبا :۳۰)
ہم تم میں ہر گز زیادہ نہیں کریں گے مگر عذاب۔

(۲) پہلے غائب کے صیغہ کے ساتھ فرمایا تھا :وہ محاسبہ سے نہیں ڈرتے (النبا۲۷ :)اور اب بالمشافہ فرمایا :اب عذاب کو چکھو۔

(۳) حضرت عبداللہ بن عمرو (رض) بیان کرتے ہیں کہ دوزخیوں کے اوپر اس سے زیادہ اس سے زیادہ شدید عذاب کی اور کوئی آیت نازل ہوئی نہیں۔ (جامع البیان رقم الحدیث ٦٦٩٧٢ :، دار الفکر، بیروت، ١٤١٥ھ)

ترکیب نحوی وتحقیق صرفی:

یَوْمَ، اسم ظرف "یَوْمَ الْفَصْلِ" سے بدل ((جس) دن)یُنْفَخُ، فعل مضارع مجہول واحد مذکر غائب نَفَخَ یَنْفُخُ، مصدر نَفْخًا، پھونک مارنا، پھونکنا (وہ پھونکا جائے گا) فِی الصُّوْرِ (فِیْ۔ الصُّوْرِ) فِیْ، حرف جار، میں، الصُّوْرِ، مجرور، صور (صور میں) فَتَاْتُوْنَ (فَ۔ تَاْتُوْنَ) فَ، حرف عطف، تو، تَاْتُوْنَ، فعل مضارع جمع مذکر حاضر اَتٰی یَاْتِیْ، مصدر اِتْیَانٌ، آنا، تم چلے آوگے (تو تم چلے آوگے) اَفْوَاجًا (فوج در فوج، گروہ در گروہ) واحد، فَوْجٌ، وَفُتِحَتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ اَبْوَابًا وَ، حرف عطف (اور) فُتِحَتِ، فعل ماضی مجہول واحد مؤنث غائب فَتَحَ یَفْتَحُ، مصدر فَتْحًا، کھولنا، ترجمہ بحوالہ قیامت (وہ کھول دیا جائے گا) اَلسَّمَآءُ (آسمان) جمع، اَلسَّمٰوٰتِ، فَكَانَتْ (فَ۔ كَانَتْ) فَ، حرف عطف، تو، كَانَتْ، فعل ناقص ماضی واحد مؤنث غائب كَانَ یَكُوْنُ، مصدر كَوْنًا، ہونا، ترجمہ بحوالہ قیامت (وہ ہو جائے گا) اَبْوَابًا (کئی دروازے، دروازے ہی دروازے) واحد، بَابٌ، وَّسُيِّرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ سَرَابًا وَ، حرف عطف (اور) سُيِّرَتِ، فعل ماضی مجہول واحد مؤنث غائب سَیَّرَ یُسَیِّرُ، مصدر تَسْیِیْرٌ، چلانا، ترجمہ بحوالہ قیامت (وہ چلایا جائے گا) اَلْجِبَالُ، جمع مکسر (پہاڑوں) واحد، جَبَلٌ، فَكَانَتْ (فَ۔ كَانَتْ) فَ، حرف عطف، تو، كَانَتْ، فعل ناقص ماضی واحد مؤنث غائب كَانَ یَكُوْنُ، مصدر كَوْنًا، ہونا، ترجمہ بحوالہ قیامت (وہ ہو جائے گا) اِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتْ مِرْصَادًا اِنَّ، حرف مشبہ بالفعل، (بے شک) جَهَنَّمَ (جہنم، دوزخ) كَانَتْ، فعل ناقص ماضی واحد مؤنث غائب كَانَ یَكُوْنُ، مصدر كَوْنًا، ہونا (وہ ہے) مِرْصَادًا۔ رَصَدًا، مصدر سے اسم ظرف مکان (گھات کی جگہ) لِّلطّٰغِيْنَ مَاٰبًا لِلطّٰغِيْنَ (لِ۔ الطّٰغِيْنَ) لِ، حرف جار، کا، الطّٰغِيْنَ، مجرور، طُغْيَانٌ، مصدر سے اسم فاعل جمع مذکر، حد سے گزر جانے والے، سرکشوں، واحد، اَلطَّاغِیْ (سرکشوں کا) مَاٰبًا، مصدر بھی ہے اور اسم ظرف مکان بھی (لوٹنا اور لوٹنے کی جگہ، ٹھکانہ) لّٰبِثِيْنَ فِيْهَآ اَحْقَابًا لّٰبِثِيْنَ۔ لَبْثٌ، مصدر سے اسم فاعل جمع مذکر (ٹھہرنے والے، رہنے والے) واحد، لَابِثٌ، فِيْهَا (فِیْ۔ ہَا) فِیْ، حرف جار، میں، ہَا، مجرور، ضمیر واحد مؤنث غائب، اس، ضمیر کا مرجع، جَهَنَّمَ ہے، (اس میں) اَحْقَابًا (بے انتہا زمانے، مدتوں) واحد، حُقُبٌ۔ لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا بَرْدًا وَّلَا شَرَابًا: لَا يَذُوْقُوْنَ، فعل مضارع منفی جمع مذکر غائب ذَاقَ یَذُوْقُ، مصدر ذَوْقًا، چکھنا (وہ نہ چکھیں گے) فِيْهَا (فِیْ۔ ہَا) فِیْ، حرف جار، میں، ہَا، مجرور، ضمیر واحد مؤنث غائب، اس، ضمیر کا مرجع، جَهَنَّمَ ہے، (اس میں) بَرْدًا (کوئی ٹھنڈک) وَ، حرف عطف (اور) لَا، نافیہ (نہ) شَرَابًا، کوئی پینے کی چیز، کوئی مشروب) اِلَّا حَمِيْمًا وَّغَسَّاقًا اِلَّا، حرف استثنا (سوائے) حَمِيْمًا۔ حَمٌّ، مصدر سے صفت مشبہ (سخت گرم پانی) جمع، حَمَائِمُ۔ وَ، حرف عطف (اور) غَسَّاقًا۔ غَسَقٌ، مصدر سے

مبالغہ کا صیغہ (بہتی پیپ) جَزَآءً وِّفَاقًا جَزَآءً، مصدر ہے (بدلہ دینا، بدلہ، صلہ، اجرت) وِفَاقًا، مصدر بمعنی فاعل ((جتنا جرم اتنی سزا) پورا پورا) اِنَّهُمْ كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ حِسَابًا اِنَّهُمْ (اِنَّ۔ ہُمْ) اِنَّ، حرف مشبہ بالفعل، بے شک، ہُمْ، ضمیر جمع مذکر غائب، وہ (بے شک وہ) كَانُوْا، فعل ناقص ماضی جمع مذکر غائب كَانَ يَكُوْنُ، مصدر كَوْنًا، ہونا (وہ تھے) لَا يَرْجُوْنَ، فعل مضارع منفی جمع مذکر غائب رَجَا يَرْجُوْ، مصدر رَجَآءٌ، امید رکھنا، توقع رکھنا (وہ امید نہیں رکھتے) حِسَابًا، مصدر ہے، گننا، وَّكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا كِذَّابًا وَ، حرف عطف (اور) كَذَّبُوْا، فعل ماضی جمع مذکر غائب كَذَّبَ يُكَذِّبُ، مصدر تَكْذِيْبٌ، جھٹلانا (انہوں نے جھٹلادیا) بِاٰيٰتِنَا (بِ۔ اٰيٰتِ۔ نَا) بِ، حرف جار، کو، اٰيٰتِ، مجرور، مضاف، آیات، واحد، اٰيَةٌ، نَا، مضاف الیہ، ضمیر جمع متکلم، ہماری (ہماری آیات کو) كِذَّابًا، مصدر منصوب (بالکل جھٹلادینا) وَكُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ كِتٰبًا وَ، حرف عطف (اور) كُلَّ شَيْءٍ۔ كُلَّ، مضاف، ہر، شَيْءٍ، مضاف الیہ، چیز (ہر چیز) اَحْصَيْنٰهُ (اَحْصَيْنَا۔ هُ) اَحْصَيْنَا، فعل ماضی جمع متکلم اَحْصٰى يُحْصِيْ، مصدر اِحْصَآءٌ، محفوظ کرنا، شمار کرنا، درج کرنا، ہم نے محفوظ کر رکھا ہے، هُ، ضمیر واحد مذکر غائب، اسے (ہم نے اسے محفوظ کر رکھا ہے) كِتٰبًا (لکھنا، تحریر، لکھ کر) پہلے معنی میں مصدر دوسرے معانی اسم مفعول ہے۔ فَذُوْقُوْا فَلَنْ نَّزِيْدَكُمْ اِلَّا عَذَابًا: فَذُوْقُوْا (فَ۔ ذُوْقُوْا) فَ، حرف عطف، تو، ذُوْقُوْا، فعل امر جمع مذکر حاضر ذَاقَ يَذُوْقُ، مصدر ذَوْقًا، چکھنا، تم چکھو (تو تم چکھو) فَلَنْ نَّزِيْدَكُمْ (فَ۔ لَنْ نَّزِيْدَ۔ كُمْ) فَ، حرف عطف، پس، لَنْ نَّزِيْدَ، فعل مضارع منفی تاکید بلن جمع متکلم زَادَ يَزِيْدُ، مصدر زِيَادَةٌ، زیادہ کرنا، كُمْ، ضمیر جمع مذکر حاضر، اِلَّا، حرف استثنا (مگر) عَذَابًا (عذاب)۔

آیت ۳۱ تا ۳۷

اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ مَفَازًا (۳۱) حَدَآئِقَ وَاَعْنَابًا (۳۲) وَّكَوَاعِبَ اَتْرَابًا (۳۳) وَّكَاْسًا دِهَاقًا (۳۴) لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا كِذّٰبًا (۳۵) جَزَآءً مِّنْ رَّبِّكَ عَطَآءً حِسَابًا (۳۶) رَّبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الرَّحْمٰنِ لَا يَمْلِكُوْنَ مِنْهُ خِطَابًا (۳۷)

ترجمہ:

یقیناً پرہیزگاروں کے لیے ایک بڑی کامیابی ہے۔(۳۱) باغات اور انگور۔ ۳۲) اور ابھری چھاتیوں والی ہم عمر لڑکیاں۔(۳۳) اور چھلکتے ہوئے پیالے۔(۳۴) وہ اس میں نہ کوئی بے ہودہ بات سنیں گے اور نہ (ایک دوسرے کو) جھٹلانا۔(۳۵) تیرے رب کی طرف سے بدلے میں ایسا عطیہ ہے جو کافی ہوگا۔(۳۶) (اس رب کی طرف سے) جو آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان کی ہر چیز کا رب ہے، بے حد رحم والا، وہ اس سے کوئی بات کرنے کی قدرت نہیں رکھیں گے۔(۳۷)

تفسیر:

فرمایا: بیشک متقین کے لیے کامیابی کی جگہ ہے۔

اہل جنت پر نوازشیں:

اس سے پہلی آیتوں میں کفار اور مشرکین کے عذاب کی انواع اور اقسام بیان فرمائی تھیں اور ان آیتوں میں متقین کے اجر وثواب کی انواع اور اقسام بیان فرمائی ہیں اور یہی قرآن مجید کا اسلوب ہے کہ وہ ایک ضد کے بعد اس کی دوسری ضد کا ذکر فرماتا ہے اور کفار اور ان کے عذاب کے بعد مؤمنین اور ان کے ثواب کا ذکر فرمارہا ہے۔

اس آیت میں فرمایا ہے : متقین کے لیے کامیابی کی جگہ ہے، متقین سے مراد وہ لوگ ہیں جو شرک اور کفر اور تمام کبیرہ گناہوں سے اپنے آپ کو محفوظ رکھتے ہیں اور اگر ان سے کوئی لغزش ہو جائے تو فوراً توبہ کر لیتے ہیں، ان کے لیے کامیابی کی جگہ ہے، اس جگہ سے مراد جنت ہے۔

فرمایا : باغات اور انگوروں کی بیلیں ہیں۔

اس آیت میں " حدائق " کا لفظ ہے، یہ " حدیقہ " کی جمع ہے " حدیقۃ " اس باغ کو کہتے ہیں جس کے گرد چار دیواری ہو اور " اعنابا " سے مراد ہے : انگوروں کی بیلیں۔

فرمایا : اور نوجوان ہم عمر بیویاں۔

" کواعب " ان دوشیزاؤں (لڑکیوں) کو کہتے ہیں جن کے سینے خوب ابھرے ہوئے ہوں اور " اتراب " کا معنی ہے : ہم عمر اور ہم سن۔

فرمایا : اور چھلکتے ہوئے جام ہیں۔

اس آیت میں " کاسا دھاقا " کے الفاظ ہیں " کاسا " کا معنی ہے : جام اور " دھاقا " کا معنی ہے : چھلکتا ہوا، اس سے مراد ہے : شراب کے چھلکتے ہوئے جام لیکن جنت کی شراب نشہ آور نہیں ہوگی۔

فرمایا : وہ اس میں نہ کوئی لغوبات سنیں گے اور نہ ایک دوسرے کی تکذب۔

اس آیت میں فرمایا ہے : وہ اس میں نہ کوئی لغوبات سنیں گے، اس آیت میں " فیھا " سے کیا مراد ہے، ایک قول یہ ہے کہ وہ اس شراب کے جام میں کوئی لغوبات نہیں سنیں گے، اس کے برخلاف دنیاوی شراب کے گلاسوں کو پینے سے انسان کو نشہ ہو جاتا ہے اور اس کے ہوش و حواس جاتے رہتے ہیں اور اس کو صحیح اور غلط میں تمیز نہیں رہتی اور جنت میں جوان کو شراب کے جام دیئے جائیں گے، اس کو پینے سے ان میں ایسی کیفیت پیدا نہیں ہوگی اور دوسرا قول یہ ہے کہ وہ جنت میں کوئی لغو اور ناپسندیدہ بات نہیں کریں گے۔

اس آیت میں " کذابا " کا لفظ ہے، یہ " کذب " کا مبالغہ ہے یعنی وہ جنت میں بہت بڑی جھوٹی بات نہیں سنیں گے، بہت بڑی جھوٹی بات سے مراد یہ ہے کہ وہ یہ نہیں سنیں گے کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک ہے یا اس کا بیٹا یا بیوی ہے یا فرشتے اس کی بیٹیاں ہیں اور اس کا منی یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ ایک دوسرے کی تکذیب نہیں سنیں گے۔

فرمایا : آپ کے رب کی طرف سے جزا ہوگی نہایت کافی عطاء ہوگی۔

جزا اور عطا میں بظاہر تعارض کے جوابات :

اس آیت میں جزاء اور عطا کے دو لفظ ہیں، جزا کے لفظ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مؤمنوں نے دنیا میں جو نیک اعمال کیے تھے، اس کی وجہ سے وہ اس اجر و ثواب کے مستحق ہیں اور عطا کے لفظ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے استحقاق کے بغیر محض

اپنے فضل وکرم سے ان کو اجر وثواب عطا فرما رہا ہے اور یہ تناقض ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ بندے جو اجر وثواب کے مستحق ہوتے ہیں وہ اپنے نیک اعمال کی وجہ سے نہیں ہوتے بلکہ وہ اس وجہ سے اجر وثواب کے مستحق ہوتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے اجر وثواب کا وعدہ فرمالیا اور اللہ تعالیٰ کریم ہے، وہ اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرتا۔

حسابا: کا معنیٰ:

"حساب" کے دو معنیٰ ہیں، ایک معنیٰ ہے : کفایت، یعنی اللہ تعالیٰ ان کو جو اجر وثواب عطاء فرمائے گا وہ ان کو کافی ہوگا اور حساب کا دوسرا معنیٰ ہے : گنتی کرنا، یعنی اللہ تعالیٰ ان کو گنتی کے موافق اجر وثواب عطا فرمائے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جزاء کے تین درجات بیان فرمائے ہیں۔(۱) اللہ تعالیٰ ایک نیکی کا دس گنا اجر عطاء فرمائے گا(۲) اللہ تعالیٰ ایک نیکی کا سات سو گنا اجر عطاء فرمائے گا(۳) اللہ تعالیٰ ایک نیکی کا غیر متناہی اجر عطاء فرمائے گا، اور ان تین درجات کا ذکر قرآن مجید میں ہے

(۱) مَنۡ جَآءَ بِالۡحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشۡرُ اَمۡثَالِهَا (الانعام :۱۶۰)

جو شخص ایک نیکی لائے گا اس کو اس کی دس مثل اجر ملے گا۔

(۲) مَثَلُ الَّذِيۡنَ يُنۡفِقُوۡنَ اَمۡوَالَهُمۡ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنۡۢبَتَتۡ سَبۡعَ سَنَابِلَ فِىۡ كُلِّ سُنۡۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ (البقرہ :۲۶۱)

جو لوگ اپنے اموال کو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں ان کی مثال اس دانے کی مثل ہے جو سات خوشے اگائے کہ ہر خوشے میں سو دانے ہیں۔

اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوۡنَ اَجۡرَهُمۡ بِغَيۡرِ حِسَابٍ ۔ (الزمر :۱۰)

صرف صبر کرنے والوں کو ان کا اجر بے حساب دیا جائے گا۔

فرمایا : جو آسمانوں اور زمینوں اور ان کے درمیان کی سب چیزوں کا رب ہے، نہایت رحم فرمانے والا ہے، اس سے (بغیر اجازت) بات کرنے کا کسی کو اختیار نہ ہوگا۔

بلا اذن شفاعت کرنے کی تحقیق:

اس آیت میں جو فرمایا ہے :اس سے بات کرنے کا کسی کو اختیار نہیں ہوگا، اس کی تین تفسیریں ہیں:

(۱) عطاء نے حضرت ابن عباس (رض) سے روایت کی ہے کہ :اس سے مراد یہ ہے کہ مشرکین اللہ تعالیٰ سے خطاب نہیں کر سکیں گے، رہے مؤمنین تو وہ گناہ گار مسلمانوں کی شفاعت کریں گے اور اللہ تعالیٰ ان کی شفاعت قبول فرمائے گا۔

(۲) قاضی نے کہا :اس سے مراد مؤمنین ہیں اور اس سے مراد یہ ہے کہ مؤمنین کسی معاملہ میں اللہ تعالیٰ سے خطاب نہیں کر سکیں گے، کیونکہ جب یہ ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ عادل ہے اور وہ کسی پر ظلم نہیں کرتا تو ثابت ہوا کہ وہ کفار کو جو عذاب پہنچائے گا وہ اس کا عدل ہے، اور مؤمنین کو جو ثواب عطاء فرمائے گا وہ بھی اس کا عدل ہے اور وہ کسی کے حق میں کمی نہیں کرے گا۔

(۳) اس سے مراد تمام آسمان اور زمین والے ہیں اور یہی صحیح ہے کیونکہ مخلوق میں سے کسی کو بھی اللہ تعالیٰ سے کلام اور خطاب کرنے کا اختیار نہیں ہے، اور جو شفاعت کی جائیں گی وہ اللہ تعالیٰ کے اذن اور اس کی اجازت سے کی جائیں گی اور ان کا اس آیت سے کوئی تعلق نہیں ہے کیونکہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ملکیت کی نفی کی ہے اور کوئی شخص بھی اللہ تعالیٰ سے کلام کرنے یا خطاب کرنے کا مالک نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے فضل اور احسان سے جس کو شفاعت کرنے کا موقع عطا فرمائے گا اور وہ اس شفاعت کا مالک نہیں ہوگا، البتہ ماذون ہوگا۔

ترکیب نحوی وتحقیق صرفی:

اِنَّ، حرف مشبہ بالفعل (بے شک، یقینا) لِلْمُتَّقِیْنَ (لِ۔اَلْمُتَّقِیْنَ) لِ، حرف جار، کیلئے، اَلْمُتَّقِیْنَ، مجرور، اِتِّقَآءٌ، مصدر سے اسم فاعل جمع مذکر، ڈرنے والے، پرہیزگاروں، متقیوں (پرہیزگاروں کیلئے) مَفَازًا، فَوْزًا، سے مصدر میمی (کامیابی، کامیاب ہونا) حَدَآئِقَ وَاَعْنَابًا حدآئق (باغات) واحد، حَدِیْقَۃٌ، وَ، حرف عطف (اور) اَعْنَابًا (انگور) واحد، عِنَبٌ وَّکَوَاعِبَ اَتْرَابًا وَ، حرف عطف (اور) کَوَاعِبَ (دوشیزائیں) واحد، کَاعِبٌ، اَتْرَابًا (ہم سن، ہم عمر عورتیں) واحد، تِرْبٌ، وَّکَاْسًا دِہَاقًا وَ، حرف عطف (اور) کَاْسًا دِہَاقًا۔ کَاْسًا، موصوف، واحد مؤنث سماعی، پیالہ، جام، جمع، اَکْوُسٌ، کَاسَاتٌ، دِہَاقًا، صفت، دَھْقٌ، مصدر سے بمعنی مفعول، چھلکتا ہوا، بھرے ہوئے (بھرے ہوئے جام) لَایَسْمَعُوْنَ فِیْہَا لَغْوًا وَّلَا کِذّٰبًا لَایَسْمَعُوْنَ، فعل مضارع منفی جمع مذکر غائب سَمِعَ یَسْمَعُ، مصدر سَمْعٌ، سننا (وہ نہیں سنیں گے) فِیْہَا (فِیْ۔ہَا) فِیْ، حرف جار، میں، ہَا، مجرور، ضمیر واحد مؤنث غائب، اس، ضمیر کا مرجع جَنَّۃٌ ہے (اس میں) لَغْوًا، اسم نکرہ منصوب (کوئی بیہودہ بات، کوئی فحش کلام) وَ، حرف عطف (اور) لَا (نہ) کِذّٰبًا، اسم ومصدر منصوب (جھوٹ، جھوٹ بولنا، جھوٹ گھڑنا، جھوٹا قرار دینا) جَزَآءً مِّنْ رَّبِّکَ عَطَآءً حِسَابًا جَزَآءً، مصدر واسم (بدلہ دینا، بدلہ، صلہ) مِّنْ رَّبِّکَ (مِنْ۔رَبِّ۔کَ) مِنْ، حرف جار بمعنی اِلٰی، کی طرف سے، رَبِّ، مجرور، مضاف، رب، کَ، مضاف الیہ، ضمیر واحد مذکر حاضر، آپ کے (آپ کے رب کی طرف سے) عَطَآءً، موصوف، اِعْطَآءٌ، سے اسم (بخشش، عطیہ، انعام) جمع، اَعْطِیَۃٌ، حِسَابًا۔ مصدر ہے لیکن صفت کے قائم مقام ہے، حساب سے بہت زیادہ (کافی) رَّبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَہُمَا الرَّحْمٰنِ لَایَمْلِکُوْنَ مِنْہُ خِطَابًا۔ (رَبِّ۔اَلسَّمٰوٰتِ) رَبِّ، مضاف، رب، اَلسَّمٰوٰتِ، مضاف الیہ، آسمانوں، واحد، اَلسَّمَآءِ، (آسمانوں کا رب) وَ، حرف عطف (اور) الْاَرْضِ (زمین) وَ، حرف عطف (اور) مَا، اسم موصول (جو) بَیْنَہُمَا (بَیْنَ۔ہُمَا) بَیْنَ، مضاف، درمیان، ہُمَا، ضمیر تثنیہ مؤنث غائب، ان دونوں کے (ان دونوں کے درمیان) اَلرَّحْمٰنِ، اللہ کا صفاتی نام، رَحْمَۃٌ، مصدر سے مبالغہ کا صیغہ (نہایت مہربان) لَایَمْلِکُوْنَ، فعل مضارع منفی جمع مذکر غائب مَلَکَ یَمْلِکُ، مصدر مِلْکًا، اختیار رکھنا، مالک ہونا (وہ اختیار نہیں رکھیں گے) مِنْہُ (مِنْ۔ہُ) مِنْ، حرف جار، سے، ہُ، مجرور، ضمیر واحد مذکر غائب، اس (اس سے) خِطَابًا، مصدر ہے (کلام، بات کرنا)

آیت ۳۸ تا ۴۰

يَوْمَ يَقُومُ الرُّوحُ وَالْمَلَائِكَةُ صَفًّا لَا يَتَكَلَّمُونَ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَٰنُ وَقَالَ صَوَابًا (۳۸) ذَٰلِكَ الْيَوْمُ الْحَقُّ فَمَنْ شَاءَ اتَّخَذَ إِلَىٰ رَبِّهِ مَآبًا (۳۹) إِنَّا أَنْذَرْنَاكُمْ عَذَابًا قَرِيبًا يَوْمَ يَنْظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ يَدَاهُ وَيَقُولُ الْكَافِرُ يَا لَيْتَنِي كُنْتُ تُرَابًا (۴۰)

ترجمہ:

جس دن روح اور فرشتے صف بنا کر کھڑے ہوں گے، وہ کلام نہیں کریں گے، مگر وہی جسے رحمان اجازت دے گا اور وہ درست بات کہے گا۔ (۳۸) یہی دن ہے جو حق ہے، پس جو چاہے اپنے رب کی طرف لوٹنے کی جگہ بنالے۔ (۳۹) بلاشبہ ہم نے تمھیں ایک ایسے عذاب سے ڈرادیا ہے جو قریب ہے، جس دن آدمی دیکھ لے گا جو اس کے دونوں ہاتھوں نے آگے بھیجا اور کافر کہے گا اے کاش کہ میں مٹی ہوتا۔ (۴۰)

تفسیر:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جس دن روح اور تمام فرشتے الخ

روح کے مصداق میں اقوال مفسرین:

ابوالحجاج مجاہد المخزومی المتوفی ۱۰۴ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس (رض) نے فرمایا: روح اللہ کے امر میں سے ایک امر ہے اور اللہ کی مخلوق میں سے ایک مخلوق ہے، اللہ تعالیٰ نے ان کو بنو آدم کی صورتوں پر بنایا ہے اور آسمان سے جو بھی فرشتہ نازل ہوتا ہے، اس کے ساتھ ایک روح ہوتی ہے۔ (تفسیر مجاہد ص ۹۱۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

ابوالحسن مقاتل بن سلیمان البلخی المتوفی ۱۵۰ھ روایت کرتے ہیں:

اس روح کا چہرہ حضرت آدم (علیہ السلام) کی طرح ہے، اس کا نصف آگ ہے اور اس کا نصف برف ہے، وہ یہ دعا کرتا ہے کہ اے میرے رب! جس طرح تو نے اس آگ اور اس برف میں الفت ڈال دی ہے، یہ آگ اس برف کو نہیں پگھلاتی اور نہ یہ برف اس آگ کو بجھاتی ہے، اسی طرح اپنے ایمان والے بندوں کے درمیان الفت ڈال دے تو اللہ تعالیٰ نے مخلوق میں سے اس روح کو اختیار کرلیا اور فرمایا: جس دن روح اور اس کے تمام فرشتے کھڑے ہوں گے۔

(تفسیر مقاتل بن سلیمان ج ۳ ص ۴۴۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

امام ابومنصور محمد بن محمود ماتریدی سمرقندی حنفی متوفی ۳۳۳ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

روح کی تفسیر میں اختلاف ہے، بعض نے کہا: اس سے مراد حضرت جبرائیل (علیہ السلام) ہیں اور بعض نے کہا: اس سے مراد مسلمانوں کی روح ہے اور بعض نے کہا: اس سے مراد فرشتوں کے محافظ ہیں، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ روح سے مراد وہ

کتابیں ہوں جو آسمان سے نازل کی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

يُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ (النحل: ۲)

علامہ ابوالحسن علی بن محمد الماوردی المتوفی ۴۵۰ھ نے لکھا ہے: اس آیت میں روح کی تفسیر میں آٹھ قول ہیں:

(۱) ابوصالح نے کہا: روح انسانوں کی طرح اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے ایک مخلوق ہے اور انسان نہیں ہے اور وہ اللہ سبحانہ کا لشکر ہے۔ (۲) مقاتل بن حیان نے کہا: وہ ملائکہ میں سب سے اشرف ہے۔ (۳) ابن ابی نجیح نے کہا: وہ ملائکہ کے محافظ ہیں، (۴) حضرت ابن عباس (رض) نے کہا: وہ تخلیق کے لحاظ سے سب سے عظیم فرشتہ ہے۔ (۵) سعید بن جبیر نے کہ: وہ حضرت جبریل (علیہ السلام) ہیں۔ (۶) حسن بصری نے کہا: وہ بنو آدم کی ارواح ہیں، وہ صف باندھے کھڑی ہوں گی اور فرشتے بھی صف باندھے کھڑے ہوں گے۔ (۷) قتادہ نے کہا: وہ بنو آدم ہیں۔ (۸) زید بن اسلم نے کہا: اس سے مراد قرآن مجید ہے (النکت والعیون ج ۶ ص ۱۹۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت) جمہور مفسرین کے نزدیک مختار یہ ہے کہ اس آیت میں روح سے مراد حضرت جبرائیل (علیہ السلام) ہیں کیونکہ قرآن مجید کی اکثر آیات میں روح سے مراد حضرت جبرائیل ہیں اور مزید قرینہ یہ ہے کہ ان کا فرشتوں کے ساتھ ذکر ہے۔

روح اور فرشتوں کے صحیح بات کہنے کی توجیہات؛

اس آیت میں فرمایا ہے: روح اور تمام فرشتے صف بستہ کھڑے ہوں گے، یہ بھی ہوسکتا ہے کہ روح اور سب فرشتے ایک صف میں کھڑے ہوں اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ سب الگ الگ صفوں میں کھڑے ہوں، اور اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہونے کی شرطیں یہ ہیں: (۱) وہ اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بعد اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوں گے، جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ط (البقرۃ: ۲۵۵)

کون ہے جو اس کی بارگاہ میں اس کی اجازت کے بغیر شفاعت کرے۔

دوسری شرط یہ ہے کہ وہ اپنی شفاعت میں صحیح بات کہے،

فرمایا: وہ دن برحق ہے، سو اب جو چاہے اپنے رب کی طرف ٹھکانا بنالے۔

روز قیامت کے حق ہونے کی توجیہ؛

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اس دن حق کے علاوہ اور کوئی بات نہیں کہی جائے گی اور اس کا یہ معنی بھی ہوسکتا ہے کہ قیامت کا دن برحق ہے، وہ ضرور واقع ہوگا۔

فرمایا: سو اب جو چاہے اپنے رب کی طرف ٹھکانا بنالے، یعنی اللہ تعالیٰ نے مخلوق کے لیے گم راہی اور ہدایت کے دونوں راستے وضاحت سے دکھا دیئے ہیں اور کسی کو ہدایت یا گمراہی اختیار کرنے سے نہیں روکا اور جس نے رشد اور ہدایت کے راستہ کو اختیار کیا اس کا ٹھکانا جنت کی طرف ہے اور یہی راستہ اس کے رب کی طرف ہے۔

حضرت ابن عباس (رض) بیان کرتے ہیں کہ اس آیت کا معنی ہے : جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ خیر کا ارادہ کرے گا، اس کو ہدایت دے گا حتیٰ کہ وہ اپنے رب کی طرف ٹھکانا بنالے گا۔ (تفسیر کبیر ج ۱۱ ص ۶۲ ، ط)

عطاء نے کہا : اپنے رب کی اطاعت کر کے اور اس کا قرب حاصل کر کے اپنے رب کی طرف ٹھکانا بناؤ۔

(جامع البیان رقم الحدیث ۲۱۰۸۲ :)

فرمایا : بیشک ہم نے تمہیں آنے والے عذاب سے ڈرا دیا ہے، اس دن آدمی وہ سب کچھ دیکھ لے گا جو اس کے ہاتھوں نے آگے بھیجا ہے اور کافر کہے گا : اے کاش! میں مٹی ہو جاتا۔

آدمی کے متعلق مفسرین کے اقوال:

(۱) اس سے مراد تمام مخلوق ہے خواہ مومن ہو یا کافر، ہاتھوں کے بھیجنے کی تخصیص اس لیے کی ہے کہ انسان کے اکثر اعمال کے ہاتھوں سے ہوتے ہیں اور قیامت کے دن اس کا صحیفہ اعمال بھی اس کے ہاتھوں میں دیا جائے گا، اگرچہ یہ بھی احتمال ہے کہ اس نے جو نیک یا بد کام کیے ہیں، ان میں اس کے ہاتھوں کا دخل نہ ہو، جیسا کہ بارش کو رحمت کہا جاتا ہے، اگرچہ فی نفسہ بارش رحمت نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کی وجہ سے بارش نازل ہوتی ہے۔

(۲) عطاء نے کہا : آدمی سے مراد اس آیت میں کافر ہے، کیونکہ مومن جس طرح اپنے ہاتھوں کے بھیجے ہوئے کاموں کو دیکھے گا، اسی طرح وہ اللہ تعالیٰ کے عفو اور اس کی رحمت کی طرف دیکھے گا اور رہا کافر تو وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب کے سوا اور کسی چیز کو نہیں دیکھے گا تو وہ صرف اپنے ہاتھوں سے بھیجے ہوئے گناہوں کو دیکھے گا۔

(۳) حسن اور قتادہ نے کہا : اس آیت میں آدمی سے مراد مومن ہے کیونکہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ کافر کہے گا۔ اے کاش! میں مٹی ہو جاتا، پس جب اس آیت کے دوسرے حصہ میں کافر مراد ہے تو ضروری ہوا کہ پہلے حصہ میں مومن مراد ہو، نیز اس لیے کہ جب مومن نے اپنے ہاتھوں سے نیک کام بھی بھیجے اور برے کام بھی تو اسے اللہ تعالیٰ کے عذاب کا خوف بھی ہوگا اور اس کی رحمت اور مغفرت کی امید بھی ہوگی، پس وہ منتظر ہوگا کہ اس کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے گا، کافر تو اس کو یقین ہوگا کہ اس کو عذاب ہوگا، اس کو نہ کوئی تجسس ہوگا نہ انتظار۔

کافر کے قول "کاش! میں مٹی ہو جاتا" کے متعلق روایات:

کافر قیامت کے دن زندہ کیے جانے سے پہلے مٹی تھا، اب جب وہ اپنا انجام دیکھ لے گا تو کہے گا : کاش! وہ اسی طرح مٹی ہو جاتا اور اب اس کو عذاب نہ دیا جاتا، جیسا کہ ان آیات میں ہے : قیامت کے دن کافر کہے گا:

يٰلَيْتَهَا كَانَتِ الْقَاضِيَةَ ۔ (الحاقه :۲۷)

کاش کہ موت ہی میرا کام تمام کر دیتی۔

يَوْمَئِذٍ يَّوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَعَصَوُا الرَّسُوْلَ لَوْ تُسَوّٰى بِهِمُ الْاَرْضُ وَلَا يَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ حَدِيْثًا ۔ (النساء :۴۲)

جس دن کفار اور رسول کی نافرمانی کرنے والے یہ تمنا کریں گے کہ کاش! انھیں زمین کے ساتھ ہموار کر دیا جاتا اور وہ اللہ تعالیٰ سے کوئی بات چھپا نہیں سکیں گے۔

امام ثعلبی متوفی ٧٢٤ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں اور اس کو امام الحسن بن مسعود الفراء البغوی المتوفی ٦١٥ھ اور علامہ قرطبی متوفی ٨٦٦ھ نے بھی ان سے نقل کیا ہے:۔

حضرت عبداللہ بن عمر (رض) فرماتے ہیں: قیامت کے دن روئے زمین کو پھیلا دیا جائے گا اور تمام جانوروں، حیوانون اور حشرات الارض کو اکٹھا کیا جائے گا، پھر جانوروں سے قصاص لیا جائے گا، حتیٰ کہ اگر سینگھ والی بکری نے بغیر سینگھ والی بکری کے سینگھ مارا تو اس سے قصاص لیا جائے گا، پھر جب ان کے قصاص سے فراغت ہو جائے گی تو پھر ان سے کہا جائے گا: اب تم مٹی ہو جاؤ، یہ منظر دیکھ کر کافر کہے گا: کاش! میں بھی مٹی ہو جاتا۔

ابو الزناد عبداللہ بن ذکوان بیان کرتے ہیں: جب اللہ قیامت کے دن لوگوں کے درمیان فیصلہ فرما دے گا اور اہل جنت کو جنت میں جانے کا حکم دے گا اور اہل دوزخ کو دوزخ میں جانے کا حکم دے گا تو اس وقت سب جانوروں سے کہا جائے گا کہ مٹی ہو جاؤ، پھر وہ سب مٹی ہو جائیں گے، اس وقت کافر کہے گا: کاش! میں مٹی ہو جاتا۔

ایک قول یہ ہے کہ اس آیت میں کافر سے مراد ابلیس ہے کیونکہ اس نے حضرت آدم (علیہ السلام) کی مذمت کی تھی کہ ان کو مٹی سے پیدا کیا گیا ہے اور اس پر فخر کیا تھا کہ اس کو آگ سے پیدا کیا گیا ہے، پس جب وہ قیامت کے دن یہ دیکھے گا کہ حضرت آدم (علیہ السلام) اور ان کی اولاد میں سے مؤمنوں کو کس قدر ثواب عطاء کیا جا رہا ہے اور وہ کس قدر سختی اور عذاب میں ہے تو ابلیس کہے گا: کاش! میں مٹی ہوتا۔

(معالم التنزیل ج ٥ ص ٣٠٢، الجامع الاحکام القرآن جز ١٩ ص ٤٦١ - ٣٦١)

ترکیب نحوی و تحقیق صرفی:

یَوۡمَ، اسم ظرف زمان (اس دن) یَقُوۡمُ، فعل مضارع واحد مذکر غائب قَامَ یَقُوۡمُ، مصدر قَوۡمٌ وَّقِیَامٌ، کھڑے ہونا (وہ کھڑا ہوگا) الرُّوۡحُ (روح، حضرت جبرائیل) وَ، حرف عطف (اور) الۡمَلٰٓئِکَۃُ (فرشتے) واحد، مَلَکٌ، صَفًّا، مصدر رہے، جس کے معنی صف باندھنے کے ہیں (قطار، صف بنا کر) لَا یَتَکَلَّمُوۡنَ، فعل مضارع منفی جمع مذکر غائب تَکَلَّمَ یَتَکَلَّمُ، مصدر تَکَلُّمٌ، بات کرنا (وہ بات نہیں کر سکیں گے) اِلَّا، حرف استثنا (مگر) مَنۡ، اسم موصول (وہ جس) اَذِنَ، فعل ماضی واحد مذکر غائب اَذِنَ یَاۡذَنُ، مصدر اِذۡنٌ، اجازت دینا، ترجمہ بحوالہ قیامت (وہ اجازت دے گا) لَہٗ (لَ۔ ہٗ) لَ، حرف جار، کو، ہٗ، مجرور، ضمیر واحد مذکر غائب، اس (اس کو) الرَّحۡمٰنُ، اللہ کا صفاتی نام (رحمٰن) وَ، حرف عطف (اور) قَالَ، فعل ماضی واحد مذکر غائب قَالَ یَقُوۡلُ، مصدر قَوۡلًا، کہنا، ترجمہ بحوالہ قیامت (وہ کہے گا) صَوَابًا۔ خَطَاءٌ، کی ضد (درست بات، حق) یَوۡمَ، اسم ظرف زمان (اس دن) یَقُوۡمُ، فعل مضارع واحد مذکر غائب قَامَ یَقُوۡمُ، مصدر قَوۡمٌ وَّقِیَامٌ، کھڑے ہونا (وہ کھڑا ہوگا) الرُّوۡحُ (روح، حضرت جبرائیل) وَ، حرف عطف (اور) الۡمَلٰٓئِکَۃُ (فرشتے) واحد، مَلَکٌ، صَفًّا، مصدر رہے، جس کے معنی صف باندھنے کے ہیں (قطار، صف بنا کر) لَا یَتَکَلَّمُوۡنَ اِلَّا مَنۡ اَذِنَ لَہُ الرَّحۡمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا: لَا یَتَکَلَّمُوۡنَ، فعل مضارع منفی جمع مذکر غائب تَکَلَّمَ یَتَکَلَّمُ، مصدر تَکَلُّمٌ، بات کرنا (وہ بات نہیں کر سکیں گے) اِلَّا، حرف استثنا

(مگر) مَنْ ، اسم موصول (وہ جس) اَذِنَ ، فعل ماضی واحد مذکر غائب اَذِنَ یَاْذَنُ ، مصدر اِذْنٌ ، اجازت دینا، ترجمہ بحوالہ قیامت (وہ اجازت دے گا) لَہٗ (لَ۔ ہٗ) لَ ، حرف جار، کو، ہٗ، مجرور، ضمیر واحد مذکر غائب، اس (اس کو) الرَّحْمٰنُ ، اللہ کا صفاتی نام (رحمٰن) وَ، حرف عطف (اور) قَالَ ، فعل ماضی واحد مذکر غائب قَالَ یَقُوْلُ ، مصدر قَوْلًا ، کہنا، ترجمہ بحوالہ قیامت (وہ کہے گا) صَوَابًا۔ خَطَاءٌ، کی ضد (درست بات، حق) ذٰلِکَ الْیَوْمُ الْحَقُّ ذٰلِکَ ، اسم اشارہ واحد مذکر بعید (وہ) الْیَوْمُ الْحَقُّ (اَلْیَوْمُ۔ اَلْحَقُّ) اَلْیَوْمُ ، موصوف، یوم، روز، اَلْحَقُّ ، صفت، حق، سچ (روز (قیامت) حق) فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰی رَبِّہٖ مَاٰبًا فَمَنْ (فَ۔ مَنْ) فَ، حرف عطف، پس، مَنْ ، شرطیہ، جو (پس جو) شَآءَ ، فعل ماضی واحد مذکر غائب شَآءَ یَشَآءُ ، مصدر مَشِیْئَۃٌ ، چاہنا، مَنْ ، شرطیہ کی وجہ سے ترجمہ (وہ چاہے) اِتَّخَذَ ، فعل ماضی جواب شرط واحد مذکر غائب اِتَّخَذَ یَتَّخِذُ ، مصدر اِتِّخَاذٌ ، بنانا (وہ بنالے) اِلٰی رَبِّہٖ (اِلٰی۔ رَبِّ۔ ہٖ) اِلٰی ، حرف جار، کی طرف، رَبِّ ، مجرور، مضاف، رب، ہٖ، مضاف الیہ، ضمیر واحد مذکر غائب، اپنے (اپنے رب کی طرف) مَاٰبًا ، مصدر اور اسم ظرف مکان (لوٹنا، لوٹنے کی جگہ، ٹھکانہ) اِنَّآ اَنْذَرْنٰکُمْ عَذَابًا قَرِیْبًا اِنَّآ (اِنَّ۔ نَا) اِنَّ ، حرف مشبہ بالفعل، بے شک، نَا ، ضمیر جمع متکلم، ہم (بے شک ہم) اَنْذَرْنٰکُمْ (اَنْذَرْنَا۔ کُمْ) اَنْذَرْنَا ، فعل ماضی جمع متکلم اَنْذَرَ یُنْذِرُ ، مصدر اِنْذَارٌ ، ڈرانا، ہم نے ڈرایا ہے کُمْ ، ضمیر جمع مذکر حاضر، تمہیں (ہم نے تمہیں ڈرایا ہے) عَذَابًا قَرِیْبًا (عَذَابًا۔ قَرِیْبًا) عَذَابًا ، موصوف، عذاب، قَرِیْبًا ، صفت، قُرْبٌ ، مصدر سے صفت مشبہ، بہت قریب قریبی (قریبی عذاب) یَّوْمَ یَنْظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ یَدٰہُ وَیَقُوْلُ الْکٰفِرُ یٰلَیْتَنِیْ کُنْتُ تُرٰبًا۔ یَوْمَ ، اسم ظرف زمان (اس دن) یَنْظُرُ ، فعل مضارع واحد مذکر غائب نَظَرَ یَنْظُرُ ، مصدر نَظْرًا ، دیکھنا (وہ دیکھ لے گا) اَلْمَرْءُ ، فاعل (مرد، آدمی) اس لفظ کی جمع نہیں آتی۔ مَا ، اسم موصول (جو) قَدَّمَتْ ، فعل ماضی واحد مؤنث غائب قَدَّمَ یُقَدِّمُ ، مصدر تَقْدِیْمٌ ، آگے بھیجنا (اس نے آگے بھیجا) یَدٰہُ (یَدٰ۔ ہُ) یَدٰ ، مضاف، اصل میں "یَدَانِ" تھا، اضافت کی وجہ سے تثنیہ کا نون گر گیا ہے، دونوں ہاتھ، ہُ، مضاف الیہ، ضمیر واحد مذکر غائب، اس کے (اس کے دونوں ہاتھوں) وَ، حرف عطف (اور) یَقُوْلُ ، فعل مضارع واحد مذکر غائب قَالَ یَقُوْلُ ، مصدر قَوْلًا ، کہنا (وہ کہے گا) الْکٰفِرُ۔ کُفْرًا ، مصدر سے اسم فاعل واحد مذکر، کفر کرنے والا، کافر، جمع، اَلْکَافِرُوْنَ ، یٰلَیْتَنِیْ (یَا۔ لَیْتَ ۔ نِ۔ یْ) یَا ، حرف ندا، اے، منادٰی محذوف ہے، لَیْتَ ، حرف مشبہ بالفعل، حرف تمنا، کاش، نِ ، نون وقایہ، یْ، ضمیر واحد متکلم، میں (اے کاش میں) کُنْتُ ، فعل ناقص ماضی واحد متکلم کَانَ یَکُوْنُ ، مصدر کَوْنًا ، ہونا (میں ہوتا) تُرٰبًا (مٹی

(الحمد للہ سورہ نبا مکمل ہوگئی)

[سورۃ النازعات]

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

آیت ۱ تا ۵

وَالنّٰزِعٰتِ غَرۡقًا (۱) وَّالنّٰشِطٰتِ نَشۡطًا (۲) وَّالسّٰبِحٰتِ سَبۡحًا (۳) فَالسّٰبِقٰتِ سَبۡقًا (۴) فَالۡمُدَبِّرٰتِ اَمۡرًا (۵)

ترجمہ:

ان (فرشتوں) کی قسم جو ڈوب کر سختی سے (جان) کھینچ لینے والے ہیں (۱) اور جو بند کھولنے والے ہیں! آسانی سے کھولنا۔ (۲) اور جو تیرنے والے ہیں! تیزی سے تیرنا۔ (۳) پھر جو آگے نکلنے والے ہیں! آگے بڑھ کر۔ (۴) پھر جو کسی کام کی تدبیر کرنے والے ہیں! (۵)

(کوائف)

اس سورۃ کا نام سورۃ النزعت ہے۔ اور یہ اس کے پہلے لفظ سے لیا گیا ہے۔ اس کے دوسرے نام سہمت اور سبقت بھی ہیں جو اس سورۃ کی تیسری اور چوتھی آیات سے ماخوذ ہیں۔ تاہم زیادہ راجح نام نازعت ہی ہے۔ یہ سورۃ مکی زندگی میں نازل ہوئی۔ اس کی چھیالیس ٤٦ آیات ہیں۔

اس کا مضمون پہلی سورۃ نبا کے ساتھ ملتا جلتا ہے۔ ان سورتوں میں قیامت کا ہی ذکر ہے اس کے بعد بھی دور تک اللہ تعالیٰ نے قیامت کا ہی ذکر فرمایا ہے جسکے لیے مختلف طریقے اختیار کئے ہیں۔

(ما قبل سے ربط)

سورۃ نبا میں منکرین قیامت کا قیامت کے بارے میں معاندانہ سوال اور تمسخر کا ذکر تھا اور ان کے جواب ورد کے بعد روز محشر کی حاضری کی کچھ کیفیات ذکر کی گئی تھیں، اب اس سورت میں بالخصوص قیامت قائم ہونے پر جو اضطراب و بے چینی قلوب پر وارد ہوگی، اور بدحواسی کا عالم لوگوں پر ہوگا اس کا بیان ہے، جزاء و سزا اور مومنین و مجرمین کا فرق بھی بیان کیا جارہا ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ حق کو کس طرح باطل پر غلبہ اور کامیابی عطا فرماتا ہے؟ اس کے لیے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کی دعوت و تبلیغ کا ذکر ہے کہ انھوں نے فرعون جیسے مغرور و متکبر کو ایمان کی دعوت دی اور خدا نے اپنے پیغمبر کو کامیاب فرمایا، اور فرعون کو ہلاک کیا۔

تفسیر:

فرمایا: ان (فرشتوں) کی قسم جو (جسم میں) ڈوب کر نہایت سختی سے (کافر کی) روح کھینچتے ہیں۔

کافر کی روح کھینچنے کی کیفیت اور کافر کی روح کا سختی کے ساتھ جسم سے نکالنا:

ان فرشتوں کی قسم کھائی ہے جو انسانوں کے جسموں سے ان کی روحوں کو نکالتے ہیں، اور جب وہ کفار کے جسموں سے ان کی روحوں کو نکالتے ہیں تو ان کے جسموں میں ڈوب کر نہایت سختی سے ان کی روحوں کو کھینچتے ہیں، جیسے کوئی کانٹوں والی شاخ کیچڑ اور گارے مین پھنسی ہو تو اس کو سختی سے کھینچ کر نکالا جاتا ہے۔

جب کوئی پرندہ کسی پنجرہ میں بند ہو اور اس کے چاروں طرف خون خوار بلیاں اس کو نوچنے کے لیے تیار ہوں تو وہ اس پنجرہ میں دبکا ہوتا ہے کیونکہ اس کو پتاہ ہوتا ہے کہ وہ اسی وقت تک محفوظ ہے جب تک اس پنجرہ میں ہے، اگر کوئی پنجرہ کی کھڑکی کھول کے اس کو نکالے تو وہ پنجرہ میں ہی سکڑا بیٹھا رہتا ہے حتیٰ کہ اس کو سختی سے کھینچ کر نکالا جاتا ہے۔

امام ابو اسحاق احمد بن ابراہیم ثعلبی متوفی ٧٢٤ ھ لکھتے ہیں اور امام الحسین بن مسعود الفراء البغوی المتوفی ٦١٥ ھ اور دوسرے مفسرین نے بھی اس کو نقل کیا ہے:

حضرت ابن مسعود (رض) نے فرمایا: ملک الموت کافر کی روح کو ہر بال، ہر ناخن اور قدموں کو جڑوں کے نیچے سے کھینچتا

ہے اور اس کو اس کے جسم میں بار بار لوٹا کر نکالتا ہے اور مقاتل نے کہا : ملک الموت اور اس کے مددگار فرشتے کفار کی روحوں کو اس طرح سختی سے کھینچتے ہیں، جیسے لوہے کی سیخ میں بہت کانٹے ہوں اور ان میں گیلا اون پھنسا ہوا ہو تو اس کو سختی سے کھینچ کر نکالا جائے پھر اس کی جان ایسے نکلتی ہے جیسے پانی میں ڈوبا ہوا شخص نکلتا ہے۔

(الکشف والخفاء ج ۱۰ ص ۲۳۱، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۳ھ، معالم التنزیل ج ۵ ص ۲۰۴، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۰ھ)

امام عبدالرحمن بن محمد رازی ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس (رض) اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں : یہ کفار کی روحیں ہیں جن کو کھینچ کر نکالا جاتا ہے، پھر آگ میں غرق کر دیا جاتا ہے۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث ۱۱۹۱۰ : ، الدر المنثور ج ۸ ص ۳۷۰)

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے ڈوب کر سختی سے کھینچنے والوں کی قسم کھائی ہے اور کھینچنے والوں کو کسی کے ساتھ خاص نہیں کیا، اس لیے یہ عام ہے خواہ فرشتہ ہو یا موت یا ستارہ ہو یا کمان ہو۔ (جامع البیان جز ۳۰ ص ۳۶،)

حضرت علی، حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عباس (رض) نے یہ فرمایا ہے کہ النزعت سے مراد وہ فرشتے ہیں جو سختی سے کافر کی روح کو اس کے جسم سے کھینچتے ہیں۔ (الجامع الاحکام القرآن جز ۲۹ ص ۱۶۵)

فرمایا : اور ان (فرشتوں) کی قسم جو نہایت نرمی سے (مومن کی جان کے) بند کھولتے ہیں۔

"ناشطات" کا معنی اور مومن کی روح کا آسانی کے ساتھ جسم سے نکلنا

اس آیت میں "ناشطات" کا لفظ ہے، یہ "ناشطۃ" کی جمع ہے، اس کا معنی ہے : گرہ یا بند کھولنے والے، فراء نے کہا : اس سے مراد ہے : مؤمنوں کی روحوں کو آسانی سے ان کے جسموں سے نکالنے والے فرشتے، "انشطت العقال" کا معنی ہے : میں نے اونٹ کے زانو بند کی گرہ کھول دی "نشط" کا معنی ہے : گرہ لگانا اور "انشط" کا معنی ہے : گرہ کھولنا، نیز "نشاط" کا معنی خوش ہونا بھی ہے، اس صورت میں معنی ہوگا : مؤمنوں کی خوش ہونے والی روحیں، حضرت ابن عباس (رض) نے فرمایا : مؤمنوں کی روحیں خوشی خوشی اپنے جسموں سے نکلتی ہیں کیونکہ ان کے نکلنے سے پہلے ہی ان کے سامنے جنت کر دی جاتی ہے۔ (لغات القرآن ج ۶ ص ۱۳-۱۲)

امام ثعلبی متوفی ۴۲۷ھ فرماتے ہیں:

حضرت ابن عباس (رض) نے فرمایا : یعنی فرشتے مومن کے جسم سے اس کی گرہ یا اس کا بند کھول دیتے ہیں : جس طرح جب اونٹ کی ٹانگ سے بندھی ہوئی رسی کو کھول دیا جائے تو کہتے ہیں : " نشطت العقال من ید البعیر " یہ فراء کا قول ہے، اور حضرت ابن عباس (رض) نے فرمایا : اس کا معنی ہے : مؤمنوں کی روحیں خوشی خوشی اپنے جسموں سے نکلتی ہیں، کیونکہ

جومومن بھی فوت ہوتا ہے، مرنے سے پہلے اس کو جنت پیش کی جاتی ہے اور وہ اس میں اپنی ان ازواج کو دیکھتا ہے، جو بڑی آنکھوں والی حوریں ہیں۔(معالم التنزیل ج ٥ ص ٤٠٢، الجامع الاحکام القرآن جز ١٩ ص ٦٦١)

حضرت ابن عباس (رض) نے فرمایا : مؤمنین کی روحیں جب ملک الموت کو دیکھیں گی تو ملک الموت کہے گا : اے نفس مطمئنہ : چلو روح اور ریحان (خوشی اور خوشبو) کی طرف اور رب کی طرف جو ناراض نہیں ہے اور خوشی خوشی کرامت کے ساتھ جنت کی طرف چلو۔ (المنثور ج ٨ ص ١٧٣، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ١٤٢١ ھ)

حارث بن نزری کہتے ہیں کہ مجھ سے میری والدین نے یہ حدیث بیان کی کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا : میں نے دیکھا کہ ایک انصاری کے سرہانے ملک الموت کھڑا ہوا تھا، میں نے کہا : اے ملک الموت! میرے صحابی کے ساتھ نرمی کرنا کیونکہ یہ مومن ہے، ملک الموت نے کہا : یا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! آپ خوش ہوں اور اپنی آنکھ ٹھنڈی رکھیں، بیشک میں مومن کے ساتھ نرمی کرنے والا ہوں۔ (مسند البزار رقم الحدیث ٤٨٧١ :)

مؤمن اور کافر کی روح کھینچنے کی کیفیت :

حضرت براء بن عازب (رض) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا : جب بندہ مومن دنیا سے منقطع ہو کر آخرت کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو اس کے پاس آسمان سے سفید چہرے والے فرشتے نازل ہوتے ہیں، ان کے چہرے آفتاب کی طرح روشن ہوتے ہیں اور ان کے ساتھ جنت کے کفن ہوتے ہیں اور جنت کی خوشبو ہوتی ہے، حتیٰ کہ وہ منتہائے نظر تک بیٹھ جاتے ہیں، پھر ملک الموت آ کر اس مومن کے سرہانے بیٹھ جاتا ہے، اور اس سے کہتا ہے : اے نفسِ مطمئنہ! اللہ کی مغفرت اور اس کی رضا کی طرف نکل، پھر اس کی روح اس کے جسم سے اس طرح نکلتی ہے جس طرح مشک کے منہ سے پانی کا قطرہ نکلتا ہے، پھر فرشتہ اس روح کو پکڑ لیتا ہے اور پکڑنے کے بعد پلک جھپکنے کی مقدار بھی اس کو نہیں چھوڑتا اور اس کو اس کفن میں اور اس خوشبو میں رکھ دیتا ہے اور اس سے روئے زمین کی سب سے پاکیزہ مشک کی خوشبو آتی ہے، فرشتے اس روح کو لے کر فرشتوں کی جماعت کے پاس سے گزرتے ہیں، فرشتے ان سے پوچھتے ہیں : یہ کیسی پاکیزہ معطر روح ہے؟ وہ بتائیں گے یہ فلاں بن فلاں ہے اور اس کا وہ نام بتائیں گے جو اس کا دنیا میں سب سے اچھا نام تھا، حتیٰ کہ وہ فرشتے اس روح کو لے کر آسمان دنیا پر پہنچیں گے اور اس کے لیے آسمان کھلوائیں گے تو آسمان کھول دیا جائے گا، پھر آسمان دنیا سے لے کر ساتویں آسمان تک اس کا ہر آسمان پر استقبال کیا جائے گا، پس اللہ عزوجل فرمائے گا : میرے بندہ کا صحیفہ اعمال علّیین میں رکھ دو اور اس کو زمین کی طرف لے جاؤ، میں نے اسی زمین سے ان کو پیدا کیا ہے اور اسی زمین میں ان کو لوٹاؤں گا اور اسی زمین سے ان کو دوبارہ نکالوں گا، پھر اس کی روح کو اس کے جسم میں لوٹا دیا جائے گا، پھر اس کے پاس دو فرشتے آ کر اس کو بٹھا دیں گے اور اس سے پوچھیں گے : تمہارا رب کون ہے؟ وہ کہے گا : میرا رب اللہ ہے، وہ پھر پوچھیں گے : تمہارا دین کیا ہے؟ وہ کہے گا : میرا دین اسلام ہے، وہ پھر پوچھیں گے : یہ کون شخص ہے جو تم میں بھیجا گیا

تھا؟ وہ کہے گا : وہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہیں، وہ کہیں گے : تمہیں کیسے معلوم ہوا؟ وہ کہے گا : میں نے کتاب اللہ کو پڑھا، پس میں ان پر ایمان لایا اور ان کی تصدیق کی، پھر آسمان سے ایک منادی ندا کردے گا : میرے بندہ نے سچ کہا، اس کے لیے جنت سے فرش بچھادو، اور اس کو جنت کا لباس پہناؤ اور اس کے لیے جنت سے ایک کھڑکی کھول دو، پھر اس کے پاس جنت کی ہوا اور اس کی خوشبو آئے گی اور حد نگاہ تک اس کی قبر میں توسیع کر دی جائے گی، پھر اس کے پاس ایک خوب صورت شخص آئے گا، جس کا لباس بھی حسین ہوگا اور اس کی خوشبو بھی بہت اچھی ہوگی، وہ کہے گا تمہیں اس چیز کی بشارت ہو جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا، وہ کہے گا : تم کون ہو؟ تمہارا چہرہ تو بہت حسین ہے اور خیر انگیز ہے وہ کہے گا میں تمہارا نیک عمل ہوں، تو وہ کہے گا : اے میرے رب! قیامت کو قائم کردے تا کہ میں اپنے اہل اور مال کی طرف لوٹ جاؤں۔

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا : جب بندہ کافر دنیا سے منقطع ہو کر آخرت کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو آسمان سے سیاہ فام فرشتے اترتے ہیں، ان کے پاس ٹاٹ ہوتا ہے اور وہ منتہائے نظر تک بیٹھ جاتے ہیں، پھر ملک الموت آکر اس کافر کے سرہانے بیٹھ جاتا ہے اور کہتا ہے : اے خبیث روح! اللہ کی ناراضگی اور غضب کی طرف نکل، وہ روح اس کافر کے جسم مین پھیل جاتی ہے، وہ اس روح کو اس طرح گھسیٹ کر نکالتے ہیں جس طرح کانٹوں والی سلاخ میں پھنسے ہوئے گیلے اون کو کھینچ کر نکالا جاتا ہے، پھر وہ اس روح کو پکڑ لیتے ہیں اور پکڑنے کے بعد پلک جھپکنے کی مقدار بھی نہیں چھوڑتے حتیٰ کہ اس کی روح کو اس ٹاٹ میں لپیٹ دیتے ہیں، اس سے مردار کی طرح سخت بدبو نکلتی ہے، وہ اس روح کو لے کر چڑھتے ہوئے فرشتوں کی جماعت کے پاس سے گزرتے ہیں، وہ پوچھتے ہیں : یہ کون خبیث روح ہے؟ وہ بتاتے ہیں : یہ فلاں بن فلاں ہے اور دنیا میں اس کے بدترین نام کو بتاتے ہیں، حتیٰ کہ آسمان دنیا میں پہنچتے ہیں، آسمان کو کھلواتے ہیں تو آسمان کو نہیں کھولا جاتا، پھر رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے یہ آیت پڑھی:

لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ أَبْوَابُ السَّمَاءِ وَلَا يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ حَتَّىٰ يَلِجَ الْجَمَلُ فِي سَمِّ الْخِيَاطِ (الاعراب ۴۰)

ان (کافروں کے لیے) آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے اور وہ جنت میں داخل نہیں ہوں گے، حتیٰ کہ اونٹ سوئی کے سوراخ میں داخل ہو جائے گا۔

پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا : اس کو سب سے نچلی زمین سجین میں داخل کردو، پھر اس کی روح کو پھینک دیا جائے گا، پھر آپ نے یہ آیت تلاوت کی:

وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَكَأَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَاءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ أَوْ تَهْوِي بِهِ الرِّيحُ فِي مَكَانٍ سَحِيقٍ۔ (الحج ۳۱)

جس نے اللہ کے ساتھ شرک کیا وہ گویا آسمان سے گر پڑا اب یا تو اسے پرندے اچک کرلے جائیں گے یا ہوا اس کو دور دراز کی جگہ پر پھینک دے گی۔

پھر اس کی روح اس کے جسم میں لوٹائی جائے گی، پھر دو فرشتے آکر اس کو بٹھائیں گے اور اس سے پوچھیں گے : تیرا رب

کون ہے؟ ہے کہے گا :افسوس! میں نہیں جانتا، وہ پوچھیں گے :تیرا دین کیا ہے؟ وہ کہے گا :افسوس مین نہیں جانتا، وہ پوچھیں گے :یہ شخص کون ہیں جو تم میں بھیجے گئے ہیں؟ وہ کہے گا :افسوس میں نہیں جانتا، پھر آسمان سے ایک منادی ندا کرے گا :یہ جھوٹ بول رہا ہے، اس کے لیے دوزخ سے فرش بچھادو، اوراس کے لیے دوزخ کی کھڑکی کھول دو، پھراس کے پاس دوزخ کی گرم ہوائیں آئیں گی اوراس کی قبر کو تنگ کر دیا جائے گا حتیٰ کہ اس کی ادھر کی پسلیاں ادھر نکل جائیں گی اوراس کے پاس ایک بدصورت شخص آئے گا جس کا لباس بھی بہت برا ہوگا اوراس سے سخت بدبو آرہی ہوگی، پس وہ کہے گا : تمہیں بری چیزوں کی بشارت ہو، یہ تمہارا وہ دن ہے جس سے تمہیں ڈرایا جاتا تھا، وہ کافر کہے گا : تم کون ہو؟ تمہارا چہرہ تو بہت خوفناک ہے جو شر انگیز ہے، وہ شخص کہے گا :میں تمہارا خبیث عمل ہوں، تب وہ کافر کہے گا :اے میرے رب! قیامت قائم نہ کرنا۔(،مشکوٰۃ رقم الحدیث ۱۶۳۰ :،)

فرمایا؛اوران کی قسم(جو زمین اور آسمان کے درمیان) تیرتے پھرتے ہیں۔

"السابحات" کے مصداق میں اقوال مفسرین؛

حضرت علی(رض) نے فرمایا :"السابحات" سے مراد وہ فرشتے ہیں جو مؤمنین کی روحوں کے ساتھ تیرتے ہیں، الکلبی نے کہا :یہ وہ فرشتے ہیں جو مؤمنین کی روحوں کو قبض کرتے ہیں، جیسے کوئی شخص پانی میں تیرتا ہے تو کبھی پانی میں ڈبکی لگاتا ہے اور کبھی سطح آب پر ابھر آتا ہے اور مجاہد اور ابو صالح نے کہا :یہ وہ فرشتے ہیں جو بہت تیز رفتار گھوڑے کی طرح تیزی سے آسمان سے اترتے ہیں جیسے تیز رفتار گھوڑے کے لیے کہا جاتا ہے کہ وہ تیرنے والا ہے، ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد مجاہدین کے گھوڑے ہیں، قتادہ نے کہا :اس سے مراد ستارے، سورج اور چاند ہیں، اللہ سبحانہ فرماتا ہے۔

وَكُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ۔ (یٰسین :۴۰)

ہر ستارہ اپنے مدار میں تیر رہا ہے۔

عطاء نے کہا :اس سے مراد کشتیاں ہیں۔(الجامع الاحکام القرآن جز۱۹، ص۱۷۴)

فرمایا : پھران کی قسم جو پوری قوت سے آگے بڑھتے ہیں۔

"السابقات" کے مصداق میں اقوال مفسرین؛

مجاہد اور ابوروق نے کہا :جو ابن آدم کی خیر اور عمل صالح کو پہنچانے میں سبقت کرتے ہیں، مقاتل نے کہا :یہ وہ فرشتے ہیں جو ارواح مؤمنین کو جنت میں لے جانے میں سبقت کرتے ہیں، حضرت ابن مسعود نے کہا :یہ مؤمنین کی روحیں ہیں جو فرشتوں کی طرف سبقت کرتی ہیں، یہ اللہ کی ملاقات اوراس کی رحمت اور کرامت کے شوق میں آگے بڑھتی ہیں، عطاء نے کہا: یہ گھوڑے ہیں، قتادہ نے کہا :یہ ستارے ہیں، بعض بعض سے چلنے میں سبقت کرتے ہیں، حضرت علی(رض) نے کہا :یہ وہ فرشتے ہیں جو انبیاء(علیہم السلام) تک وحی پہنچانے میں شیاطین پر سبقت کرتے ہیں، ایک قول یہ ہے کہ بنو آدم نیک

اعمال کی طرف سبقت کرتے ہیں تو یہ ان کو لکھ لیتے ہیں۔

(الجامع الاحکام القرآن جز۱۹ص۸٦١،)

ایک قول یہ ہے کہ یہ سبقت موت کے وقت ہوگی، جب مومن کو موت آئے گی تو وہ اس وقت میں اس قیدی کی طرح ہوگا جو قید سے رہائی اور راحت چاہتا ہو کیونکہ اس وقت مومن دیکھے گا کہ اس کے لیے کیا ثواب تیار کیا گیا ہے، پس اس وقت اس کی خواہش ہوگی کہ وہ اس جسم سے نکل کر اس ثواب تک پہنچ جائے اور کافر جب دیکھے گا کہ اس کے لیے کیا عذاب تیار کیا گیا ہے تو اس کی روح اس جسم سے نکلنا ناپسند کرے گی اور اس وقت اس کے لیے یہی دنیا جنت ہوگی اور وہ اپنے عذاب کو دیکھ کر اس جسم سے جدا ہونا نہیں چاہے گی اور اس کی تائید نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے اس ارشاد سے ہوتی ہے : جو اللہ سے ملاقات کو پسند کرتا ہے، اللہ بھی اس سے ملاقات کو پسند کرتا ہے اور جو اللہ سے ملاقات کو ناپسند کرتا ہے اللہ بھی اس سے ملاقات کو ناپسند کرتا ہے۔(صحیح البخاری رقم الحدیث ٨٠٥٦ :۔٧٠٥٦،صحیح مسلم رقم الحدیث ٣٨٠٢ :)

فرمایا : پھر ان کی قسم جو (نظام کائنات کی) تدبیر کرتے ہیں۔

"المدبرات" کے مصداق میں اقوال مفسرین:

امام الحسین بن مسعود الفرا البغوی المتوفی ٦١٥ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں :

حضرت ابن عباس (رض) نے فرمایا : ”المدبرات امراً“ سے مراد فرشتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے چند امور ان کے سپرد کر دیئے ہیں، پھر اللہ تعالیٰ نے جس طرح ان کو حکم دیا ہے وہ اس کے مطابق عمل کرتے ہیں، عبدالرحمن بن سابط نے کہا : دنیا میں نظام عالم کی تدبیر چار فرشتے کرتے ہیں : حضرت جبرائیل، حضرت میکائیل، حضرت ملک الموت اور حضرت اسرافیل علیہم السلام، حضرت جبرائیل کے سپرد وحی لانا اور ہوائیں اور لشکر ہیں، حضرت میکائیل کے سپرد بارش اور زمین کی پیداوار کا نظام ہے اور حضرت ملک الموت کے سپرد روحوں کو قبض کرنا ہے اور حضرت اسرافیل کے سپرد صور پھونکنا ہے اور وہ بغیر کسی اہم امر کے زمین پر نازل نہیں ہوتے۔(بغوی ج ٥ ص ٥٠٢،)

ترکیب نحوی وتحقیق صرفی:

وَالنّٰزِعٰتِ (وَ۔النّٰزِعٰتِ) وَ، حرف جار وقسمیہ، قسم ہے، النّٰزِعٰتِ، مجرور، مقسم بہ، نَزْعٌ، مصدر سے اسم فاعل جمع مؤنث، سختی سے کھینچ کر نکالنے والے، غَرْقًا، مصدر مفعول (ڈوب کر) (وَ۔النّٰشِطٰتِ) وَ، حرف عطف وقسمیہ جار، اور (قسم) ہے، النّٰشِطٰتِ، مجرور مقسم بہ، نَشْطٌ، مصدر سے اسم فاعل جمع مؤنث، بند کھولنے والے، رہا کرنے والے، نَشْطًا، مصدر ہے (آسانی سے کھولنا، رہا کرنا) وَّالسّٰبِحٰتِ (وَ۔السّٰبِحٰتِ) وَ، حرف عطف و قسمیہ جار، اور (قسم) ہے، السّٰبِحٰتِ، مجرور مقسم بہ، سَبْحًا، مصدر سے اسم فاعل جمع مؤنث (تیرنے والے) سَبْحًا، مصدر ہے (تیزی سے تیرنا) فَالسّٰبِقٰتِ (فَ۔السّٰبِقٰتِ) فَ، حرف عطف، پھر، السّٰبِقٰتِ۔ سَبْقًا، مصدر سے اسم فاعل جمع مؤنث، سبقت لینے والے، آگے نکلنے والے (پھر آگے نکلنے والے) سَبْقًا، اسم مصدر (آگے بڑھ کر، دوڑ کر) فَالْمُدَبِّرٰتِ (فَ۔الْمُدَبِّرٰتِ) فَ، حرف عطف، پھر، الْمُدَبِّرٰتِ۔ تَدْبِیْرٌ، مصدر سے اسم فاعل جمع مؤنث، تدبیر کرنے والے (پھر تدبیر کرنے والے) اَمْرًا، اسم مصدر ہے (کسی کام کی)

آیت ۶ تا ۱۴

يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ (٦) تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ (٧) قُلُوبٌ يَوْمَئِذٍ وَاجِفَةٌ (٨) أَبْصَارُهَا خَاشِعَةٌ (٩) يَقُولُونَ أَإِنَّا لَمَرْدُودُونَ فِي الْحَافِرَةِ (١٠) أَإِذَا كُنَّا عِظَامًا نَخِرَةً (١١) قَالُوا تِلْكَ إِذًا كَرَّةٌ خَاسِرَةٌ (١٢) فَإِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَاحِدَةٌ (١٣) فَإِذَا هُمْ بِالسَّاهِرَةِ (١٤)

ترجمہ:

جس دن ہلا ڈالے گا سخت ہلانے والا (زلزلہ)۔(٦) اس کے بعد ساتھ ہی پیچھے آنے والا (زلزلہ) آئے گا۔(٧) کئی دل اس دن دھڑکنے والے ہوں گے۔(٨) ان کی آنکھیں جھکی ہوئی ہوں گی۔(٩) یہ لوگ کہتے ہیں کیا بے شک ہم یقیناً پہلی حالت میں لوٹائے جانے والے ہیں؟(١٠) کیا جب ہم بوسیدہ ہڈیاں ہوجائیں گے۔(١١) انھوں نے کہا یہ تو اس وقت خسارے والا لوٹنا ہوگا۔(١٢) پس وہ تو صرف ایک ہی ڈانٹ ہوگی۔(١٣) پس یک لخت وہ زمین کے اوپر موجود ہوں گے۔(١٤)

تفسیر:

فرمایا؛ جس دن لرزائے گی لرزانے والی۔

قیامت کے احوال:

اس آیت میں فرمایا ہے: ”یوم ترجف الراجفۃ“ اور یوم پر زبر اس لیے ہے کہ وہ فعل محذوف کا مفعول ہے اور وہ فعل ہے، ”لتبعثن“ یعنی تم ضرور زندہ کر کے اٹھائے جاؤ گے، جس دن لرزائے گی لرزانے والی۔

فرمایا؛ پھر اس کے پیچھے آئے گی پیچھے آنے والی۔

”راجفۃ“ کا معنی:

راجفہ، کے لغت میں دو معنی ہیں: ایک معنی حرکت ہے، قرآن مجید میں ہے:

يَوْمَ تَرْجُفُ الْأَرْضُ وَالْجِبَالُ (المزمل :١٤)

جس دن زمین اور پہاڑ تھرتھرائیں گے۔

اس کا دوسرا معنی ہے: گرج دار آواز یا ہول ناک آواز یا کڑک، قرآن مجید میں ہے:

فَأَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ (الاعراف :١٩)

پس ان کو ہول ناک کڑک نے پکڑ لیا۔

ان آیات میں قیامت کے احوال ذکر کیے گئے ہیں ”الراجفۃ“ سے مراد ہے: پہلی بار صور میں پھونکنا اور اس کو ”راجفۃ“ (لرزانے والی) اس لیے فرمایا ہے کہ پہلے صور کے پھونکنے سے زمین لرزنے لگے گی اور اس میں زلزلہ آجائے گا، پھر اس کے بعد جب دوسری بار صور میں پھونکا جائے تو زمین مردوں کو زندہ کرنے کے لیے دوبارہ لرزے گی۔

فرمایا :اس دن بہت سے دل لرزرہے ہیں ہوں گے۔ دہشت سے ان کی آنکھیں جھکی ہوئی ہوں گی۔
یعنی مشرکین کے دل لرزرہے ہوں گے اور منافقین کی آنکھیں جھکی ہوئی ہوں گی، قرآن مجید میں ہے :

الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يَّنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ نَظَرَ الْمَغْشِيِّ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ط (محمد :۲۰)

جن لوگوں کے دلوں میں بیماری ہے وہ آپ کی طرف اس طرح دیکھتے ہیں جیسے اس شخص کی نظر ہوتی ہے جس پر موت کی بے ہوشی طاری ہو۔
فرمایا : وہ کہتے ہیں : کیا ہم ضرور مرنے کے بعد زندگی کی طرف لوٹائے جائیں گے؟

"حافرۃ" کا معنیٰ :

اس آیت میں "حافرۃ" کا لفظ ہے، اس کا معنی ہے : پہلی حالت، الٹے پاؤں "حافرۃ" "حفر" سے بنا ہے، اس کا معنی ہے : زمین کھودنا "حافرۃ" کا لفظ الٹے پاؤں لوٹنے اور پہلی حالت پر پلٹنے کے لیے ضرب المثل ہو گیا ہے، انسان جس راستہ آیا، الٹے پاؤں اسی راستہ پر پلٹا تو چلنے کی وجہ سے قدموں کے نشانات سے جو زمین کھدی، اس نسبت سے وہ حالت "حافرۃ" کہلائی اور بعض کا قول ہے کہ "حافرۃ" اس زمین کو کہتے ہیں جس میں ان کی قبریں کھدی ہوتی ہیں اور "حافرۃ" بہ معنی "محفورۃ" ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا نام "حافرۃ" اس وجہ سے ہے کہ وہ "حوافر" کا مستقر ہے یعنی کھروں اور سموں کے ٹکنے کی جگہ ہے۔
اس آیت میں اس کا معنی ہے : پہلی حالت پر پلٹنے کی جگہ، گویا مشرکین یہ کہتے تھے کہ آیا ہم مرنے کے بعد پھر پہلی زندگی کی طرف لوٹ جائیں گے؟
فرمایا : کیا ہم جب گلی ہوئی ہڈیاں ہو جائیں گے؟۔
اس آیت میں "نخرۃ" کا لفظ ہے، اس کا معنی ہے : بوسیدہ چورا، چور ہڈیا، بوسیدہ ہونا، ریزہ ریزہ ہونا۔
فرمایا : وہ کہتے ہیں کہ پھر تو بڑے خسارے کی واپسی ہوگی۔

"نخرۃ" کا معنی اور خسارہ کی تفسیر میں دو قول :

حسن بصری نے کہا : اس قول سے مشرکین نے مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیے جانے کا انکار کیا ہے، یعنی ایسا کبھی بھی نہیں ہوگا اور دوسرے مفسرین نے کہا : مشرکین کے قول کا معنی یہ ہے کہ جیسا کہ مسلمانوں کا گمان ہے اگر ہم کو دوبارہ زندہ کیا گیا تو یہ دوسری زندگی مسلمانوں کے لیے نقصان دہ ہوگی کیونکہ مشرکین کا گمان یہ تھا کہ جس طرح وہ دنیا میں عیش و عشرت کی زندگی گزار رہے ہیں، آخرت میں بھی اسی طرح عیش و عشرت میں ہوں گے اور مسلمان جس طرح دنیا میں تنگی سے گزر بسر کر رہے ہیں، اس سے دوسری زندگی مسلمانوں کے لیے خسارہ کا باعث ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ایک کافر کا یہ قول نقل فرمایا ہے :

وَّمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً لا وَّلَئِنْ رُّدِدْتُّ اِلٰى رَبِّيْ لَاَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًا ۔ (الکھف :۳۶)

اور میں یہ گمان نہیں کرتا کہ قیامت قائم ہوگی اور اگر میں اپنے رب کی طرف لوٹایا گیا تو میں اس (دنیا) سے بہتر لوٹنے کی جگہ پاؤں گا۔

پس مشرکین یہ گمان کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو دنیا میں دنیا کی جن نعمتوں سے نوازا ہے، اس کی یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان کا درجہ اور مرتبہ مسلمانوں میں بہت بڑا اور بہت زیادہ ہے کیونکہ یہ جائز نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء پر تو معیشت تنگ کردے اور اپنے دشمنوں پر معیشت کو وسیع کردے اور جب ان پر دنیا میں معیشت کشادہ کی گئی تو انھوں نے یہ گمان کیا کہ وہی دنیا اور آخرت میں فضلیت والے ہیں اور جو ان کے مخالف ہیں، وہی خسارے والے ہیں۔

فرمایا: وہ ضرور صرف ایک جھڑکی ہوگی۔

"زجرۃ" کا معنی:

اس میں یہ بتایا ہے کہ مردوں کو زندہ کرنا بہت سرعت سے ہوگا اور اس کو قائم کرنا اللہ تعالیٰ کے لیے بہت آسان ہے اور اس سے دوسری بار صور پھونکنا مراد ہے اور یہ حضرت اسرافیل کی چیخ ہے، مفسرین نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو زمین کے نیچے سے زندہ کرے گا، وہ اس ہولناک آواز کو سن کر اٹھ کھڑے ہوں گے، اس کی نظیر یہ آیت ہے:

وَمَا يَنْظُرُ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً مَّا لَهَا مِنْ فَوَاقٍ ۔ (ص :۱۵)

انہیں صرف ایک چیخ کا انتظار ہے جس مین کوئی توقف اور ڈھیل نہیں ہے۔

فرمایا: پھر وہ اچانک (حشر کے) کھلے ہوئے میدان مین ہوں گے۔

"ساھرۃ" کا معنی:

اس آیت میں ''ساھرۃ'' کا لفظ ہے، ''ساھرۃ'' کا معنی ہے: میدان ''سھر'' کا معنی: نیند اڑ جانا بھی ہے، لیکن اس کا زیادہ استعمال روئے زمین کے متعلق ہوتا ہے۔

امام رازی فرماتے ہیں: ''ساھرۃ'' سفید ہموار زمین کو کہتے ہیں، اس نام سے اس کو موسوم کرنے کی دو وجہیں ہیں: (۱) اس پر چلنے والے خوف سے سوتا نہیں (۲) اس زمین میں سراب رواں ہوتا ہے، عربوں کا محاورہ ہے: ''عین ساھرۃ'' (جاری چشمہ) اس کی تیسری وجہ بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ اس زمین پر چلنے والے کی خوف سے نیند اڑ جاتی ہے، تو جس زمین پر حشر برپا ہوگا، وہاں کا فر بہت زیادہ خوف زدہ ہوں گے۔ (تفسیر کبیر ج ۱۱ ص ۷۳، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱٤۱۵ھ)

ترکیب نحوی وتحقیق صرفی:

یَوْمَ، ظرف زمان (جس دن) تَرْجُفُ، فعل مضارع واحد مونث غائب رَجَفَ یَرْجُفُ، مصدر رَجْفٌ، زلزلے میں آنا، کانپنا (وہ کانپے گی)

اَلرَّاجِفَۃُ۔ رَجۡفٌ، مصدر سے اسم فاعل واحد مؤنث (کانپنے والی) تَتۡبَعُہَا (تَتۡبَعُ۔ہَا) تَتۡبَعُ، فعل مضارع واحد مؤنث غائب تَبِعَ یَتۡبَعُ، مصدر تَبۡعًا، پیروی کرنا، پیچھے آنا، وہ پیچھے آئے گی، ہَا، ضمیر واحد مؤنث غائب، اس، ضمیر کا مرجع "اَلرَّاجِفَۃُ" ہے (اس کے پیچھے آئے گی) اَلرَّادِفَۃُ، رَدۡفٌ، مصدر سے اسم فاعل واحد مؤنث جس کے معنی پیچھے ہونے اور کسی کے پیچھے سواری پر بیٹھنے کے ہیں (پیچھے آنے والی) قُلُوۡبٌ، جمع مکسر (کئی دل) واحد، قَلۡبٌ، یَّوۡمَئِذٍ (یَوۡمَ۔اِذٍ) یَوۡمَ، مضاف، اسم ظرف، دن، اِذٍ، مضاف الیہ، اس (اس دن) وَّاجِفَۃٌ۔ وَجۡفٌ، مصدر سے اسم فاعل واحد مؤنث (دھڑکنے والے) اَبۡصَارُہَا (اَبۡصَارُ۔ہَا) اَبۡصَارُ، مضاف، آنکھیں، واحد، بَصَرٌ، ہَا، مضاف الیہ، ضمیر واحد مؤنث غائب، اس کی، ضمیر کا مرجع "قُلُوۡبٌ وَّاجِفَۃٌ" ہے (ان کی آنکھیں) خَاشِعَۃٌ۔ خُشُوۡعٌ، مصدر سے اسم فاعل واحد مؤنث (دبی جانے والی، سہمی ہوئی، جھکی ہوئی) یَقُوۡلُوۡنَ، فعل مضارع جمع مذکر غائب قَالَ یَقُوۡلُ، مصدر قَوۡلًا، کہنا (وہ کہتے ہیں) ءَاِنَّا (ءَ۔اِنَّ۔نَا) ءَ، ہمزہ استفہامیہ، کیا، اِنَّ، حرف مشبہ بالفعل، بے شک، نَا، ضمیر جمع متکلم، ہم (کیا بے شک ہم) لَمَرۡدُوۡدُوۡنَ (لَ۔مَرۡدُوۡدُوۡنَ) لَ، لام تاکید، ضرور، مَرۡدُوۡدُوۡنَ۔ رَدٌّ، مصدر سے اسم مفعول جمع مذکر (لوٹائے جانے والے) واحد، مَرۡدُوۡدٌ، فِی الۡحَافِرَۃِ (فِیۡ۔ اَلۡحَافِرَۃِ) فِیۡ، حرف جار، میں، اَلۡحَافِرَۃِ، مجرور، حَفۡرٌ، مصدر سے اسم فاعل واحد مؤنث زمین کھودنے کے معنی میں ہے۔ عرب میں حَافِرَۃٌ، الٹے پاؤں لوٹنے اور پہلی حالت پر پلٹنے کیلئے ضرب المثل ہوگیا ہے (پہلی حالت، الٹے پاؤں) ءَ، ہمزہ استفہامیہ، (کیا) اِذَا، اسم ظرف مستقبل بمعنی شرط (جب) کُنَّا، فعل ناقص ماضی جمع متکلم کَانَ یَکُوۡنُ، مصدر کَوۡنًا، ہونا، اِذَا، کی وجہ سے ترجمہ (ہم ہوجائیں گے) عِظَامًا نَّخِرَۃً۔ عِظَامًا، موصوف، ہڈیاں، واحد، عَظۡمٌ، نَّخِرَۃً، صفت، نَخۡرًا، مصدر سے صفت مشبہ، بوسیدہ ریزہ ریزہ (بوسیدہ ہڈیاں) قَالُوۡا، فعل ماضی جمع مذکر غائب قَالَ یَقُوۡلُ، مصدر قَوۡلًا، کہنا (انہوں نے کہا) تِلۡکَ، اسم اشارہ واحد مؤنث بعید، اصل ترجمہ "وہ" ضرورتاً ترجمہ (یہ) کیا جاتا ہے۔ اِذًا، جواب اور جزا کیلئے آتا ہے (تب، اس وقت) کَرَّۃٌ خَاسِرَۃٌ۔ کَرَّۃٌ، موصوف، مصدر، لوٹنا، خَاسِرَۃٌ، صفت، خُسۡرَانٌ، مصدر سے اسم فاعل واحد مؤنث، خسارے والا، گھاٹے والا (خسارے والا لوٹنا) فَاِنَّمَا (فَ۔اِنَّمَا) فَ، حرف عطف، پس، اِنَّمَا، اِنَّ، حرف مشبہ بالفعل، اور، مَا، کافہ، حصر کیلئے، بے شک، صرف (پس صرف) ہِیَ، ضمیر واحد مؤنث غائب (وہ) زَجۡرَۃٌ وَّاحِدَۃٌ۔ زَجۡرَۃٌ، موصوف، زَجۡرًا، مصدر سے اسم بمعنی، جھڑک، ڈانٹ، وَّاحِدَۃٌ، صفت، وَحۡدٌ، مصدر سے اسم فاعل واحد مؤنث، ایک، (ایک ڈانٹ) فَاِذَا (فَ۔اِذَا) فَ، حرف عطف، پھر، اِذَا، مفاجاتیہ، یعنی کسی چیز کے اچانک پیش کیلئے استعمال ہوتا ہے، اچانک، یکایک (پھر یکایک) ہُمۡ، ضمیر جمع مذکر غائب (وہ) بِالسَّاہِرَۃِ (بِ۔اَلسَّاہِرَۃِ) بِ، حرف جار، بمعنی، فِیۡ، میں، اَلسَّاہِرَۃِ، مجرور، سَہۡرٌ، مصدر سے جس کے معنی نیند کے اڑ جانے کے ہیں، اسم فاعل واحد مؤنث، مگر اس کا استعمال کھلا میدان، سفید ہموار زمین، کے معنی میں ہوتا ہے، سَاہِرَۃٌ، نام اس لیے ہے کہ قیامت کے دن اس کے کھلے میدان میں لوگوں کی نیند اڑ جائے گی۔

آیت ۱۵ تا ۲۶

هَلۡ أَتَاكَ حَدِيثُ مُوسَىٰ (۱۵) إِذۡ نَادَاهُ رَبُّهُ بِالۡوَادِ الۡمُقَدَّسِ طُوًى (۱۶) اذۡهَبۡ إِلَىٰ فِرۡعَوۡنَ إِنَّهُ طَغَىٰ (۱۷) فَقُلۡ هَل لَّكَ إِلَىٰ أَن تَزَكَّىٰ (۱۸) وَأَهۡدِيَكَ إِلَىٰ رَبِّكَ فَتَخۡشَىٰ (۱۹) فَأَرَاهُ الۡآيَةَ الۡكُبۡرَىٰ (۲۰) فَكَذَّبَ وَعَصَىٰ (۲۱) ثُمَّ أَدۡبَرَ يَسۡعَىٰ (۲۲) فَحَشَرَ فَنَادَىٰ (۲۳) فَقَالَ أَنَا رَبُّكُمُ الۡأَعۡلَىٰ (۲۴) فَأَخَذَهُ اللَّهُ نَكَالَ الۡآخِرَةِ وَالۡأُولَىٰ (۲۵) إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَعِبۡرَةً لِّمَن يَخۡشَىٰ (۲۶)

ترجمہ:

کیا تیرے پاس موسیٰ کی بات پہنچی ہے؟ (۱۵) جب اس کے رب نے اسے مقدس وادی طویٰ میں پکارا۔ (۱۶) فرعون کے پاس جا، یقیناً وہ حد سے بڑھ گیا ہے۔ (۱۷) پس کہہ کیا تجھے اس بات کی کوئی رغبت ہے کہ تو پاک ہوجائے؟ (۱۸) اور میں تیرے رب کی طرف تیری راہ نمائی کروں، پس تو ڈر جائے۔ (۱۹) چنانچہ اس (موسیٰ) نے اسے (فرعون) بہت بڑی

نشانی دکھائی۔(۲۰) تو اس (فرعون) نے جھٹلا دیا اور نافرمانی کی۔(۲۱) پھر واپس پلٹا، دوڑ بھاگ کرتا تھا۔(۲۲) پھر اس نے اکٹھا کیا، پس پکارا۔(۲۳) پس اس نے کہا میں تمھارا سب سے اونچا رب ہوں۔(۲۴) تو اللہ نے اسے (فرعون) آخرت اور دنیا کے عذاب میں پکڑ لیا۔(۲۵) بے شک اس میں اس شخص کے لیے یقیناً بڑی عبرت ہے جو ڈرتا ہے۔(۲۶)

تفسیر:

فرمایا: کیا آپ کے پاس موسیٰ کی خبر پہنچی؟

حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کا فرعون کے ساتھ معرکہ کا قصہ اور اس سے کفار مکہ کو ڈرانا:

اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا تھا کہ کفار مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیے جانے کے انکار پر بہت اصرار کر رہے ہیں حتیٰ کہ وہ اس کا مذاق اڑا رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں: "تِلْكَ إِذًا كَرَّةٌ خَاسِرَةٌ۔" (الزعت: ۱۲) پھر تو آخرت کی طرف لوٹنا بہت خسارہ والا ہوگا اور ہمارے رسول سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر ان کا یہ مسلسل انکار بہت شاق گزرتا تھا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کا قصہ بیان فرمایا تا کہ آپ کو تسلی دی جائے کہ فرعون کو دعوت دینے میں موسیٰ (علیہ السلام) نے بھی مشقت اٹھائی تھی اور فرعون بھی آخر وقت تک اپنے انکار پر جما رہا تھا، سو آپ پریشان نہ ہوں اور غم نہ کریں، انبیاء (علیہم السلام) کو اللہ کی توحید کی طرف دعوت دینے میں ان مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے، دوسری وجہ یہ ہے کہ فرعون کفار مکہ سے زیادہ قوی اور جابر حکمران تھا، اس کے پاس بڑا لشکر تھا اور اس کی بہت بڑی سلطنت تھی اور جب اس نے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کی دعوت کو رد کر دیا اور ان کے مقابلہ میں سرکشی کی تو اس کا جاہ وحشم، اس کی بڑی سلطنت اور اس کا لشکر اس کے کچھ کام نہ آیا، اللہ تعالیٰ نے فرعون کو اس کے لشکر سمیت سمندر میں غرق کر دیا اور اس کو دنیا اور آخرت میں عبرت کا نشان بنا دیا اور فرعون کی قوت اور حشمت کے مقابلہ میں یہ کفار مکہ کیا چیز ہیں، اگر یہ بھی آخر وقت تک اپنے انکار پر جمے رہے اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی مخالفت کرتے رہے تو اللہ تعالیٰ ان کو بھی دنیا اور آخرت میں عبرت کا نشان بنا دے گا۔

فرمایا: کیا آپ کے پاس موسیٰ کی خبر پہنچی؟ ۔ جب ان کے رب نے وادیٔ طویٰ میں انھیں ندا فرمائی۔

"طویٰ":

،طویٰ شام کی ایک وادی کا نام ہے جو پہاڑ طور کے پاس ہے، جب رات کے وقت حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کو ندا فرمائی تھی کہ آپ فرعون کے پاس جائیں، طویٰ وادیٔ مقدس ہے جس میں دو مرتبہ برکت ڈالی گئی ہے۔

فراء نے یہ کہا ہے کہ طویٰ مدینہ اور مصر کے درمیان ایک وادی ہے۔

فرمایا: کہ آپ فرعون کے پاس جائیں بیشک اس نے سرکشی کی ہے۔

"طغیٰ" کا معنیٰ:

اس کا معنیٰ حد سے تجاوز کرنا ہے، اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں بیان فرمایا ہے کہ اس نے کس چیز میں حد سے تجاوز کیا تھا، اس لیے مفسرین نے کہا ہے کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں تکبر کیا اور کافر ہو گیا اور دوسرے مفسرین نے کہا: اس نے بنی اسرائیل کے مقابلہ میں حد سے تجاوز کیا اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس نے خالق اور مخلوق دونوں کے معاملہ میں حد سے تجاوز کیا ہو، خالق کے معاملہ میں تجاوز یہ تھا کہ اس نے اللہ تعالیٰ کی توحید کو نہیں مانا اور لوگوں سے کہا: "اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى۔" (النزعت: ۲۴) تمہارا سب سے بڑا رب میں ہوں) اور مخلوق کے سامنے تکبر یہ تھا کہ اس نے بنی اسرائیل کو اپنا غلام بنا لیا، ان سے بے گار کے کام لیتا تھا اور ان پر طرح طرح کے ظلم کرتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے جب حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کو فرعون کی طرف بھیجا تو ان کو تلقین کی کہ وہ ان سے کہیں!:

فرمایا: آپ اس سے کہیں کہ گناہوں سے پاک ہونے کے متعلق تیری کیا رائے ہے؟۔

تزکی کا مادہ زکی ہے، اس کا معنیٰ ہے: عیوب سے بری ہونا اور قبائح سے پاک ہونا، قرآن مجید میں ہے:

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا ۔ (الشمس: ۹) جس نے اپنے نفس کو گناہوں سے پاک کرلیا وہ کامیاب ہو گیا)

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون (علیہما السلام) کو تلقین کی تھی کہ فرعون کے ساتھ نرمی سے بات کریں، فرمایا:

فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّیِّنًا (طٰهٰ: ۴۴) پس تم دونوں اس سے نرمی سے بات کرنا۔

اس میں یہ دلیل ہے کہ جب کسی کو اللہ کے دین کی طرف دعوت دینی ہو تو اس کے ساتھ سختی نہیں کرنی چاہیے اور نرمی سے بات کرنی چاہیے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے فرمایا:

وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ص (آل عمران: ۱۵۹)

اگر آپ بدمزاج اور سخت دل ہوتے تو لوگ آپ کے پاس سے بھاگ جاتے۔

فرمایا: اور میں تجھے تیرے رب کی طرف رہ نمائی کروں سو تو ڈرے۔

اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی توحید کی معرفت اور اس پر ایمان لانا، اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت پر مقدم ہے، کیونکہ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے ہدایت کو پہلے ذکر اور اللہ سے ڈرنے کا ذکر بعد میں کیا، اور اس کی نظیر یہ آیت ہے:

اِنَّنِیْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِیْ ط (طٰهٰ: ۱۴)

بے شک میں ہی اللہ ہوں، میرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے، تو آپ میری عبادت کیجئے۔

اور اللہ تعالیٰ کی خشیت اور اس کا خوف اللہ تعالیٰ کی معرفت کے بغیر ممکن نہیں ہے، اسی لیے فرمایا:

اِنَّمَا یَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا (فاطر: ۲۸)

اللہ کے بندوں سے صرف علماء ہی اللہ سے ڈرتے ہیں۔

فرمایا: پھر انھوں نے اسے بہت بڑی نشانی دکھائی۔

بہت بڑی نشانی کے متعلق متعدد اقوال:

(۱) اس سے مراد ید بیضاء ہے، قرآن مجید میں ہے:

وادخل یدك فی جیبك تخرج بیضا من غیر سوء (النمل ۱۲)

آپ اپنا ہاتھ اپنے گریبان (بغل) میں ڈالیں آپ کا ہاتھ سفید چمک دار بغیر کسی عیب کے نکلے گا۔

وَاضْمُمْ يَدَكَ إِلَىٰ جَنَاحِكَ تَخْرُجْ بَيْضَاءَ مِنْ غَيْرِ سُوءٍ آيَةً أُخْرَىٰ ۔ لِنُرِيَكَ مِنْ آيَاتِنَا الْكُبْرَى ۔ (طٰہٰ ۲۲-۲۳)

اور آپ اپنا ہاتھ اپنی بغل میں دبائیے وہ بغیر کسی عیب کے سفید چمکتا ہوا نکلے گا، یہ دوسری نشانی ہے۔ تاکہ ہم آپ کو اپنی بعض بہت بڑی نشانیاں دکھائیں۔

(۲) اس سے مراد عصا ہے کیونکہ حضرت موسیٰ جب عصا کو زمین پر ڈالتے تو وہ اژدھا بن جاتا تھا، اس کے اجزاء اور اس کا جسم بڑھ جاتا تھا اور اس سے حضرت موسیٰ کو بہت بڑی قدرت اور بہت شدید طاقت حاصل ہوتی تھی، اور وہ اژدھا بہت ساری چیزوں کو نگل جاتا تھا اور وہ چیزیں فنا ہو جاتی تھیں اور بڑی بڑی چیزوں کے اجزاء فنا ہو جاتے تھے اور چیزوں کے رنگ اور ان کی صورتیں زائل ہو جاتی تھیں اور ان چیزوں میں سے ہر چیز ایک مستقل معجزہ ہے لہٰذا عصا بہت بڑی نشانی ہوا۔

(۳) بہت بڑی نشانی سے مراد ید بیضاء اور عصا کا مجموعہ ہے۔

فرمایا: سو اس نے تکذیب کی اور نافرمانی کی۔

یعنی اس کی تکذیب کا خلاصہ یہ تھا کہ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کے یہ معجزے ان کے دعویٰ نبوت کے صدق پر دلالت نہیں کرتے، اسی لیے اس نے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کے عصا سے معارضہ کرنے کے لیے دوسرے شہروں میں جادو گروں کو اکٹھا کیا، قرآن مجید میں ہے:

فَأَرْسَلَ فِرْعَوْنُ فِي الْمَدَائِنِ حَاشِرِينَ ۔ (الشعرا ۵۳) پھر فرعون نے شہروں میں (جادو گروں کو) جمع کرنے والوں کو بھیج دیا۔

فرمایا: پھر اس نے پیٹھ پھیری اور ان کے خلاف کارروائی کی۔

"یسعی" کا معنی:

، اس کا مصدر "سعی" ہے اس کا معنی جدوجہد کرنا بھی ہے اور بھاگنا بھی اور اس آیت کی دو تفسیریں ہیں:

(۱) جب فرعون نے اژدھے کو اپنی طرف بڑھتے دیکھا تو وہ مرعوب ہو کر بھاگ گیا۔

(۲) فرعون نے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) سے پیٹھ پھیری اور ان کے خلاف کارروائی کرنے میں مشغول ہو گیا۔

فرمایا: اس نے لوگوں کو جمع کر کے یہ اعلان کیا۔ پس کہا: میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں۔

فرعون نے دوسرے شہروں سے جادوگروں کو بلوا کر جمع کیا۔ (الشعراء ۳۵ :) پھر جس مقام پر تمام جادوگر جمع ہوئے تھے، اس میدان میں اس نے کھڑے ہو کر اعلان کیا کہ میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں۔

سب سے بڑا رب ہوں، کا معنی؛

اس نے جو یہ کہا تھا کہ میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں، اس کا یہ مطلب نہیں تھا کہ تمام آسمانوں اور زمینوں اور پہاڑوں اور سمندروں اور دریاؤں کو میں نے پیدا کیا ہے کیونکہ یہ دعویٰ تو ایک مجنون کی بڑ سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا، بلکہ فرعون دہریہ تھا، وہ اس جہان کا کوئی صانع نہیں مانتا تھا، نہ نبی اور رسول کو مانتا تھا، اس کا مطلب یہ تھا کہ میں تمہارا سب سے بڑا مربی اور محسن ہوں، لہٰذا تم میرا شکر ادا کرو اور میری تعظیم کرو اور مجھے سجدہ کرو اور میرے احکام مانو اور میری اطاعت کرو، وہ قیامت، حشر و نشر اور جزاء اور سزا کا بھی منکر تھا۔ فرمایا : پس اللہ نے اسے دنیا اور آخرت کے عذاب کی گرفت میں لے لیا۔ بیشک اس میں ڈرنے والے کے لیے ضرور عبرت ہے۔

"اخرۃ" اور "اولیٰ" کی متعدد تفاسیر؛

اس آیت میں فرمایا ہے : اللہ نے اس کو اخرۃ" اور "اولیٰ" کے عذاب کی گرفت میں لے لیا، مجاہد، شعبی، سعید بن جبیر اور مقاتل نے کہا: "اخرۃ" اور "اولیٰ" سے مراد فرعون کے دو دعوے ہیں، جو حسب ذیل ہیں:

مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِیْ ج (القصص :۳۸)

مجھے اپنے سوا تمہارے اور کسی معبود کا علم نہیں ہے۔

اس دعویٰ کے چالس سال بعد اس نے یہ دعویٰ کیا:

اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى۔ (النازعات :۲۴)

میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں۔

یعنی فرعون کے ان دو دعوؤں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنے عذاب کی گرفت میں لے لیا۔

حضرت ابن عباس (رض) نے فرمایا : اس سے مقصود اس بات پر متنبہ کرنا ہے کہ جب فرعون نے پہلا دعویٰ کیا تو اللہ تعالیٰ نے فوراً اس کو گرفت میں نہیں لیا بلکہ اس کو چالیس سال تک مہلت دی اور جب اس نے چالیس سال تک رجوع نہیں کیا بلکہ اس سے بڑھ کر دعویٰ کیا تو پھر اس کو اپنے عبرت ناک عذاب کی گرفت میں لے لیا۔

حسن اور قتادہ نے اس آیت کی یہ تفسیر کی ہے کہ "اخرۃ" اور "اولیٰ" کا معنی یہ ہے کہ اسے آخرت اور دنیا کے عذاب نے اپنی گرفت میں لے لیا، دنیا میں اس کو سمندر میں غرق کر دیا اور آخرت میں اس کو دوزخ میں ڈالا جائے گا۔

قفال نے اس کی تفسیر میں یہ کہا ہے کہ فرعون کے دو جرم تھے، اس نے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کی تکذیب کی اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی، سو اس کو ان دو وجہوں سے عذاب ہوگا اور "آخرۃ" اور "اولیٰ" سے یہی مراد ہے۔

فرمایا: اس میں ڈرنے والوں کے لیے ضرور عبرت ہے،

یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) اور فرعون کا جو قصہ بیان فرمایا ہے اور فرعون کو جو رسوا کیا ہے اور حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کو جو عزت دی ہے اس میں اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے بہت بڑی عبرت ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں سرکشی کرے اور انبیاء (علیہم السلام) کی تکذیب کرے، وہ فرعون کے انجام سے دوچار ہوگا۔

ترکیب نحوی وتحقیق صرفی:

ہَلْ، استفہامیہ (کیا) اَتٰیکَ (اَتٰی۔ کَ) اَتٰی، فعل ماضی واحد مذکر غائب اَتٰی یَاْتِیْ، مصدر اِتْیَانٌ، آنا، پہنچنا، وہ آئی ہے، کَ، ضمیر واحد مذکر حاضر، آپ کے (وہ آپ کے پاس آئی ہے) حَدِیْثُ مُوْسٰی۔ حَدِیْثُ، مضاف، بات، مُوْسٰی، مضاف الیہ، حضرت موسیٰ کی (حضرت موسیٰ کی بات) اِذْ، ظرف زمان، ماضی کے واقعہ سے پہلے آتا ہے (جب) نَادٰیہُ (نَادٰی۔ ہُ) نَادٰی، فعل ماضی واحد مذکر غائب نَادٰی یُنَادِیْ، مصدر نِدَآءٌ وَّمُنَادَاۃٌ، پکارنا، اس نے پکارا، ہُ، ضمیر واحد مذکر غائب، اسے، ضمیر کا مرجع "مُوْسٰی" ہے (اس نے پکارا اسے) رَبُّہٗ (رَبُّ۔ ہٗ) رَبُّ، مضاف، رب، ہٗ، مضاف الیہ، ضمیر واحد مذکر غائب، اس کے، ضمیر کا مرجع "مُوْسٰی" ہے (اس کے رب) بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ (بِ۔ اَلْوَادِ۔ الْمُقَدَّسِ) بِ، حرف جار بمعنی فِیْ، میں، اَلْوَادِ، مجرور، موصوف، وادی، الْمُقَدَّسِ، صفت، تَقْدِیْسٌ، مصدر سے اسم مفعول، پاک کیا ہوا، مقدس (مقدس وادی میں) طُوًی، جگہ کا نام (طُوٰی) اِذْہَبْ، فعل امر واحد مذکر حاضر ذَہَبَ یَذْہَبُ، مصدر ذِہَابٌ، جانا (جاؤ) اِلٰی فِرْعَوْنَ۔ اِلٰی، حرف جار، کی طرف، فِرْعَوْنَ، مجرور، فرعون (فرعون کی طرف) اِنَّہٗ (اِنَّ۔ ہٗ) اِنَّ، حرف مشبہ بالفعل، بے شک، یقیناً، ہٗ، ضمیر واحد مذکر غائب، وہ (یقیناً وہ) طَغٰی، فعل ماضی واحد مذکر غائب طَغٰی یَطْغٰی، مصدر طُغْیَانٌ، حد سے نکل جانا، سرکش ہونا (وہ سرکش ہوگیا ہے) فَقُلْ (فَ۔ قُلْ) فَ، حرف عطف، پھر، قُلْ، فعل امر واحد مذکر حاضر قَالَ یَقُوْلُ، مصدر قَوْلًا، کہنا (کہو) ہَلْ، استفہامیہ (کیا) لَّکَ (لَ۔ کَ) لَ، حرف جار، کو، کَ، مجرور، ضمیر واحد مذکر حاضر، تجھ (تجھ کو) اِلٰی اَنْ۔ اِلٰی، حرف جار، اس طرف، اَنْ، مجرور، مصدریہ ناصبہ، کہ (اس طرف کہ) تَزَکّٰی، اصل میں "تَتَزَکّٰی" تھا، ایک "تا" اختصار کیلئے حذف ہے، فعل مضارع واحد مذکر حاضر تَزَکّٰی یَتَزَکّٰی، مصدر تَزَکِّیٌ، پاک ہونا (تو پاک ہوجائے) وَ، حرف عطف (اور) اَہْدِیَکَ (اَہْدِیَ۔ کَ) اَہْدِیَ، فعل مضارع واحد متکلم ہَدٰی یَہْدِیْ، مصدر ہِدَایَۃٌ، ہدایت دینا، رہنمائی کرنا، میں رہنمائی کروں، کَ، ضمیر واحد مذکر حاضر، تیری (میں تیری رہنمائی کروں) اِلٰی رَبِّکَ (اِلٰی۔ رَبِّ۔ کَ) اِلٰی، حرف جار، کی طرف، رَبِّ، مجرور، مضاف، رب، کَ، مضاف الیہ، ضمیر واحد مذکر حاضر، تیرے (تیرے رب کی طرف) فَتَخْشٰی (فَ۔ تَخْشٰی) فَ، حرف عطف، پس، تَخْشٰی، فعل مضارع واحد مذکر حاضر خَشِیَ یَخْشٰی، مصدر خَشْیَۃٌ، ڈرنا، تو ڈر جائے (پس تو ڈر جائے) فَاَرٰیہُ (فَ۔ اَرٰی۔ ہُ) فَ، حرف عطف، پھر، اَرٰی، فعل ماضی واحد مذکر غائب اَرٰی یُرِیْ، مصدر اِرَآءَۃٌ، دکھانا، اس نے دکھائی، ہُ، ضمیر واحد مذکر غائب، اسے (اس نے اسے دکھائی) الْاٰیَۃَ الْکُبْرٰی (اَلْاٰیَۃَ۔ اَلْکُبْرٰی) الْاٰیَۃَ، موصوف، نشانی، الْکُبْرٰی، صفت، کِبَرٌ، مصدر سے اسم تفضیل واحد مؤنث، بہت بڑی (بہت بڑی نشانی) فَکَذَّبَ (فَ۔ کَذَّبَ) فَ، حرف عطف، تو، کَذَّبَ، فعل ماضی واحد مذکر غائب کَذَّبَ یُکَذِّبُ، مصدر تَکْذِیْبٌ، جھٹلانا، اس نے جھٹلایا (تو اس نے جھٹلایا) وَ، حرف عطف، عَصٰی، فعل ماضی واحد مذکر غائب عَصٰی یَعْصِیْ، مصدر عِصْیَانٌ، نافرمانی کرنا (اس نے نافرمانی کی) ثُمَّ، حرف عطف (پھر) اَدْبَرَ، فعل ماضی واحد مذکر غائب اَدْبَرَ یُدْبِرُ، مصدر اِدْبَارٌ، پلٹنا، لوٹنا (وہ پلٹا) یَسْعٰی، فعل مضارع واحد مذکر غائب سَعٰی یَسْعٰی، مصدر سَعْیًا، کوشش کرنا (وہ کوشش کرنے لگا) فَقَالَ (فَ۔ قَالَ) فَ، حرف عطف، پھر، قَالَ، فعل ماضی واحد مذکر غائب قَالَ یَقُوْلُ، مصدر قَوْلًا، کہنا، اس نے کہا (پھر اس نے کہا) اَنَا، ضمیر واحد متکلم (میں) رَبُّکُمُ (رَبُّ۔ کُمْ) رَبُّ، مضاف، رب، کُمْ، مضاف الیہ، ضمیر جمع مذکر حاضر، تمہارا (تمہارا رب) الْاَعْلٰی۔ عُلُوٌّ، مصدر سے افعل التفضیل کا صیغہ (سب سے اونچا، سب سے بلند، اعلیٰ) فَاَخَذَہُ (فَ۔ اَخَذَ۔ ہُ) فَ، حرف عطف، تو، اَخَذَ، فعل ماضی واحد

مذکر غائب اَخَذَ یَاْخُذُ، مصدر اَخْذٌ، پکڑنا، اس نے پکڑلیا، ہٗ، ضمیر واحد مذکر غائب، اسے (تو اس نے اسے پکڑلیا) اَللّٰہُ، فاعل (اللہ) نَکَالَ الْاٰخِرَۃِ (نَکَالَ۔ اَلْاٰخِرَۃِ) نَکَالَ، مضاف، نِکْلٌ، مصدر سے اسم منصوب نکرہ، عذاب، اَلْاٰخِرَۃِ، مضاف الیہ، آخرت کے (آخرت کے عذاب) وَ، حرف عطف (اور) اَلْاُوْلٰی۔ اَلْاَوَّلُ، کی مؤنث، مراد (دنیا) اِنَّ، حرف مشبہ بالفعل (بے شک، بلاشبہ) فِیْ ذٰلِکَ۔ فِیْ، حرف جار، میں، ذٰلِکَ، مجرور، اسم اشارہ واحد مذکر بعید، اس (اس میں) لَعِبْرَۃً (لَ۔ عِبْرَۃً) لَ، لام تاکید، یقیناً، عِبْرَۃً، عبرت (یقیناً عبرت) لِّمَنْ (لِ۔ مَنْ) لِ، حرف جار، کیلئے، مَنْ، مجرور، اسم موصول، جو (اس کیلئے جو) یَّخْشٰی، فعل مضارع واحد مذکر غائب خَشِیَ یَخْشٰی، مصدر خَشْیَۃٌ، ڈرنا (وہ ڈرتا ہے)۔

آیت ۲۷ تا ۳۳

ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ بَنٰهَا (۲۷) رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوّٰىهَا (۲۸) وَاَغْطَشَ لَيْلَهَا وَاَخْرَجَ ضُحٰىهَا (۲۹) وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا (۳۰) اَخْرَجَ مِنْهَا مَآءَهَا وَمَرْعٰىهَا (۳۱) وَالْجِبَالَ اَرْسٰىهَا (۳۲) مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ (۳۳)

ترجمہ؛

کیا پیدا کرنے میں تم زیادہ مشکل ہو یا آسمان؟ اس نے اسے بنایا۔(۲۷) اس کی چھت کو بلند کیا، پھر اسے برابر کیا۔(۲۸) اور اس کی رات کو تاریک کر دیا اور اس کے دن کی روشنی کو ظاہر کر دیا۔(۲۹) اور زمین، اس کے بعد اسے بچھا دیا۔(۳۰) اس سے اس کا پانی اور اس کا چارا نکالا۔(۳۱) اور پہاڑ، اس نے انھیں گاڑ دیا۔(۳۲) تمھاری اور تمھارے چوپاؤں کی زندگی کے سامان کے لیے۔(۳۳)

تفسیر؛

فرمایا: آیا تم کو پیدا کرنا زیادہ دشوار ہے یا آسمان کو؟ جس کو اللہ نے بنا دیا ہے۔ اللہ نے اس کی چھت بلند کی پھر اس کو ہموار بنا دیا۔

آسمانوں کی تخلیق سے حیات بعد الموت پر استدلال؛

حضرت موسیٰ (علیہ السلام) اور فرعون کا قصہ ختم کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے سلسلہ کلام کو پھر حیات بعد الموت کے منکرین کی طرف راجع فرمایا اور یہ استدلال کیا کہ اے منکرو! تمہارے مقابلہ میں آسمان بہت بڑی مخلوق ہے اور جب اللہ تعالیٰ نے اتنے عظیم آسمان طبق در طبق بنا دیئے تو تم کو دوبارہ پیدا کرنا اس کے لیے کب مشکل ہے، جیسا کہ ان آیات میں فرمایا ہے:

اَوَلَيْسَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ ط (یٰسین :۸۱)

کیا جس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا فرمایا ہے وہ اس پر قادر نہیں کہ ان کی مثل پیدا فرمائے۔

لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ (المؤمن :۵۷)

آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کرنا انسانوں کو پیدا کرنے سے ضرور بہت بڑا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ حیات بعد الموت کے منکرین اس بات کو مانتے ہیں کہ آسمانوں اور زمینوں کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے۔

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ط (لقمان :۲۵)

اور اگر آپ ان سے سوال کریں کہ آسمانوں اور زمینوں کو کس نے پیدا کیا ہے تو یہ ضرور بہ ضرور کہیں گے کہ اللہ نے۔
اور ہر صاحب عقل اس بات کو مانے گا کہ انسانوں کو دوبارہ پیدا کرنے کی بہ نسبت آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کرنا بہت مشکل اور دشوار ہے اور جب اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمینوں کو پیدا فرما چکا ہے تو اس کے لیے انسانوں کو دوبارہ پیدا کرنا کب مشکل اور دشوار ہے تو پھر انسانوں کے دوبارہ پیدا کرنے کا کیوں انکار کرتے ہو!
آسمان بہت عظیم مخلوق ہے، اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے احکام پر عمل کرنے کی جو امانت سونپی ہے، اس نے اس امانت میں خیانت نہیں کی اور اس میں خیانت کرنے سے ڈرا اور آسمان کے مقابلہ میں انسان اس قدر ضعیف اور ناتواں ہے، وہ پھر بھی اللہ تعالیٰ کے احکام میں خیانت کرنے سے نہیں ڈرتا اور اللہ تعالیٰ نے دوزخ کے عذاب سے ڈرایا تا کہ لوگ اپنی سرکشی کو ترک کر کے اس دعوت پر ایمان لے آئیں جس کو اللہ تعالیٰ کے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ان کے سامنے پیش فرما رہے ہیں۔
فرمایا: اس نے اس کی چھت کو بلند کیا، پھر اس کو ہموار کیا،
ہموار بنانے سے مراد یہ ہے کہ آسمان میں شکنیں اور سلوٹیں نہیں ہیں، وہ کہیں سے اونچا نیچا نہیں ہے، جیسے اس نے ارشاد فرمایا

مَا تَرٰی فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ ط (الملك ۳)

تم رحمن کی تخلیق میں کوئی فرق نہیں دیکھو گے۔
فرمایا: اس کی رات تاریک کر دی اور اس کا دن روشن کر دیا۔

"اغطش" کا معنی:

اس آیت میں "اغطش" کا لفظ ہے، اس کا معنی ہے: رات کا تاریک ہونا، یا رات کو تاریک کرنا، اس کا مادہ "غطش" ہے، اس کا معنی ہے: کمزور نظر یا دھندلی نظر والا "تغاطش" کا معنی ہے: جان بوجھ کر اندھا یا غافل بننا۔
(المفردات ج ۲ ص ۹۶، بیروت، مختار الصحاح، ص ۲۸۲، بیروت)

"ضحی" کا معنی:

"ضحیٰ" چاشت کے وقت کو کہتے ہیں جیسے ہمارے ہاں دن کے دس گیارہ بجے کا وقت ہوتا ہے، اس آیت میں اس سے مراد وہ دن ہے اور دن کو "ضحیٰ" سے اس لیے تعبیر فرمایا کہ اس وقت میں خوب دھوپ نکل آتی ہے اور دن مکمل طور پر روشن ہو جاتا ہے۔
اس آیت میں "لیلھا وضحاھا" کی ضمیریں آسمان کی طرف لوٹ رہی ہیں یعنی آسمان کی رات تاریک کر دی اور آسمان کے دن کو روشن کر دیا کیونکہ رات اور دن کا وجود سورج کے طلوع اور غروب سے ہوتا ہے اور سورج کا تعلق آسمان سے ہے۔

فرمایا: اوراس کے بعد زمین کو پھیلا دیا۔

"دَحٰھا" کا معنی اور زمین کو آسمان سے پہلے پیدا کرنے کی تحقیق:

اس آیت میں "دَحٰھا" کا لفظ ہے "دحی" "دحو" سے بنا ہے، اس کا معنی ہے: کسی چیز کو ہموار کر دیا، بچھا دیا، یا پھیلا دیا اس آیت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ پہلے آسمان کو بنایا، اس کے بعد زمین کو پھیلا دیا، دوسری آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے زمین کو بنایا، اس کے بعد آسمان کو بنایا، وہ آیت یہ ہے:

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا ثُمَّ اسْتَوٰۤى اِلَى السَّمَآءِ (البقرہ ۲۹)

وہی (اللہ ہے) جس نے تمہارے لیے زمین کی تمام چیزوں کو پیدا کیا، پھر آسمان کی طرف قصد فرمایا۔

تعارض کے حسب ذیل جوابات ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ نے پہلے زمین کا مادہ پیدا کیا یا نفس زمین کو پیدا کیا، پھر آسمانوں کو پیدا فرمایا اور آسمانوں کو پیدا کرنے کے بعد پھر زمین کو پھیلایا اور اس کو موجودہ شکل دی۔ البقرہ ۲۹: میں نفس زمین کو پیدا کرنے کا ذکر ہے اور النزعت ۳۰: میں زمین کو پھیلانے اور اس کو موجودہ شکل دینے کا ذکر ہے۔

(۲) اس آیت سے مراد صرف زمین کو پھیلانا نہیں ہے بلکہ زمین کو قابل کاشت بنانا ہے کیونکہ اس کے بعد والی آیت میں فرمایا ہے: اور اس زمین سے اس کا پانی اور اس کا چارا نکالا۔ (النزعت ۳۱:) کیونکہ زمین میں کھیتی باڑی اور روئیدگی کی صلاحیت اس وقت پیدا ہوتی ہے جب آسمان سے بارشیں ہوں اور زمین میں دریا اور چشمے بھی اسی وقت وجود میں آتے ہیں، جب آسمان سے پانی برسے، اس لیے پہلے آسمانوں کو پیدا کرنے کا ذکر فرمایا اور اس کے بعد زمین کو قابل کاشت بنانے کا اور البقرہ ۲۹: میں نفس زمین کو پیدا کرنے کا ذکر ہے۔

(۳) "بعد ذالک" کا معنی حقیقی مراد نہیں ہے بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ اس کے ساتھ یعنی آسمانوں کے بنانے کے ساتھ زمین کو پھیلا دیا۔

فرمایا: اور اس زمین سے اس کا پانی اور اس کا چارا نکالا۔

"مرعاھا" کا معنی ہے اور زمین کے منافع اور فوائد:

اس آیت میں فرمایا ہے: زمین سے اس کا پانی نکالا، اس سے مراد ہے: زمین کے چشموں سے پھوٹ کر نکلنے والا پانی، اور اس میں "مرعاھا" کا لفظ ہے "المرعی" کا معنی ہے: جاندار کی حفاظت کرنا اور اس کو باقی رکھنا، حفاظت کی تین صورتیں ہیں: (۱) خوراک کے ذریعہ (۲) دشمنوں سے بچانا (۳) مناسب انتظام سے حق دار کو اس کا حق دلانا۔ "راعی" چرواہے کو بھی کہتے ہیں اور حاکم اور نگران کو بھی راعی کہتے ہیں۔

اس آیت کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ نے زمین سے انسانوں اور ان کے جانوروں کے لئے، سبزہ اور غلہ پیدا کیا، طرح طرح کے

پھل پیدا کیے، جڑی بوٹیاں پیدا کیں، جن سے انسان علاج کرتے ہیں، روئی پیدا کی جس سے لباس بنایا جاتا ہے درخت پیدا کیے جن سے فرنیچر اور دوسری ضرورت کی چیزیں بنائی جاتی ہیں، زمین میں معدنیات رکھے، جن میں لوہا ہے جس سے مشینیں اور اسلحہ بنایا جاتا ہے، تانبا اور پیتل سے جن سے برتن بنائے جاتے ہیں، سونا اور چاندی ہے جن سے زیورات بنائے جاتے ہیں، تیل اور قدرتی گیس ہے، جن سے ایندھن حاصل کیا جاتا ہے، دریا پیدا کیے، جن سے کاشت کاری کے لیے پانی حاصل کیا جاتا ہے اور بجلی بنائی جاتی ہے۔

فرمایا: اور پہاڑوں کو اس زمین میں نصیب کر دیا۔ تم کو اور تمہارے چوپایوں کو فائدہ پہنچانے کے لیے۔

"ارساھا" کا معنی:

اس آیت میں "ارسیٰ" کا لفظ ہے، یہ "رسو" سے بنا ہے، اس کا معنی ہے: لنگر باندھنا، ثابت رکھنا اور میخ ٹھوکنا۔ یعنی پہاڑوں کو زمین میں نصب کر دیا تا کہ وہ اپنی جگہ سے ہل نہ سکے، اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ پہاڑوں کا اپنی جگہ قائم رہنا ان کی اپنی طبیعت کا تقاضا نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے قائم کرنے کی وجہ سے ہے۔

دوسری آیت میں "انعام" کا لفظ ہے، یہ "نعم" کی جمع ہے، صحاح میں مذکور ہے کہ اس لفظ کا اطلاق زیادہ تر اونٹ، گائے اور بکریوں اور دنبوں پر کیا جاتا ہے۔ (مختار الصحاح ج ۳ ۸۵) یعنی "المرعیٰ" میں جو نباتات ہیں وہ تمہارے لیے بھی ہیں اور تمہارے جانوروں کے لیے بھی ہیں یعنی زمین سے جو پیداوار حاصل ہوتی ہے اس میں سب کے لیے منافع ہیں اور سب کی خوراک ہے، خواہ وہ انسان ہوں یا حیوان۔

ترکیب نحوی و تحقیق صرفی:

ءَاَنْتُمْ۔ ءَ، ہمزہ استفہامیہ، کیا، اَنْتُمْ، ضمیر منفصل جمع مذکر حاضر، تم (کیا تم) اَشَدُّ۔ شِدَّۃٌ، مصدر سے افعل التفضیل کا صیغہ (زیادہ سخت) خَلْقًا، مصدر (پیدا کرنا) اَمْ، حرف عطف (یا) اَلسَّمَآءُ (آسمان) بَنٰىهَا اس نے اسے بنایا ہے۔ بَنٰىهَا (بَنٰی۔ہَا) بَنٰی، فعل ماضی واحد مذکر غائب بَنٰی یَبْنِیْ، مصدر بِنَآءٌ، بنانا، اس نے بنایا ہے، ہَا، ضمیر واحد مؤنث غائب، اسے، ضمیر کا مرجع، اَلسَّمَآءُ، ہے (اس نے اسے بنایا ہے) رَفَعَ، فعل ماضی واحد مذکر غائب رَفَعَ یَرْفَعُ، مصدر رَفْعًا، بلند کرنا (اس نے بلند کیا) سَمْكَهَا (سَمْكَ۔ہَا) سَمْكَ، مضاف، مصدر ہے، بلندی، اونچائی، چھت، ہَا، مضاف الیہ، ضمیر واحد مؤنث غائب اس کی، ضمیر کا مرجع "اَلسَّمَآءُ" ہے (اس کی چھت) فَسَوّٰىهَا (فَ۔سَوّٰی۔ہَا) فَ، حرف عطف، پھر، سَوّٰی، فعل ماضی واحد مذکر غائب سَوّٰی یُسَوِّیْ، مصدر تَسْوِیَۃٌ، برابر کرنا، سنوارنا، درست کرنا، اس نے درست کیا، ہَا، ضمیر واحد مؤنث غائب، اسے، ضمیر کا مرجع "اَلسَّمَآءُ" ہے (اس نے اسے درست کیا) وَ، حرف عطف (اور) اَغْطَشَ، فعل ماضی واحد مذکر غائب اَغْطَشَ یُغْطِشُ، مصدر اِغْطَاشٌ، تاریک کرنا، لَيْلَهَا (لَيْلَ۔ہَا) لَيْلَ، مضاف، رات، ہَا، مضاف الیہ، ضمیر واحد مؤنث غائب، اس کی، ضمیر کا مرجع "اَلسَّمَآءُ" ہے (اس کی رات) وَ، حرف عطف (اور) اَخْرَجَ، فعل ماضی واحد مذکر غائب اَخْرَجَ یُخْرِجُ، مصدر اِخْرَاجًا، نکالنا (اس نے نکالا) ضُحٰىهَا (ضُحٰی۔ہَا) ضُحٰی، مضاف، دن چڑھے، دھوپ کا پھیلنا، روشن ہونے، روشنی، ہَا، مضاف الیہ، ضمیر واحد مؤنث غائب، اس کی، ضمیر کا مرجع "اَلسَّمَآءُ" ہے (اس کے دن) کی روشنی) وَ، حرف عطف (اور) اَلْاَرْضَ (زمین) بَعْدَ ذٰلِكَ۔ بَعْدَ، مضاف، بعد، ذٰلِكَ، مضاف الیہ، اسم اشارہ واحد مذکر بعید، اس کے (اس کے بعد) دَحٰىهَا (دَحٰی۔ہَا) دَحٰی، فعل ماضی واحد مذکر غائب دَحٰی یَدْحُوْ، مصدر دَحْوٌ، بچھانا، اس نے بچھا دیا، ہَا، مضاف الیہ، ضمیر واحد

مؤنث غائب، اسے، ضمیر کا مرجع " اَلْاَرْضَ " ہے (اس نے اسے بچھا دیا) اَخْرَجَ، فعل ماضی واحد مذکر غائب اَخْرَجَ یُخْرِجُ، مصدر اِخْراجا، نکالنا (اس نے نکالا) مِنْهَا (مِنْ۔ہَا) مِنْ، حرف جار، سے، ہَا، مجرور، ضمیر واحد مؤنث غائب، اس، ضمیر کا مرجع " اَلْاَرْضَ " ہے (اس میں سے) مَآءَہَا، مَآءَ، مضاف، پانی، ہَا، مضاف الیہ، ضمیر واحد مؤنث غائب، اس کا (اس کا پانی) وَ، حرف عطف (اور) مَرْعٰهَا (مَرْعٰی۔ہَا) مَرْعٰی، مضاف، چارہ، ہَا، مضاف الیہ، ضمیر واحد مؤنث غائب، اس کا (اس کا چارہ) وَ، حرف عطف (اور) اَلْجِبَالَ (پہاڑوں) واحد، جَبَلٌ۔ اَرْسٰهَا (اَرْسٰی۔ہَا) اَرْسٰی، فعل ماضی واحد مذکر غائب اَرْسٰی یُرْسِیْ، مصدر اِرْسَآءٌ، گاڑنا، اس نے گاڑ دیا، ہَا، ضمیر واحد مؤنث غائب، اسے، ضمیر کا مرجع " اَلْجِبَالَ " ہے (اس نے انہیں گاڑ دیا) مَتَاعًا، اسم مفرد نکرہ اور مصدر، فائدہ، فائدہ پہنچانا، خانگی کا سامان، کام کی چیز) لَّکُمْ (لَ۔کُمْ) لَ، حرف جار، لیے، کُمْ، مجرور، ضمیر جمع مذکر حاضر (تمہارے لیے) وَ، حرف عطف (اور) لِاَنْعَامِکُمْ (لِ۔اَنْعَامِ۔کُمْ) لِ، حرف جار، کیلئے، اَنْعَامِ، مجرور، مضاف، چوپاؤں مویشیوں، کُمْ، مضاف الیہ، ضمیر جمع مذکر حاضر، تمہارے (تمہارے مویشیوں کیلئے)۔

آیت ۳۴ تا ۴۱

فَاِذَا جَآءَتِ الطَّآمَّةُ الْکُبْرٰی (۳۴) یَوْمَ یَتَذَکَّرُ الْاِنْسَانُ مَا سَعٰی (۳۵) وَبُرِّزَتِ الْجَحِیْمُ لِمَنْ یَّرٰی (۳۶) فَاَمَّا مَنْ طَغٰی (۳۷) وَاٰثَرَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا (۳۸) فَاِنَّ الْجَحِیْمَ هِیَ الْمَاْوٰی (۳۹) وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَی النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰی (۴۰) فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِیَ الْمَاْوٰی (۴۱)

ترجمہ:

پھر جب وہ ہر چیز پر چھا جانے والی سب سے بڑی مصیبت آجائے گی۔(۳۴) جس دن انسان یاد کرے گا جو اس نے کوشش کی۔(۳۵) اور جہنم (ہر) اس شخص کے لیے ظاہر کر دی جائے گی جو دیکھتا ہے۔(۳۶) پس لیکن جو حد سے بڑھ گیا۔(۳۷) اور اس نے دنیا کی زندگی کو ترجیح دی۔(۳۸) تو بے شک جہنم ہی (اس کا) ٹھکانا ہے۔(۳۹) اور رہا وہ جو اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈر گیا اور اس نے نفس کو خواہش سے روک لیا۔(۴۰) تو بے شک جنت ہی (اس کا) ٹھکانا ہے۔(۴۱)

تفسیر:

فرمایا: پس جب بڑی مصیبت آجائیگی۔

"طامۃ" کا معنی:

یہ لفظ "طم" سے بنا ہے، اس کا معنی ہے : کسی چیز کا اتنا زیادہ ہونا کہ وہ چھا جائے اور سب پر غالب آجائے، اس آیت میں اس سے مراد قیامت ہے کیونکہ ہنگامہ قیامت ہر چیز کو اپنی لپیٹ میں لے لے گا۔(مختار الصحاح ص ۹۴۲)

فرمایا: اس دن انسان اپنی کوشش یاد کرے گا۔ اور ہر دیکھنے والے کے لیے دوزخ ظاہر کر دی جائے گی۔

اس آیت میں کوشش سے مراد انسان کے کیے ہوئے اعمال ہیں، قیامت کے دن اس کے ہاتھ میں اس کا صحیفہ اعمال دے دیا جائے گا اور جن کیے ہوئے کاموں کو وہ بھول چکا تھا اس کو وہ سب یاد آجائیں گے۔ قرآن مجید میں ہے:

یَوْمَ یَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِیْعًا فَیُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ط اَحْصٰهُ اللّٰهُ وَنَسُوْهُ ط وَاللّٰهُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدٌ۔ (المجادلہ ۶)

جس دن اللہ ان سب کو زندہ کر کے اٹھائے گا اور ان کو ان کے کیے ہوئے کاموں میں خبر دے گا، جن اعمال کو اللہ نے شمار کر رکھا ہے اور یہ بھول چکے تھے، اور اللہ ہر چیز پر نگاہ رکھنے والا ہے۔

دوسری آیت میں فرمایا ہے :اور دوزخ کو بالکل ظاہر کر دیا ہے، اس میں "برزت" کا لفظ ہے، اس کا مادہ "بروز" ہے، اسی کا معنی ظہور ہے، دوزخ کے ظہور کے متعلق قرآن مجید کی یہ آیات ہیں:

وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا ج كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ۔ ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّنَذَرُ الظّٰلِمِيْنَ فِيْهَا جِثِيًّا ۔ (مریم ۷۲-۷۱)

تم میں سے ہر شخص دوزخ پر وارد ہوگا، یہ آپ کے رب کا قطعی فیصلہ ہے۔ پھر ہم متقین کو نجات دے دیں گے اور ظالموں کو اسی میں گھٹنوں کے بل گرا ہوا چھوڑ دیں گے۔

فرمایا :سو جس نے سرکشی کی۔ اور دنیا کی زندگی کو ترجیح دی۔ تو بیشک دوزخ ہی اس کا ٹھکانا ہے۔

قوت نظریہ اور قوت عملیہ کا کمال اور فساد:

انسان کو دو قوتیں ہیں :قوت نظریہ اور قوت عملیہ، قوت نظریہ کا کمال یہ ہے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ کی معرفت ہو اور وہ اس کی توحید کی تصدیق کرے اور یہ جانے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت اس پر غالب ہے، پھر وہ اپنے آپ کو حقیر جانے گا اور انکسار اور تواضع کرے گا، پھر وہ سرکشی اور تکبر نہیں کرے گا اور جب وہ اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل نہیں کرے گا اور اس کی توحید کی تصدیق نہیں کرے گا تو پھر وہ سرکشی اور تکبر کرے گا، اور قوت عملیہ کا کمال یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے تمام احکام پر اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے تمام فرامین پر عمل کرے اور دنیا کے عیش و عشرت پر آخرت کو ترجیح دے اور قوت عملیہ کا فساد یہ ہے کہ انسان دنیا کے لہو و لعب اور عیش و عشرت میں مستغرق ہو اور آخرت کو فراموش کر دے، پس النزعت ۷۳ :میں قوت نظریہ کے فساد کا ذکر ہے کیونکہ جب قوت نظریہ فاسد ہو جاتی ہے تو انسان سرکشی کرتا ہے اور النزعت ۸۳ :میں قوت عملیہ کے فساد کا ذکر ہے کیونکہ جب قوت عملیہ فاسد ہو جاتی ہے تو انسان دنیا کو آخرت پر ترجیح دیتا ہے۔

دنیا کی زندگی کو ترجیح دینے کی مذمت میں احادیث:

حضرت ابوہریرہ (رض) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا :جس نے دنیا کو حلال طرقہ سے سوال سے بچتے ہوئے طلب کیا، اور اپنے اہل و عیال کی کفالت اور اپنے پڑوسی پر شفقت کرنے کے لیے حاصل کیا، وہ اللہ تعالیٰ سے قیامت کے دن اس حال میں ملاقات کرے گا کہ اس کا چہرہ چودھویں کے چاند کی طرح ہوگا اور جس نے دنیا کو حرام طریقہ سے طلب کیا تا کہ وہ مال دار ہو اور لوگوں پر فخر کرے اور ان کو اپنی شان دکھائے تو وہ اللہ سے اس حال میں ملاقات کرے گا اور اللہ تعالیٰ اس پر غضب ناک ہوگا۔ (شعب الایمان رقم الحدیث ۱۵۱۲ :)

حضرت علی (رض) نے فرمایا :دنیا پیٹھ پھیر کر جا رہی ہے اور آخرت سامنے سے آرہی ہے اور ان میں سے ہر ایک کے بیٹے ہیں، سو تم آخرت کے بیٹے بنو اور دنیا کے بیٹے نہ بنو، آج عمل ہے اور حساب نہیں ہے اور کل حساب ہوگا اور عمل نہیں ہوگا۔

(صحیح البخاری، کتاب الرقات، باب فی الامل وطولہ)

حضرت عبداللہ بن عمر (رض) نے فرمایا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے میرے کندھے کو پکڑ کر فرمایا : دنیا میں مسافر کی طرح رہو یا راستہ عبور کرنے والے کی طرح اور حضرت ابن عمر (رض) یہ کہتے تھے کہ جب تم شام کرو تو صبح کا انتظار نہ کرو اور جب تم صبح کو اٹھو تو شام کا انتظار نہ کرو، اور تم اپنی صحت کے ایام میں بیماری کے دنوں کے لیے عمل کرو اور اپنی زندگی میں اپنی موت کے لیے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث ٦١٤٦ : سنن ابن ماجہ رقم الحدیث ٤١١٤ :)

حضرت ابوہریرہ (رض) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا : جب تم کسی شخص میں دنیا سے بے رغبتی اور قلت کلام دیکھو تو اس کا قرب حاصل کرو کیونکہ اس کو حکمت عطاء کی گئی ہے۔

(شعب الایمان ج ٧ ص ٢٥٣۔ رقم الحدیث ٤٥٠١)

فرمایا : تو بیشک دوزخ ہی اس کا ٹھکانا ہے۔

دوزخ کی صفات کے متعلق احادیث:

حضرت ابوہریرہ (رض) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا : تمہاری (دنیا کی) آگ دوزخ کی آگ کا سترواں حصہ ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث ٥٦٢٣ : صحیح مسلم رقم الحدیث ٣٤٨٢ :

حضرت نعمان بن بشیر (رض) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا : بیشک دوزخ والوں میں سب سے کم عذاب اس شخص کو ہوگا جس کو آگ کی دو جوتیاں اور دو تسمے پہنائے جائیں گے، اس سے اس کا دماغ اس طرح کھول رہا ہوگا، جس طرح چولہے پر رکھی ہوئی دیگچی کھولتی ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث ١٦٥٦ : سنن ترمذی رقم الحدیث ٤٠٦٢ :

حضرت ابوہریرہ (رض) بیان کرتے ہیں کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا : دوزخ کی آگ کو ایک ہزار سال تک دہکایا گیا حتیٰ کہ وہ سرخ ہوگئی، پھر ایک ہزار سال تک دہکایا گیا حتیٰ کہ وہ سفید ہوگئی، پھر ایک ہزار سال تک دہکایا گیا حتیٰ کہ وہ سیاہ ہوگئی، پس وہ سیاہ اندھیری ہے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث ٩٥٢٠ : سنن ابن ماجہ رقم الحدیث ٢٥٤٠ :)

حضرت ابوہریرہ (رض) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا : دوزخ میں صرف شقی داخل ہوگا، آپ سے سوال کیا گیا : یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ! شقی کون ہے؟ آپ نے فرمایا : جس نے اللہ کے لیے کوئی اطاعت نہیں کی اور اس کی کسی معصیت کو ترک نہیں کیا۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث ٨٩٢٤ : مسند احمد ج ٢ ص ٩٤٣)

فرمایا : اور رہا وہ جو اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا اور نفس امارہ کو اس کی خواہش سے روکا۔ پس بیشک جنت ہی اس کا ٹھکانا ہے۔

خوف خدا سے گناہ ترک کرنے والوں کی دو قسمیں:

اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا، اس سے مراد یا تو مطلقاً میدان حشر میں کھڑا ہونا ہے یا اس سے مراد حساب کے لیے کھڑا ہونا ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ معصیت کے جس حال میں کھڑا ہوا ہو وہ اس حال میں ڈر رہا ہو کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس کام کے کرنے سے منع فرمایا تھا اور میں اس کام کو کر رہا ہوں، پھر اس نے اپنے آپ کو گناہ کی اس لذت حاصل کرنے

اور شہوت کے تقاضے کو پورا کرنے سے روکا ہو اور اس کو آخرت کے عذاب کا خوف دامن گیر ہوا ہو اور جب اس پر یہ کیفیت طاری ہوگئی تو اس پر اپنی شہوت کے تقاضے کو ترک کرنا آسان ہو جائے گا اور آخرت کے لیے نیک کام کرنا سہل ہو جائے گا۔

جو لوگ آخرت کے خوف سے گناہ کو ترک کر دیتے ہیں، ان کی دو قسمیں ہیں : ایک قسم ان لوگوں کی ہے جو ہمیشہ اپنے نفس کو اپنے قابو میں رکھتے ہیں اور کبھی شہوت سے مغلوب ہو کر گناہ کی وادی میں نہیں اترتے اور بعض وہ لوگ ہیں جو اپنے نفس کو آخرت کا عذاب یاد دلاتے ہیں اور اس کو اس اجر وثواب کی طرف راغب کرتے ہیں، جو اہل اطاعت کے لیے تیار کیا گیا ہے پھر گویا وہ آخرت کے عذاب اور ثواب کا مشاہدہ کر لیتے ہیں، پھر وہ آخرت کی لذتوں کو دنیا کی لذتوں پر ترجیح دیتے ہیں، کیونکہ وہ دنیا سے زیادہ لذیذ ہیں اور دائمی ہیں، پھر اس پر آخرت کے لیے عمل کرنا آسان ہو جاتا ہے۔

"ھوی" کا معنی:

اس کا معنی ہے : نفس کا اپنی شہوت اور لذت کو حاصل کرنے کی طرف مائل ہونا اور نفس کی فطرت میں شہوت اور لذت سے محبت ہے اور نفس کو اپنی شہوت کے حصول سے اسی طرح روکا جاسکتا ہے کہ وہ نفس کو ارتکاب معصیت پر عذاب سے ڈرائے اور ترک معصیت کے ثواب کی طرف اس کو راغب کرے۔

فرمایا : ایسے شخص کا ٹھکانا جنت ہی ہے۔

جنت کے متعلق حسب ذیل احادیث ہیں:

جنت کی صفات کے متعلق احادیث

حضرت ابوہریرہ (رض) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا : اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے : میں نے اپنے نیک بندوں کے لیے وہ نعمتیں تیار کر رکھی ہیں جو نہ کسی آنکھ نے دیکھی ہیں نہ کسی کان نے سنی ہیں اور نہ کسی بشر کے دل میں ان کا خیال آیا ہے اور اگر تم چاہو تو قرآن مجید کی یہ آیات پڑھو:

فلا تعلم نفس ما اخفی لھم من قرۃ اعین (السجدۃ : ۱۷)

سو کوئی نفس نہیں جانتا کہ اللہ نے اس کی آنکھوں کی ٹھنڈک کے لیے کن نعمتوں کو چھپا رکھا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث ۴۲۲۳ :، صحیح مسلم رقم الحدیث ۴۲۸۲ :

حضرت ابوہریرہ (رض) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا : جو شخص جنت میں داخل ہوگا وہ

جنت کی نعمتوں میں رہے گا، وہ خوف زدہ نہیں ہوگا، اس کے کپڑے میلے ہوں گے نہ اس کی جوانی ختم ہوگی۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث ۲۸۳۶ :، سنن ترمذی رقم الحدیث ۲۵۲۶ :،

حضرت عبادہ بن الصامت (رض) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا : جنت میں سو درجے ہیں، ہر دو درجوں کے درمیان آسمان اور زمین جتنا فاصلہ ہے اور فردوس سب سے بلند درجہ ہے، اسی سے جنت کے چار دریا نکلتے ہیں اور اس کے اوپر عرش ہے، پس جب تم اللہ سے سوال کرو تو الفردوس کا سوال کرو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث ۲۷۹۰ :، سنن ترمذی رقم الحدیث ۲۵۳۱ :، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث ۴۳۳۱ :)

ترکیب نحوی وتحقیق صرفی:

فَاِذَا (فَ ۔ اِذَا) فَ، حرف عطف، پھر، اِذَا، اسم ظرف مستقبل بمعنی شرط، جب (پھر جب) جَآءَتْ، فعل ماضی واحد مؤنث غائب جَآءَ یَجِیْٓءُ، مصدر مَجِیْٓءٌ، آنا، اِذَا، کی وجہ سے ترجمہ (وہ آجائے گی) الطَّآمَّۃُ الْکُبْرٰی (الطَّآمَّۃُ ۔ الْکُبْرٰی) الطَّآمَّۃُ، موصوف، طَمٌّ، مصدر سے اسم فاعل واحد مؤنث، چھا جانے والی آفت، اَلْکُبْرٰی، صفت، کِبَرٌ، مصدر سے اسم تفضیل واحد مؤنث، بہت بڑی (بہت بڑی چھا جانے والی آفت) یَوْمَ، اسم ظرف زمان (اس دن) یَتَذَکَّرُ، فعل مضارع واحد مذکر غائب تَذَکَّرَ یَتَذَکَّرُ، مصدر تَذَکُّرٌ، نصیحت پکڑنا، یاد آنا، یاد کرنا (وہ یاد کرے گا) الْاِنْسَانُ، فاعل (انسان) مَا، اسم موصول (جو) سَعٰی، فعل ماضی واحد مذکر غائب سَعٰی یَسْعٰی، مصدر سَعْیًا، کوشش کرنا (اس نے کوشش کی) وَ، حرف عطف (اور) بُرِّزَتِ، فعل ماضی مجہول واحد مؤنث غائب بَرَّزَ یُبَرِّزُ، مصدر تَبْرِیْزٌ، باہر نکالنا، ظاہر کرنا (وہ ظاہر کردی جائے گی) اَلْجَحِیْمُ (جہنم، دوزخ) لِمَنْ (لِ ۔ مَنْ) لِ، حرف جار، کیلئے، مَنْ، مجرور، اسم موصول، جو (اس کیلئے جو) یَرٰی، فعل مضارع واحد مذکر غائب رَاٰی یَرٰی، مصدر رُؤْیَۃٌ، دیکھنا (وہ دیکھتا ہے) فَاَمَّا (فَ ۔ اَمَّا) فَ، حرف عطف، پس، اَمَّا، حرف شرط و تفصیل، رہا وہ (پس رہا وہ) مَنْ، اسم موصول (جس نے) طَغٰی، فعل ماضی واحد مذکر غائب طَغٰی یَطْغٰی، مصدر طُغْیَانٌ، سرکشی کرنا، وَ، حرف عطف (اور) اٰثَرَ، فعل ماضی واحد مذکر غائب اٰثَرَ یُؤْثِرُ، مصدر اِیْثَارٌ، ترجیح دینا (اس نے ترجیح دی) الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا (اَلْحَیٰوۃَ ۔ الدُّنْیَا) اَلْحَیٰوۃَ، موصوف، زندگی، اَلدُّنْیَا، صفت، دنیاوی (دنیاوی زندگی) فَاِنَّ (فَ ۔ اِنَّ) فَ، حرف عطف، تو، اِنَّ، حرف مشبہ بالفعل، بے شک (تو بے شک) اَلْجَحِیْمَ (جہنم، دوزخ) ہِیَ، ضمیر واحد مؤنث غائب (وہی، ہی) اَلْمَاْوٰی، مصدر اور اسم ظرف (قیام کرنا، مقام سکونت، ٹھکانہ) وَ، حرف عطف (اور) اَمَّا، حرف شرط و تفصیل (رہا وہ) مَنْ، اسم موصول (جو) خَافَ، فعل ماضی واحد مذکر غائب خَافَ یَخَافُ، مصدر خَوْفًا، ڈرنا (وہ ڈر گیا) مَقَامَ ۔ قِیَامٌ، مصدر سے ظرف مکان اور مصدر میمی (کھڑے ہونے کی جگہ، سامنے کھڑا ہونا) رَبِّہٖ (رَبِّ ۔ ہٖ) رَبِّ، مضاف، رب، ہٖ، مضاف الیہ، ضمیر واحد مذکر غائب، اپنے (اپنے رب کے) وَ، حرف عطف (اور) نَہَی، فعل ماضی واحد مذکر غائب نَہٰی یَنْہٰی، مصدر نَہْیٌ، روکنا، منع کرنا، باز رکھنا، (اس نے باز رکھا) النَّفْسَ (نفس) عَنِ الْہَوٰی (عَنْ ۔ اَلْہَوٰی) عَنْ، حرف جار، سے، اَلْہَوٰی، مجرور، اسم مصدر، خواہش، جمع، اَہْوَآءٌ (خواہش سے) فَاِنَّ (فَ ۔ اِنَّ) فَ، حرف عطف، تو، اِنَّ، حرف مشبہ بالفعل، بے شک (تو بے شک) اَلْجَنَّۃَ (جنت) ہِیَ، ضمیر واحد مؤنث غائب (وہی، ہی) اَلْمَاْوٰی، مصدر اور اسم ظرف (قیام کرنا، مقام سکونت، ٹھکانہ)۔

آیت ۴۲ تا ۴۶

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰىهَا (۴۲) فِيْمَ اَنْتَ مِنْ ذِكْرٰىهَا (۴۳) اِلٰى رَبِّكَ مُنْتَهٰىهَا (۴۴) اِنَّمَاۤ اَنْتَ مُنْذِرُ مَنْ يَّخْشٰىهَا (۴۵) كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوْۤا اِلَّا عَشِيَّةً اَوْ ضُحٰىهَا (۴۶)

ترجمہ:

وہ تجھ سے قیامت کے متعلق پوچھتے ہیں کہ اس کا قیام کب ہے؟(۴۲)اس کے ذکر سے تو کس خیال میں ہے؟(۴۳) تیرے رب ہی کی طرف اس (کے علم) کی انتہا ہے۔(۴۴) تو تو صرف اسے ڈرانے والا ہے جو اس سے ڈرتا ہے۔(۴۵) گویا وہ جس دن اسے دیکھیں گے وہ (دنیا میں) نہیں ٹھہرے، مگر دن کا ایک پچھلا حصہ، یا اس کا پہلا حصہ۔(۴۶)

تفسیر:

فرمایا؛ وہ تجھ سے قیامت کے متعلق پوچھتے ہیں کہ اس کا قیام کب ہے؟

کفار کا وقوع قیامت کا سوال کرنا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا جواب؛

مشرکین قیامت کے وقوع کی خبر اور اس کے ہول ناک مناظر کی خبریں سنتے تھے اور قیامت کے یہ نام بتائے گئے کہ وہ ”الطامۃ“ (بہت بڑی مصیبت) ہے ”الصاخۃ“ (ثابت شدہ حقیقت) ہے، ”الواقعۃ“ (ضرور واقع ہونے والی) ہے، ”القارعۃ“ اور ”الساعۃ“ وغیرہا ہیں، اس لیے وہ تجسس سے پوچھتے تھے کہ وہ کب واقع ہوگی؟ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ قیامت کے متعلق اس لیے سوال کرتے ہوں کہ وہ اس کو جلد طلب کرنا چاہتے تھے، جیسا کہ اس آیت میں ہے:

یستعجل بھا الذین لا یومنون بھا (الشوریٰ :۱۸)

قیامت کے وقوع کی جلدی ان لوگوں کو ہے جو قیامت پر ایمان نہیں لاتے۔

فرمایا : آپ کا اس کے ذکر سے کیا تعلق ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کے سوال کا جواب دیا ہے کہ آپ کا یہ منصب نہیں ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ سے پوچھ کر بتائیں کہ قیام کب واقع ہوگی۔

فرمایا : آپ کے رب کی طرف ہی اس کی انتہاء ہے۔

یعنی قیامت کے وقوع کے علم کی انتہاء اللہ تعالیٰ پر ہے اور اللہ تعالیٰ نے مخلوق میں سے کسی کو اس کے وقوع کا علم نہیں دیا، واضح رہے کہ ابتداء میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو قیامت کے وقوع کی خبر نہیں دی تھی، پھر بعد میں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اس کے وقوع کی علامات کا علم عطاء فرمادیا اور اس آیت کا معنی ہے کہ قیامت کے وقوع کے علم ذاتی کی انتہاء اللہ تعالیٰ پر ہے جیسا کہ حدیثِ جبریل میں ہے!

عن عمر رضی اللہ عنہ قال: بینما نحن جلوس عند رسول للہ صلی اللہ علیہ وسلم ذات یوم إذ طلع علینا رجل شدید بیاض الثیاب شدید سواد الشعر لا یری علیہ اثر السفر ولا یعرفہ منا أحد حتی جلس إلی النبی صلی اللہ

علیه وسلم فأسند رکبتیه إلی رکبتیه ووضع کفیه علی فخذیه وقال: یا محمد أخبرنی عن الإسلام، فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم: الإسلام أن تشهد أن لا إله إلا الله وأن محمدا رسول الله، وتقیم الصلاة، وتؤتی الزکاة، وتصوم رمضان، وتحج البیت إن استطعت إلیه سبیلا۔ قال: صدقت۔ فعجبنا له یسأله ویصدقه، فقال: فأخبرنی عن الإیمان، قال: أن تؤمن بالله، وملائکته، وکتبه ورسله، والیوم الآخر، وتؤمن بالقدر خیره وشره۔ قال: صدقت۔ قال فأخبرنی عن الاحسان، قال: أن تعبد الله کأنك تراه، فإن لم تکن تراه فإنه یراك۔ قال: فأخبرنی عن الساعة، قال: ما المسئول عنها بأعلم من السائل۔ قال: فأخبرنی عن أماراتها، قال: أن تلد الأمة ربتها، وأن تری الحفاة العراة العالة رعاء الشاء یتطاولون فی البنیان۔ ثم انطلق فلبثت ملیا ثم قال: یا عمر أتدری من السائل؟ قلت: الله ورسوله أعلم، قال فإنه جبریل أتاکم یعلمکم دینکم[۔ رواہ مسلم]

ترجمہ: امیر المؤمنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں: ایک دن ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک اس مجلس میں ایک شخص نمودار ہوا، جس کے کپڑے انتہائی سفید اور بال انتہائی سیاہ تھے، اس جسم پر سفر کی علامات موجود نہ تھیں اور نہ ہی ہم میں سے کوئی اسے پہچانتا تھا، حتی کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جڑ کر بیٹھ گیا (وہ اس طرح کہ) اپنے دونوں گھٹنے نبیصلی اللہ علیہ وسلم کے گھٹنوں کے ساتھ جوڑ دیئے اور اپنے دونوں ہاتھ اپنی رانوں پر رکھ لئے، اور کہا: اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اسلام کی بابت خبر دیجئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اسلام یہ ہے کہ تم گواہی دو کہ کوئی معبودِ حق نہیں سوائے اللہ تعالیٰ کے، اور گواہی دو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور نماز قائم کرو اور زکاۃ ادا کرو اور رمضان کے روزے رکھو اور بیت اللہ کا حج کرو اگر طاقت ہو۔

اس نے کہا: آپ نے سچ فرمایا۔ ہمیں تعجب ہوا کہ یہ شخص خود ہی سوال کر رہا ہے اور خود ہی اس کے جواب کی تصدیق کر رہا ہے۔

پھر اس نے کہا: مجھے ایمان کی بابت خبر دیجئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: (ایمان یہ ہے کہ) تم اللہ تعالیٰ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر، اس کے رسولوں پر اور قیامت کے دن پر ایمان لاؤ، نیز تقدیر پر بھی ایمان لاؤ، خواہ وہ اچھی ہو یا بری۔

اس نے (پھر) کہا: آپ نے سچ فرمایا، پھر اس نے احسان کے بارے میں سوال کیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: (احسان یہ ہے کہ) تم اللہ تعالیٰ کی اس طرح عبادت کرو کہ گویا تم اسے دیکھ رہے ہو، اور اگر تم اسے نہیں دیکھ رہے تو وہ تو تمہیں دیکھ رہا ہے، پھر اس نے کہا: مجھے قیامت کے بارے میں خبر دیجئے (یعنی کب قائم ہوگی) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے بارہ میں مسئول کا علم سائل سے زیادہ نہیں ہے، تب اس نے کہا: مجھے قیامت کی نشانیاں ہی بتا دیجئے، فرمایا: ایک نشانی تو یہ ہے کہ لونڈی اپنی مالکہ کو جنم دے اور دوسری نشانی یہ ہے کہ تم ننگے پاؤں، ننگے بدن، انتہائی فقیروں اور بکریوں کے چرواہوں کو دیکھو گے کہ وہ بڑی بڑی بلڈنگوں میں فخر کرنے والے ہونگے، پھر وہ شخص چلا گیا اور

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ دیر توقف کے بعد فرمایا: اے عمر! کیا تم جانتے ہو کہ یہ سائل کون تھا؟ میں نے عرض کیا: اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : یہ جبریل امین تھے، جو تمہارے پاس، تمہیں ،تمہارا دین سکھانے آئے تھے۔

فرمایا : آپ تو صرف اس کو ڈرانے والے ہیں جو اس سے ڈرتا ہے۔

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ آپ کو اس لیے بھیجا گیا ہے کہ آپ لوگوں کو آخرت کے عذاب سے ڈرائیں اور آپ کا عذاب سے ڈرانا، اس پر موقوف نہیں ہے کہ آپ کو قیامت کے وقوع کا علم ہو، باقی رہا یہ اعتراض کہ اس آیت میں فرمایا ہے : آپ اس کو ڈرانے والے ہیں جو اس سے ڈرتا ہے حالانکہ آپ سب کو ڈرانے والے ہیں، اس کا جواب یہ ہے کہ آپ واقع میں سب کو ڈرانے والے ہیں اور قیامت سے ڈرنے والوں کی تخصیص اس لیے فرمائی ہے کہ وہی لوگ آپ کے ڈرانے سے فائدہ حاصل کرنے والے ہیں۔

فرمایا : گویا کہ وہ جس دن اس کو دیکھیں گے تو ان کو محسوس ہوگا کہ وہ (دنیا میں) صرف دن کے آخری حصے میں ٹھہرے تھے یا دن کے اول حصے میں۔

كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَ مَا يُوْعَدُوْنَ لَمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ ط (الاحقاف :٣٥)

خلاصہ یہ ہے کہ جس عذاب کا کافروں نے انکار کیا تھا جب ان کو اس عذاب میں مبتلا کیا جائے گا تو ان کو یوں محسوس ہوگا کہ وہ ہمیشہ سے اس عذاب میں رہے ہیں اور دنیا میں تو انھوں نے صرف دن کا تھوڑا سا وقت گزارا تھا۔

ترکیب نحوی وتحقیق صرفی:

يَسْئَلُوْنَكَ (يَسْئَلُوْنَ۔ كَ) يَسْئَلُوْنَ ، فعل مضارع جمع مذکر غائب سَاَلَ يَسْئَلُ ، مصدر سُؤَالًا، سوال کرنا، پوچھنا، وہ سوال کرتے ہیں، كَ ، ضمیر واحد مذکر حاضر، آپ سے (وہ آپ سے سوال کرتے ہیں) عَنِ السَّاعَةِ (عَنْ ۔ اَلسَّاعَةِ) عَنْ ، حرف جار، کے بارے میں، اَلسَّاعَةِ، مجرور، قیامت (قیامت کے بارے میں) اَيَّانَ ۔ مَتٰى ، کے قریب المعنی اور کسی شے کا وقت معلوم کرنے کیلئے استعمال ہوتا ہے (کب) بعض اس کی اصل ، اَىَّ۔ اَوَانٍ ، بمعنی کون سے وقت بتاتے ہیں، الف کو حذف کرکے واؤ کو یا کیا گیا پھر یا کا یا میں ادغام کر دیا، اَيَّانَ ، ہو گیا۔ مُرْسٰهَا (مُرْسٰى۔ هَا) مُرْسٰى، مضاف، مصدر میمی، واقع ہونا، هَا، مضاف الیہ، ضمیر واحد مؤنث غائب، اس کا (اس کا واقع ہونا) فِيْمَ (فِيْ۔ مَ) فِيْ ، حرف جار، بمعنی، تعلق، مَ ، مجرور، اصل میں ، مَا، ہے، الف حذف ہے، استفہامیہ، کیا، کس (کیا تعلق) اَنْتَ ، ضمیر واحد مذکر حاضر (آپ کا) مِنْ ذِكْرٰىهَا (مِنْ۔ ذِكْرٰى۔ هَا) مِنْ ، حرف جار، سے، ذِكْرٰى، مجرور، مضاف ، مصدر، ذکر کرنا، بیان کرنا، ذکر، کثرت ذکر کیلئے ، ذِكْرٰى، بولا جاتا ہے، هَا، مضاف الیہ، ضمیر واحد مؤنث غائب، اس کے (اس کے بیان کرنے سے) اِلٰى رَبِّكَ (اِلٰى۔ رَبِّ۔ كَ) اِلٰى، حرف جار، کی طرف، رَبِّ، مجرور، مضاف، رب، كَ، مضاف الیہ، ضمیر واحد مذکر حاضر، آپ کے (آپ کے رب کی طرف) مُنْتَهٰهَا (مُنْتَهٰى۔ هَا) مُنْتَهٰى، مضاف، اِنْتِهَآءٌ، سے مصدر میمی اور اسم ظرف مکان ، آخر پہنچنا، انتہا، آخری حد ، هَا، مضاف الیہ، ضمیر واحد مؤنث غائب، اس کی، ضمیر کا مرجع، اَلسَّاعَةِ، ہے (اس کی انتہا) اِنَّمَآ۔ اِنَّ ، حرف مشبہ بالفعل، مَا، کافہ ، حصر کیلئے (بے شک، صرف) اَنْتَ ، ضمیر منفصلہ واحد مذکر حاضر (آپ) مُنْذِرُ۔ اِنْذَارٌ، مصدر سے اسم فاعل واحد مذکر (ڈرانے والا) مَنْ ، اسم موصول (اسے جو) يَّخْشٰهَا (يَخْشٰى۔ هَا) يَخْشٰى، فعل مضارع واحد مذکر غائب خَشِيَ يَخْشٰى، مصدر خَشْيَةٌ، ڈرنا، وہ ڈرتا

ہے،ہَا، ضمیر واحد مؤنث غائب، اس، ضمیر کا مرجع، اَلسَّاعَۃِ، ہے (وہ اس سے ڈرتا ہے) کَاَنَّھُمْ (کَاَنَّ ۔ ھُمْ) کَاَنَّ، حرف مشبہ بالفعل تشبیہ کیلئے، گویا کہ، ھُمْ، ضمیر جمع مذکر غائب، وہ (گویا کہ وہ) یَوْمَ، اسم ظرف زمان (جس دن) یَرَوْنَھَا (یَرَوْنَ ۔ ہَا) یَرَوْنَ، فعل مضارع جمع مذکر غائب رَاٰی یَرٰی، مصدر رُؤْیَۃٌ، دیکھنا، وہ دیکھیں گے، ہَا، ضمیر واحد مؤنث غائب، اسے، ضمیر کا مرجع، اَلسَّاعَۃِ ہے، (وہ اسے دیکھیں گے) لَمْ یَلْبَثُوا، فعل مضارع منفی جحد بلم جمع مذکر غائب لَبِثَ یَلْبَثُ، مصدر لَبْثًا، ٹھہرنا، قیام کرنا (وہ نہیں ٹھہرے) اِلَّا، حرف استثنا (مگر) عَشِیَّۃً (ایک شام) جمع، عَشَایَا، اور، عَشِیَّاتٌ، اَوْ، حرف عطف (یا) ضُحٰہَا (ضُحٰی ۔ ہَا) ضُحٰی، مضاف، دن چڑھے، صبح، وہ وقت جب دھوپ چڑھ جائے ہَا، مضاف الیہ ضمیر واحد مؤنث غائب، اس کی، ضمیر کا مرجع، اَلدُّنْیَا، ہے (اس کی صبح)

(الحمدللہ سورہ نازعات مکمل ہوگئی)

[سورۃ عبس]

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

آیت ۱ تا ۱۰

عَبَسَ وَتَوَلّٰی (۱) اَنْ جَآءَہُ الْاَعْمٰی (۲) وَمَا یُدْرِیْکَ لَعَلَّہٗ یَزَّکّٰی (۳) اَوْ یَذَّکَّرُ فَتَنْفَعَہُ الذِّکْرٰی (۴) اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰی (۵) فَاَنْتَ لَہٗ تَصَدّٰی (۶) وَمَا عَلَیْکَ اَلَّا یَزَّکّٰی (۷) وَاَمَّا مَنْ جَآءَکَ یَسْعٰی (۸) وَھُوَ یَخْشٰی (۹) فَاَنْتَ عَنْہُ تَلَھّٰی (۱۰)

ترجمہ:

اس نے تیوری چڑھائی اور منہ پھیر لیا۔(۱) اس لیے کہ اس کے پاس اندھا آیا۔(۲) اور تجھے کیا چیز معلوم کرواتی ہے شاید وہ پاکیزگی حاصل کرلے۔(۳) یا نصیحت حاصل کرے تو وہ نصیحت اسے فائدہ دے۔(۴) لیکن جو بے پروا ہوگیا۔(۵) سو تو اس کے پیچھے پڑتا ہے۔(۶) حالانکہ تجھ پر (کوئی ذمہ داری) نہیں کہ وہ پاک نہیں ہوتا۔(۷) اور لیکن جو کوشش کرتا ہوا تیرے پاس آیا۔(۸) اور وہ ڈر رہا ہے۔(۹) تو تو اس سے بے توجہی کرتا ہے۔(۱۰)

کوائف سورۃ:

اس سورۃ کا نام ہے سورت عبس۔ اس سورت کا پہلا لفظ ہی عبس ہے۔ یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ اس سے پہلے تیس سورتیں نازل ہوچکی تھیں۔ نزول کے اعتبار سے اس کا چوبیسواں نمبر ہے۔ اس کا ایک رکوع اور بیالیس آیتیں ہیں۔ یہ پہلی سورت ہے جس کا ایک رکوع ہے۔ اس کے بعد جتنی سورتیں ہیں، ایک رکوع والی ہیں۔

ماقبل سے ربط:

گزشتہ سورت میں قیامت اور احوال قیامت کا ذکر تھا، اور بعث بعد الموت کا مضمون بیان کرتے ہوئے آخر سورت میں

نجات وکامیابی کا یہ معیار بیان کیا گیا کہ وہ خشیت وتقوی، فکر آخرت اور نفس کو خواہشات سے روکنا ہے یہی انسان کی عزت و عظمت ہے اس کے برعکس غرور وتکبر اور سرکشی خدا کی نظر میں نہایت ہی بدترین اور ذلیل خصلت ہے تو اس سورت میں یہ بیان فرمایا جارہا ہے کہ اہل ایمان کے ساتھ ملاطفت اور دلجوئی کا برتاؤ کرنا چاہیے اور ان کے مقابلہ میں کسی بھی مصلحت سے دنیادار اور مغرور وسرکش انسانوں کو ترجیح نہ دینی چاہیے،

شان نزول؛

ترمذی، صحیح ابن حبان مستدرک حاکم تفسیر عبد الرزاق وغیرہ میں حضرت عائشہ اور حضرت انس (رض) سے جو روایتیں ہیں جن کو ترمذی نے حسن اور حاکم نے صحیح قرار دیا ہے۔ حاصل ان روایتوں کا یہ ہے کہ ابی ابن خلف ایک مشرک کو ایک روز آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کچھ اسلام کی خوبی کی باتیں سمجھا رہے تھے کہ اتنے میں عبد اللہ بن ام مکتوم نابینا صحابیؓ نے آ کر آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے قرآن شریف کی ایک آیت پوچھی۔ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو عبد اللہ بن ام مکتوم کا یہ قطع کلام ذرا شاق گزرا اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے تیوری چڑھائی۔ اس پر اللہ نے یہ آیتیں نازل فرمائی ان آیتوں کے نازل ہونے کے بعد سے جب عبد اللہ بن ام مکتوم آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس آیا کرتے تھے تو آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ان کی خاطر کیا کرتے تھے اور اپنی چادر ان کے لیے بچھا دیا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ یہ وہ شخص ہے جس کے لیے اللہ تعالیٰ اپنے نبی پر خفا ہوا ہے بعض روایتوں میں بجائے ابی بن خلف کے ابو جہل اور عتبہ بن ربیعہ وغیرہ کا نام جو اس قصہ میں ذکر کیا گیا ہے ان روایتوں کی سند صحیح نہیں ہے حضرت عبد اللہ بن ام مکتوم مہاجرین اولین میں سے ہیں۔ مشہور نام تو ان کا عبد اللہ ہے لیکن بعض روایتوں میں ان کا نام عمر بن ام مکتوم آیا ہے غرض مکتوم ان کی ماں کا نام ہے۔ جہاد میں جاتے وقت تیرہ مرتبہ کے قریب آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ان عبد اللہ بن ام مکتوم کو خلیفہ بنا کر مدینہ چھوڑا ہے۔

تفسیر؛

فرمایا: (رسول) چیں بہ جبیں ہوئے اور انھوں نے منہ پھیرا۔ کہ ان کے پاس ایک نابینا آیا۔

"عبس" کا معنی؛

امام راغب اصفہانی متوفی ۲۰۵ھ اس کے معنی میں لکھتے ہیں:

دل کی تنگی سے ماتھے پر بل آجانے کا نام "عبوس" ہے، سو اس کا معنی ہے: اس نے تیوری چڑھائی، وہ ترش رو ہوا، وہ چیں بہ جبیں ہوا۔ (المفردات ج ۲ ص ٦١٤، مکتبہ نزار مصطفی، مکہ مکرمہ، ۱٤١٨ھ)

امام ابو منصور ماتریدی کی طرف سے آپ کے تیوری چڑھانے پر عتاب کی توجیہ

امام ابو منصور محمد بن محمد ماتریدی سمرقندی حنفی متوفی ۳۳۳ھ لکھتے ہیں:

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو جو حضرت ابن ام مکتوم کی دخل اندازی سے ناگواری ہوئی تھی، اس کا اگر تمام روئے زمین کے لوگوں کی نیکیوں کے ساتھ وزن کیا جائے تو اس کا وزن زیادہ ہوگا، کیونکہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس وقت کافر سرداروں کو نصیحت کر رہے تھے اور ان کو اسلام کی طرف راغب کر رہے تھے، اس توقع پر کہ وہ اسلام قبول کرلیں اور ان کے اسلام لانے سے ان کی قوم کے بہت لوگوں کے اسلام لانے کی توقع تھی اور جب وہ لوگ اسلام لے آتے تو اسلام کی بہت زیادہ تقویت ہوتی اور نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو بہت زیادہ اجر وثواب ہوتا، اور جب حضرت عمرو ابن ام مکتوم کے درمیان میں سوال کرنے سے آپ کی وہ نصیحت منقطع ہوگئی تو جس اجر وثواب کی آپ کو توقع تھی وہ پوری نہ ہوئی، سو اس وجہ سے اس موقع پر آپ کا منقبض اور تنگ دل ہونا کوئی بعید چیز نہیں ہے، نیز آپ کے چہرے پر جو ناگواری کے تاثرات آئے اور ماتھے پر بل ظاہر ہوئے اور آپ نے پیٹھ موڑی، یہ ایسے امور ہیں جن کا تعلق مشاہدہ کرنے اور دیکھنے سے ہے، اور حضرت عمرو بن ام مکتوم نابینا تھے، انھوں نے آپ کے یہ تاثرات نہیں دیکھے، اس لیے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ آپ نے ان سے سرد مہری کا سلوک کیا، بلکہ آپ کافر سرداروں کی طرف تبلیغ اسلام کے لیے متوجہ تھے اور اگر آپ ان سے بے رخی اختیار کرتے تو نہ صرف ان کے اسلام لانے کی توقع نہ رہتی بلکہ ان کی وجہ سے ان کی قوم کے اور دیگر لوگوں کے اسلام لانے کی توقع بھی ختم ہو جاتی اور ہم کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ ہم کفار کو اسلام کی دعوت دیں خواہ اس کوشش میں ہماری جانیں چلی جائیں اور ہمارا تمام مال خرچ ہو جائے اور اس کوشش میں اگر ہم کسی مسلمان کی طرف توجہ نہ کریں یا اس سے بے رخی برتیں تو اس عظیم مقصد کے سامنے اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے اور تبلیغ اسلام کے بلند پایہ کام کے مقابلہ میں کوئی قابل ملامت چیز نہیں ہے۔

(الجامع الاحکام القرآن جز ۱۹ ص ۳۸۱، روح المعانی، جز ۳۰ ص ۹۶)

علامہ قرطبی کی طرف سے آپ کے تیوری چڑھانے پر عتاب کی توجیہ:

اگر حضرت ابن ام مکتوم کو یہ علم ہوتا کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سرداران قریش کو تبلیغ فرما رہے ہیں اور آپ کو ان کے اسلام کی توقع ہے اور پھر وہ آپ کی گفتگو میں مداخلت کرتے تو ان کا یہ فعل بے ادبی ہوتا، لیکن اللہ تعالیٰ نے پھر بھی آپ پر عتاب فرمایا تا کہ اہل صفہ (فقراء صحابہ) کے دل نہ ٹوٹ جائیں، یا اس لیے کہ یہ معلوم ہو جائے کہ مومن فقیر، کافر غنی سے بہتر ہے اور یہ کہ مومن کی رعایت کرنا کافر غنی سے زیادہ لائق ہے، خواہ کافر کے ایمان لانے کی توقع ہو اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو حضرت ابن ام مکتوم پر اعتماد ہو کہ اگر آپ ان کی طرف توجہ نہ بھی کریں تو ان کو ملال نہیں ہوگا اور دوسری جانب کفار کے مجلس سے اٹھ کر چلے جانے کا خطرہ ہو جیسا کہ ایک موقع پر آپ کچھ صحابہ کو عطاء فرما رہے تھے اور جس کی حضرت سعد بن وقاص نے سفارش کی تھی اس کو عطاء نہیں فرمایا اور آخر میں بہ طور عذر فرمایا: میں ایک شخص کو دیتا ہوں حالانکہ وہ دوسرا شخص مجھ کو اس سے زیادہ محبوب ہوتا ہے اس خوف سے کہ اللہ اس کو دوزخ میں منہ کے بل گرادے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث ۲۷ :، صحیح مسلم رقم الحدیث ۱۵۰ :۱)

ابن زید نے کہا : نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے حضرت ابن ام مکتوم کے سوال پر اس لیے تیوری چڑھائی تھی اور ان سے اعراض کیا تھا کہ جو شخص حضرت ابن ام مکتوم کو لے کر آ رہا تھا، آپ نے اس کو اشارہ کیا تھا کہ وہ حضرت ابن ام مکتوم کو روکے، لیکن حضرت ابن ام مکتوم نے اس کو دھکا دیا اور انکار کیا اور کہا کہ وہ ضرور نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے مسئلہ معلوم کریں گے اور یہ ان کی طرف سے ایک قسم کا سخت رویہ تھا، اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے متعلق یہ آیت نازل فرمائی :۔"عَبَسَ وَتَوَلّٰی ۔"(عبس ۱ :) انھوں نے تیوری چڑھائی، اور منہ پھیرا اور غائب کے صیغہ سے کلام فرمایا اور آپ کی تعظیم کی وجہ سے یہ نہیں فرمایا : آپ نے تیوری چڑھائی اور آپ نے منہ پھیرا، پھر آپ سے انس فرمانے کے لیے بالمشافہ فرمایا:

وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّهُ يَزَّكّٰى۔ (عبس ۲:)

آپ کو کیا پتہ شاید وہ پاکیزگی حاصل کرتا۔

یعنی حضرت ابن ام مکتوم جو آپ سے قرآن اور دین کی تعلیم کا سوال کر رہے تھے، وہ اس تعلیم پر عمل کرتے اور دین میں زیادہ تقویٰ اور پاکیزگی حاصل کرتے اور ان سے ناواقفیت کی ظلمت زائل ہو جاتی، اور ایک قول یہ ہے کہ "لعلہ" کی ضمیر کافر کی لوف لوٹ رہی ہے، یعنی آپ جن کافروں کے اسلام قبول کرنے کی خواہش کر رہے ہیں، آپ کو کیا پتہ کہ آپ کی تبلیغ کا ان پر اثر ہوگا اور وہ پاکیزگی حاصل کرلیں گے۔ (الجامع الاحکام القرآن جز۱۹ ص ۱۸۱۔۱۸۳،)

علامہ اسماعیل حقی کی طرف سے آپ کے تیوری چڑھانے کی توجیہ:

علامہ اسماعیل حقی حنفی متوفی ۱۱۳۷ھ لکھتے ہیں:

آپ کا تیوری چڑھانا برحق تھا لیکن آپ کے اس فعل سے یہ وہم ہوتا تھا کہ آپ اغنیاء کو فقراء پر مقدم کرتے ہیں اور فقراء کی دل آزاری کی کوئی پروا نہیں کرتے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپ پر عتاب فرمایا اور اس پر متنبہ کیا کہ آپ کا یہ فعل منصب نبوت کے شایان شان نہیں ہے اور آپ کا یہ فعل ترک اولیٰ اور ترک افضل کے قبیل سے ہے۔ (روح البیان ج ۱۰ ص)

"عتاب" کے معنی کی تحقیق:

علامہ جمال الدین محمد بن مکرم ابن منظور افریقی متوفی ۷۱۱ھ لکھتے ہیں:

"عتاب" کا معنی ہر شخص کے لیے اس کے مرتبہ اور منصب کے اعتبار سے کیا جائے گا، عام لوگوں کے حق میں عتاب کا معنی ہوگا : ان کے کسی غلط یا برے کام پر ان کو ملامت کرنا اور انبیاء (علیہم السلام) کے حق میں عتاب کا معنی ہوگا : ان کے کسی خلاف اولیٰ کام پر لطف و محبت سے ان کو متنبہ فرمانا گویا یوں کہنا : آپ کو ایسا نہیں کرنا چاہیے، یہ کام آپ کے شایان شان نہیں ہے۔

حضرت ابن ام مکتوم سے اعراض کرنے کی وجہ سے آپ پر عتاب کرنے کی آیات:

فرمایا : آپ کو کیا پتہ کہ شاید وہ پاکیزگی حاصل کرتا۔

جب اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے کلام میں " لعل " (شاید) کا لفظ آئے تو اس کا معنی ہوتا ہے : واجب ہے۔ اس آیت میں " یزکی " کا لفظ ہے، اس کا معنی ہے : " یتزکی " یعنی وہ آپ کی تعلیم پر عمل کر کے پاکیزگی حاصل کرتا۔

فرمایا : یا نصیحت قبول کرتا تو اس کو نصیحت نفع دیتی۔

یعنی آپ اس کو نصیحت کرتے اور وہ آپ کی نصیحت پر عمل کرتا تو اس کو فائدہ ہوتا۔

فرمایا : اور جس نے بے پرواہی برتی۔ تو آپ اس کے در پے ہیں۔

یعنی آپ اللہ کی طرف سے جو دین لے کر آئے ہیں وہ اس کو چھوڑ کر اس طریقہ کو اختیار کر رہا ہے جو شیطان نے اس کے لیے مزین کر دیا ہے یا " استغنی " کا معنی ہے : مال و دولت سے غنی ہونا کیونکہ آپ جن کو تبلیغ کر کے مسلمان کرنے کی کوشش کر رہے تھے وہ سب اصحاب ثروت اور مال دار لوگ تھے اور آپ کو توقع تھی کہ اگر یہ لوگ اسلام لے آئے تو ان کو اتباع میں بہت لوگ اسلام قبول کرلیں گے، آپ ان کے در پے ہیں، اس کا معنی ہے : آپ ان کو مسلمان کرنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔

فرمایا : اور اگر وہ پاکیزگی حاصل نہ کرے تو آپ کو کوئی ضرر نہیں ہوگا۔

یعنی آپ کا کام تو صرف نصیحت کرنا ہے، اگر یہ سرداران قریش آپ کی نصیحت قبول نہ کریں، آپ سے اعراض کریں اور آپ سے عداوت رکھیں تو آپ کو ان سے ضرر نہیں پہنچے گا بلکہ اللہ آپ کی حفاظت کرے گا اور آپ سے ان کے شر کو دور کرے گا۔

فرمایا : اور رہا ہو جو آپ کے پاس دوڑتا ہوا آیا ہے۔ اور وہ اللہ سے ڈرتا ہے۔

ان آیتوں کا معنی یہ ہے کہ وہ شخص محض اللہ کے خوف کی وجہ سے آپ کے پاس دوڑتا ہوا آیا ہے۔

فرمایا : تو آپ اس کی طرف توجہ نہیں کرتے۔

جب مذکورہ دس آیات نازل ہوئیں تو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو خوف ہوا کہ کہیں آپ کا منصب رسالت زائل نہ ہو جائے، پھر بعد کی آیت سے آپ کو اطمینان ہوا۔ اس آیت میں " تلھی " کا لفظ ہے، اس کا معنی ہے : ایک سے اعراض کر کے دوسرے کے ساتھ مشغول ہونا۔

آپ کو جو یہ خوف ہوا کہ کہیں آپ کا منصب رسالت زائل نہ ہو جائے، اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ اللہ سے بہت زیادہ ڈرتے تھے، آپ کو خیال ہوا کہ میرا مومن سے پیٹھ پھیرنا شاید اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا باعث ہے، بعد کی آیات سے آپ کو تسلی ہوئی، پھر آپ کا یہ خوف زائل ہو گیا اور آپ کو اطمینان ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ آپ سے ناراض نہیں ہوا۔ (تبیان القرآن)

ترکیب نحوی وتحقیق صرفی:

عَبَسَ، فعل ماضی واحد مذکر غائب عَبَسَ یَعْبِسُ، مصدر عُبُوْسًا، تیوری چڑھانا، گھورنا، پیشانی پر بل پڑنا، ترش رو ہونا (اس نے تیوری چڑھائی) وَ، حرف عطف (اور) تَوَلّٰی، فعل ماضی واحد مذکر غائب تَوَلّٰی یَتَوَلّٰی، مصدر تَوَلِّیٌ، منہ پھیرنا، موڑنا، اعراض کرنا (اس نے منہ پھیرلیا) اَنْ، مصدریہ (کہ) جَآءَهٗ (جَآءَ۔ هٗ) جَآءَ، فعل ماضی واحد مذکر غائب جَآءَ یَجِیْءُ، مصدر مَجِیْءٌ، آنا، وہ آیا، هٗ، ضمیر واحد مذکر غائب، اس کے (وہ اس کے پاس آیا) الْاَعْمٰی۔ عَمًی، مصدر سے صفت مشبہ (نابینا) وَ، حرف عطف (اور) مَا، استفہامیہ بمعنی، اَیُّ شَیْءٍ (کیا چیز) یُدْرِیْكَ (یُدْرِیْ۔ كَ) یُدْرِیْ، فعل مضارع واحد مذکر غائب اَدْرٰی یُدْرِیْ، مصدر اِدْرَآءٌ، خبر دینا، معلوم کروانا، آگاہ کرنا، وہ معلوم کرواتی، كَ، ضمیر واحد مذکر حاضر، آپ کو (وہ آپ کو معلوم کرواتی) لَعَلَّهٗ (لَعَلَّ۔ هٗ) لَعَلَّ، حرف مشبہ بالفعل، شاید، هٗ، ضمیر واحد مذکر غائب، وہ، ضمیر کا مرجع، الْاَعْمٰی، ہے، (شاید وہ) یَزَّکّٰی، اصل میں "یَتَزَکّٰی" تھا، "تا" کو "ز" کرکے "ز" کا "ز" میں ادغام کردیا گیا تو، یَزَّکّٰی، ہوگیا، اَوْ، حرف عطف (یا) یَذَّکَّرُ، فعل مضارع واحد مذکر غائب اِذَّکَّرَ یَذَّکَّرُ، مصدر اِذُّکُّرٌ، یاد کرنا، نصیحت قبول کرنا (وہ نصیحت قبول کرتا) فَتَنْفَعَهُ (فَ۔ تَنْفَعَ۔ هُ) فَ، حرف عطف، تو، تَنْفَعَ، فعل مضارع منصوب واحد مؤنث غائب نَفَعَ یَنْفَعُ، مصدر نَفْعٌ، نفع دینا، نفع دیتی، هُ، ضمیر واحد مذکر غائب، اسے (تو وہ اسے نفع دیتی) الذِّکْرٰی، مصدر، نصیحت کرنا، نصیحت، کثرت ذکر کو کہا جاتا ہے۔ اَمَّا، حرف شرط و تفصیل (رہا، لیکن) مَنْ، اسم موصول (وہ جو) اِسْتَغْنٰی، فعل ماضی واحد مذکر غائب اِسْتَغْنٰی یَسْتَغْنِیْ، مصدر اِسْتِغْنَآءٌ، بے پرواہ ہونا (وہ بے پرواہ ہوگیا) فَاَنْتَ (فَ۔ اَنْتَ) فَ، حرف عطف، تو، اَنْتَ، ضمیر منفصلہ واحد مذکر حاضر، آپ (تو آپ) لَهٗ (لَ۔ هٗ) لَ، حرف جار، کیلئے، هٗ، مجرور، ضمیر واحد مذکر غائب، اس (اس کیلئے) تَصَدّٰی، اصل میں، تَتَصَدّٰی، تھا، ایک تا اختصار کیلئے حذف کردی گئی، فعل مضارع واحد مذکر حاضر تَصَدّٰی یَتَصَدّٰی، مصدر تَصَدِّیٌ، درپے ہونا، فکر میں ہونا، توجہ کرنا (آپ توجہ کرتے) وَ، حالیہ (حالانکہ) مَا، نافیہ (نہیں) عَلَیْكَ (عَلٰی۔ كَ) عَلٰی، حرف جار، پر، كَ، مجرور، ضمیر واحد مذکر حاضر، آپ (آپ پر) اَلَّا (اَنْ۔ لَا) اَنْ، مصدریہ ناصبہ، کہ، لَا، نافیہ، نہیں (کہ نہیں) یَزَّکّٰی، اصل میں "یَتَزَکّٰی" تھا، "تا" کو "ز" کرکے "ز" کا "ز" میں ادغام کردیا گیا تو، یَزَّکّٰی، ہوگیا، فعل مضارع واحد مذکر غائب تَزَکّٰی یَتَزَکّٰی، مصدر تَزَکِّیٌ، پاک ہونا (وہ پاک ہوتا) وَ، حرف عطف (اور) اَمَّا، حرف شرط و تفصیل (رہا لیکن) مَنْ، اسم موصول (وہ جو) جَآءَكَ (جَآءَ۔ كَ) جَآءَ، فعل ماضی واحد مذکر غائب جَآءَ یَجِیْءُ، مصدر مَجِیْءٌ، آنا، وہ آیا، كَ، ضمیر واحد مذکر حاضر، آپ کے (وہ آپ کے پاس آیا) یَسْعٰی، فعل مضارع واحد مذکر غائب سَعٰی یَسْعٰی، مصدر سَعْیًا دوڑنا، کوشش کرنا (وہ کوشش کرتا ہوا) وَ، حرف عطف (اور) هُوَ، ضمیر منفصلہ واحد مذکر غائب (وہ) یَخْشٰی، فعل مضارع واحد مذکر غائب خَشِیَ یَخْشٰی، مصدر خَشْیًا وَخَشْیَةٌ، ڈرنا (وہ ڈرتا ہے) فَاَنْتَ (فَ۔ اَنْتَ) فَ، حرف عطف، تو، اَنْتَ، ضمیر واحد مذکر حاضر، آپ (تو آپ) عَنْهُ (عَنْ۔ هُ) عَنْ، حرف جار، سے، هُ، مجرور، ضمیر واحد مذکر غائب، اس (اس سے) تَلَهّٰی، اصل میں، تَتَلَهّٰی، تھا، ایک تا کو اختصار کیلئے حذف کردیا گیا، فعل مضارع واحد مذکر حاضر تَلَهّٰی یَتَلَهّٰی، مصدر تَلَهِّیٌ، کھیل کود میں وقت گزارنا، لاپرواہی کرنا، بے توجہی کرنا، بے رخی برتنا (آپ بے رخی برتتے ہیں)

آیت ۱۱ تا ۱۶

كَلَّآ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ (۱۱) فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ (۱۲) فِیْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ (۱۳) مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍۭ (۱۴) بِاَیْدِیْ سَفَرَةٍ (۱۵) كِرَامٍۭ بَرَرَةٍ (۱۶)

ترجمہ:

ایسا ہرگز نہیں چاہیے، یہ (قرآن) تو ایک نصیحت ہے۔ (۱۱) تو جو چاہے اسے قبول کرلے۔ (۱۲) ایسے صحیفوں میں ہے جن کی عزت کی جاتی ہے۔ (۱۳) جو بلند کیے ہوئے، پاک کیے ہوئے ہیں۔ (۱۴) ایسے لکھنے والوں کے ہاتھوں میں ہیں۔ (۱۵) جو معزز ہیں، نیک ہیں۔ (۱۶)

تفسیر:

قرآن مجید کا پاکیزہ فرشتوں کے ہاتھوں سے لکھا ہوا ہونا:

فرمایا: بیشک یہ قرآن نصیحت ہے۔

" کلا " حرف زجر ہے، اس کا معنی ہے: جس پر عتاب کیا گیا ہے وہ دوبارہ ایسا کام نہ کرے جو مستوجب عتاب ہو، حسن بصری نے کہا: جب حضرت جبرائیل (علیہ السلام) نے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے سامنے ان آیات کو پڑھا تو آپ بہت متاسف ہوئے اور جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپ سے غم کی کیفیت دور ہوگئی، کیونکہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ آپ کا حضرت ابن ام مکتوم سے اعراض کرنا صرف ترک اولیٰ تھا۔

اس سے پہلی سورتوں کے ساتھ اس آیت کے اتصال کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو آپ کی طرف یہ وحی کی ہے کہ آپ کافر دنیا داروں کو مؤخر کریں اور مسلمان فقراء کو مقدم رکھیں یہ صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو نصیحت ہے، آپ پر مواخذہ یا گرفت نہیں ہے، اسلام پوری طرح واضح ہو چکا ہے خواہ کوئی دنیا دار اس کو قبول کرے یا نہ کرے، سو آپ کو ان کی طرف زیادہ التفات کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

فرمایا: سو جو چاہے اس سے نصیحت حاصل کرے۔ یہ عزت والے صحیفوں میں ہے۔ جو بلندی والے پاکیزہ ہیں۔

قرآن مجید واضح نصیحت ہے، سو جو لوگ اس سے نصیحت حاصل کرنا چاہیں اور اس کے احکام پر عمل کرنا چاہیں تو ان کے لیے یہ کام بہت آسان ہے، یہ نصیحت صحائف میں مذکور ہے یعنی لوح محفوظ میں لکھی ہوئی ہے، وہ لوح اللہ تعالیٰ کے نزدیک عزت یافتہ ہے اور ساتویں آسمان کی بلند جگہ پر ہے اور اس لوح کو پاکیزہ فرشتوں کے سوا اور کوئی نہیں چھوتا اور شیاطین کے ناپاک ہاتھوں کی مس سے وہ محفوظ ہے۔

فرمایا: اور ان کے ہاتھوں سے لکھے ہوئے۔ جو عزت والے نیک ہیں۔

سفرۃ اور کرام" کا معنی اور فرشتوں کا حاجت کے وقت انسان سے دور رہنا:

اس آیت میں " سفرۃ " کا لفظ ہے، اس کا معنی ہے: کاتبین لکھنے والے " سفر " کا اصل معنی ہے: کشف اور بیان، مسافر کو اس لیے مسافر کہتے ہیں کہ سفر کے ذریعہ اس پر نیا علاقہ اور نئے لوگ منکشف ہو جاتے ہیں، اسی طرح کسی چیز کو لکھ کر منکشف اور واضح کر دیا جاتا ہے، " سفرۃ " سے مراد یہاں پر ملائکہ ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں کے درمیان سفیر ہیں اور اللہ تعالیٰ کا پیغام رسولوں تک پہنچاتے ہیں، اسی طرح ملائکہ اللہ تعالیٰ اور انسانوں کے درمیان وسائط ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت اور اس کا علم بندوں تک پہنچانے کے ذرائع ہیں۔

دوسری آیت میں " بررۃ " کا لفظ ہے، یہ " بار " کی جمع ہے، " بار " کا معنی ہے: نیکی کرنے والا، جیسے " کافر " کی جمع " کفرۃ " اور " فاجر " کی جمع " فجرہ " ہے۔

اور " سفرۃ کرام " سے مراد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے اصحاب ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد قرآن مجید کے قاری ہیں۔ قفال نے بیان کیا کہ اس کا معنی ہے: ان صحائف کو پاکیزہ فرشتوں کے سوا اور کوئی نہیں چھوتا۔ سفیر رسول کو، اور قوم کے درمیان صلح کرانے والے کو کہتے ہیں، حدیث صحیح میں ہے: حضرت عائشہ (رض) بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: جو شخص قرآن کو پڑھتا ہے اور وہ حافظ ہو، وہ " السفرۃ الکرام البررۃ " (نیک پاکیزہ فرشتوں) کے ساتھ ہوتا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث ۷۳۹۴: صحیح مسلم رقم الحدیث ۸۹۷:)

اس آیت میں " کرام " کا لفظ ہے یعنی وہ فرشتے اللہ تعالیٰ کے نزدیک مکرم ہیں، حسن بصری نے کہا: اس کا معنی ہے: وہ اپنے آپ کو گناہوں سے دور رکھتے ہیں، الضحاک نے حضرت ابن عباس (رض) سے کرام کی تفسیر میں یہ نقل کیا ہے کہ فرشتے اس بات سے مکرم ہیں کہ وہ ابن آدم کے ساتھ اس وقت ہوں جب وہ اپنی بیوی سے خلوت کرتا ہے، یا بیت الخلاء میں قضاء حاجت کرتا ہے۔ (الجامع الاحکام القرآن جز ۹۱ ص ۶۸۱)

ترکیب نحوی وتحقیق صرفی:

كَلَّا، حرف ردع وزجر (ہرگز نہیں) إِنَّهَا (إِنَّ۔ هَا) إِنَّ، حرف مشبہ بالفعل، بے شک، هَا، ضمیر واحد مؤنث غائب، وہ، ضمیر کا مرجع، القرآن، ہے تانیث خبر (تَذْكِرَةٌ) کے اعتبار سے ہے (بے شک یہ) تَذْكِرَةٌ۔ إِنَّ، کی خبر، مرفوع، مصدر ہے (یاد دہانی، نصیحت) فَمَنْ (فَ۔ مَنْ) فَ، حرف عطف، تو، مَنْ، شرطیہ موصولہ، جو (تو جو) شَاءَ، فعل ماضی واحد مذکر غائب شَاءَ يَشَاءُ، مصدر مَشِيئَةٌ چاہنا، ارادہ کرنا، مَنْ، شرطیہ کی وجہ سے ترجمہ (وہ چاہے) ذَكَرَهُ (ذَكَرَ۔ هُ) ذَكَرَ، فعل ماضی واحد مذکر غائب ذَكَرَ يَذْكُرُ، مصدر ذِكْرًا، ذکر کرنا، یاد کرنا، نصیحت حاصل کرنا، وہ نصیحت حاصل کرلے، هُ، ضمیر واحد مذکر غائب، اس، ضمیر کا مرجع القرآن ہے (وہ اس سے نصیحت حاصل کرلے) فِي صُحُفٍ مُكَرَّمَةٍ۔ فِي، حرف جار، میں، صُحُفٍ، مجرور، موصوف، صحیفوں، واحد، صَحِيفَةٌ، مُكَرَّمَةٍ، صفت، تَكْرِيمٌ، مصدر سے اسم مفعول، عزت والے، معزز (عزت والے صحیفوں میں ہے) مَرْفُوعَةٍ۔ رَفْعٌ، مصدر سے اسم مفعول واحد مؤنث (بلند مرتبہ، بلند کیا ہوا) مُطَهَّرَةٍ تَطْهِيرٌ، مصدر سے اسم مفعول واحد مؤنث (پاکیزہ، پاک کیا ہوا) دونوں " صُحُفٍ " کی صفات ہیں۔ بِأَيْدِي سَفَرَةٍ (بِ۔ أَيْدِي۔ سَفَرَةٍ) بِ، حرف جار، بمعنی، فِي، میں، أَيْدِي، مجرور، مضاف، ہاتھوں، واحد، يَدٌ، سَفَرَةٍ، مضاف الیہ، سَفْرٌ، مصدر سے اسم فاعل جمع مذکر، لکھنے والے، واحد، سَافِرٌ (لکھنے والوں کے ہاتھوں میں ہیں) كِرَامٍ (باعزت، بزرگ، معزز) واحد، كَرِيمٌ، بَرَرَةٍ (نیکوکار) دونوں " سَفَرَةٍ " کی صفات ہیں۔

آیت ۱۷ تا ۳۲

قُتِلَ الْإِنْسَانُ مَا أَكْفَرَهُ (۱۷) مِنْ أَيِّ شَيْءٍ خَلَقَهُ (۱۸) مِنْ نُطْفَةٍ خَلَقَهُ فَقَدَّرَهُ (۱۹) ثُمَّ السَّبِيلَ يَسَّرَهُ (۲۰) ثُمَّ أَمَاتَهُ فَأَقْبَرَهُ (۲۱) ثُمَّ إِذَا شَاءَ أَنْشَرَهُ (۲۲) كَلَّا لَمَّا يَقْضِ مَا أَمَرَهُ (۲۳) فَلْيَنْظُرِ الْإِنْسَانُ إِلَىٰ طَعَامِهِ (۲۴) أَنَّا صَبَبْنَا الْمَاءَ صَبًّا (۲۵) ثُمَّ شَقَقْنَا الْأَرْضَ شَقًّا (۲۶) فَأَنْبَتْنَا فِيهَا حَبًّا (۲۷) وَعِنَبًا وَقَضْبًا (۲۸) وَزَيْتُونًا وَنَخْلًا (۲۹) وَحَدَائِقَ غُلْبًا (۳۰) وَفَاكِهَةً وَأَبًّا (۳۱) مَتَاعًا لَكُمْ وَلِأَنْعَامِكُمْ (۳۲)

ترجمہ:

مارا جائے انسان! وہ کس قدر ناشکرا ہے۔ (۱۷) اس نے اسے کس چیز سے پیدا کیا۔ (۱۸) ایک قطرے سے، اس نے

اسے پیدا کیا، پس اس کا اندازہ مقرر کیا۔(۱۹) پھر اس کے لیے راستہ آسان کر دیا۔(۲۰) پھر اسے موت دی، پھر اسے قبر میں رکھوایا۔(۲۱) پھر جب وہ چاہے گا اسے اٹھائے گا۔(۲۲) ہرگز نہیں، ابھی تک اس نے وہ کام پورا نہیں کیا جس کا اس نے اسے حکم دیا۔(۲۳) تو انسان کو لازم ہے کہ اپنے کھانے کی طرف دیکھے۔(۲۴) کہ بے شک ہم نے پانی برسایا، خوب برسانا۔(۲۵) پھر ہم نے زمین کو پھاڑا، ایک عجیب طریقے سے پھاڑنا۔(۲۶) پھر ہم نے اس میں اناج اگایا۔(۲۷) اور انگور اور ترکاری۔(۲۸) اور زیتون اور کھجور کے درخت۔(۲۹) اور گھنے باغات۔(۳۰) اور پھل اور چارا۔(۳۱) تمھارے لیے اور تمھارے مویشیوں کے لیے زندگی کا سامان۔(۳۲)

تفسیر:

فرمایا :(کافر) انسان ہلاک ہو جائے وہ کیسا ناشکرا ہے۔

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا تھا کہ قریش کے کافر سردار اپنے آپ کو فقراء مسلمین سے بلند اور برتر سمجھتے تھے، ان آیات میں ان کے تکبر کا رد فرمایا ہے کہ انسان کس چیز پر تکبر کر رہا ہے، یہ ابتداء میں نطفہ تھا، ناپاک پانی کا قطرہ اور آخر میں یہ بدبودار ہو جائے گا۔

اس آیت میں " قتل " کا لفظ ہے، اس کا منی ہے : کافر انسان مار دیا جائے، یا اس کو عذاب دیا جائے یا اس کو ہلاک کر دیا جائے، ضحاک نے حضرت ابن عباس (رض) سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت عتبہ بن ابی لہب کے متعلق نازل ہوئی ہے، وہ ایمان لا چکا تھا اور جب سورۃ النجم نازل ہوئی تو مرتد ہو گیا اور کہنے لگا : میں النجم کے سوا پورے قرآن پر ایمان لاتا ہوں تو اللہ عزوجل نے عتبہ بن ابی لہب کی مذمت میں یہ آیت نازل فرمائی اور " قتل الانسان " سے مراد ہے : عتبہ پر لعنت کی جائے کہ اس نے قرآن کا انکار کیا ہے اور رسول اللہ نے اس کے خلاف یہ دعا کی: **اللھم سلط علیہ کلبك اسد الغاضرۃ** اے اللہ! اس کے اوپر زرخیز زمین میں اپنے کتے کو مسلط کر دے جو پھاڑنے والے شیر کی طرح ہو۔ وہ فوراً شام کی طرف نکل گیا، جب زرخیز زمین میں پہنچا تو اس کو نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی دعا یاد آئی، پھر ایک رات کو شیر آیا، اس نے عتبہ بن ابی لہب کا منہ سونگھا اور اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے، اس کا باپ اس پر رونے لگا اور کہا : محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے جو بھی کہا وہ ہو کر رہا۔ (یہ روایت علامہ قرطبی نے اپنی تفسیر الجامع الاحکام القرآن جز ۱۹ ص ۱۸۷ میں درج کی ہے، اس سے ملتی جلتی ایک حدیث حاکم نے روایت کی ہے، وہ یہ ہے:)

نوفل بن ابی عقرب اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ لہب بن ابی لہب نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی برائی کیا کرتا تھا، ایک دن نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اس کے خلاف دعا کی : اے اللہ! اس کے اوپر اپنے کتے کو مسلط کر دے، وہ شام جانے کے ارادہ سے ایک قافلہ کے ساتھ گیا، پھر ایک جگہ کیا، وہ کہنے لگا : مجھے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی دعا سے ڈر لگ رہا ہے، قافلہ والوں نے کہا : ہرگز نہیں! انھوں نے اس کا سامان اپنے پاس رکھ لیا اور اس کی حفاظت کرنے کے لیے

بیٹھ گئے، پھر شیر آیا اور اس کو جھپٹ کر لے گیا۔ (المستدرک ج ۲ ص ۵۹۳ قدیم، المستدرک رقم الحدیث ۴۸۹۳ : علامہ ذہبی نے کہا : یہ حدیث صحیح ہے)

فرمایا : اسے کس چیز سے پیدا کیا ہے؟۔

یہ استفہام تعجب ہے، یعنی یہ انسان کس چیز پر تکبر کر رہا ہے، یہ سوچے کہ اس کو کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے۔

فرمایا : اس کو نطفہ سے پیدا کیا پھر اس کو مناسب اندازہ پر رکھا۔

حسن بصری نے کہا : وہ شخص کیسے تکبر کرتا ہے جو دن میں کئی بار بول و براز کے لیے بیت الخلاء جاتا ہے، قرآن مجید میں ہے :

اَكَفَرْتَ بِالَّذِيْ خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ سَوّٰىكَ رَجُلًا ۔ (الکهف : ۳۷)

کیا تو اس ذات کا کفر کر رہا ہے جس نے تجھ کو مٹی سے پیدا کیا، پھر نطفہ سے، پھر تجھے مکمل مرد بنا دیا۔

اللہ تعالیٰ انسان کو تخلیق کے کئی ادوار میں لاتا رہا، پہلے وہ نطفہ تھا، پھر وہ جما ہوا خون ہو گیا، پھر گوشت کا ٹکڑا بن گیا، پھر اس میں ہڈیاں پہنائیں، پھر اس میں روح پھونک دی۔

فرمایا : پھر اس کے لیے راستہ آسان کیا۔

اس آیت کی تفسیر میں حسب ذیل اقوال ہیں :

(۱) اس سے مراد ہے : انسان کا اپنی ماں کے پیٹ سے نکلنا آسان کر دیا، ماں کے پیٹ مین ولادت کے وقت مولود کا سر نیچے اور اس کی ٹانگیں اوپر ہوتی ہیں اور تنگ راستہ سے زندہ مولود کا نکل آنا اللہ تعالیٰ کی نہایت عجیب قدرت کا ظہور ہے۔

(۲) ابو مسلم نے کہا : اس سے مراد ہے : "وھداینہ النجدین" (البلد : ۱۰) ہم نے انسان کو خیر اور شر کے دونوں راستے دکھا دیئے، یعنی انسان کو دنیا اور آخرت کی ہر چیز اور شر کے راستے دکھا دیئے ہیں اور اس کو یہ قدرت عطاء کر دی ہے کہ وہ چاہے تو خیر کے راستے پر چلے اور چاہے تو شر کے راستے پر چلے اور خیر اور شر کی رہنمائی اس کے حواس، اس کی عقل، علماء، انبیاء (علیہم السلام) اور آسمانی کتابیں اور صحائف کرتے ہیں۔

فرمایا : پھر اس کو موت دی پس اس کو قبر میں پہنچایا۔ پھر جب چاہے گا اس کو زندہ کر کے نکالے گا۔

انسان کی تخلیق کا پہلا مرتبہ یہ تھا کہ اس کو نطفہ سے بہ تدریج مکمل انسان بنایا اور دوسرا مرتبہ یہ تھا کہ اس کے لیے اللہ تک پہنچنا آسان کر دیا اور تیسرا مرتبہ یہ ہے کہ اس کی روح قبض کی اور اس کو قبر میں پہنچا دیا اور پھر قیامت کے دن اس کو میدان حشر میں لا کھڑا کیا۔ انسان کی موت بھی اس کے لیے نعمت ہے کیونکہ موت کی وجہ سے اس کی جزاء کا دروازہ کھلتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے مومن کے نیک اعمال پر جو نعمتیں مقدر کی ہیں ان کے حصول کا وقت آتا ہے، اور اس کے قبر میں دفن ہونے میں بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں کیونکہ اگر وہ دفن نہ ہوتا تو درندے اور پرندے اس کو کھا جاتے اور زمین پر اس کے اعضاء بکھرے ہوئے ہوتے اور فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ جب چاہے گا اس کو میدان حشر میں لے آئے گا، اس میں یہ اشارہ ہے کہ حشر کا وقت معین اور

معلوم نہیں ہے،جس طرح انسان کو اس کی موت کا وقت معلوم نہیں ہے۔

فرمایا : بیشک اس نے اللہ کے حکم پر عمل نہیں کیا۔

اس آیت کے شروع میں " کلا " کا لفظ ہے، اور یہ لفظ زجر اور ڈانٹنے کے لیے آیا ہے اور کسی کام سے روکنے اور ہٹانے کے لیے آتا ہے، پس اس لفظ سے کافر انسان کو اس کے تکبر سے اس کے کفر سے اور توحید کے انکار پر اصرار سے روکا گیا ہے کہ اس کافر نے اللہ تعالیٰ کے حکم پر ابھی تک عمل نہیں کیا اور اپنے کفر اور تکبر سے ابھی تک باز نہیں آیا۔

فرمایا : انسان کو چاہیے کہ وہ اپنے کھانے پر غور کرے۔

اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی قدرت پر دلائل خارجیہ؛

اللہ تعالیٰ کا قرآن مجید میں یہ اسلوب ہے کہ وہ دو قسم کے دلائل ذکر فرماتا ہے، ایک وہ دلائل جو انسان کے اپنے نفس میں ہیں اور دوسرے وہ دلائل جو انسان کے نفس سے باہر آفاق میں ہیں تا کہ انسان اپنے اندر غور کرے تو اللہ کی اطاعت کی طرف رجوع کرلے اور اپنے باہر غور کرے تو اللہ کی فرمان برداری کی طرف پلٹ آئے ،سو اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس کے طعام کی طرف متوجہ کیا، اس کا طعام زمین کی پیداوار سے حاصل ہوتا ہے اور زمین کی پیداوار اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کی تخلیق سے حاصل ہوتی ہے، پہلے اللہ تعالیٰ نے انسان کو خود اس کی اپنی تخلیق کی طرف متوجہ فرمایا، یہ دلائل نفسیہ تھے، اب اس کو طعام کی طرف متوجہ فرمایا ہے، یہ دلائل آفاق ہیں۔

فرمایا : ہم نے خوب پانی بہایا۔

اس سے مراد ہے : ہم نے آسمان سے بارش نازل فرمائی۔

فرمایا : پھر ہم نے زمین کو شق کیا۔

یعنی ہم نے زمین کو اس قابل بنایا کہ اس میں ہل چلایا جاسکے اور کاشت کاری کی جاسکے، اگر وہ زمین بہت سخت اور پتھریلی ہوتی تو اس میں کسی چیز کی کاشت نہ ہوسکتی۔

فرمایا : سو اس میں غلہ اگایا۔

اس سے مراد گندم، جو، مکئی، باجرہ وغیرہ ہیں اور مختلف قسم کی دالیں اور چاول جن سے غذا حاصل ہوتی ہے۔

فرمایا : اور انگور اور سبزی۔ غلہ کے بعد انگور کا ذکر کیا، کیونکہ انسان کھانے کے بعد پھل کھاتا ہے، اس کے بعد "قضباً" کا لفظ ہے، اس کا معنی کھیرا ہے یا عام سبزی۔

فرمایا : اور زیتون اور کھجور۔ اور گھنے باغات۔ زیتون کے پھل کے بہت فوائد ہیں، زیتون کا پھل کھایا بھی جاتا ہے اور اس کا تیل بھی نکالا جاتا ہے، زیتون کا تیل بہت مقوی ہوتا ہے، اس میں کولیسٹرول بالکل نہیں ہوتا اور اس کو کھانے سے بدن اور اعصاب میں بہت قوت حاصل ہوتی ہے اور اسی طرح کھجور میں بھی بہت غذائیت اور بہت قوت ہے۔

فرمایا :اور گھنے باغات۔

"حدائق" "حدیقۃ" کی جمع ہے، "حدیقۃ" اس باغ کو کہتے ہیں جس کے گرد چار دیواری ہو، "غلب" اس شخص کو کہتے ہیں جس کی گردن موٹی ہو اور اس سے مراد وہ باغ ہیں جن میں بہت گھنے درخت ہوں۔

فرمایا :اور میوے اور (مویشیوں کا) چارا۔ تمہیں اور تمہارے مویشیوں کو فائدہ پہنچانے کے لیے۔

اس آیت میں "فاکھۃ" کا عطف "عنب" پر ہے، اس سے بعض علماء نے یہ استدلال کیا ہے کہ انگور اور کھجور اور زیتون "فاکھۃ" یعنی میووں میں داخل نہیں ہیں کیونکہ عطف تغایر کو چاہتا ہے اور یہ ہوسکتا ہے کہ "فاکھۃ" سے مراد خشک پھل ہوں جیسے پستہ، بادام اور اخروٹ وغیرہ۔ "ابا" کا معنی ہے :چراگاہ اور چارہ انسان کے جانوروں کی غذا ہے، یہ آیات اللہ تعالیٰ کی توحید پر دلائل ہیں کیونکہ ان چیزوں کی پیدائش طرز واحد پر ہوتی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ ان چیزوں کا پیدا کرنے والا واحد ہے، نیز جس نے یہ چیزیں پیدا کی ہیں، وہ ضرور اس پر قادر ہے کہ انسان کے مرنے کے بعد اس کو دوبارہ زندہ کردے، اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کو پیدا کرکے انسان پر انعام اور احسان کیا ہے تو انسان پر لازم ہے کہ وہ اس کو خالق اور واحد مستحق عبادت مانے اور اس کے سامنے سرکشی نہ کرے اور تکبر اور کفر نہ کرے اور اس کی اطاعت اور عبادت کرے۔

ترکیب نحوی وتحقیق صرفی:

قُتِلَ، فعل ماضی مجہول واحد مذکر غائب قَتَلَ یَقْتُلُ، مصدر قَتْلًا، قتل کرنا، مارنا، ہلاک ہونا (ہلاک ہو جائے، مارا جائے) یہ اللہ کی طرف سے انسان کیلئے بدعا ہے، الْاِنْسَانُ (انسان) مَا استفہامیہ تو بمعنی (کیسا) اَکْفَرَہٗ (اَکْفَرَ۔ ہٗ) اَکْفَرَ۔ کُفْرًا، مصدر سے اسم تفضیل، ناشکرا، ہٗ، ضمیر واحد مذکر غائب، وہ (وہ ناشکرا) مِنْ اَیِّ شَیْءٍ۔ مِنْ، حرف جار، سے، اَیِّ، مجرور، مضاف، اسم استفہام، کس، شَیْءٍ، مضاف الیہ، چیز (کس چیز سے) خَلَقَہٗ (خَلَقَ۔ ہٗ) خَلَقَ، فعل ماضی واحد مذکر غائب خَلَقَ یَخْلُقُ، مصدر خَلْقًا، پیدا کرنا، اس نے پیدا کیا، ہٗ، ضمیر واحد مذکر غائب، اسے، ضمیر کا مرجع، اَلْاِنْسَانُ، ہے (اس نے اسے پیدا کیا) مِنْ نُّطْفَۃٍ۔ مِنْ، حرف جار، سے، نُطْفَۃٍ، مجرور، نطفہ (نطفہ سے) خَلَقَہٗ فَقَدَّرَہٗ، ثُمَّ، حرف عطف (پھر) السَّبِیْلَ (راستہ) یَسَّرَہٗ (یَسَّرَ۔ ہٗ) یَسَّرَ، فعل ماضی واحد مذکر غائب یَسَّرَ یُیَسِّرُ، مصدر تَیْسِیْرًا، آسان کرنا، اس نے آسان کردیا، ہٗ، ضمیر واحد مذکر غائب، اس کا (اس نے اس کا آسان کردیا) ثُمَّ، حرف عطف (پھر) اَمَاتَہٗ (اَمَاتَ۔ ہٗ) اَمَاتَ، فعل ماضی واحد مذکر غائب اَمَاتَ یُمِیْتُ، مصدر اِمَاتَۃٌ، مارنا، موت دینا، اس نے موت دی، ہٗ، ضمیر واحد مذکر غائب، اسے (اس نے اسے موت دی) فَاَقْبَرَہٗ (فَ۔ اَقْبَرَ۔ ہٗ) فَ، حرف عطف، پھر، اَقْبَرَ، فعل ماضی واحد مذکر غائب اَقْبَرَ یُقْبِرُ، مصدر اِقْبَارٌ، قبر میں لے جانا، وہ قبر میں لے گیا، ہٗ، ضمیر واحد مذکر غائب، اسے (وہ اسے قبر میں لے گیا) ثُمَّ، حرف عطف (پھر) اِذَا، اسم ظرف زمان، مستقبل پر دلالت کرتا ہے، بمعنی شرط (جب) شَآءَ، فعل ماضی واحد مذکر غائب شَآءَ یَشَآءُ، مصدر مَشِیْئَۃٌ، چاہنا، اِذَا، کی وجہ سے ترجمہ (وہ چاہے گا) اَنْشَرَہٗ (اَنْشَرَ۔ ہٗ) اَنْشَرَ، فعل ماضی واحد مذکر غائب اَنْشَرَ یُنْشِرُ، مصدر اِنْشَارٌ، زندہ کرنا، اٹھا کھڑا کرنا، اِذَا، کی وجہ سے ترجمہ، وہ اٹھا کھڑا کرے گا، ہٗ، ضمیر واحد مذکر غائب، اسے (وہ اسے اٹھا کھڑا کرے گا) کَلَّا، حرف ردع وزجر (ہرگز نہیں) لَمَّا یَقْضِ۔ لَمَّا، حرف نفی جازم ہے، لَمْ، کی طرح فعل مضارع پر داخل ہو کر اس کو جزم دیتا ہے اور فعل مضارع کو فعل ماضی منفی کے معنی میں کردیتا ہے، لَمَّا یَقْضِ، فعل مضارع منفی مجزوم بلَمَّا واحد مذکر غائب، یہ اصل میں یَقْضِیْ، تھا، لَمَّا، کی وجہ سے، یا، حذف ہوگئی، یَقْضِ،

ہوگیا، قَضٰی یَقْضِیْ ، مصدر قَضَآءٌ، فیصلہ کرنا، پورا کرنا (ابھی تک اس نے پورا نہیں کیا) مَا، اسم موصول (جو) اَمَرَہٗ (اَمَرَ۔ ہٗ) اَمَرَ، فعل ماضی واحد مذکر غائب اَمَرَ یَاْمُرُ، مصدر اَمْرًا، حکم دینا، اس نے حکم دیا، ہٗ، ضمیر واحد مذکر غائب، اسے (اس نے اسے حکم دیا) فَلْیَنْظُرِ (فَ۔ لْ۔ یَنْظُرْ) فَ، حرف عطف، تو، لْ، لام امر جازم، چاہیے کہ، یَنْظُرْ، فعل مضارع واحد مذکر غائب نَظَرَ یَنْظُرُ، مصدر نَظَرًا، دیکھنا، وہ دیکھے (تو چاہیے کہ وہ دیکھے) اَلْاِنْسَانُ (انسان) اِلٰی طَعَامِہٖ (اِلٰی۔ طَعَامِ۔ ہٖ) اِلٰی، حرف جار، کی طرف، طَعَامِ، مجرور، مضاف، کھانے، ہٖ، مضاف الیہ، ضمیر واحد مذکر غائب، اپنے (اپنے کھانے کی طرف) اَنَّا (اَنَّ۔ نَا) اَنَّ، حرف مشبہ بالفعل، کہ بے شک، نَا، ضمیر جمع متکلم، ہم (کہ بے شک ہم) صَبَبْنَا، فعل ماضی جمع متکلم صَبَّ یَصُبُّ ، مصدر صَبًّا، انڈیلنا، برسانا (ہم نے برسایا) اَلْمَآءَ (پانی) صَبًّا، مصدر بطور مبالغہ استعمال ہوا ہے (خوب برسانا) ثُمَّ، حرف عطف (پھر) شَقَقْنَا، فعل ماضی جمع متکلم شَقَّ یَشُقُّ ، مصدر شَقًّا، جدا کرنا، پھاڑنا (ہم نے پھاڑا) الْاَرْضَ (زمین) شَقًّا، مصدر، مفعول مطلق (اچھی طرح پھاڑنا) فَاَنْبَتْنَا (فَ۔ اَنْبَتْنَا) فَ، حرف عطف، پھر، اَنْبَتْنَا، فعل ماضی جمع متکلم اَنْبَتَ یُنْبِتُ ، مصدر اِنْبَاتًا، اگانا، ہم نے اگایا (پھر ہم نے اگایا) فِیْہَا (فِیْ۔ ہَا) فِیْ، حرف جار، میں، ہَا، مجرور، ضمیر واحد مؤنث غائب، اس، ضمیر کا مرجع، اَلْاَرْضِ، ہے (اس میں) حَبًّا (دانہ، غلہ، اناج) وَ، حرف عطف (اور) عِنَبًا (انگور) جمع، اَعْنَابٌ، وَّ، حرف عطف (اور) قَضْبًا (کھیرا، ترکاری) وَ، حرف عطف (اور) زَیْتُوْنًا (زیتون) وَ، حرف عطف (اور) نَخْلًا، اسم جنس نکرہ (کھجوریں، کھجور کے درخت) وَ، حرف عطف (اور) حَدَآئِقَ (باغات) واحد، حَدِیْقَۃٌ، غُلْبًا، موٹی گردن والی، مراد باغ جس میں کثرت سے درخت ہوں (گھنے درختوں والے) واحد، اَغْلَبُ، حرف عطف (اور) فَاکِہَۃً (پھل، میوہ) وَّ، حرف عطف (اور) اَبًّا، جانوروں کے کھانے کا چارہ، مَتَاعًا، اسم مفرد، خانگی سامان، زندگی کا سامان، کام کی چیز، فائدہ پہنچانے کیلئے، فائدہ) لَّکُمْ (لَ۔ کُمْ) لَ، حرف جار، لیے، کُمْ، مجرور، ضمیر جمع مذکر حاضر، تمہارے (تمہارے لیے) وَ، حرف عطف (اور) لِاَنْعَامِکُمْ (لِ۔ اَنْعَامِ۔ کُمْ) لِ، حرف جار، لیے، اَنْعَامِ، مجرور، مضاف، مویشیوں، کُمْ، مضاف الیہ، ضمیر جمع مذکر حاضر، تمہارے (تمہارے مویشیوں کیلئے)

آیت ۳۳ تا ۴۲

فَإِذَا جَاءَتِ الصَّاخَّةُ (۳۳) يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ أَخِيهِ (۳۴) وَأُمِّهِ وَأَبِيهِ (۳۵) وَصَاحِبَتِهِ وَبَنِيهِ (۳۶) لِكُلِّ امْرِئٍ مِنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَأْنٌ يُغْنِيهِ (۳۷) وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ مُسْفِرَةٌ (۳۸) ضَاحِكَةٌ مُسْتَبْشِرَةٌ (۳۹) وَوُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ (۴۰) تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ (۴۱) أُولَئِكَ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ (۴۲)

ترجمہ:

پس جب کانوں کو بہرا کرنے والی (قیامت) آجائے گی۔(۳۳) جس دن آدمی اپنے بھائی سے بھاگے گا۔(۳۴) اور اپنی ماں اور اپنے باپ (سے)۔(۳۵) اور اپنی بیوی اور اپنے بیٹوں سے (۳۶) اس دن ان میں سے ہر شخص کی ایک ایسی حالت ہوگی جو اسے (دوسروں سے) بے پروا بنا دے گی۔(۳۷) کچھ چہرے اس دن روشن ہوں گے۔(۳۸) ہنستے ہوئے، بہت خوش۔(۳۹) اور کچھ چہرے، اس دن ان پر ایک غبار ہوگا۔(۴۰) ان کو سیاہی ڈھانپتی ہوگی۔(۴۱) یہی ہیں جو کافر ہیں، نافرمان ہیں۔(۴۲)

تفسیر:

فرمایا: پس جب کانوں کو بہرہ کرنے والی (قیامت) آجائے گی۔

"صاخۃ" کا معنیٰ ہے :

اس قدر شدید آواز جو کانوں کو بہرا کردے، اور اس سے مراد دوسرا صور پھونکنا ہے جس کی ہیبت ناک آواز سن کر تمام مردے زندہ ہوجائیں گے۔ اس سے پہلی آیات میں انسان کے مرنے اور اس کے دفن ہونے کا ذکر فرمایا تھا، اور قبر میں مدفون ہونے کے بعد دوسرے صور کی آواز سے مردے زندہ ہوجائیں گے اور پھر حشر برپا ہوگا

فرمایا :اس دن ہر شخص اپنے بھائی سے بھاگے گا۔ اور اپنی ماں اور باپ سے۔ اور اپنی بیوی سے بیٹوں سے۔

فرار کا معنی؛

ہوسکتا ہے کہ بھاگنے سے اس کا ظاہری معنی مراد ہو، یعنی ایک دوسرے کے مطالبہ سے پیچھا چھڑانا اور اس سے دور ہونا، مثلاً ایک شخص اپنے بھائی سے کہے گا : تم نے میرے مال کو انصاف سے خرچ نہیں کیا اور ماں باپ کہیں گے : تم نے ہمارے ساتھ نیکی کرنے میں کوتاہی کی اور بیوی کہے گی : تم نے مجھے حرام ملا کھلایا، بیٹے کہیں گے : تم نے ہم کو تعلیم نہیں دی اور ہماری تربیت نہیں کی۔ ایک قول یہ ہے کہ سب سے پہلے جو شخص اپنے بھائی سے بھاگے گا وہ قابیل ہوگا جو ہابیل سے بھاگے گا اور جو شخص اپنی بیوی سے بھاگے گا وہ حضرت نوح اور حضرت لوط ہوں گے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ فرار سے مراد دور جانا نہ ہو بلکہ اس سے مراد نصرت اور حمایت نہ کرنا ہو اور بے زار ہونا مراد ہو، جیسے یہ آیات ہیں:

اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا (البقرہ :۱۶۶)

جن کافر سرداروں کی پیروی کی گئی تھی وہ ان سے بے زار ہوجائیں گے جنہوں نے پیروی کی تھی۔

يَوْمَ لَا يُغْنِيْ مَوْلًى عَنْ مَّوْلًى شَيْئًا (الدخان :۱۴) اس دن کوئی دوست کسی دوست کے بالکل کام نہیں آئے گا۔

امام ابو منصور محمد بن محمد ماتریدی سمرقندی حنفی متوفی ۳۳۳ ھ لکھتے ہیں:

قیامت کے دن نفسی نفسی کی وجہ یہ ہوگی کہ جتنے ہر ایک کے دوسرے پر حقوق ہوں گے، ان کا مکمل طور پر ادا کرنا ممکن نہیں ہوگا تو قرابت داروں کو اس دن یہ خوف ہوگا کہ حقوق میں تقصیر کی وجہ سے ان پر گرفت کی جائے گی، اس وجہ سے وہ ایک دوسرے سے بھاگیں گے اور ان میں سے ہر ایک اس وجہ سے بھاگے گا کہ اس کے اوپر اپنے قرابت داروں کا بوجھ نہ ڈال دیا جائے، جیسا کہ اس آیت مبارکہ میں ہے:

وَاِنْ تَدْعُ مُثْقَلَةٌ اِلٰى حِمْلِهَا لَا يُحْمَلْ مِنْهُ شَيْءٌ وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ط (فاطر :۱۸)

اگر کوئی بوجھل شخص اپنا بوجھ اٹھانے کے لیے کسی کو بلائے گا تو اس کا بوجھ بالکل نہیں اٹھایا جائے گا خواہ وہ قرابت دار ہو۔ قرابت دار دنیا میں ایک دوسرے کا بوجھ اٹھایا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا کہ قیامت کے دن وہ ایک دوسرے سے تعاون نہیں کریں گے بلکہ بھاگیں گے۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ زیر بحث آیت کفار کے متعلق ہو۔ رہے مسلمان تو ہوسکتا ہے کہ ان کے درمیان قرابت کے حقوق برقرار رہیں، جیسا کہ مسلمان دوستوں کے درمیان محبت باقی رہے گی۔ قرآن مجید میں ہے:

اَلۡاَخِلَّآءُ یَوۡمَئِذٍۢ بَعۡضُهُمۡ لِبَعۡضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الۡمُتَّقِیۡنَ ۔(الزخرف ۶۷)
تمام دوست قیامت کے دن ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے ماسوا متقین کے۔
اور اگر زیر بحث آیت مسلمانوں اور کافروں دونوں کے ساتھ متعلق ہو تو ہوسکتا ہے کہ قیامت کے بعض احوال ایسے ہوں جن میں مسلمان قرابت دار ایک دوسرے سے بھاگیں گے، یہی نفسی نفسی کا موقع ہوگا، پھر جب انھیں امن ہوجائے گا اور ان کے پاس اجازت شفاعت کی بشارت آجائے گی تو وہ شفاعت کریں گے، ایک دوسرے کا حال معلوم کریں گے اور ایک دوسرے سے نہیں بھاگیں گے۔(تاویلات اہل السنۃ ج ۵ ص ۷۸۳، مؤسسۃ الرسالۃ، ناشرون،۱۴۲۵ھ)
فرمایا :اس دن دن ہر شخص کو اپنی پڑی ہوگی، جو اس کو دوسروں سے بے پروا کردے گی۔
اس آیت میں اس کا سبب بیان فرمایا ہے کہ کیوں کوئی شخص اپنے بھائی سے اور کوئی شخص اپنے بیٹوں سے بھاگے گا کیونکہ اس دن ہر شخص کو صرف اپنی فکر ہوگی، یعنی اس کا دل ودماغ صرف اپنے تفکرات سے بھرا ہوا ہوگا اور اس میں کسی اور کی گنجائش نہیں ہوگی اور وہ اس شخص کے مشابہ ہوگا جس کے پاس بہت غلام ہوں اور وہ مزید کسی غلام کو رکھنے کی گنجائش نہ رکھتا ہو۔
فرمایا :اس دن کئی چہرے چمکتے ہوئے ہوں گے۔مسکراتے ہوئے ہشاش بشاش۔

مؤمنوں اور کافروں کے چہروں کی آخرت میں کیفیات؛

اس آیت میں "مسفر ۃ" کا لفظ ہے "اسفار" اس وقت کو کہتے ہیں جب صبح روشن ہوجائے، حضرت ابن عباس (رض) نے فرمایا :جو شخص رات کو بہت نماز پڑھتا ہے صبح اس کا چہرہ روشن اور حسین ہوجاتا ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مومن دنیا سے منقطع ہوکر جب عالم قدس سے واصل ہوتا ہے اور اللہ کی رحمت اور رضا اس پر سایہ فگن ہوتی ہے، یعنی جس وقت میزان کے وزن اور حساب سے فارغ ہوجاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی عزت اور سرفرازی سے بہت خوش ہوتا ہے تو اس وقت کی اس کی خوشی کو ان آیات میں بیان فرمایا ہے۔
فرمایا :اور اس دن کئی چہرے غبار آلود ہوں گے۔ان پر سیاہی چھائی ہوگی۔وہی لوگ کافر بدکار ہیں۔
غبار کا معنی ظاہر ہے جیسے انسان پر سفر میں گرد وغبار چھاجاتا ہے، اور ان آیات میں ترھق" کا لفظ ہے، معنی ہے: کسی چیز کا جلدی سے عارض ہونا، کسی چیز کا دوسری چیز پر زبردستی چھاجانا، "قترۃ" کا معنی ہے :دھوئیں کی سیاہی، اللہ تعالیٰ کفار کے چہروں میں سیاہی اور غبار کو جمع فرمادے گا جیسا کہ انھوں نے اپنے اندر دنیا میں کفر اور برے اعمال کو جمع کرلیا تھا۔

ترکیب نحوی وتحقیق صرفی؛

فَاِذَا (فَ۔اِذَا) فَ، حرف عطف، پھر، اِذَا، اسم ظرف زمان بمعنی شرط، مستقبل پر دلالت کرتا ہے، جب، (پھر جب) جَآءَتِ، فعل ماضی واحد مؤنث غائب جَآءَ یَجِیۡءُ، مصدر مَجِیۡءٌ، آنا، اِذَا، کی وجہ سے ترجمہ (وہ آجائے گی) الصَّآخَّۃُ۔ صَخًّا، مصدر سے اسم فاعل واحد مؤنث، وہ شور جس میں قیامت برپا ہوگی، وہ شور کانوں کو بہرہ کردے گا (کانوں کو بہرہ کرنے والی) یَوۡمَ، ظرف زمان (اس دن) یَفِرُّ، فعل مضارع واحد مذکر غائب فَرَّ

یَفِرُّ، مصدر فَرًّا وَّفِرَارًا، بھاگنا (وہ بھاگے گا) اَلْمَرْءُ (آدمی) اس لفظ کی جمع نہیں آتی۔ مِنْ اَخِیْہِ (مِنْ ۔ اَخِیْ ۔ ہِ) مِنْ ، حرف جار، سے، اَخِیْ ، مجرور، مضاف، بھائی، ہِ، مضاف الیہ، ضمیر واحد مذکر غائب، اپنے (اپنے بھائی سے) وَ، حرف عطف (اور) اُمِّہٖ (اُمِّ ۔ ہٖ) اُمِّ ، مضاف، ماں، ہٖ، مضاف الیہ، ضمیر واحد مذکر غائب، اپنی، ضمیر کا مرجع، اَلْمَرْءُ ، ہے (اپنی ماں) وَ، حرف عطف (اور) اَبِیْہِ (اَبِیْ ۔ ہِ) اَبِیْ ، مضاف، باپ، ہِ، مضاف الیہ، ضمیر واحد مذکر غائب، اپنے، ضمیر کا مرجع، اَلْمَرْءُ ، ہے، (اپنے باپ) وَ، حرف عطف (اور) صَاحِبَتِہٖ (صَاحِبَۃِ ۔ ہٖ) صَاحِبَۃِ ، مضاف، بیوی، ہٖ، مضاف الیہ، ضمیر واحد مذکر غائب، اپنی، ضمیر کا مرجع، اَلْمَرْءُ ، ہے (اپنی بیوی) وَ، حرف عطف (اور) بَنِیْہِ (بَنِیْ ۔ ہِ) بَنِیْ ، مضاف، اصل میں، بَنِیْنَ ، ہے اضافت کی وجہ سے جمع کا نون گرا ہوا ہے، بیٹوں، واحد، اِبْنٌ، ہِ، مضاف الیہ، ضمیر واحد مذکر غائب، اپنے (اپنے بیٹوں سے) لِکُلِّ امْرِیٍٔ (لِ ۔ کُلِّ ۔ اِمْرِیٍٔ) لِ، حرف جار، کو، کُلِّ ، مجرور، مضاف، ہر، اِمْرِیٍٔ، بحالت جر مضاف الیہ، بمعنی مرد، شخص (ہر شخص کو) مِنْہُمْ (مِنْ ۔ ہُمْ) مِنْ ، حرف جار، سے، ہُمْ ، مجرور، ضمیر جمع مذکر غائب، ان (ان میں سے) یَوْمَئِذٍ (یَوْمَ ۔ اِذٍ) یَوْمَ ، مضاف، اسم ظرف منصوب، دن، اِذٍ، مضاف الیہ، اس (اس دن) شَاْنٌ، کسی اہم معاملہ یا حال کو اچھا ہو یا برا، شَاْنٌ، کہتے ہیں (ایک حالت، ایک فکر) جمع، شُئُوْنٌ، یُّغْنِیْہِ (یُغْنِیْ ۔ ہِ) یُغْنِیْ ، فعل مضارع واحد مذکر غائب اَغْنٰی یُغْنِیْ ، مصدر اِغْنَآءٌ، بے پرواہ کرنا، وہ بے پرواہ کر دے گی، ہِ، ضمیر واحد مذکر غائب، اسے (وہ اسے بے پرواہ کر دے گی) یُغْنِیْ ، میں ضمیر فاعل، شَاْنٌ، ہے۔ وُجُوْہٌ، جمع مکسر (چہرے، کئی چہرے، بہت سے چہرے) واحد، وَجْہٌ، یَّوْمَئِذٍ (یَوْمَ ۔ اِذٍ) یَوْمَ ، مضاف، اسم ظرف منصوب، دن، اِذٍ، مضاف الیہ، اس (اس دن) مُّسْفِرَۃٌ۔ اِسْفَارٌ، مصدر سے اسم فاعل واحد مؤنث (چمکنے والا، روشن) ضَاحِکَۃٌ۔ ضِحْکٌ، مصدر سے اسم فاعل واحد مؤنث (ہنسنے والا، ہنستا ہوا، خنداں) مُّسْتَبْشِرَۃٌ۔ اِسْتِبْشَارٌ، مصدر سے اسم فاعل واحد مؤنث (شاداں، خوش، خوشی مناتا ہوا) ضَاحِکَۃٌ مُّسْتَبْشِرَۃٌ، دونوں، وُجُوْہٌ، کی صفات ہیں۔ وَ، حرف عطف (اور) وُجُوْہٌ (چہرے، کئی چہرے، بہت سے چہرے) واحد، وَجْہٌ، یَّوْمَئِذٍ (یَوْمَ ۔ اِذٍ) یَوْمَ ، مضاف، اسم ظرف منصوب، دن، اِذٍ، مضاف الیہ، اس (اس دن) عَلَیْہَا (عَلٰی ۔ ہَا) عَلٰی ، حرف جار، پر، ہَا، مجرور، ضمیر واحد مؤنث غائب، اس، ضمیر کا مرجع، وُجُوْہٌ، ہے، (ان پر) غَبَرَۃٌ (غبار، خاک) وہ اثر جو کسی چیز پر جمی ہوئی خاک دور ہونے کے بعد باقی رہ جاتا ہے۔ تَرْہَقُہَا (تَرْہَقُ ۔ ہَا) تَرْہَقُ ، فعل مضارع واحد مؤنث غائب رَہِقَ یَرْہَقُ ، مصدر رَہَقٌ، ڈھانپنا، چھا جانا، وہ چھائی ہوگی، ہَا، ضمیر واحد مؤنث غائب، اس، ضمیر کا مرجع، وُجُوْہٌ، ہے (وہ ان پر چھائی ہوگی) قَتَرَۃٌ، فاعل ہے (غبار، غبار نما، دھوئیں کی طرح سیاہی یا ذلیک، اسم اشارہ جمع بعید (وہ لوگ) ہُمْ ، ضمیر جمع مذکر غائب (وہ، ہی) اَلْکَفَرَۃُ الْفَجَرَۃُ۔ اَلْکَفَرَۃُ، موصوف، جمع، واحد، اَلْکَافِرُ، کافر، اَلْفَجَرَۃُ، صفت، جمع، واحد، اَلْفَاجِرُ، نافرمان، بدکردار، بدکار۔

(الحمدللہ سورہ عبس مکمل ہوگئی)

[سورۃ التکویر]

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

آیت ۱ تا ۱۴

اِذَا الشَّمْسُ کُوِّرَتْ (۱) وَاِذَا النُّجُوْمُ انْکَدَرَتْ (۲) وَاِذَا الْجِبَالُ سُیِّرَتْ (۳) وَاِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ (۴) وَاِذَا الْوُحُوْشُ حُشِرَتْ (۵) وَاِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ (۶) وَاِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ (۷) وَاِذَا الْمَوْءٗدَۃُ سُئِلَتْ (۸) بِاَیِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ (۹) وَاِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ (۱۰) وَاِذَا السَّمَآءُ کُشِطَتْ (۱۱) وَاِذَا الْجَحِیْمُ سُعِّرَتْ (۱۲) وَاِذَا الْجَنَّۃُ اُزْلِفَتْ (۱۳) عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّآ اَحْضَرَتْ (۱۴)

ترجمہ:

جب سورج لپیٹ میں آجائے گا(۱)اور جب ستارے بے نور ہوجائیں گے(۲)اور جب پہاڑ چلائے جائیں گے(۳)اور جب دس ماہ کی حاملہ اونٹنیاں چھوڑ دی جائیں گی(۴)اور جب وحشی جانور اکھٹے کئے جائیں گے(۵)اور جب سمندر بھڑکائے جائیں گے(۶)اور جب جانیں (جسموں سے) ملا دی جائیں گی (۷) جب زندہ گاڑی ہوئی لڑکی سے سوال کیا جائے گا۔(۸) کہ کس گناہ کی وجہ سے وہ قتل کی گئی(۹) جب نامہ اعمال کھول دیئے جائیں گے(۱۰)اور جب آسمان کی کھال اتار لی جائے گی(۱۱)اور جب جہنم بھڑکائی جائے گی۔(۱۲)اور جب جنت نزدیک کردی جائے گی۔(۱۳) تو اس دن ہر شخص جان لے گا جو کچھ لے کر آیا ہوگا(۱۴)

کوائف سورۃ:

اس سورت کا نام تکویر ہے۔اس کی پہلی آیت کریمہ میں۔کورت۔کا لفظ موجود ہے۔جس سے سورت کا نام تکویر ہے۔یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔اس کا ایک رکوع اور انتیس آیتیں ہیں۔تکویر کا لفظی معنی ہے کسی چیز کو غلاف میں لپیٹ دینا۔ایک وقت آئے گا اللہ تبارک وتعالی سورج کی روشنی کو سلب کرلیں گے۔جیسے کسی چیز کو غلاف میں لپیٹ کر رکھ دیا جاتا ہے اسی طرح سورج کو تہہ کر کے رکھ دیا جائے گا۔

آج سورج ہم سے کروڑوں میل دور ہے۔سائنس دان کہتے ہیں چوتھے آسمان پر ہے۔اور اس کی روشنی اور تپش بالکل ظاہر ہے۔ظاہر چیز کے لیے کسی دلیل کی ضرورت نہیں ہوتی۔یہ سورج کی روشنی لپیٹ دی جائے گی۔

ماقبل سے ربط:

سورۃ عبس کا مضمون دراصل اثبات قیامت کے موضوع ہی پر مشتمل تھا اور مقصد بیان یہ تھا کہ انسان کی سعادت وفلاح اور عزت وعظمت اپنی زندگی اپنے پروردگار کے ساتھ وابستہ رکھنے اور فکر آخرت میں ہے، اس کے برعکس وہ مغرور ومتکبر جو نہ خدا پر ایمان لاتا ہے اور نہ ہی اس کو آخرت کی فکر ہے وہ خدا کی نظروں میں ذلیل وحقیر ہے، طالب حق اور سعادت کی فکر میں لگے رہنے والا انسان ہی بارگاہ رسالت میں ہر عزت واکرام کا مستحق ہے، آخر میں قیامت کے روز کی پریشانی اور بدحواسی کا عالم بیان کیا گیا کہ ہر شخص دوسرے سے بے نیاز ہوگا، اس کو اپنی پڑی ہوگی اس مناسبت سے اب اس سورت میں وہ ہول ناک مناظر اور حوادث ذکر فرمائے جارہے ہیں جو روز قیامت پیش آئیں گے اور یہی حوادث تخریب عالم کا ذریعہ ہوں گے چنانچہ اس سورت کی ابتداء ان ہول ناک مناظر کے ذکر سے کی گئی جو قیامت کے وقت پیش آئیں گے کہ چاند سورج اور ستارے بے نور کردیئے جائیں گے، پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر اڑنے لگیں گے اور زمین شق ہو کر جو کچھ اس میں ہوگا اگل دے گی، الغرض تمام نظام عالم درہم برہم ہوجائے گا۔

اسی سلسلہ میں آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے وہ خاص احوال اور اوصاف بیان کئے گئے جو وحی الٰہی کے نزول پر پیش

آئے تھے، اور اسی کے ساتھ مشرکین ومنکرین کی محرومی وبدنصیبی بھی ذکر کردی گئی جو وحی الٰہی اور پیغمبر خدا سے اعراض و انحراف کی وجہ سے ان پر مسلط ہوئی۔

تفسیر:

ابتدائی تیرہ آیات میں بارہ چیزوں کا ذکر فرمایا ہے اور یہ بارہ چیزیں قیامت کی علامات ہیں اور ان تیرہ آیات کا پہلی آیت پر عطف ہے اور معطوف اور معطوف علیہ مل کر شرط ہیں اور آیت ۱۴ میں اس کی جزاء ہے، خلاصہ کلام اس طرح ہے کہ جب سورج کو لپیٹ دیا جائے گا اور باقی مذکور علامات بھی واقع ہوجائیں گی تو ہر شخص جان لے گا جو کام اس نے پیش کیا ہے یعنی جو عمل اس نے آخرت کے لیے آگے بھیجا ہے، وہ کیا ہے۔

فرمایا: جب سورج کو لپیٹ دیا جائے گا۔

"کورت" کا معنی:

، اس کا مصدر "تکویر" ہے، حسن بصری نے کہا: اس کا معنی ہے: جب سورج کی روشنی ختم ہوجائے گی اور اس میں کوئی روشنی نہیں ہوگی۔ (تفسیر مجاہد ص ۳۲۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۵ھ)

مقاتل بن سلیمان متوفی ۱۵۰ھ نے کہا: جب اس کی روشنی نہیں رہے گی۔

(تفسیر مقاتل بن سلیمان ج ۳ ص ۴۵۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ مذکور الصدر تفسیر روایت کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

ابوصالح اور ابویعلیٰ روایت کرتے ہیں: جب سورج کو پھینک دیا جائے گا۔

(جامع البیان رقم الحدیث ۲۸۲۱۸:۔ ۲۸۲۱۷، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

پھر امام ابن جریر اپنا مختار مذہب لکھتے ہیں:

ہمارے نزدیک صحیح قول یہ ہے کہ کلام عرب میں "تکویر" کا معنی ہے: ایک چیز کے بعض اجزاء کو اس کے اوپر لپیٹنا، جیسے عمامہ کو سر کے اوپر لپیٹا جاتا ہے یا جیسے بڑی چادر میں کپڑے جمع کرکے اس چادر کو کپڑوں کے اوپر لپیٹا جاتا ہے، اسی طرح سورج کو لپیٹنے کا معنی یہ ہے کہ سورج کے بعض اجزاء کو بعض پر لپیٹ کر پھینک دیا جائے گا اور جب ایسا کیا جائے گا تو اس کی روشنی جاتی رہے گی۔ (جامع البیان جز ۳۰ ص ۸۲، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

اس اعتراض کا جواب کہ سورج اور چاند کو کس گناہ کی وجہ سے دوزخ میں ڈالا جائے گا؟

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

امام بخاری نے حضرت ابوہریرہ (رض) سے روایت کیا ہے کہ سورج اور چاند دونوں کو قیامت کے دن لپیٹ دیا جائے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث ۳۲۰۰:) امام بزار اور دوسرے ائمہ نے اس میں یہ اضافہ کیا ہے کہ ان کو لپیٹ کر دوزخ میں

پھینک دیا جائے گا، حسن بصری نے کہا :ان دونوں کا کیا گناہ ہے جو ان کو دوزخ میں پھینک دیا جائے گا؟ ابوسلمہ نے کہا: میں تم کو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی حدیث بیان کر رہا ہوں اور تم اس پر اعتراض کر رہے ہو کہ ان کا کیا گنا ہے؟

امام بزار نے کہا :حضرت ابوہریرہ سے اسی سند کے ساتھ یہ حدیث روایت کی گئی ہے۔

امام ابویعلیٰ نے اس حدیث کو حضرت انس (رض) سے روایت کیا ہے اور اس میں یہ اضافہ ہے :سورج اور چاند کو دوزخ میں اس لیے پھینکا جائے گا تا کہ سورج اور چاند کی عبادت کرنے والے ان کا انجام دیکھ لیں۔

امام ابن وہب نے "جمع الشّمس والقمر" کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ قیامت کے دن سورج اور چاند کو جمع کر کے دوزخ میں پھینک دیا جائے گا اور امام ابن ابی حاتم نے اس کو حضرت ابن عباس (رض) سے موقوفاً روایت کیا ہے۔

علامہ خطابی نے کہا ہے کہ سورج اور چاند کے دوزخ میں ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان کو عذاب دیا جا رہا ہو لیکن اس سے ان لوگوں کو ذلیل کرنا مقصود ہے جو دنیا میں سورج اور چاند کی عبادت کرتے تھے تا کہ ان کو معلوم ہو جائے کہ ان کی وہ عبادت باطل تھی، ایک قول یہ ہے کہ سورج اور چاند کو آگ سے پیدا کیا گیا ہے، پھر ان کو آگ میں لوٹا دیا جائے گا، اور اسماعیلی نے کہا :ان کو دوزخ میں ڈالنے سے ان کو عذاب دینا لازم نہیں آتا کیونکہ دوزخ میں اللہ تعالیٰ کے فرشتے بھی ہوں گے، پتھر بھی ہوں گے اور بھی کئی چیزیں ہوں گی اور اہل دوزخ کو عذاب دینے کے لیے عذاب کے کئی آلات ہوں گے، لہٰذا سورج اور چاند کا عذاب یافتہ ہونا لازم نہیں آئے گا۔ (فتح الباری ج ٦ ص ٣٤٤، دارالفکر، بیروت، ١٤٢٠ھ)

فرمایا :اور جب ستارے جھڑ جائیں گے

"انکدرت" کا معنیٰ:

اس آیت میں "انکدرت" کا لفظ ہے، اس کا مصدر "انکدار" ہے اس کا معنیٰ ہے :میلا ہونا لیکن پراگندہ ہو کر بکھر جانے میں بھی اس کا استعمال ہوتا ہے، اس آیت کا معنی ہے :جب ستارے بےنور ہو کر جھڑ جائیں گے، اسی طرح "انفطرت" ہے، اس کا مصدر "انفطار" ہے، اس کا معنی ہے :چرنا اور پھٹنا اور "اذا السماء انفطرت" (الانفطار ١:) کا معنی ہے :جب آسمان پھٹ جائے گا۔

عطاء نے کہا :ستارے آسمان اور زمین کے درمیان نور کی زنجیروں سے معلق ہیں اور یہ زنجیریں فرشتوں کے ہاتھوں میں ہیں اور جب آسمان اور زمین فنا ہو جائیں گے تو یہ زنجیریں فرشتوں کے ہاتھوں سے چھوٹ جائیں گی۔

فرمایا :اور جب پہاڑ چلائیں جائیں گے۔

اس کا معنی ہے :جب پہاڑوں کو ریزہ ریزہ کر کے فضاء میں اڑا دیا جائے گا اس کی تفسیر النباء ٢٠ :میں گزر چکی ہے۔

فرمایا :اور جب دس ماہ کی حاملہ اونٹنیاں بےکار چھوڑ دی جائیں گی۔

"العشار" کا معنیٰ اور ان کے معطل کیے جانے کی توجیہ:

عربوں کے نزدیک حاملہ اونٹنیاں سب سے زیادہ محبوب ہوتی ہیں اور جب ان کو معطل کر کے چھوڑ دیا جائے تو اس کا مطلب ہے کہ انھوں نے کسی غیر معمولی چیز کا مشاہدہ کرلیا ہے، جس کی وجہ سے ان اونٹنیوں کی طرف ان کی توجہ نہیں رہی۔

(تفسیر مقاتل بن سلیمان ج ۳ ص ٥٥٤، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ١٤٢٤ھ)

اس سے مقصود یہ ہے کہ لوگ اپنے کاموں میں مشغول ہوں گے اور اچانک قیامت آجائے گی اور ان کے اموال اور املاک ضائع ہو جائیں گے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ "العشار" سے مراد پانی سے بھرے ہوئے بادل ہیں، جب اچانک قیامت آجائے گی تو بادل اس پانی کو برسا نہیں سکیں گے۔

فرمایا: اور جب وحشی جانور جمع کیے جائیں گے۔

"وحوش" کا معنی اور "وحوش" سے قصاص لینے کے فوائد:

خشکی کے جانوروں میں سے جو جانور انسان سے عام طور پر مانوس نہیں ہوتے ان کو "وحوش" کہا جاتا ہے، ان وحشی جانوروں کو ہر طرف سے جمع کیا جائے گا حتیٰ کہ مکھیوں کو بھی قصاص کے لیے جمع کیا جائے گا، ہمارے نزدیک اللہ تعالیٰ پر کسی کا استحقاق واجب نہیں ہے، اللہ تعالیٰ تمام وحشی جانوروں کو قیامت کے دن جمع فرمائے گا اور جن جانوروں نے دوسرے جانوروں کو ایذاء پہنچائی ہوگی، ان سے قصاص لیا جائے گا، پھر ان سے کہا جائے گا: مرجاؤ تو وہ تمام وحشی جانور مرجائیں گے اور اس قصہ کو ذکر کرنے کے حسب ذیل فوائد ہیں:

(۱) جب قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تمام وحشی جانوروں کو عدل کرنے کے لیے جمع کرے گا تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ انسانوں اور جنات کو عدل کرنے کے لیے جمع نہ کرے۔

(۲) وحشی جانور انسانوں سے بدکتے ہیں اور ان کو دیکھ کر بھاگتے ہیں، اس کے باوجود وہ سب میدان محشر میں جمع ہوں گے، اس کی وجہ یہ ہے کہ قیامت کے دن کی ہولناکیوں کی وجہ سے وہ اپنی فطرت کو بھول چکے ہوں گے۔

(۳) ان حیوانات میں سے بعض حیوان دوسرے بعض حیوانات کی غذاء ہوتے ہیں، جیسے شیر اور بکری، لیکن اس دن یہ سب جمع ہوں گے اور کوئی ایک دوسرے پر حملہ نہیں کرے گا اور یہ صرف اس وجہ سے ہوگا کہ قیامت کے دن کی ہولناکیوں کی وجہ سے وہ اپنے طبعی تقاضوں کو بھول چکے ہوں گے۔

فرمایا: اور جب سمندر بھڑکا دیئے جائیں گے۔

"تسجیر" کا معنی:

امام مجاہد بن متوفی ١٠٤ھ نے اس آیت کی تفسیر میں کہا:

حضرت ابن عباس (رض) نے فرمایا: جب سمندر کو گرم کیا جائے گا، حتیٰ کہ وہ آگ ہو جائے گا، اور مجاہد نے کہا: سمندر

میں آگ لگائی جائے گی۔ (تفسیر مجاہد ص ۳۲۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱٤٢٦ھ)
امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ٦٠٦ھ لکھتے ہیں:
"تسجیر" کا معنی ہے: تنور میں آگ جلا کر اس کو گرم کرنا، اور جب سمندروں میں آگ لگا دی جائے گی تو ان میں پانی بالکل نہیں رہے گا اور پہاڑوں کو بھی ریزہ ریزہ کر دیا جائے گا اور اس وقت تمام سمندر اور زمینیں ایک چیز ہو جائیں گی، جو انتہائی گرم اور جلانے والے ہوں گے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ زمین تمام سمندروں کا پانی چوس لے اور بلند ہو کر پہاڑوں کی چوٹیوں کے برابر ہو جائے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ تمام پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر مٹی ہو جائیں اور تمام زمینیں سمندر کی سطح کے مساوی ہو جائیں اور یہ سب کا سب گرم یا بھڑکا یا ہوا سمندر بن جائے۔
(تفسیر کبیر ج ۱۱ ص ٥٦، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱٤١٥ھ)
یہ چھ علامتیں جن کا ذکر آچکا ہے، یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ان کا وقوع دنیا کو تباہ کرنے کے شروع میں ہو اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ان کا وقوع قیامت کے بعد ہو لیکن باقی چھ علامتیں، ان کا وقوع قیامت کے ساتھ مختص ہے۔
فرمایا: اور جب جانیں ملا دی جائیں گی۔
روحوں کو جسموں کے ساتھ ملانے کا مطلب
(۱) ارواح کو اجسام کے ساتھ ملا دیا جائے گا۔
(۲) قیامت کے دن تین جوڑے بن جائیں گے، جیسا کہ اس آیت میں فرمایا ہے:
وَّ كُنْتُمْ اَزْوَاجًا ثَلٰثَةً۔ فَاَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ مَآ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ۔ وَاَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ مَآ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ۔ وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ۔ (الواقعه ٧۔١٠)
اور تمہارے تین گروہ ہو جائیں گے۔ اور دائیں ہاتھ والے پس کیا خوب ہیں دائیں ہاتھ والے۔ اور بائیں ہاتھ والے پس کیسے ہیں بائیں ہاتھ والے۔ اور جو سبقت کرنے والے ہیں دونوں سبقت کرنے والے ہی ہیں۔
(۳) زیادہ عبادت کرنے والوں کا ایک گروہ بنایا، درمیانی عبادت کرنے والوں کو ایک دوسرے کے ساتھ ملا کر دوسرا گروہ بنایا جائے گا اور نافرمانی کرنے والوں کو ایک دوسرے کے ساتھ ملا کر تیسرا گروہ بنایا جائے گا۔
(٤) مؤمنین کی روحوں کو بڑی آنکھوں والی حوروں کے ساتھ ملا دیا جائے گا اور کافروں کی روحوں کو شیاطین کے ساتھ ملا دیا جائے گا۔
(٥) ہر نظریاتی گروہ کو اس کے افراد کے ساتھ ملا دیا جائے گا، یہودی کو یہودیوں کے ساتھ، عیسائی کو عیسائیوں کے ساتھ اور مسلمان کو مسلمانوں کے ساتھ۔
حضرت نعمان بن بشیر (رض) بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب (رض) سے اس آیت کے متعلق سوال کیا گیا تو

انھوں نے فرمایا : جنت میں نیک آدمی کو نیک آدمی کے ساتھ ملا دیا جائے گا، اور دوزخ میں بدکار کو بدکار کے ساتھ ملا دیا جائے گا اور حسن بصری اور قتادہ نے کہا ہر شخص کو اس کی جماعت کے ساتھ ملا دیا جائے گا، یہودی کو یہودی کے ساتھ اور نصرانی کو نصرانی کے ساتھ، الربیع بن خیثم نے کہا : ہر شخص کو اس کے عمل کے ساتھ ملا دیا جائے گا، عطاء اور مقاتل نے کہا: مؤمنین کی روحوں کو بڑی آنکھوں والی حوروں کے ساتھ ملا دیا جائے گا اور کافروں کی روحوں کو شیاطین کے ساتھ ملا دیا جائے گا، عکرمہ نے اس آیت کا معنیٰ اس طرح کیا ہے کہ روحوں کو ان کے جسموں میں لوٹا دیا جائے گا۔

(معالم التنزیل ج ٥ ص ٦١٢، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ١٤٢٠ھ)

فرمایا : اور جب زندہ در گور (لڑکی) سے سوال کیا جائے گا۔ وہ کس گناہ میں قتل کی گئی؟۔

زمانہ جاہلیت میں بیٹیوں کو زندہ درگور کرنا:

امام ابو اسحاق احمد بن ابراہیم الثعلبی المتوفی ٤٢٧ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"موؤدۃ" اس لڑکی کو کہتے ہیں جس کو زندہ قبر میں دبا دیا جاتا ہے، عربوں کے ہاں جب کوئی لڑکی پیدا ہوتی اور وہ اس کو زندہ رکھنا چاہتا تو وہ اس کو اون کا جبہ پہنا کر جنگل میں بکریوں اور اونٹوں کو چرانے کے لیے چھوڑ دیتا اور اگر وہ اس کو قتل کرنا چاہتا تو اس کو چھوڑ دیتا حتیٰ کہ جب اس کا قد چھ بالشت کا ہو جاتا تو اس کا باپ اس کی ماں سے کہتا : اس کو خوب صورت کپڑے پہناؤ حتیٰ کہ اس کو اس کے رشتہ داروں سے ملانے کے لیے لے جاؤں اور اس نے صحرا میں ایک کنواں کھودا ہوا ہوتا تھا، وہ اس لڑکی کو وہاں لے جا کر اس سے کہتا : اس کنویں میں جھانک کر دیکھو، پھر اس کو پیچھے سے دھکا دے کر کنویں میں گرا دیتا اور اس کے اوپر مٹی ڈال کر اس کو زمین کی تہہ کے ساتھ ملا دیتا۔ (الکشف والبیان ج ١٠ ص ١٣٩، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ١٤٢٢ھ)

زندہ درگور کرنے کا سبب اور اس لڑکی سے سوال کرنے کی توجیہ:

امام رازی نے فرمایا ہے کہ عرب اپنی بیٹیوں کو اس لیے زندہ در گور کرتے تھے کہ ان کو بیٹی کا باپ کہلانے سے عار آتا تھا یا وہ تنگی رزق کے خطرے سے بیٹیوں کو قتل کر دیتے تھے، وہ کہتے تھے کہ ملائکہ اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں تو وہ بیٹیوں کو بیٹیوں کے ساتھ ملا دیتے تھے۔

ایک سوال یہ ہے کہ اس آیت میں فرمایا ہے کہ جس کو زندہ در گور کیا گیا ہے، اس سے سوال کیا جائے گا، بظاہر یہ چاہیے تھا کہ قاتل سے سوال کیا جاتا کہ تم نے اس لڑکی کو کس گناہ کی وجہ سے زندہ در گور کیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ سوال اور جواب اس کے قاتل کی تذلیل کے لیے کیا جائے گا، جیسے عیسائیوں کی تذلیل کے لیے حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) سے سوال کیا جائے گا:

ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَاُمِّیَ اِلٰهَیْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا یَكُوْنُ لِیْۤ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَیْسَ لِیْ بِحَقٍّ ؕ (المائدہ:

﴾١١٦﴿

کیا آپ نے لوگوں سے یہ کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ کے سوا دو معبود بنالو؟ عیسیٰ کہیں گے :اے اللہ! تو پاک ہے، میرے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ میں وہ بات کہتا جس کا مجھے حق نہیں ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ مقتولہ سے اس لیے سوال کیا جائے گا کہ وہ قاتل کے خلاف کیا دعویٰ کرتی ہے۔

(تفسیر کبیر ج ١١ ص ٦٦، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ١٤١٥ھ)

فرمایا :اور جب صحائف (اعمال) پھیلا دیئے جائیں گے۔

انسان کی موت کے وقت اس کے صحائف اعمال کو لپیٹ دیا جاتا ہے اور حساب کے وقت اس کے صحائف اعمال کو کھول کر پھیلا دیا جائے گا۔

فرمایا :اور جب آسمان کھینچ لیا جائے گا۔

آسمان کے اوپر جنت اور اللہ تعالیٰ کا عرش ہے، آسمان کو ان سے الگ کرلیا جائے گا جس طرح ذبیحہ کی کھال کھینچ کر اس کو ذبیحہ سے الگ کرلیتے ہیں۔

فرمایا :اور جب دوزخ کو بھڑکا دیا جائے گا۔

بنو آدم کے گناہوں اور اللہ تعالیٰ کے غضب کی وجہ سے جہنم کو بھڑکایا جائے گا، معتزلہ نے کہا :اس آیت سے معلوم ہوا کہ ابھی جہنم کو پیدا نہیں کیا گیا کیونکہ قیامت کے دن اس کو بھڑکایا جائے گا، اس کا جواب یہ ہے کہ جہنم کو پیدا کیا جاچکا ہے، لیکن اس کی آگ کو قیامت کے دن بھڑکایا جائے گا۔

فرمایا :اور جب جنت قریب کردی جائے گی۔

جنت متقین کے قریب کردی جائے گی، جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

واذلفت الجنۃ للمتقین۔ (الشعراء :٩٠) اور جنت متقین کے قریب کردی جائے گی۔

فرمایا : تو ہر شخص جان لے گا جو کام اس نے پیش کیا ہے۔

اس سے پہلے بارہ چیزوں کا ذکر فرمایا ہے، ان کا مجموعہ شرط ہے یعنی جب قیامت کے دن ان بارہ چیزوں کا وقوع ہوگا تو ہر شخص جان لے گا کہ اس کے صحائف اعمال میں کن کاموں کو حاضر کیا گیا ہے، ظاہر ہے کہ وہ اعمال تو حاضر نہیں کیے جائیں گے، بلکہ جن صحائف میں وہ اعمال لکھے ہوئے ہیں، ان کو حاضر کیا جائے گا اور یہ اس وقت ہوگا جب اس سے حساب لیا جائے گا یا جب میزان پر اس کے اعمال کا وزن کیا جائے گا۔

ترکیب نحوی وتحقیق صرفی:

اِذَا، اسم ظرف زمان بمعنی شرط، مستقبل پر دلالت کرتا ہے (جب) اَلشَّمْسُ (سورج) کُوِّرَتْ، فعل ماضی مجہول واحد مؤنث غائب کَوَّرَ یُکَوِّرُ،

مصدر تَکْوِیْرًا، لپیٹنا، اَلشَّمْسُ، عربی میں مؤنث اور سورج اردو میں مذکر، اِذَا، کی وجہ سے ترجمہ (وہ لپیٹ دیا جائے گا) وَ، حرف عطف (اور) اِذَا، اسم ظرف زمان بمعنی شرط، مستقبل پر دلالت کرتا ہے (جب) اَلنُّجُوْمُ، جمع مکسر (ستارے) واحد، اَلنَّجْمُ، اِنْکَدَرَتْ، فعل ماضی واحد مؤنث غائب اِنْکَدَرَ یَنْکَدِرُ، مصدر اِنْکِدَارٌ، میلا ہونا، بکھر جانا، بے نور ہونا، اِذَا، کی وجہ سے ترجمہ (وہ بے نور ہو جائے گا) وَ، حرف عطف (اور) اِذَا، اسم ظرف زمان، بمعنی شرط، مستقبل پر دلالت کرتا ہے (جب) اَلْجِبَالُ، جمع مکسر (پہاڑوں) واحد، اَلْجَبَلُ، سُیِّرَتْ، فعل ماضی مجہول واحد مؤنث غائب سَیَّرَ یُسَیِّرُ، مصدر تَسْیِیْرًا، چلانا، اِذَا، کی وجہ سے ترجمہ (وہ چلایا جائے گا) وَ، حرف عطف (اور) اِذَا، اسم ظرف زمان، بمعنی شرط، مستقبل پر دلالت کرتا ہے (جب) اَلْعِشَارُ (دس ماہ کی حاملہ اونٹنیاں) واحد، عُشَرَآءُ، عُطِّلَتْ، فعل ماضی مجہول واحد مؤنث غائب عَطَّلَ یُعَطِّلُ، مصدر تَعْطِیْلٌ، غیر محفوظ چھوڑنا، بے کار چھوڑنا، اِذَا، کی وجہ سے ترجمہ (وہ بے کار چھوڑ دی جائے گی) وَ، حرف عطف (اور) اِذَا، اسم ظرف زمان، بمعنی شرط، مستقبل پر دلالت کرتا ہے (جب) اَلْوُحُوْشُ، جمع مکسر (وحشی جانور، جنگلی جانور) واحد، اَلْوَحْشُ، حُشِرَتْ، فعل ماضی مجہول واحد مؤنث غائب حَشَرَ یَحْشُرُ، مصدر حَشْرًا، جمع کرنا، اِذَا، کی وجہ سے ترجمہ (وہ جمع کیا جائے گا) وَ، حرف عطف (اور) اِذَا، اسم ظرف زمان، بمعنی شرط، مستقبل پر دلالت کرتا ہے (جب) اَلْبِحَارُ، جمع مکسر (سمندر) واحد، بَحْرٌ، سُجِّرَتْ، فعل ماضی مجہول واحد مؤنث غائب سَجَّرَ یُسَجِّرُ، مصدر تَسْجِیْرٌ، جلانا، بھڑکانہ، اِذَا، کی وجہ سے ترجمہ (وہ بھڑکایا جائے گا) وَ، حرف عطف (اور) اِذَا، اسم ظرف زمان، بمعنی شرط، مستقبل پر دلالت کرتا ہے (جب) اَلنُّفُوْسُ (نفسوں، جانیں، روحیں) واحد، نَفْسٌ، زُوِّجَتْ، فعل ماضی مجہول واحد مؤنث غائب زَوَّجَ یُزَوِّجُ، مصدر تَزْوِیْجًا، ملا دینا، جوڑ دینا، شادی کرانا (وہ ملا دی جائے گی) وَ، حرف عطف (اور) اِذَا، اسم ظرف زمان، بمعنی شرط، مستقبل پر دلالت کرتا ہے (جب) اَلْمَوْءٗدَةُ۔ وَاْدٌ، مصدر سے اسم مفعول واحد مؤنث (زندہ دفن کی ہوئی، سُئِلَتْ، فعل ماضی مجہول واحد مؤنث غائب سَاَلَ یَسْئَلُ، مصدر سُؤَالًا، سوال کرنا، پوچھنا، اِذَا، کی وجہ سے ترجمہ (وہ پوچھا جائے گا) بِاَیِّ ذَنْبٍ (بِ۔ اَیِّ۔ ذَنْبٍ) بِ، حرف جار، کے بدلے، اَیِّ، مجرور، مضاف، اسم استفہام، کس، ذَنْبٍ، مضاف الیہ، گناہ کے (کس گناہ کے بدلے) قُتِلَتْ، فعل ماضی مجہول واحد مؤنث غائب قَتَلَ یَقْتُلُ، مصدر قَتْلًا، قتل کرنا (وہ قتل کی گئی) وَ، حرف عطف (اور) اِذَا، اسم ظرف زمان، بمعنی شرط، مستقبل پر دلالت کرتا ہے (جب) اَلصُّحُفُ (صحیفے، اعمال نامے) واحد، اَلصَّحِیْفَةُ، نُشِرَتْ، فعل ماضی مجہول واحد مؤنث غائب نَشَرَ یَنْشُرُ، مصدر نَشْرًا، کھولنا، پھیلانا، اِذَا، کی وجہ سے ترجمہ (وہ کھول دیا جائے گا) وَ، حرف عطف (اور) اِذَا، اسم ظرف زمان، بمعنی شرط، مستقبل پر دلالت کرتا ہے (جب) اَلسَّمَآءُ (آسمان) جمع، اَلسَّمٰوٰتِ، کُشِطَتْ، فعل ماضی مجہول واحد مؤنث غائب کَشَطَ یَکْشُطُ، مصدر کَشْطًا، کھال اتارنا، کھال کھینچنا، پردہ ہٹانا، اِذَا، کی وجہ سے ترجمہ (کھال اتار دی جائے گی) وَ، حرف عطف (اور) اِذَا، اسم ظرف زمان، بمعنی شرط، مستقبل پر دلالت کرتا ہے (جب) اَلْجَحِیْمُ (دوزخ) سُعِّرَتْ، فعل ماضی مجہول واحد مؤنث غائب سَعَّرَ یُسَعِّرُ، مصدر تَسْعِیْرًا، بھڑکانا، اِذَا، کی وجہ سے ترجمہ (وہ بھڑکا دی جائے گی) وَ، حرف عطف (اور) اِذَا، اسم ظرف زمان، بمعنی شرط، مستقبل پر دلالت کرتا ہے (جب) اَلْجَنَّةُ (جنت) اُزْلِفَتْ فعل ماضی مجہول واحد مؤنث غائب اَزْلَفَ یُزْلِفُ مصدر اِزْلَافٌ، قریب لانا، اِذَا، کی وجہ سے ترجمہ (وہ قریب لائی جائے گی) عَلِمَتْ، فعل ماضی واحد مؤنث غائب عَلِمَ یَعْلَمُ، مصدر عِلْمًا، جاننا، ترجمہ بحوالہ قیامت (وہ جان لے گا) نَفْسٌ (نفس، جان، شخص) مَا، اسم موصول (جو) اَحْضَرَتْ، فعل ماضی واحد مؤنث غائب اَحْضَرَ یُحْضِرُ، مصدر اِحْضَارٌ، حاضر کرنا (اس نے حاضر کیا)

آیت ۱۵ تا ۲۹

فَلَآ أُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ (۱۵) الْجَوَارِ الْكُنَّسِ (۱۶) وَاللَّيْلِ إِذَا عَسْعَسَ (۱۷) وَالصُّبْحِ إِذَا تَنَفَّسَ (۱۸) إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ (۱۹) ذِي قُوَّةٍ عِندَ ذِي الْعَرْشِ مَكِينٍ (۲۰) مُّطَاعٍ ثَمَّ أَمِينٍ (۲۱) وَمَا صَاحِبُكُم بِمَجْنُونٍ (۲۲) وَلَقَدْ رَآهُ بِالْأُفُقِ الْمُبِينِ (۲۳) وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ (۲۴) وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَيْطَانٍ رَّجِيمٍ (۲۵) فَأَيْنَ تَذْهَبُونَ (۲۶) إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعَالَمِينَ (۲۷) لِمَن شَاءَ مِنكُمْ أَن يَسْتَقِيمَ (۲۸) وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَن يَشَاءَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ (۲۹)

ترجمہ:

میں قسم کھاتا ہوں پیچھے ہٹنے والے۔(۱۵) پھر چلنے پھرنے والے چھپنے والے ستاروں کی(۱۶) اور رات کی جب جانے لگے۔(۱۷) اور صبح کی جب چمکنے لگے۔(۱۸) یقیناً ایک بزرگ رسول کا کہا ہوا ہے(۱۹) جو قوت والا ہے عرش والے (اللہ) کے نزدیک بلند مرتبہ ہے۔(۲۰) جس کی (آسمانوں میں) اطاعت کی جاتی ہے، امین ہے۔(۲۱) اور تمہارا ساتھی دیوانہ نہیں(۲۲) اس نے اس (فرشتے) کو آسمان کے کھلے کنارے پر دیکھا بھی ہے(۲۳) اور یہ غیب کی باتوں کو بتلانے کے لئے بخیل بھی نہیں۔(۲۴) اور یہ قرآن شیطان مردود کا کلام نہیں۔(۲۵) پھر تم کہاں جا رہے ہو(۲۶) یہ تمام جہان والوں کے لئے نصیحت نامہ ہے۔(۲۷) (بالخصوص) اس کے لئے جو تم میں سے سیدھی راہ پر چلنا چاہے۔(۲۸) اور تم کچھ نہیں چاہ سکتے مگر جو پروردگار عالم چاہے (۲۹)

تفسیر:

فرمایا: میں قسم کھاتا ہوں پیچھے ہٹنے والے ستاروں کی۔ چلنے پھرنے والے چھپنے والے ستاروں کی۔

"الخنس" اور "الکنس" کے معانی:

اس آیت میں "الخنس" کا لفظ ہے، یہ "خانس" اسم فاعل کی جمع ہے، اس کا معنی ہے: پیچھے ہٹ جانے والے، پھر جانے والے، رک جانے والے، چھپ جانے والے، بعض مفسرین کے نزدیک اس سے ستارے مراد ہیں کیونکہ وہ دن میں چھپ جاتے ہیں اور بعض کے نزدیک چاند اور سورج کے علاوہ پانچویں سیارے ہیں جن کو خمسہ متحیرہ کہتے ہیں یعنی مریخ، زحل، عطارد، زہرہ اور مشتری کیونکہ ان کی چال اس طرح ہے کہ کبھی یہ مشرق سے مغرب کی طرف چلتے ہیں اور کبھی اس کے برعکس چلتے ہیں اور کبھی سورج کے نزدیک آ کر غائب ہو جاتے ہیں اور بعض کے نزدیک اس سے مراد نیل گائے ہے کیونکہ اس میں بھی پیچھے ہٹنے، پھر جانے، رکنے اور چھپنے کی صفت ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۰ھ لکھتے ہیں:

فزاء نے کہا: اس سے مراد ستارے ہیں اور ابو صالح نے حضرت ابن عباس سے بھی اسی طرح روایت کیا ہے اور امام عبد الرزاق نے سند صحیح کے ساتھ عمرو بن شرحبیل سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابن مسعود (رض) نے مجھ سے پوچھا کہ الخنس کیا

چیز ہے؟ میں نے کہا : میرا گمان ہے کہ وہ نیل گائے ہے، حضرت ابن مسعود نے فرمایا : میرا بھی یہی گمان ہے، اور حسن بصری نے کہا : اس سے مراد وہ ستارے ہیں جو دن میں چھپ جاتے ہیں۔

التکویر ۶۱ : میں "الکنس" کا لفظ ہے، یہ "کانس" اسم فاعل کی جمع ہے، "کناس" ہرن کے رہنے کی جھاڑی کو کہتے ہیں اور جھاڑی میں ہرن کے چھپنے کو بھی کہتے ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

"الکنس" وہ ستارے ہیں جو چھپ کر غائب ہو جاتے ہیں اور بعض نے کہا : "الکنس" سے مراد ہرن ہیں، امام سعید بن منصور نے سند حسن کے ساتھ حضرت علی (رض) سے روایت کیا ہے کہ "الکنس" سے مراد وہ ستارے ہیں جو رات میں نظر آتے ہیں اور دن میں چھپ جاتے ہیں اور نظر نہیں آتے، مجاہد سے "الکنس" کے متعلق سوال کیا گیا تو انھوں نے کہا : مجھے پتا نہیں، ابراہیم نے کہا : آپ کو کیوں پتا نہیں تو انھوں نے کہا : ہم نے سنا ہے کہ اس سے مراد نیل گائے ہے اور یہ لوگ حضرت علی (رض) سے روایت کرتے ہیں کہ اس سے مراد ستارے ہیں، ابراہیم نے کہا : یہ لوگ حضرت علی (رض) کے اوپر جھوٹ باندھتے ہیں۔

(فتح الباری ج ۹ ص ۶۰۷۔ ۵۰۷، دار الفکر، بیروت، ۱۴۲۰ھ)

امام بخاری نے کہا : "الخنس" کا معنی ہے : وہ ستارے جو اپنے مدار میں لوٹ جاتے ہیں اور "الکنس" کا معنی ہے : وہ ستارے جو ہرن کی طرح چھپ جاتے ہیں۔ (صحیح البخاری تفسیر "اذا الشمس کورت")

امام رازی نے کہا ہے کہ "الخنس" اور "الکنس" سے ستاروں کا مراد لینا زیادہ لائق ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ستاروں کی قسم کھانا ہرن کی قسم کھانے سے زیادہ اولیٰ ہے۔

فرمایا : اور رات کی جب جانے لگے۔

اس آیت میں "عمس" کا لفظ ہے، یہ لغت اضداد سے ہے، "عسعس" کا لفظ رات کے آنے اور رات کے جانے، دونوں میں مستعمل ہے۔

فرمایا : اور صبح کی جب چمکنے لگے۔

اس سے مراد ہے : جب صبح کی روشنی طور سے پھیل جائے۔

فرمایا؛ یقیناً ایک بزرگ رسول کا کہا ہوا ہے الخ؛

حضرت جبریل (علیہ السلام) کی چھ صفات کا تذکرہ؛

اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں حضرت جبرائیل کی چھ صفات ذکر کی ہیں۔ پہلی صفت یہ ہے کہ وہ رسول ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ تمام انبیاء کی طرف اللہ کے رسول (قاصد) ہیں، درج ذیل آیتوں سے بھی یہی مراد ہے:

يُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ (النحل ۲)

وہی جبرائیل کو وحی کے ساتھ اپنے حکم سے اپنے بندوں میں جس پر چاہے نازل فرماتا ہے۔

عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ. بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ. (الشعرا ۱۹۴-۱۹۵)

جس کو الروح الامین (جبرائیل) لے کر نازل ہوئے ہیں۔ آپ کے قلب کے اوپر تا کہ آپ (اللہ کے عذاب سے) ڈرانے والوں میں سے ہو جائیں۔

اور دوسری صفت یہ ہے کہ وہ کریم ہیں اور ان کا کرم یہ ہے کہ وہ افضل چیز عطاء کرتے ہیں اور وہ معرفت اور ہدایت ہے۔

تیسری اور چوتھی صفت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وہ قوی ہیں اور عرش والے کے نزدیک بلند مرتبہ ہیں۔ (التکویر ۲۰:)

ان کی قوت یہ ہے کہ ایک روایت کے مطابق نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے حضرت جبرائیل سے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی قوت کا ذکر فرمایا ہے، تو آپ کی قوت کا کیا اندازہ ہے؟ انھوں نے کہا کہ میں نے حضرت لوط (علیہ السلام) کی چار بستیوں کو اپنے ایک پر کے ساتھ آسمان کی طرف اٹھالیا تھا، حتیٰ کہ آسمان والوں نے کتوں اور مرغیوں کی آوازیں سنیں اور مقاتل نے ذکر کیا ہے کہ ابلیس نامی شیطان نے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا تو حضرت جبرائیل نے اس کو معمولی سی ضرب لگائی، جس کے نتیجہ میں وہ مکہ سے ہند کے پرلے سرے میں جا پڑا اور بعض مفسرین نے کہا: اس قوت سے مراد ہے: اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنا اور اس میں خلل نہ آنے دینا، ان کی تخلیق کی ابتداء سے لے کر آخرت تک اور ان کو اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس کے جلال ذات کے مشاہدہ کی جو قدرت ہے وہ یہاں مراد ہے۔

چوتھی صفت یہ ہے کہ وہ عرش والے کے نزدیک بلند مرتبہ ہیں، یعنی وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت معزز اور بہت مکرم ہیں۔

پانچویں صفت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ان کی (آسمانوں میں) اطاعت کی جاتی ہے (عرش والے کے نزدیک امانت دار ہیں) (التکویر ۱۲:)

اس کا معنی یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک فرشتوں میں واجب الاطاعت ہیں، وہ ان ہی کے حکم سے آتے ہیں اور جاتے ہیں۔

چھٹی صفت یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی وحی اور اس کا پیغام پہنچانے میں امانت دار ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کو خیانت کرنے سے اور لغزش کرنے سے محفوظ اور مامون رکھا ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۱۱ ص ۷۰-۹۶، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

صفاتِ مذکورہ کی مصداق رسول ﷺ کی ذاتِ مبارکہ ہے:

علامہ محمد بن یوسف ابوالحیان اندلسی الغرناطی المتوفی ۷۵۴ھ لکھتے ہیں:

جمہور کے نزدیک ـ"رسول کریم"ـ سے مراد جبرائیل (علیہ السلام) ہیں۔ دوسروں نے کہا ہے کہ کل آیات میں نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مراد ہیں اور قاضی عیاض نے شفاء میں فرمایا کہ ـ"مطاع ثم امین"ـ (التکویر ۲۱:) کی تفسیر میں

اکثر مفسرین کا مختار یہ ہے کہ اس سے مراد سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہیں۔ (تفسیر الثعالبی ج ۵ ص ۵۵۸،)

قاضی محمد ثناء اللہ مظہری پانی پتی حنفی متوفی ۱۱۲۵ھ لکھتے ہیں:

"رسول کریم" سے مراد جبرائیل ہیں یا پھر سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہیں۔

(تفسیر مظہری ج ۱۰ ص ۱۷۹، مکتبہ عثمانیہ، کوئٹہ، ۱۴۲۵ھ)

شیخ شبیر احمد عثمانی متوفی ۱۳۶۹ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم جو اللہ کے پاس سے ہم تک پہنچا اس سے دو واسطے ہیں، ایک وحی لانے والا فرشتہ جبرائیل (علیہ السلام) اور دوسرا پیغمبر عربی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)۔

مفتی محمد شفیع متوفی ۱۳۹۶ھ لکھتے ہیں:

بعض ائمہ تفسیر نے اس جگہ "رسول کریم" سے مراد (سیدنا) محمد مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو قرار دیا ہے اور صفات مذکورہ کو کسی قدر تکلف سے آپ کی ذات پر منطبق کیا ہے۔ واللہ اعلم (معارف القرآن ج ۸ ص ۶۸۴، ادارۃ المعارف، کراچی، ۱۴۱۴ھ)

فرمایا: اور تمہارے نبی مجنوں نہیں ہیں۔ اور بیشک انھوں نے اس روشن کنارے پر دیکھا۔ اور وہ (نبی) غیب کی خبر دینے پر بخیل نہیں ہیں۔

نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا حضرت جبرائیل کو ان کی اصل صورت میں دیکھنا اور "ضنین" کا معنی:

بعض اہل مکہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو مجنون کہتے تھے، التکویر ۲۲: میں اللہ تعالیٰ نے ان کا رد فرمایا کہ تمہارے پیغمبر مجنوں نہیں۔ اور التکویر ۲۳: میں فرمایا: انھوں نے حضرت جبرائیل کو آسمان کے روشن کنارے پر دیکھا۔

ابوالاحوص اس آیت کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے حضرت جبرائیل کو ان کی اصل صورت میں دیکھا، ان کے چھ سو پر تھے۔ (جامع البیان رقم الحدیث ۲۸۳۱۱:)

عامر بیان کرتے ہیں کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے حضرت جبرائیل (علیہ السلام) کو ان کی اصل صورت میں صرف ایک مرتبہ دیکھا ہے، حضرت جبرائیل آپ کے پاس حضرت دحیہ کی صورت میں آتے تھے، ایک دن وہ آپ کے پاس ایسی صورت میں آئے جس نے آسمان کے تمام کناروں کو بھر لیا تھا، ان پر سبز ریشم کا لباس تھا، جس پر موتی لٹک رہے تھے اور یہ اس آیت کا مصداق ہے: "ولقد راہ بالافق المبین" (التکویر ۲۳:) (جامع البیان رقم الحدیث ۲۸۳۱۲:)

زر بیان کرتے ہیں کہ "الضنین" کا معنی بخیل ہے اور غیب سے مراد قرآن مجید ہے۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۲۸۳۱۳)

ضنین" کے معنی بخیل کے ہیں یعنی اللہ کی طرف سے جو علوم و معارف آپ پر نازل ہوتے ہیں، ان کی تعلیم و تبلیغ میں آپ

بخل نہیں کرتے۔ یہ قرآن وحی الٰہی ہے۔شیطانی کلام یا شیطانی القاءنہیں ہے۔ـ"فاین تذھبون"ـ تم کدھر جار ہے ہواور کس قدر بے عقلی کی باتیں کرتے ہو، ایسی عظیم الشان کتاب میں غور وفکر کر کے اس سے ہدایت حاصل نہیں کرتے ہو۔ حالانکہ یہ کتاب تمام جہانوں کے لیے ہدایت اور نصیحت ہے۔تم میں سے ہر اس شخص کے لیے نصیحت ہے جو سیدھی راہ پر اور دین اسلام پر چلنا اور اس پر قائم رہنا چاہے۔قرآن بیشک تمام بنی آدم کے لیے ہدایت نامہ ہے مگر اس سے فائدہ صرف وہی اٹھائیں گے جو ضد وتعصب سے بالاتر ہو کر انصاف کی نظر سے اس کا مطالعہ کریں گے اور حق وصداقت کی جستجو کا جذبہ بھی ان کے سینوں میں موجزن ہوگا۔(جواہر القران)

فرمایا :اور یہ(قرآن) شیطان مردود کا قول نہیں ہے۔

کفار مکہ یہ کہا کرتے تھے کہ شیطان آپ کے پاس اس قرآن کو لے کر آتا ہے اور آپ کی زبان پر ان کلمات کو القاء کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ان کے اس قول کا رد فرمایا ہے۔

فرمایا : سو تم کہاں جار ہے ہو؟۔

اس آیت کا معنی ہے :اسلام کے اس سیدھے واواضح راستہ کو چھوڑ کر تم کہاں جار ہے ہو؟

فرمایا : بیشک وہ تمام جہان والوں کے لیے نصیحت ہے۔

یعنی قرآن مجید تمام مخلوق کے لیے ہدایت ہے۔

فرمایا : تم میں سے ہر اس شخص کے لیے جو سیدھا چلنا چاہے۔

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اگرچہ قرآن مجید اپنی ذات میں تمام مخلوق کے لیے ہدایت ہے لیکن اس سے فائدہ وہی لوگ اٹھا سکتے ہیں جو خود بھی سیدھے راستہ پر چلنا چاہتے ہوں۔

فرمایا :اور تم صرف وہی چاہتے ہو جس کو اللہ رب العلمین چاہتا ہے۔

لیکن تمہارے ارادے اللہ تعالیٰ کی مشیت کے تابع ہیں اور ہدایت وضلالت اللہ کے اختیار میں ہے۔ہدایت صرف ان کو نصیب ہوتی ہے جو خدا کی طرف نابت اور رجوع کرنے والے ہوں اور ہدایت حاصل کرنا چاہتے ہوں لیکن جو لوگ حق کو سمجھ کر محض ضد وعناد کی وجہ سے حق کو ٹھکراتے ہیں ان کے دلوں پر مہر جباریت لگادی جاتی ہے اور ان کو ہدایت کی توفیق سے محروم کردیا جاتا ہے۔

ترکیب نحوی وتحقیق صرفی:

فَلَآ اُقْسِمُ (فَ ـ لَا ـ اُقْسِمُ) فَ، حرف عطف، پس، لَا، زائدہ برائے تاکید، نہیں، اُقْسِمُ، فعل مضارع واحد متکلم اَقْسَمَ یُقْسِمُ، مصدر اِقْسَامٌ، قسم کھانا، میں قسم کھاتا ہوں (پس نہیں میں قسم کھاتا ہوں) بِالْخُنَّسِ (بِ ـ اَلْخُنَّسِ) بِ، حرف جار، کی، اَلْخُنَّسِ، مجرور، خَنْسٌ، مصدر سے اسم فاعل جمع مذکر، چھپ جانے والے، پیچھے ہٹ جانے والے، واحد، خَانِسٌ (پیچھے ہٹ جانے والے (ستاروں) کی) اَلْجَوَارِ ـ جَرَیَانٌ، مصدر سے اسم فاعل جمع مؤنث (چلنے والے) واحد، اَلْجَارِیَۃُ، اَلْکُنَّسِ ـ کِنَاسٌ، مصدر سے اسم فاعل جمع مذکر (چھپ جانے والے) واحد، اَلْکَانِسُ، اَلْجَوَارِ الْکُنَّسِ، دونوں، اَلْخُنَّسِ، کی صفات ہیں۔ وَالَّیْلِ (وَ ـ الَّیْلِ) وَ، حرف عطف قسمیہ اور قسم، اَلَّیْلِ، مقسم بہ، رات (اور رات کی (قسم)) اِذَا، ظرف زمان، بمعنی شرط، مستقبل پر دلالت کرتا ہے (جب) عَسْعَسَ، فعل ماضی واحد مذکر غائب عَسْعَسَ یُعَسْعِسُ، مصدر عَسْعَسًا، آگے نکلنا، رخصت ہونا، اِذَا، کی وجہ سے ترجمہ (وہ رخصت ہونے لگتی ہے) وَالصُّبْحِ (وَ ـ اَلصُّبْحِ) وَ، حرف عطف قسمیہ اور (قسم)، اَلصُّبْحِ، مقسم بہ، صبح (اور صبح کی (قسم)) اِذَا، ظرف زمان، بمعنی شرط، مستقبل پر دلالت کرتا ہے (جب) تَنَفَّسَ، فعل ماضی واحد مذکر غائب تَنَفَّسَ یَتَنَفَّسُ، مصدر تَنَفُّسٌ، سانس لینا، اِذَا، کی وجہ سے ترجمہ، (وہ سانس لیتی ہے) اِنَّہٗ (اِنَّ ـ ہٗ) اِنَّ، حرف مشبہ بالفعل، بے شک، ہٗ، ضمیر واحد مذکر غائب، یہ، ضمیر کا مرجع قرآن ہے، (بے شک یہ (قرآن)) لَقَوْلُ رَسُوْلٍ کَرِیْمٍ (لَ ـ قَوْلُ ـ رَسُوْلٍ ـ کَرِیْمٍ) لَ، لام تاکید، یقیناً، قَوْلُ، مضاف، بات، کلام، رَسُوْلٍ، مضاف الیہ، موصوف، بھیجے ہوئے، (فرشتے) رسول کا، کَرِیْمٍ، صفت، کَرَمٌ، مصدر سے صفت مشبہ، بڑی عزت والا (یقیناً بڑی عزت والے رسول کا (لایا ہوا) کلام ہے) ذِیْ قُوَّۃٍ ـ ذِیْ، مضاف، والا، قُوَّۃٍ، مضاف الیہ، قوت، طاقت (قوت والا) عِنْدَ ذِی الْعَرْشِ ـ عِنْدَ، مضاف، ظرف مکان، نزدیک، ذِی، مضاف الیہ، مضاف، والا، الْعَرْشِ، مضاف الیہ، عرش کے (عرش والے کے نزدیک) مَکِیْنٍ ـ مَکَانَۃٌ، مصدر سے صفت مشبہ (بڑے مرتبہ والا) مُطَاعٍ، اِطَاعَۃٌ، مصدر سے اسم مفعول واحد مذکر، اطاعت کیا گیا (واجب الاطاعت) جس کی بات مانی جاتی ہے ثَمَّ، اسم اشارہ، مکان بعید کیلئے آتا ہے اور باعتبار اصل کے ظرف ہے (وہاں، اس جگہ) اَمِیْنٍ ـ اَمَانَۃٌ، اور، اَمْنٌ، مصدر سے اسم فاعل کا صیغہ بھی ہو سکتا ہے اور اسم مفعول کا بھی کیونکہ فعیل کا وزن دونوں میں مشترک ہے (امانتدار، امن والا) وَ، حرف عطف (اور) مَا، نافیہ (نہیں) صَاحِبُکُمْ (صَاحِبُ ـ کُمْ) صَاحِبُ، مضاف، صاحب، ساتھی، رفیق، کُمْ، مضاف الیہ، ضمیر جمع مذکر حاضر، تمہارا (تمہارا ساتھی) بِمَجْنُوْنٍ (بِ ـ مَجْنُوْنٍ) بِ، حرف جار، زائدہ برائے تاکید نفی، ہرگز، مَجْنُوْنٍ، مجرور، دیوانہ (ہرگز دیوانہ) وَ، حرف عطف (اور) لَقَدْ (لَ ـ قَدْ) لَ، لام تاکید، بلاشبہ، قَدْ، کلمہ تحقیق، یقیناً (بلاشبہ یقیناً) رَاٰہُ (رَاٰی ـ ہُ) رَاٰی، فعل ماضی واحد مذکر غائب رَاٰی یَرٰی، مصدر رُؤْیَۃٌ، دیکھنا، اس نے دیکھا ہے، ہُ، ضمیر واحد مذکر غائب، اس کو، ضمیر کا مرجع "رَسُوْلٍ کَرِیْمٍ" ہے (اس نے اس کو دیکھا ہے) بِالْاُفُقِ الْمُبِیْنِ (بِ ـ اَلْاُفُقِ ـ اَلْمُبِیْنِ) بِ، حرف جار بمعنی، عَلٰی، پر، اَلْاُفُقِ، مجرور، موصوف، افق، کنارے، اَلْمُبِیْنِ، صفت، اِبَانَۃٌ، مصدر سے اسم فاعل، واضح، روشن، کھلا (روشن کنارے پر) وَ، حرف عطف (اور) مَا، نافیہ (نہیں) ہُوَ، ضمیر واحد مذکر غائب (وہ) عَلَی الْغَیْبِ (عَلٰی ـ اَلْغَیْبِ) عَلٰی، حرف جار، پر، اَلْغَیْبِ، مجرور غیب، (غیب (وحی کی بات بتانے) پر) بِضَنِیْنٍ (بِ ـ ضَنِیْنٍ) بِ، حرف جار، زائدہ برائے تاکید نفی، ہرگز، ضَنِیْنٍ، مجرور، ضَنٌّ، مصدر سے صفت مشبہ، بخیل، کنجوس (ہرگز بخیل) وَ، حرف عطف (اور) مَا، نافیہ (نہیں ہے) ہُوَ، ضمیر منفصلہ واحد مذکر غائب (وہ) بِقَوْلِ (بِ ـ قَوْلِ) بِ، حرف جار، زائدہ برائے تاکید نفی، ہرگز، قَوْلِ، مجرور، کلام، شَیْطٰنٍ رَّجِیْمٍ ـ شَیْطٰنٍ، موصوف، کسی شیطان، رَجِیْمٍ، صفت، رَجْمٌ، مصدر سے بمعنی مفعول، راندہ ہوا، پتھر مارا ہوا، مردود (کسی مردود شیطان) فَاَیْنَ (فَ ـ اَیْنَ) فَ، حرف عطف، پھر، اَیْنَ، اسم استفہام، ظرف مکان، کہاں (پھر کہاں) تَذْہَبُوْنَ، فعل مضارع جمع مذکر حاضر ذَہَبَ یَذْہَبُ، مصدر ذَہَابًا، جانا (تم جا رہے ہو) اِنْ، صلہ میں، اِلَّا، ہے اس لیے ترجمہ (نہیں ہے) ہُوَ، ضمیر منفصلہ واحد مذکر غائب (وہ) اِلَّا، حرف استثنا (مگر) ذِکْرٌ، اسم مصدر ہے (نصیحت) لِّلْعٰلَمِیْنَ (لِ ـ اَلْعٰلَمِیْنَ) لِ، حرف جار، کیلئے، اَلْعٰلَمِیْنَ، مجرور، تمام جہانوں (تمام جہانوں کیلئے) لِمَنْ (لِ ـ مَنْ) لِ، حرف جار، کیلئے، مَنْ، مجرور، اسم موصول، جو (اس کیلئے جو) شَآءَ، فعل ماضی واحد

مذکر غائب شَآءَ یَشَآءُ، مصدر مَشِیْئَۃٌ چاہنا (وہ چاہے) مِنْکُمْ (مِنْ۔ کُمْ) مِنْ، حرف جار، سے، کُمْ، مجرور، ضمیر جمع مذکر حاضر، تم (تم میں سے) اَنْ، مصدریہ ناصبہ (کہ) یَسْتَقِیْمَ، فعل مضارع منصوب واحد مذکر غائب اِسْتَقَامَ یَسْتَقِیْمُ، مصدر اِسْتِقَامَۃٌ سیدھا ہونا، سیدھی راہ چلنا (وہ سیدھی راہ چلے) وَ، حرف عطف (اور) مَا، نافیہ (نہیں) تَشَآءُوْنَ، فعل مضارع جمع مذکر حاضر شَآءَ یَشَآءُ، مصدر مَشِیْئَۃٌ چاہنا (تم چاہ سکتے) اِلَّا، حرف استثنا (مگر) اَنْ، مصدریہ ناصبہ (یہ کہ) یَشَآءَ اللّٰہُ (یَشَآءَ۔ اَللّٰہُ) یَشَآءَ، فعل مضارع واحد مذکر غائب شَآءَ یَشَآءُ، مصدر مَشِیْئَۃٌ چاہنا، وہ چاہے، اَللّٰہُ، فاعل، اللہ (اللہ چاہے) رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ (رَبُّ۔ اَلْعٰلَمِیْنَ) رَبُّ، مضاف، رب، پروردگار، اَلْعٰلَمِیْنَ، مضاف الیہ، تمام جہانوں کا، واحد، اَلْعَالَمُ (تمام جہانوں کا رب)

(الحمدللہ سورۃ تکویر مکمل ہوگئی)

[سورۃ الانفطار]

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

آیت ۱ تا ۱۲

اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ (۱) وَاِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ (۲) وَاِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ (۳) وَاِذَا الْقُبُوْرُ بُعْثِرَتْ (۴) عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَاَخَّرَتْ (۵) یٰۤاَیُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِیْمِ (۶) الَّذِیْ خَلَقَكَ فَسَوّٰىكَ فَعَدَلَكَ (۷) فِیْۤ اَیِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ (۸) كَلَّا بَلْ تُكَذِّبُوْنَ بِالدِّیْنِ (۹) وَاِنَّ عَلَیْكُمْ لَحٰفِظِیْنَ (۱۰) كِرَامًا كَاتِبِیْنَ (۱۱) یَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ (۱۲)

ترجمہ:

جب آسمان پھٹ جائے گا (۱) جب ستارے جھڑ جائیں گے۔ (۲) سمندر بہہ نکلیں گے (۳) اور جب قبریں (شق کر کے) اکھاڑ دی جائیں گی (۴) (اس وقت) ہر شخص اپنے آگے بھیجے ہوئے اور پیچھے چھوڑے ہوئے (یعنی اگلے پچھلے اعمال) کو معلوم کرلے گا۔ (۵) اے انسان! تجھے اپنے رب کریم سے کس چیز نے بہکایا؟ (۶) جس (رب نے) تجھے پیدا کیا پھر ٹھیک ٹھاک کیا اور پھر درست اور برابر بنایا (۷) جس صورت میں چاہا تجھے جوڑ دیا۔ (۸) ہر گز نہیں بلکہ تم تو جزاو سزا کے دن کو جھٹلاتے ہو۔ (۹) یقیناً تم پر نگہبان عزت والے۔ (۱۰) لکھنے والے مقرر ہیں۔ (۱۱) جو کچھ تم کرتے ہو وہ جانتے ہیں۔ (۱۲)

کوائف:

اس سورۃ کا نام سورۃ انفطار ہے۔ یہ سورۃ مکی زندگی میں نازل ہوئی۔ اس کی انیس ۱۹ آیتیں ہیں۔ یہ سورۃ اسی الفاظ اور تین سو انتیس ۳۲۹ حروف پر مشتمل ہے۔

ماقبل سے ربط:

اس سورۃ میں بھی قیامت کا بیان ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے قیامت کا ذکر اس اعتبار سے کیا کہ انسان کے باطن پر اس کا کیا اثر ہوگا۔ پہلی سورۃ کی ابتدء میں قیامت کا ذکر تھا اور اس سورۃ میں بھی قیامت کا ہی حال بیان ہوا ہے۔ گزشتہ سورۃ کے آخری حصے میں قرآن کریم کا ذکر تھا۔ اور اس میں محاسبے کا بیان ہے۔ اعمال کی حفاظت اور نگرانی کا ذکر ہے۔ پہلی سورۃ میں یہ بات سمجھائی گئی کہ قیامت کا اثر کائنات پر کیا ہوگا۔ اور اس سورۃ میں یہ ذکر ہے۔ کہ انسان کے باطن پر قیامت کا کیا اثر ہوگا۔ اس طرح دونوں سورتیں آپس میں مربوط ہیں۔

اس سورۃ میں ایک نئی بات یہ بتائی گئی ہے۔ کہ قیامت کو یوم الدین کیوں کہا جاتا ہے نیز یہ کہ اس دن انسان مکمل طور پر بے بس ہوگا۔ اور اس کے دل میں سخت مذامت ہوگی قیامت کے حالات کو مختلف پہلوؤں سے بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ لوگوں کو قیامت کی شدت کا احساس ہو سکے۔ گناہوں سے باز آجائیں اور آخرت کی فکر کریں۔

تفسیر:

فرمایا؛ جب آسمان پھٹ جائے گا۔

چونکہ عام انسانوں کی ذہنیت اس قسم کی ہوتی ہے۔ کہ کسی غیر معمولی واقعہ کو دیکھ کر فوراً متوجہ ہوتے ہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کے پروگرام کی طرف متوجہ کرنے کے لیے اس قسم کے غیر معمولی واقعات کا تذکرہ فرمایا تا کہ لوگ توجہ کریں غور وفکر کریں۔ اور حقیقت کو سمجھیں۔ چنانچہ آسمان کے پھٹ جانے کا ذکر کیا کہ جب قیامت کا پہلا صور پھونکا جائے۔ کوئی چیز اپنے مستقر پر نہیں ٹھہر سکے گی۔ ہر چیز درہم برہم ہوجائے گی۔ آسمان پھٹ جائے گا جیسا کہ سورۃ نبا میں آچکا ہے۔ " **وفتحت السماء فکانت ابوابا** " آسمان کھول دیا جائے گا۔ اور فضا میں دروازے دروازے نظر آئیں گے۔ اور آسمان سے آگے کی ہر چیز نظر آنے لگے گی۔ اس دن فرشتے بھی اتر پڑیں گے۔ حیرت انگیز منظر ہوگا، ہر چیز پر دہشت طاری ہوگی اس دن مقربین الٰہی بھی خوفزدہ ہوں گے، حضرت آدم (علیہ السلام) کہیں گے (ب۱ مسلم ص۱۱۱ ج۱ ترمذی ص۵۱ ۳) یعنی اللہ تعالیٰ آج اس قدر غصے میں ہیں۔ کہ نہ اس سے پہلے کبھی ہوئے اور نہ آج کے بعد ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ کی قہری تجلی نازل ہوگی قیامت کے روز قہری تجلی میں نزول فرمائے گا۔

(ستارے بکھر جائیں گے:

فرمایا؛ جب ستارے بکھر جائیں گے۔ ٹوٹ پھوٹ جائیں گے، گر جائیں گے، اپنی جگہ پر قائم نہیں رہیں گے۔ اور جب دریا چلائے جائیں گے۔ آج تو اپنی اپنی جگہ پر بہ رہے ہیں بحر ہند اور بحیرہ روم اپنے ٹھکانوں پر ہیں۔ مگر جب قیامت واقع ہوگی سب خلط ملط ہوجائیں گے۔ ایک بن جائیں گے۔ کوئی اپنی جگہ پر قائم نہیں رہے گا۔ اس کے بعد آگ کی تپش سے سارے بھاپ بن کر اڑ جائیں گے۔ پانی کا ایک قطرہ بھی باقی نہیں رہے گا۔

(قبریں اکھاڑ دی جائیں گی:

فرمایا؛ جب قبریں زیروزبر کردی جائیں گی۔ اکھاڑ دی جائیں گی۔ اور ان میں مدفون لوگوں کو نکالا جائے گا۔ ان پر خوف و دہشت طاری ہوگا۔ پھر جس طرف سے آواز آرہی ہوگی۔ ان کو اس میدان کی طرف چلایا جائے گا۔ اور وہ اس طرح دوڑتے ہوئے جائیں گے جس طرح تیر اپنے نشانے کی طرف جاتا ہے۔ توان قبروں کے اکھاڑنے کو حشر اجساد بھی کہتے ہیں۔

(روح اور جسم کا دوبارہ ملاپ:

یونانی اور بعض دیگر پرانے فلاسفروں کا اعتقاد ہے۔ کہ جسم ایک دفعہ فنا ہو گیا تو ختم ہو گیا۔ یہ دوبارہ زندہ نہیں ہوگا۔ اگر دوبارہ زندگی کا کوئی تصور ہے۔ تو وہ محض روحانی ہوسکتا ہے۔ جسمانی نہیں۔ ان کی یہ بات درست نہیں ہے۔ قبریں اکھاڑ دینے والے الفاظ بتارہے ہیں کہ قبروں سے روحوں کو نہیں بلکہ اجسام کو اٹھایا جائے گا۔ ہر جسم کا اسی روح کے ساتھ تعلق قائم ہوگا جس کے ساتھ دنیا میں قائم تھا۔ کیونکہ اگر قیامت کے دن دنیا کی نسبت مختلف ارواح واجسام کو اکٹھا کیا گیا۔ تو یہ سخت زیادتی ہوگی۔ دنیا میں انجام دی گئی نیکی یا بدی کی جزاوسزا صرف اسی صورت میں دی جاسکتی ہے۔ جب کہ قیامت کو انھیں اجسام وارواح کا تعلق قائم ہو جن کا دنیا میں تھا جب یہ کام مکمل ہو جائے گا روح اور جسم کا ملاپ ہو جائے گا۔ **علمت نفس ماقدمت واخرت** ہر شخص جان لے گا۔ جو کچھ اس نے آگے بھیجا ہے اور جو کچھ پیچھے چھوڑا ہے۔ اس دن انسان حیران و پریشان ہو جائے گا۔ اور اللہ تعالیٰ فرمائیں گے" **ذلک بماقدمت یدک** " یہ تیرے ہی ہاتھوں کی کمائی ہے۔ نیز یہ کہ" **وان اللہ لیس بظلام للعبید** " خداوند تعالیٰ کسی پر زیادتی نہیں کرتا۔ یہ سب تیرا اپنا ہی کیا دھرا ہے حدیث شریف (ب۱ مسلم ص ۳۲۷ ح۱) میں آتا ہے۔ جو کوئی اچھی رسم اپنے پیچھے چھوڑتا ہے۔ جتنے لوگ اس پر عمل کریں گے۔ اس کا صلہ اس کو بھی ملتا ہے۔ اسی طرح جو شخص بری رسم چھوڑے گا۔ اس پر دوسرے لوگ عمل کریں گے تو ہر ایک کے بدلے ایک گناہ اس کو بھی پہنچے گا۔ الغرض جو بھی عمل پیچھے چھوڑا ہے۔ اس کا بدلہ پائے گا۔ اگر حرام مال چھوڑ گیا ہے۔ تو سزا پائے گا اور کوئی نیکی کا کام چھوڑ گیا۔ تو اس کے بدلے جزاء پائے گا۔

فرمایا: اے انسان! تجھے اپنے رب کریم سے کس چیز نے دھوکے میں رکھا تھا؟۔

اللہ تعالیٰ کا اپنی کریمی کے تقاضے سے فوراً گناہوں پر سزا نہ دینا اور اس سے انسان کا دھوکہ کھانا:

تجھے کس چیز نے دھوکے میں رکھا تھا کہ تو نے اپنے رب کی اطاعت اور عبادت سے اعراض کیا اور تو گناہوں کے ارتکاب میں مشغول رہا۔

اس آیت میں رب کے ساتھ اس کی صفت کریم کا ذکر فرمایا ہے اور یہی انسان کو دھوکے میں رکھنے کی علت ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے انسان کے گناہ پر فوراً گرفت نہیں فرماتا اور اس سے درگزر فرماتا ہے، یا اپنی گرفت کو مؤخر فرما دیتا ہے اور اس نے انسان یہ سمجھ لیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ انسان کے گناہوں کو معاف فرماتا رہے گا، ورنہ گناہ کے ارتکاب کے فوراً

بعد ہی اللہ تعالیٰ اس کو سزا دے دیتا تو پھر وہ دوبارہ یا بار بار گناہ نہ کرتا، پس اس کا عذر یہ ہے کہ وہ کہے گا کہ مجھے بار بار گناہ کرنے پر تیرے کرم نے ابھارا یا میری جہالت نے۔

دوسری تفسیر یہ ہے کہ یہ آیت مشرکین کے متعلق ہے یعنی اے مشرک! تجھے کس چیز نے دھوکے میں رکھا حتیٰ کہ تو نے کہا: اللہ نے تجھ کو تیرے باپ دادا کی تقلید میں بت پرستی کا حکم دیا ہے کیونکہ جب وہ بے حیائی کا کام کرتے تھے تو کہتے تھے: انھیں اللہ نے اس بے حیائی کا حکم دیا ہے، قرآن مجید میں ہے:

وَإِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً قَالُوا وَجَدْنَا عَلَيْهَا آبَاءَنَا وَاللَّهُ أَمَرَنَا بِهَا ط (الاعراف: ٢٨)

جب وہ لوگ کوئی بے حیائی کا کام کرتے ہیں تو کہتے ہیں: ہم نے اپنے باپ دادا کو اسی طریقہ پر پایا اور اللہ نے ہمیں اسی کا حکم دیا ہے۔

اے مشرک! کیا تیری طرف رسول کو نہیں بھیجا گیا تھا، کیا تیری طرف کتاب نہیں نازل کی گئی تھی، تجھ پر واضح نہیں ہو گیا کہ اللہ نے تجھے کس چیز کا حکم دیا ہے اور کس چیز سے تجھے روکا ہے؟

(تاویلات اہل السنۃ ج ٥ ص ٣٩٨، موسسۃ الرسالۃ، ناشرون، بیروت، ١٤٢٥ھ)

فرمایا: جس نے تجھے پیدا کیا پھر درست کیا، پھر (تیرے اعضاء کو) متناسب بنایا۔

انسان کی تخلیق کی تفصیل:

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت اور سلطنت کا اظہار فرمایا ہے کہ اس نے ماں کے پیٹ کے تین اندھیروں میں انسان کی تخلیق کی، جہاں کوئی انسان کسی طرح کا تصرف نہیں کرسکتا اور انسان پر اپنی اس نعمت کا اظہار فرمایا تا کہ انسان اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے اور اس کی مخالفت اور اس کی نافرمانی سے باز آئے اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ کے علم اور اس کی حکمت کا بیان ہے تا کہ اس سے انسان جان لیں کہ ان کو عبث اور بے مقصد نہیں پیدا کیا گیا کیونکہ جو اپنی حکمت اور قدرت سے انسان کو پیٹ کے تین اندھیروں میں پیدا فرماتا ہے وہ اپنی مخلوق کو عبث اور فضول پیدا نہیں فرما سکتا بلکہ اس نے اپنی مخلوق کو اس لیے پیدا کیا ہے کہ ان کو نیک باتوں کا حکم دے اور بری باتوں سے روکے اور ان کی طرف رسولوں کو بھیجے اور ان پر آسمانی کتابوں کو نازل کرے، جن کی اتباع کرنے کو ان پر لازم کرے اور جب لوگ ان کی اتباع کرنے سے اعراض کریں اور ان کی پیروی کو ترک کریں تو ان کو سزا دے۔

اس کے بعد فرمایا: پھر (تیرے اعضاء کو) متناسب بنایا یعنی تجھے ایک حال سے دوسرے حال کی طرف منتقل کیا کیونکہ انسان اصل میں اپنے باپ کی پشت میں ایک گندہ قطرہ تھا، پھر اس گندے قطرہ کو اس کی ماں کے رحم میں منتقل کیا، پھر اس کو نطفہ بنایا، پھر اس کو جمے ہوئے خون کی طرف منتقل کیا، پھر اس کو گوشت کا ٹکڑا بنایا اور اس کو ہڈیاں پہنائیں اور اس کے تمام اعضاء بنائے اور اس کی بہترین صورت بنائی اور یہ نعمت ذکر کر کے اللہ تعالیٰ نے انسان کو یاد دلایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے

اس پر کتنا عظیم احسان فرمایا ہے تا کہ انسان اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے۔

فرمایا : پھر جس صورت میں چاہا تجھے بنادیا۔

اللہ تعالیٰ کا انسان کو معتدل صورت بنانا:

یعنی اللہ تعالیٰ نے تجھے اس صورت میں بنادیا، جس صورت میں تواب ہے، اس نے تجھے کسی حیوان کی صورت میں نہیں بنایا، اس میں عقل اور تمیز رکھی جس سے وہ نفع اور نقصان کو پہچان سکتا ہے اور اس کو ایسی صورت میں بنایا کہ آسمانوں اور زمینوں اور حیوانوں کو اس کے لیے مسخر کردیا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَأَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً ط (لقمان :۲۰)

اللہ نے آسمانوں اور زمینوں کی تمام چیزوں کو تمہارے لیے مسخر کردیا ہے اور اپنی ظاہری اور باطنی نعمتیں تم کو وافر مقدار میں دے رکھی ہیں۔

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا ۔ (بنی اسرائیل :۷۰)

ہم نے اولاد آدم کو بہت عزت دی اور ان کو خشکی اور سمندر کی سواریوں میں سوار کیا اور ان کو پاکیزہ چیزوں سے روزی دی اور ان کو بہت ساری مخلوق پر فضلیت عطاء فرمائی۔

سب چیزیں انسان کے لیے مسخر کی ہیں اور انسان کو کسی چیز کے لیے مسخر نہیں کیا اور اس کو یہ نعمتیں اس لیے یاددلائی ہیں کہ وہ ان نعمتوں پر اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کا شکر ادا کرے۔

امام رازی نے کہا : اللہ نے انسان کے اعضاء معتدل بنائے، ایسا نہیں کیا کہ ایک ہاتھ بڑا اور دوسرا ہاتھ چھوٹا ہوتا، یا ایک ٹانگ بڑی ہوتی اور دوسری چھوٹی ہوتی، اسی طرح ایک آنکھ بڑی ہوتی اور دوسری چھوٹی ہوتی، اسی طرح اس کی ہڈیاں، اس کے اعصاب اور اس کی شریانیں سب بہترین حکمت پر بنائی گئی ہیں، اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت اور قوت کا ذکر فرمایا ہے تا کہ انسان اللہ تعالیٰ سے ڈرے اور اس کی نافرمانی کو ترک کرے اور اس کی اطاعت اور عبادت کی طرف سبقت کرے۔

فرمایا : بیشک تم روز جزا کو جھٹلاتے ہو۔

روز جزاء کی تکذیب کی تفصیل:

(۱) میں نے تم کو جو نعمتیں عطاء کی ہیں، تم ان نعمتوں کو ان کے مقاصد میں میری ہدایت کے مطابق خرچ نہیں کرتے، بلکہ تم روز جزاء کی تکذیب کرتے ہو۔

(۲) تم اللہ تعالیٰ کے کرم سے دھوکا نہ کھاؤ، حالانکہ تم گناہوں سے باز نہیں آتے بلکہ تم روز جزاء کو جھٹلاتے ہو۔

(۳) جیسے تمہارا گمان ہے کہ نہ کوئی مرنے کے بعد زندہ ہوگا نہ کسی کو حساب وکتاب کے لیے محشر میں لایا جائے گا، اس طرح

نہیں ہے کیونکہ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو عبث اور بے کار پیدا کیا ہے اور تم اس نصیحت سے فائدہ نہیں اٹھاتے، بلکہ تم اس کو جھٹلاتے ہو۔

اس آیت میں "دین" کا لفظ ذکر فرمایا ہے، اس جگہ "دین" سے مراد حساب بھی ہے یعنی تم روز حساب کی تکذیب کرتے ہو اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ "دین" سے مراد دین اسلام ہو۔

فرمایا :اور بیشک تم پر نگہبان (مقرر) ہیں۔معزز لکھنے والے۔وہ جانتے ہیں تم جو کچھ عمل کرتے ہو۔

"کراماً کاتبین" کے اعمال بنی آدم لکھنے کی تفصیل:

اللہ تعالیٰ نے مختلف فرشتوں کے ذمہ مختلف کام لگائے ہوئے ہیں، جیسے حضرت عزرائیل کے ذمہ روح قبض کرنا لگایا ہے اور حضرت میکائیل کے ذمہ رزق پہنچانا ہے اور بعض فرشتوں کے ذمہ یہ ہے کہ وہ زمین میں گھوم پھر کر دیکھیں کہ کہاں اللہ کے بندے اس کا ذکر کر رہے ہیں، ان کو ملائکہ سیاحین کہا جاتا ہے اور اسی طرح بعض فرشتوں کو بندوں کے اعمال لکھنے پر مامور کیا ہے ان کو کراماً کاتبین کہا جاتا ہے، ان فرشتوں کو انسانوں کے اعمال لکھنے پر اس لیے مامور کیا ہے تا کہ ان کا لکھا ہوا قیامت کے دن انسان پر حجت ہو جائے۔

اس میں اختلاف ہے کہ کفار کے اعمال کو بھی فرشتے لکھتے ہیں یا نہیں کیونکہ وہ تو صرف برے کام کرتے ہیں نیک کام نہیں کرتے، اس لیے بعض علماء نے کہا :ان کے اعمال کو لکھنے والے فرشتے نہیں ہیں، اور بعض نے کہا :ان کے لیے بھی لکھنے والے ہیں، قرآن مجید میں ہیں :

وَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ كِتٰبَهٗ بِشِمَالِهٖ فَیَقُوْلُ یٰلَیْتَنِیْ لَمْ اُوْتَ كِتٰبِیَهْ۔ (الحاقه :۲۵)

اور رہا وہ شخص جس کو اس کا صحیفۂ اعمال اس کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا، پس وہ کہے گا :اے کاش! مجھ کو یہ صحیفہ نہ دیا جاتا۔

وَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ كِتٰبَهٗ وَرَآءَ ظَهْرِهٖ۔ فَسَوْفَ یَدْعُوْا ثُبُوْرًا۔ (الانشقاق :۱۰۔۱۱)

اور جس شخص کا صحیفۂ اعمال اس کی پیٹھ کے پیچھے سے دیا جائے گا۔تو وہ عنقریب موت کو پکارے گا۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ جو فرشتہ کافر کی دائیں جانب ہوتا ہے وہ کیا کرتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ وہ بائیں جانب کے لکھے ہوئے پر گواہ ہوتا ہے۔

سفیان سے سوال کیا گیا کہ جب بندہ نیک یا بد عمل کرتا ہے، اس کا فرشتوں کو علم ہونا تو ظاہر ہے لیکن جب نیک یا بد عمل کا ارادہ کرتا ہے، اس کا فرشتوں کو کیسے علم ہوتا ہے؟ سفیان نے جواب دیا :جب بندہ نیک عمل کا ارادہ کرتا ہے تو اس سے مشک کی خوشبو آتی ہے اور جب وہ برے عمل کا ارادہ کرتا ہے تو اس سے سخت نا گوار بدبو آتی ہے۔

مسلمانوں کو برے کام کرنا کفار کے برے کام سے زیادہ سنگین ہے کیونکہ مسلمانوں کو علم ہے کہ ان کے اعمال کی حفاظت

کرنے والے فرشتے مقرر ہیں جو ان کے اعمال کو لکھتے رہتے ہیں، اس کے باوجود جب وہ برے کام کریں تو یہ زیادہ قابل ملامت ہے کیونکہ کفار کو تو اس پر ایمان نہیں ہے کہ ان کے تمام اعمال کو فرشتے لکھ رہے ہیں۔

امام بزار نے حضرت انس (رض) سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: فرشتے جب ایسا صحیفہ اللہ کے پاس لے کر جائیں جس کے اول اور آخر میں استغفار ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے درمیان میں لکھی ہوئی چیزوں کو بخش دیتا ہے۔

(الدر المنثور ج ۸ ص ۴۰۳۔۴۰۲، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

ترکیب نحوی وتحقیق صرفی:

اِذَا، ظرف زمان، مستقبل پر دلالت کرتا ہے، بمعنی شرط (جب) اَلسَّمَآءُ (آسمان) جمع، اَلسَّمٰوٰتِ، اِنْفَطَرَتْ، فعل ماضی واحد مؤنث غائب اِنْفَطَرَ يَنْفَطِرُ، مصدر اِنْفِطَارٌ، پھٹ جانا، اِذَا، کی وجہ سے ترجمہ (وہ پھٹ جائے گا) وَ، حرف عطف (اور) اِذَا، ظرف زمان، مستقبل پر دلالت کرتا ہے، بمعنی شرط (جب) اَلْكَوَاكِبُ، جمع مکسر (ستارے) واحد، اَلْكَوْكَبُ، اِنْتَثَرَتْ، فعل ماضی واحد مؤنث غائب اِنْتَثَرَ يَنْتَثِرُ، مصدر اِنْتِثَارٌ، جھڑنا، بکھر جانا، اِذَا، کی وجہ سے ترجمہ (وہ جھڑ جائے گا) وَ، حرف عطف (اور) اِذَا، ظرف زمان، مستقبل پر دلالت کرتا ہے، بمعنی شرط (جب) اَلْبِحَارُ، جمع مکسر (سمندروں) واحد، اَلْبَحْرُ، فُجِّرَتْ، فعل ماضی مجہول واحد مؤنث غائب فَجَّرَ يُفَجِّرُ، مصدر تَفْجِيْرٌ، پانی کا بہہ نکلنا، پھاڑ دینا، اِذَا، کی وجہ سے ترجمہ (وہ پھاڑ دیا جائے گا) وَ، حرف عطف (اور) اِذَا، ظرف زمان، مستقبل پر دلالت کرتا ہے، بمعنی شرط (جب) اَلْقُبُوْرُ، جمع مکسر (قبریں) واحد، اَلْقَبْرُ، بُعْثِرَتْ، فعل ماضی مجہول واحد مؤنث غائب بَعْثَرَ يُبَعْثِرُ، مصدر بَعْثَرَةٌ الٹ پلٹ کرنا، اکھیڑنا، اِذَا، کی وجہ سے ترجمہ (وہ اکھیڑ دی جائے گی) عَلِمَتْ، فعل ماضی واحد مؤنث غائب عَلِمَ يَعْلَمُ، مصدر عِلْمًا، جاننا ترجمہ بحوالہ قیامت (وہ جان لے گی) نَفْسٌ (نفس، جان، شخص) مَا، اسم موصول (جو) قَدَّمَتْ، فعل ماضی واحد مؤنث غائب قَدَّمَ يُقَدِّمُ، مصدر تَقْدِيْمٌ، آگے بھیجنا (اس نے آگے بھیجا) وَ، حرف عطف (اور) اَخَّرَتْ، فعل ماضی واحد مؤنث غائب اَخَّرَ يُؤَخِّرُ، مصدر تَاْخِيْرٌ، دیر کرنا، پیچھے چھوڑنا، ڈھیل دینا (اس نے پیچھے چھوڑا) يٰاَيُّهَا الْاِنْسَانُ (يَا۔ اَيُّهَا۔ اَلْاِنْسَانُ) يَا، حرف ندا، اے، اَيُّهَا، جب منادیٰ مذکر پر "اَلْ" داخل ہو تو "یا" کے ساتھ "اَيُّهَا" لگا دیتے ہیں، اَلْاِنْسَانُ، منادیٰ، انسان (اے انسان) مَا، استفہامیہ (کس نے) غَرَّكَ (غَرَّ۔ كَ) غَرَّ، فعل ماضی واحد مذکر غائب غَرَّ يَغُرُّ، مصدر غُرُوْرًا، دھوکا دینا، فریب دینا، دھوکا دیا، كَ، ضمیر واحد مذکر حاضر، تجھے (تجھے دھوکا دیا) بِرَبِّكَ (بِ۔ رَبِّ۔ كَ) بِ، حرف جا، کے بارے میں، رَبِّ، مجرور، مضاف، رب، پروردگار، كَ، مضاف الیہ، ضمیر واحد مذکر حاضر، اپنے (اپنے رب کے بارے میں) اَلْكَرِيْمِ، اللہ کا صفاتی نام، كَرَمٌ، مصدر سے صفت مشبہ (عزت والا، کرم والا، سخی) اَلَّذِيْ، اسم موصول واحد مذکر (وہ جس نے) خَلَقَكَ (خَلَقَ۔ كَ) خَلَقَ، فعل ماضی واحد مذکر غائب خَلَقَ يَخْلُقُ، مصدر خَلْقًا، پیدا کرنا، اس نے پیدا کیا، كَ، ضمیر واحد مذکر حاضر، تجھے (اس نے تجھے پیدا کیا) فَسَوّٰكَ (فَ۔ سَوّٰى۔ كَ) فَ، حرف عطف، پھر، سَوّٰى، فعل ماضی واحد مذکر غائب سَوّٰى يُسَوِّيْ، مصدر تَسْوِيَةٌ، سنوارنا، درست کرنا، برابر کرنا، اس نے درست کیا، كَ، ضمیر واحد مذکر حاضر، تجھے (پھر اس نے تجھے درست کیا) فَعَدَلَكَ (فَ۔ عَدَلَ۔ كَ) فَ، حرف عطف، پھر، عَدَلَ، فعل ماضی واحد مذکر غائب عَدَلَ يَعْدِلُ، مصدر عَدْلًا، انصاف کرنا، برابر کرنا، مناسب طریقے سے تعداد اور مقدار کو ترتیب دینا، متناسب بنانا، اس نے متناسب بنایا، كَ، ضمیر واحد مذکر حاضر، تجھے (پھر اس نے تجھے متناسب بنایا) فِيْٓ اَيِّ صُوْرَةٍ مَّا۔ فِيْ، حرف جار، میں، اَيِّ، مجرور، مضاف، استفہامیہ، صُوْرَةٍ، مضاف الیہ، صورت، مَا، موصولہ، اَيِّ، اور، مَا، دونوں کو ملا کر ترجمہ، جس، کیا گیا ہے بعض نے، مَا، زائدہ قرار دیا ہے (جس صورت میں) شَآءَ، فعل ماضی واحد مذکر غائب شَآءَ يَشَآءُ، مصدر مَشِيْئَةٌ چاہنا، (اس نے

چاہا) رَکَّبَکَ (رَکَّبَ ۔ کَ) رَکَّبَ، فعل ماضی واحد مذکر غائب رَکَّبَ یُرَکِّبُ، مصدر تَرْکِیبًا، ترکیب دینا، جوڑنا، اس نے جوڑ دیا، کَ، ضمیر واحد مذکر حاضر، تجھے (اس نے تجھے جوڑ دیا) کَلَّا، حرف ردع و زجر (ہرگز نہیں) بَلْ، حرف اضراب (بلکہ) تُکَذِّبُونَ، فعل مضارع جمع مذکر حاضر کَذَّبَ یُکَذِّبُ، مصدر تَکْذِیبٌ، جھٹلانا (تم جھٹلاتے ہو) بِالدِّیْنِ (بِ۔ اَلدِّیْنِ) بِ، حرف جار، کو، اَلدِّیْنِ، مجرور، جزاوسزا، قیامت (جزاوسزا کو) وَ، حالیہ (حالانکہ) اِنَّ، حرف مشبہ بالفعل (بے شک، بلاشبہ) عَلَیْکُمْ (عَلٰی۔ کُمْ) عَلٰی، حرف جار، پر، کُمْ، مجرور، ضمیر جمع مذکر حاضر، تم (تم پر) لَحٰفِظِیْنَ (لَ۔ لَحٰفِظِیْنَ) لَ، لام تاکید، یقینا، لَحٰفِظِیْنَ۔ حِفْظٌ، مصدر سے اسم فاعل جمع مذکر، نگہبانی کرنے والے، حفاظت کرنے والے، واحد، حَافِظٌ (یقینا نگہبانی کرنے والے) کِرَامًا۔ کَرِمٌ، مصدر سے صفت مشبہ (عزت والے، معزز) کَاتِبِیْنَ۔ کِتَابَۃٌ، مصدر سے اسم فاعل جمع مذکر (لکھنے والے) واحد، کَاتِبٌ، کِرَامًا کَاتِبِیْنَ، یہ دونوں، حَافِظِیْنَ، کی صفات ہیں۔ یَعْلَمُوْنَ، فعل مضارع جمع مذکر غائب عَلِمَ یَعْلَمُ، مصدر عِلْمًا، جاننا (وہ جانتے ہیں) مَا، اسم موصول (جو) تَفْعَلُوْنَ، فعل مضارع جمع مذکر حاضر فَعَلَ یَفْعَلُ، مصدر فِعْلًا، کرنا، کام کرنا (تم کرتے ہو)

آیت ۱۳ تا ۱۹

اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِیْ نَعِیْمٍ (۱۳) وَاِنَّ الْفُجَّارَ لَفِیْ جَحِیْمٍ (۱۴) یَّصْلَوْنَهَا یَوْمَ الدِّیْنِ (۱۵) وَمَا هُمْ عَنْهَا بِغَآئِبِیْنَ (۱۶) وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا یَوْمُ الدِّیْنِ (۱۷) ثُمَّ مَآ اَدْرٰىكَ مَا یَوْمُ الدِّیْنِ (۱۸) یَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَیْـًٔا وَّالْاَمْرُ یَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ (۱۹)

ترجمہ:

یقیناً نیک لوگ (جنت کے عیش آرام اور) نعمتوں میں ہونگے۔ (۱۳) اور یقیناً بدکار لوگ دوزخ میں ہونگے۔ (۱۴) بدلے والے دن اس میں جائیں گے (۱۵) اور وہ اس سے کبھی غائب ہونے والے نہیں ہیں۔ (۱۶) اور تجھے کس چیز نے معلوم کروایا کہ جزا کا دن کیا ہے؟ (۱۷) پھر تجھے کس چیز نے معلوم کروایا کہ جزا کا دن کیا ہے؟ (۱۸) جس دن کوئی جان کسی جان کے لیے کسی چیز کا اختیار نہ رکھے گی اور اس دن حکم صرف اللہ کا ہوگا۔ (۱۹)

تفسیر:

فرمایا: بیشک نیکوکار ضرور (جنت کی) نعمت میں ہیں۔ اور بیشک بدکار ضرور دوزخ میں ہیں۔

"ابرار" کا معنی اور مرتکب کبیرہ کو دائمی عذاب نہ ہونا:

اس سے پہلی آیات میں بتایا تھا کہ کراما کاتبین بنو آدم کے تمام اعمال لکھ رہے ہیں اور ان آیتوں میں ان عمل کرنے والون کے اخروی اعمال کو بیان فرمایا ہے۔

ان آیتوں میں "ابرار" کا ذکر فرمایا ہے اور "ابرار" کا معی ہے: بر (نیکی) کرنے والے اور "بر" کا بیان اس آیت میں ہے:

بر (نیکی) صرف یہ نہیں ہے کہ تم مشرق کی طرف یا مغرب کی طرف منہ کرلو بلکہ حقیقت میں نیکوکار وہ ہے جو اللہ پر ایمان لائے اور یوم آخر پر اور فرشتوں پر اور کتاب اللہ پر اور نبیوں پر ایمان لائے، اور جو مال سے محبت رکھنے کے باوجود قرابت داروں یتیموں، مسکینوں، مسافروں اور سوال کرنے والوں کو مال دے اور غلاموں کو آزاد کرے اور پابندی سے نماز پڑھے اور

زکوۃ ادا کرے اور جب کوئی عہد کرے تو اس کو پورا کرے، تنگ دستی، دکھ درد اور جنگ کے وقت صبر کرے یہی وہ لوگ ہیں جو صادق ہیں اور یہی متقی ہیں۔ (البقرہ ۱۷۷ :)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ برادر تقویٰ اور ابرار اور متقین دونوں سے مراد ایک ہے اور جو ان تمام اوصاف سے متصف ہو وہ نیکو کار اور متقی ہے۔

فرمایا؛ اور بدکار ضرور دوزخ میں ہیں؛

معتزلہ کا رد؛

معتزلہ نے یہ کہا ہے کہ : یہ آیتیں اس پر دلالت کرتی ہیں کہ مرتکب گناہ کبیرہ **ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے، کیونکہ مرتکب کبیرہ** فاجرہ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ فجار ضرور دوزخ میں ہیں اور وہ اس سے چھپ نہیں سکیں گے، لیکن ہمارے نزدیک مومن **مرتکب کبیرہ فاجر نہیں ہے، فاجر وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی توحید کی تکذیب کرے پس فجار کے عموم میں مؤمنین مرتکبین کبائر داخل نہیں ہیں اور اگر بالفرض مومن مرتکب کبیرہ کو دوزخ میں داخل کیا جائے تو وہ تھوڑا عرصہ تطہیر کے لیے دوزخ میں داخل ہوگا، بعد میں اس کو نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی شفاعت سے یا اللہ تعالیٰ کے فضل محض سے دوزخ سے** نکال لیا جائے گا۔

فرمایا : وہ روز جزاء کو اس میں پہنچیں گے۔ اور وہ اس سے چھپ نہیں سکیں گے۔

جنت کا ثواب اور دوزخ کا عذاب غیر منقطع ہے؛

یہ آیت اہل نار اور اہل جنت دونوں کی طرف راجع ہے، پس اہل جنت، جنت سے غائب نہیں ہوں گے اور اہل دوزخ، دوزخ سے غائب نہیں ہوں گے۔

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ ایک دن جنت کا ثواب ختم ہو جائے گا اور اسی طرح ایک دن دوزخ کا عذاب ختم ہو جائے گا، ہم کہتے ہیں کہ اگر جنت کا ثواب ایک دن ختم ہو جائے تو جنتی جنت میں خوش اور راضی نہیں رہیں گے کیونکہ ان کو معلوم ہوگا کہ ایک دن یہ عیش ختم ہونے والا ہے، اسی طرح اگر ایک دن دوزخ کا عذاب ختم ہو جائے تو دوزخی دوزخ میں مطمئن اور خوش رہیں گے کہ ایک دن یہ عذاب ختم ہونے والا ہے اور یہ چیز قرآن مجید کی بہت آیتوں کے خلاف ہے۔

فرمایا : اور آپ نے کیا سمجھا روز جزاء کیا ہے؟۔ پھر آپ نے کیا سمجھا روز جزاء کیا ہے؟۔

روز جزاء کے ادراک کی نفی کی تفصیل؛

امام ابو منصور محمد بن محمد بن محمود یاتری سمرقندی حنفی متوفی ۳۳۳ ھ فرماتے ہیں:

آپ اپنی عقل سے یوم جزاء کو نہیں جانتے تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس کا علم دے دیا، اور بعض مفسرین نے کہا : یہ اس دن کی تعظیم اور اس کے ہولناک ہونے کی وجہ سے فرمایا ہے۔ (تاویلات اہل السنۃ ج ۵ ص ۴۰۲)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ ھ لکھتے ہیں:

اس آیت کے خطاب میں اختلاف ہے، بعض مفسرین نے کہا :اس آیت میں کافر سے زجر و توبیخ اور ڈانٹ ڈپٹ کے لیے خطاب ہے اور اکثر مفسرین نے کہا :اس آیت میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے خطاب ہے اور آپ سے یہ خطاب اس لیے فرمایا کہ نزول وحی سے پہلے آپ کو علم نہیں تھا کہ یوم جزاء کیا ہے۔

اس آیت میں دوبارہ فرمایا ہے : آپ نے کیا سمجھا کہ روز جزاء کیا ہے، کیونکہ پہلی بار کا خطاب اہل دوزخ کے لیے ہے اور دوسری بار کا خطاب اہل جنت کے لیے ہے، گویا کہ فرمایا : آپ نے کیا سمجھا کہ فجار کے ساتھ قیامت کے دن کیا معاملہ کیا جائے گا اور ابرار کے ساتھ قیامت کے دن کیا معاملہ کیا جائے گا اور "یوم الدین" کا دوبار ذکر اس کی اہمیت اور تعظیم کی وجہ سے کیا گیا۔

فرمایا : جس دن کوئی شخص کسی شخص کے لیے کسی چیز کا مالک نہیں ہوگا اور اس دن تمام حکام اللہ ہی کے لیے ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ کے اذن کے بغیر شفاعت کی ممانعت:

(۱) کفار اپنے بتوں سے یہ توقع رکھتے تھے کہ وہ مصائب میں ان کی مدد کریں گے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت ان کے رد میں نازل فرمائی ہے، کفار جو اپنے بتوں سے مصائب دور کرنے کی توقع رکھتے تھے، اس کے متعلق یہ آیت ہے :

وَقَالَ اِنَّمَا اتَّخَذۡتُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اَوۡثَانًا ۙ مَّوَدَّةَ بَيۡنِكُمۡ فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا‌ ۚ ثُمَّ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ يَكۡفُرُ بَعۡضُكُمۡ بِبَعۡضٍ وَّيَلۡعَنُ بَعۡضُكُمۡ بَعۡضًا وَّمَاۡوٰٮكُمُ النَّارُ وَمَا لَـكُمۡ مِّنۡ نّٰصِرِيۡنَ ۙ ۖ۔ (العنکبوت :۲۵)

(ابراہیم نے کہا :) تم نے اللہ کو چھوڑ کر جن بتوں کی پرستش کی ہے تم نے اس کو آپس میں دنیاوی دوستی کی بنیاد بنا لیا ہے، پھر تم قیامت کے دن ایک دوسرے کا کفر کرو گے اور ایک دوسرے پر لعنت کرو گے اور تمہارا ٹھکانا دوزخ میں ہے اور تمہارا کوئی مددگار نہیں ہوگا۔

(۲) اللہ تعالیٰ کے اذن کے بغیر کوئی نفس کسی شخص کے لیے کسی چیز کا مالک نہیں ہوگا مگر جب اللہ تعالیٰ شفاعت کا اذن دے گا تو پھر وہ شفاعت کریں گے، جس طرح اس آیت میں ارشاد ہے :

لَّا يَتَكَلَّمُوۡنَ اِلَّا مَنۡ اَذِنَ لَهُ الرَّحۡمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا ۔ (النبا :۳۸)

رحمان کے اذن کے بغیر کوئی بات نہیں کر سکے گا اور وہ درست بات کرے گا۔

(۳) اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مالک بنائے بغیر کوئی شخص کے لیے کسی چیز کا مالک نہیں ہوگا۔

فرمایا :اور اس دن تمام احکام اللہ ہی کے لیے ہوں گے، یعنی بغیر کسی تنازع کے، اور ہر وقت میں تمام احکام اللہ ہی کے لیے ہوتے ہیں لیکن دنیا میں ظالم لوگ اس میں تنازع کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے احکام کے مقابلہ میں اپنے احکام چلاتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ نے لہو و لہب، خواتین کے لیے بے حجاب نکلنے اور مرد و زن کے مخلوط اجتماعات اور رقص اور فحاشی کی ممانعت اور مذمت کی لیکن اس دور کے حکمران ترقی کے نام پر اس کو رواج دے رہے ہیں۔

ترکیب نحوی وتحقیق صرفی:

اِنَّ الْاَبْرَارَ (اِنَّ ۔ اَلْاَبْرَارَ) اِنَّ، حرف مشبہ بالفعل، بے شک، اَلْاَبْرَارَ، نیک لوگ، واحد، بَرٌّ، اور، بارٌّ، (بے شک نیک لوگ) لَفِیْ نَعِیْمٍ (لَ ۔ فِیْ ۔ نَعِیْمٍ) لَ، لام تاکید، یقیناً، فِیْ، حرف جار، میں، نَعِیْمٍ، مجرور، اسم نکرہ، راحت بڑی نعمت (یقیناً بڑی نعمت میں) وَ، حرف عطف (اور) اِنَّ، حرف مشبہ بالفعل (بے شک) اَلْفُجَّارَ (بدکار، نافرمان، گنہگار) واحد، اَلْفَاجِرُ، لَفِیْ جَحِیْمٍ (لَ ۔ فِیْ ۔ جَحِیْمٍ) لَ، لام تاکید، یقیناً، فِیْ، حرف جار، میں، جَحِیْمٍ، مجرور، جہنم، دوزخ، (یقیناً دوزخ میں) یَصْلَوْنَہَا (یَصْلَوْنَ ۔ ہَا) یَصْلَوْنَ، فعل مضارع جمع مذکر غائب صَلِیَ یَصْلٰی، مصدر صَلِیٌّ، داخل ہونا، وہ داخل ہوں گے، ہَا، ضمیر واحد مؤنث غائب، اس، ضمیر کا مرجع "جَحِیْمٍ" ہے (وہ اس میں داخل ہوں گے) یَوْمَ الدِّیْنِ (یَوْمَ ۔ الدِّیْنِ) یَوْمَ، مضاف، ظرف زمان، دن، روز، اَلدِّیْنِ، مضاف الیہ، جزا، بدلہ، قیامت (جزا کے دن) وَ، حرف عطف (اور) مَا، نافیہ (نہیں) ہُمْ، ضمیر جمع مذکر غائب (وہ) عَنْہَا (عَنْ ۔ ہَا) عَنْ، حرف جار، سے، ہَا، مجرور، ضمیر واحد مؤنث غائب، اس، ضمیر کا مرجع "جَحِیْمٍ" ہے (اس سے) بِغَآئِبِیْنَ (بِ ۔ غَآئِبِیْنَ) بِ، حرف جار، زائدہ برائے تاکید نفی، ہرگز، غَآئِبِیْنَ، مجرور، غِیَابٌ، مصدر سے اسم فاعل جمع مذکر، غائب ہونے والے، واحد، غَآئِبٌ (ہرگز غائب ہونے والے) وَ، حرف عطف (اور) مَا، استفہامیہ بمعنی، اَیُّ شَیْءٍ (کس چیز) اَدْرٰیکَ (اَدْرٰی ۔ کَ) اَدْرٰی، فعل ماضی واحد مذکر غائب اَدْرٰی یُدْرِیْ، مصدر اِدْرَآءٌ، خبر ہونا، معلوم کروانا، سمجھنا، خبر دینا، بتانا، اس نے معلوم کروایا، کَ، ضمیر واحد مذکر حاضر، آپ کو (اس نے آپ کو معلوم کروایا) مَا، استفہامیہ (کیا) یَوْمُ الدِّیْنِ (یَوْمُ ۔ الدِّیْنِ) یَوْمُ، مضاف، دن، روز، اَلدِّیْنِ، مضاف الیہ، جزاوسزا، قیامت (روز جزاوسزا) ثُمَّ، حرف عطف (پھر) مَا، استفہامیہ بمعنی، اَیُّ شَیْءٍ (کس چیز) اَدْرٰیکَ (اَدْرٰی ۔ کَ) اَدْرٰی، فعل ماضی واحد مذکر غائب اَدْرٰی یُدْرِیْ، مصدر اِدْرَآءٌ، خبر دینا، معلوم کروانا، آگاہ کرنا، اس نے معلوم کروایا، کَ، ضمیر واحد مذکر حاضر، آپ کو (اس نے آپ کو معلوم کروایا) مَا، استفہامیہ (کیا) یَوْمُ الدِّیْنِ (یَوْمُ ۔ الدِّیْنِ) یَوْمُ، مضاف، دن، روز، اَلدِّیْنِ، مضاف الیہ، جزاوسزا، قیامت (روز جزاوسزا) یَوْمَ، ظرف زمان ((اس) دن) لَا تَمْلِکُ، فعل مضارع منفی واحد مؤنث غائب مَلَکَ یَمْلِکُ، مصدر مِلْکٌ، مالک ہونا، اختیار رکھنا (وہ اختیار نہیں رکھے گی) نَفْسٌ، (کوئی نفس، کوئی جان) لِنَفْسٍ (لِ ۔ نَفْسٍ) لِ، حرف جار، کیلئے، نَفْسٍ، مجرور کسی جان، کسی نفس (کسی جان کیلئے) شَیْئًا (چیز، کچھ بھی) وَالْاَمْرُ یَوْمَئِذٍ لِّلّٰہِ (رح) ۱۹۰۰ اور اس دن حکم (صرف) اللہ کا ہوگا۔ وَ، حرف عطف (اور) اَلْاَمْرُ، مصدر (حکم) یَوْمَئِذٍ (یَوْمَ ۔ اِذٍ) یَوْمَ، مضاف، دن، اِذٍ، مضاف الیہ، اس، لِلّٰہِ (لِ ۔ اَللّٰہِ) لِ، حرف جار، کا، اَللّٰہِ، مجرور۔

(الحمدللہ سورہ انفطار مکمل ہوگئی)

[سورۃ المطففین]

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

آیت ۱ تا ۶

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ (١) الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ (٢) وَاِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ (٣) اَلَا يَظُنُّ اُولٰٓئِكَ اَنَّهُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ (٤) لِيَوْمٍ عَظِيْمٍ (٥) يَّوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (٦)

ترجمہ:

ہلاکت و بربادی ہے ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لئے(۱)وہ جب لوگوں سے ناپ کر لیتے ہیں تو پورا لیتے ہیں(۲)اور جب ان کو ناپ کر یا تول کر دیتے ہیں تو کم دیتے ہیں(۳)کیا ایسے لوگ یقین نہیں رکھتے کہ وہ دوبارہ زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے(۴)ایک عظیم دن کے لئے(۵)جس دن لوگ سارے جہان کے پروردگار کے سامنے کھڑے ہوں گے(۶)

کوائف:

اس سورت کا نام المطففین ہے،کیونکہ اس سورت کی پہلی آیت میں یہ لفظ مذکور ہے،وہ آیت یہ ہے:

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِينَ ۔(المطففین ۱:)ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لیے عذاب ہے۔

اس سورت کے مکی یا مدنی ہونے میں اختلاف ہے:

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں:

ابن الفرس نے کہا ہے کہ یہ سورت مکی ہے کیونکہ اس میں ''اساطیر'' کا ذکر ہے اور ایک قول یہ ہے کہ یہ سورت مدنی ہے کیونکہ اہل مدینہ ناپ تول میں بہت زیادہ کمی کرتے تھے۔

امام نسائی وغیرہ نے سند صحیح کے ساتھ روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عباس (رض) نے فرمایا: جب نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مدینہ میں آئے تو اہل مدینہ ناپ تول میں سب سے زیادہ خراب تھے،پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت فرمائی: **وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِينَ** ۔(المطففین ۱:)تو پھر وہ عمدہ طریقہ سے ناپ طول کرنے لگے۔(الاتقان ج۱ص ٦٧،دار الکتاب العربی،بیروت،۱٤۱۹ھ)

(السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث ۱۱٦٥٤:،سنن ابن ماجہ رقم الحدیث ۲۲۲۳:

تاہم ہمارے مصاحف میں اس سورت کو مکی لکھا گیا ہے،ترتیب نزول کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۸۳ ہے اور ترتیب مصحف کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۸٦ ہے،یہ سورۃ العنکبوت کے بعد اور سورۃ البقرۃ سے پہلے نازل ہوئی ہے۔

ماقبل سے ربط:

گزشتہ سورتوں میں آخرت اور بعث ونشر کے مضامین ذکر فرمائے گئے تھے اور اس ضمن میں اعتقاد وایمان کے اصول واضح اور متعین کرنا تھا اب اس سورت میں ایمان بالآخرۃ کی بنیاد پر معاملات کی اصلاح مقصود ہے اور انسانی معاشرہ کو خیانت جھوٹ اور حق تلفی کی گندگیوں سے پاک کرنا ہے اور ثابت کرنا ہے کہ حقوق العباد میں خیانت وہ بدترین جرم ہے کہ انسان اس کی سزا سے نہیں بچ سکتا۔

تفسیر؛

فرمایا؛ ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لیے شدید عذاب ہے۔ وہ لوگ جب دوسروں سے ناپ کرلیں تو پورا کرلیں۔ اور جب انھیں ناپ کر یا تول کر دیں تو کم دیں۔

ویل اور "مطففین" کا معنیٰ؛

المطففین ۱ : میں "ویل" کا لفظ ہے، اس کا معنیٰ ہے :ان کو آخرت میں شدید عذاب ہوگا، حضرت ابن عباس (رض) نے فرمایا : جہنم میں "ویل" نام کی ایک وادی ہے جس میں دوزخیوں کی پیپ بہہ کر آئے گی۔ یہ حدیث صحیح نہیں۔[دیکھیے ضعیف ترمذی، سورۃ الأنبیاء ۳۳۸۹ :]

"المطففون" کا معنیٰ ہے : وہ لوگ جو ناپ اور تول میں کمی کرتے ہیں، بعض علماء نے کہا : "تطفیف" پیمائش اور وزن میں بھی ہوتی ہے اور وضو اور نماز اور حدیث میں بھی ہوتی ہے۔ امام مالک نے کہا : ہر چیز میں پورا پورا دینا بھی ہے اور کم کرکے دینا بھی ہے۔

اہل لغت نے کہا : "المطفف" "تطفیف" سے ماخوذ ہے اور "طفیف" کا معنیٰ ہے : قلیل اور "مطفف" وہ شخص ہے جو اپنے صاحب کو وزن یا پیمائش میں اس کے حق سے کم کردے۔

ناپ تول میں کمی کے متعلق حسب ذیل احادیث ہیں :

حضرت ابن عباس (رض) بیان کرتے ہیں کہ جب نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مدینہ آئے تو اہل مدینہ ناپ تول میں سب سے زیادہ خبیث تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی : "وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِينَ ۔" (المطففین :۱) پھر وہ عمدہ طریقہ سے ناپ تول کرنے لگے۔ (السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث ۱۱۶۵۴ :، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث ۲۲۲۳ :

حضرت ابن عمر (رض) نے فرمایا : ایک شخص کسی ناپ تول کرنے والے کو ملازم رکھے اور اس کو علم ہو کہ یہ ناپ تول میں کمی کرتا ہے تو اس کا گناہ اس کے اوپر ہوگا۔ (المستدرک ج ۲ ص ۵۱۷، المستدرک رقم الحدیث ۳۹۰۷ :)

حضرت عبداللہ بن عمرو (رض) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہمارے پاس آئے اور فرمایا : اے مہاجرین کے گروہ! پانچ چیزیں ایسی ہیں کہ تم ان میں مبتلا ہو جاؤ گے اور میں اس سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں کہ تم ان میں مبتلا ہو : (۱) جس قوم میں بھی بے حیائی ظاہر ہوتی ہے، حتیٰ کہ وہ بر سر عام بے حیائی کے کام کریں تو ان میں طاعون پھیل جاتا ہے اور وہ بیماریاں جو ان کے پہلے لوگوں میں نہیں تھیں (۲) اور جو قوم بھی ناپ طول میں کمی کرتی ہے، اس پر قحط آجاتا ہے اور افلاس چھا جاتا ہے اور ان پر ظالم حکمران مسلط کردیئے جاتے ہیں (۳) اور جو لوگ اپنے اموال کی زکوۃ نہیں دیتے، وہ آسمان کی بارش سے محروم کردیئے جاتے ہیں اور اگر حیوانات نہ ہوتے تو ان پر بالکل بارش نہ ہوتی (۴) اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کے عہد کو توڑتے ہیں، ان کے اوپر ان کے مخالف دشمن کو مسلط کردیا جاتا ہے وہ ان کے ہاتھوں سے مال چھین لیتا

ہے(۵)اور جو ائمہ اللہ کی کتاب کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے اور اللہ کے نازل کیے ہوئے احکام کو ترجیح نہیں دیتے، اللہ تعالیٰ ان میں ایک دوسرے کا خوف پیدا کر دیتا ہے۔(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث ۴۰۱۹ :،تلخیص الحبیر ج ۲ ص ٦٣٦، الدرالمنثور ج ۸ ص ۴۰۵)

فرمایا : کیاان لوگوں کا یہ گمان نہیں ہے کہ ان کو(مرنے کے بعد) اٹھایا جائے گا۔ بہت بڑے دن میں۔جب سب لوگ رب العلمین کے سامنے کھڑے ہوں گے۔

ناپ تول میں کمی کرنے والوں کو ملامت؛

ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے حال پر تعجب کا اظہار فرمایا ہے کہ یہ کس قدر دیدہ دلیزی سے ناپ تول میں کمی کرر ہے ہیں، گویا ان کے دلوں میں ناپ تول میں کمی کرنے کے متعلق کوئی خطرہ اور کوئی کھٹکا نہیں ہے اور ان کو یہ اندازہ نہیں ہے کہ ان کو مرنے کے بعد اٹھایا جائے گا اور ناپ تول میں کمی کرنے کے متعلق ان سے سوال کیا جائے گا، یعنی ان کو ناپ تول میں کمی کرنے پر عذاب کا یقین ہی نہیں ہے، اگر انھیں اس پر عذاب کا یقین ہوتا تو وہ اس فعل سے باز آجاتے۔

المطففین ۵ : میں جو " یوم عظیم " فرمایا ہے، اس سے مراد قیامت کا دن ہے یا یوم حزاء ہے۔

فرمایا ہے : جب سب لوگ رب العلمین کے سامنے کھڑے ہوں گے۔

قیامت کے دن گرمی کی شدت سے پسینہ آنے کے مختلف احوال؛

حضرت عبداللہ بن عمر (رض) بیان کرتے ہیں کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے المطففین ٦ : کی تفسیر میں فرمایا : حتیٰ کہ اس دن ایک شخص اپنے پسینہ میں آدھے کانوں تک ڈوب جائے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث ۴۹۳۸ :،سنن ترمذی رقم الحدیث ۳۳۳۵ :،سنن ابن ماجہ رقم الحدیث ۱۴۷۸ :)

حضرت مقدار بن الاسود (رض) بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ قیامت کے دن سورج کو لوگوں کے قریب کر دیا جائے گا حتیٰ کہ وہ ان سے ایک میل کی مقدار پر ہوگا (سلیم بن عامر نے کہا : میں نہیں جانتا کہ اس میل سے کیا مراد ہے) پھر لوگ اپنے اعمال کے اعتبار سے اپنے پسینہ میں ہوں گے، کسی کے ٹخنوں تک پسینہ ہوگا اور کسی کے گھٹنوں تک پسینہ ہوگا اور کسی کو کھوں تک پسینہ ہوگا اور بعض وہ لوگ ہوں گے کہ پسینہ ان کی لگام بنا ہوا ہوگا اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اپنے ہاتھ سے اپنے منہ کی طرف اشارہ کیا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث ۲۸٦۴ :،سنن ترمذی رقم الحدیث ۲۴۲۱۷۳۳۰ :)

حضرت ابوسعید خدری (رض) بیان کرتے ہیں کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا : قیامت کا دن مومن پر آسان کر دیا جائے گا حتیٰ کہ جتنے وقت میں وہ دنیا میں فرض نماز پڑھتا تھا اس سے بھی کم وقت میں وہ دن اس پر گزر جائے گا۔(مسند احمد ج ۳ ص ۷۵، ۳۳۴)

حضرت ابن عباس (رض) نے فرمایا: مومن پر قیامت کا دن فرض نماز کے وقت کی مقدار آسان کر دیا جائے گا۔

اور اس پر دلیل قرآن مجید کی یہ آیات ہیں:

أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ. الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ. (یونس ۶۲-۶۳)

سنو! اولیاء اللہ پر (قیامت کے دن) نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غم گین ہوں گے۔ جو لوگ ایمان لائے اور وہ (اللہ سے) ڈرتے رہتے تھے۔

ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ لوگ اپنی قبروں سے نکل کر کھڑے ہوں گے، دوسرا قول یہ ہے: لوگ ایک دوسرے سے اپنے دنیاوی حقوق لینے کے لیے کھڑے ہوں گے اور ایک قول یہ ہے کہ لوگ اللہ کے سامنے فیصلہ کے لیے کھڑے ہوں گے

ترکیب نحوی و تحقیق صرفی:

وَيْلٌ، اسم مرفوع (ہلاکت، عذاب، افسوس) لِلْمُطَفِّفِينَ (لِ۔ اَلْمُطَفِّفِينَ) لِ، حرف جار، کیلئے، اَلْمُطَفِّفِينَ، مجرور، تَطْفِيفٌ، مصدر سے اسم فاعل جمع مذکر، ناپ تول میں کمی کرنے والے، واحد، مُطَفِّفٌ (ناپ تول میں کمی کرنے والوں کیلئے) الَّذِينَ، اسم موصول جمع مذکر (وہ لوگ جو) إِذَا، اسم ظرف، بمعنی شرط، مستقبل پر دلالت کرتا ہے (جب) اِكْتَالُوا، فعل ماضی جمع مذکر غائب اِكْتَالَ يَكْتَالُ، مصدر اِكْتِيَالٌ، ماپ کرلینا، إِذَا، کی وجہ سے ترجمہ (وہ ماپ کرلیتے ہیں) عَلَى النَّاسِ (عَلٰی۔ اَلنَّاسِ) عَلٰی، حرف جار، بمعنی، مِنْ، سے، اَلنَّاسِ، مجرور، لوگوں، (لوگوں سے) يَسْتَوْفُونَ، فعل مضارع جمع مذکر غائب اِسْتَوْفٰی يَسْتَوْفِيْ، مصدر اِسْتِيْفَاءٌ، پورا وصول کرنا، پورا پورا لینا (وہ پورا پورا لیتے ہیں) وَ، حرف عطف (اور) إِذَا، ظرف زمان، مستقبل پر دلالت کرتا ہے، بمعنی شرط (جب) كَالُوهُمْ (كَالُوا۔ هُمْ) كَالُوا، فعل ماضی جمع مذکر غائب كَالَ يَكِيْلُ، مصدر كَيْلًا، ماپ کر دینا، إِذَا، کی وجہ، هُمْ، ضمیر جمع مذکر غائب، انہیں (وہ انہیں ماپ کر دیتے ہیں) اَوْ، حرف عطف (یا) وَزَنُوهُمْ (وَزَنُوا۔ هُمْ) وَزَنُوا، فعل ماضی جمع مذکر غائب وَزَنَ يَزِنُ، مصدر وَزْنًا، تول کر دینا، إِذَا، کی وجہ سے ترجمہ، وہ تول کر دیتے ہیں، هُمْ، ضمیر جمع مذکر غائب، انہیں (وہ انہیں تول کر دیتے ہیں) يُخْسِرُونَ، فعل مضارع جمع مذکر غائب اَخْسَرَ يُخْسِرُ، مصدر اِخْسَارٌ، کم دینا، گھٹا دینا (وہ کم دیتے ہیں) اَلَا يَظُنُّ (اَ۔ لَا يَظُنُّ) اَ، ہمزہ استفہامیہ، کیا، لَا يَظُنُّ، فعل مضارع منفی واحد مذکر غائب ظَنَّ يَظُنُّ، مصدر ظَنًّا، گمان کرنا، سمجھنا، یقین رکھنا، قیاس کرنا، وہ یقین نہیں رکھتے (کیا وہ یقین نہیں رکھتے) اُولٰٓئِكَ، اسم اشارہ جمع بعید، اصل ترجمہ، وہ لوگ، ضرورتاً ترجمہ (یہ لوگ) اَنَّهُمْ (اَنَّ۔ هُمْ) اَنَّ، حرف مشبہ بالفعل، کہ بے شک، هُمْ، ضمیر جمع مذکر غائب، وہ (کہ بے شک وہ) مَبْعُوثُونَ۔ بَعْثًا، مصدر سے اسم مفعول جمع مذکر ((مرنے کے بعد دوبارہ) اٹھائے جانے والے لِيَوْمٍ عَظِيمٍ (لِ۔ يَوْمٍ۔ عَظِيمٍ) لِ، حرف جار، کیلئے، يَوْمٍ، مجرور، موصوف، ظرف زمان، ایک دن، عَظِيمٍ، صفت، عَظْمَةٌ، مصدر سے صفت مشبہ، عظیم، بہت بڑے (ایک بہت بڑے دن کیلئے) يَوْمَ، ظرف زمان (جس دن) يَقُومُ، فعل مضارع واحد مذکر غائب قَامَ يَقُومُ، مصدر قِيَامٌ، کھڑا ہونا، (وہ کھڑا ہوگا) اَلنَّاسُ (لوگ) لِرَبِّ الْعٰلَمِينَ (لِ۔ رَبِّ۔ اَلْعٰلَمِينَ) لِ، حرف جار، کیلئے، کے سامنے، رَبِّ، مجرور، مضاف، رب، پروردگار، اَلْعٰلَمِينَ، مضاف الیہ۔

آیت ۷ تا ۱۳

كَلَّا إِنَّ كِتَابَ الْفُجَّارِ لَفِي سِجِّينٍ (۷) وَمَا أَدْرَاكَ مَا سِجِّينٌ (۸) كِتَابٌ مَرْقُومٌ (۹) وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ (۱۰) الَّذِينَ يُكَذِّبُونَ بِيَوْمِ الدِّينِ (۱۱) وَمَا يُكَذِّبُ بِهِ إِلَّا كُلُّ مُعْتَدٍ أَثِيمٍ (۱۲) إِذَا تُتْلَى عَلَيْهِ آيَاتُنَا قَالَ أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ (۱۳)

ترجمہ:

ہرگز نہیں! یقیناً بدکاروں کا اعمالنامہ سجین میں ہے (۷) تجھے کیا معلوم سجین کیا ہے۔(۸) ایک کتاب ہے، لکھی ہوئی (۹) اس دن جھٹلانے والوں کے لئے ہلاکت ہے (۱۰) جو جزا اور سزا کے دن کو جھٹلاتے رہے۔(۱۱) اور اسے نہیں جھٹلاتا مگر ہر وہ شخص جو حد سے تجاوز کرنے والا گناہ گار ہوتا ہے (۱۲) جب اس کے سامنے ہماری آیتوں کی تلاوت کی جاتی ہے، تو وہ کہتا ہے کہ یہ تو گذشتہ قوموں کے قصے ہیں (۱۳)

تفسیر:

فرمایا: بیشک کافروں کا صحیفہ اعمال سجین میں ہے۔ اور آپ کیا سمجھے کہ سجین (والا صحیفہ) کیا ہے؟۔ وہ مہر لگایا ہوا صحیفہ ہے۔

"سجین" کا معنی:

حضرت ابن عباس (رض) نے فرمایا: فجار کی ارواح اور ان کے اعمال سجین میں ہیں، مجاہد نے کہا: سجین ساتویں زمین کے نیچے ایک چٹان ہے، اس کے نیچے فجار کا صحیفہ اعمال ہے۔

نیز حضرت ابن عباس (رض) نے فرمایا: جس کافر کے پاس موت کے فرشتے آتے ہیں تو وہ اس کا وقت آنے پر اس کو بالکل مہلت نہیں دیتے اور فوراً اس کی روح قبض کر لیتے ہیں اور اس کو عذاب کے فرشتوں کے سپرد کر دیتے ہیں اور اس کو وہ شر دکھاتے ہیں جو اللہ دکھانا چاہتا ہے، پھر اس کو ساتویں زمین تک اتارتے ہیں اور وہی سجین ہے اور وہیں فرشتے اس کا صحیفہ اعمال رکھتے ہیں۔

حضرت ابوہریرہ (رض) بیان کرتے ہیں کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: سجین جہنم میں ایک کھلا ہوا کنواں ہے۔

(النکت والعیون ج ٦ ص ٢٢٨، در الکتب العلمیہ، بیروت)

"کتاب مرقوم" کا معنی:

اس سے مراد وہ صحیفہ ہے جس میں ان کے اعمال لکھ کر مہر لگا دی گئی ہے، اب اس میں نہ کوئی اضافہ ہو سکتا ہے نہ اس سے کوئی کمی ہو سکتی ہے۔

فرمایا: تکذیب کرنے والوں کے لیے شدید عذاب ہے۔ جو روزِ جزاء کی تکذیب کرتے ہیں۔ اس دن کی تکذیب سرکش گناہ گار کرتا ہے۔

"اساطیر" کا معنی:

مکذبین کے لیے قیامت کے دن شدید عذاب ہے، پھر بتایا کہ وہ مکذبین جو یوم جزاء، یوم حساب اور فیصلہ کے دن کی

تکذیب کرتے ہیں اور فرمایا :اس دن کی تکذیب تو صرف سرکش گناہ گار کرتا ہے جو حق سے تجاوز کرتا ہے اور مخلوق کے ساتھ ان کے معاملات میں ظلم کرتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے گناہ گار ہے، ایک قول یہ ہے کہ یہ آیت الولید بن مغیرہ، ابوجہل اور ان جیسے لوگوں کے متعلق نازل ہوئی ہے۔

فرمایا :"جب اس کو ہماری آیتیں سنائی جاتی ہیں۔" جو حق پر اور اس چیز کی صداقت پر دلالت کرتی ہیں جس کو رسول لے کر آئے ہیں تو گناہوں کا ارتکاب کرنے والے نے ان آیات کو جھٹلایا اور ان سے عناد رکھا اور کہنے لگا یہ تو پہلے لوگوں کے قصے کہانیاں ہیں۔" یعنی وہ تکبر اور عناد کی بنا پر کہتا ہے کہ یہ تو متقدمین کے جھوٹے قصے اور گزری ہوئی قوموں کی خبریں ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہیں۔ اساطیر" یہ اسطورة" کی جمع ہے، اس کا معنی ہے : من گھڑت لکھی ہوئی کہانیاں، وہ جھوٹی خبر جس کے متعلق یہ اعتقاد ہو کہ وہ جھوٹ گھڑ کر لکھی ہوئی ہے۔

ترکیب نحوی وتحقیق صرفی:

كَلَّا، حرف ردع وزجر (ہرگز نہیں) اِنَّ، حرف مشبہ بالفعل (بے شک) كِتٰبَ الْفُجَّارِ (كِتٰبَ ـ اَلْفُجَّارِ) كِتٰبَ، مضاف، کتاب، اعمال نامہ، اَلْفُجَّارِ، مضاف الیہ، فُجُوْرٌ، مصدر سے اسم فاعل جمع مذکر، فاجروں، نافرمانوں، بدکاروں، واحد، اَلْفَاجِرُ (بدکاروں کا اعمال نامہ) لَفِيْ سِجِّيْنٍ (لَ ـ فِيْ ـ سِجِّيْنٍ) لَ، لام تاکید، یقیناً فِيْ، حرف جار، میں، سِجِّيْنٍ، مجرور، سِجْنٌ، مصدر سے مشتق ہے، جس کا معنی سخت قید کا دفتر (یقیناً سجین میں) وَ، حرف عطف (اور) مَا، استفہامیہ بمعنی، اَیُّ شَیْءٍ (کس چیز) اَدْرٰيكَ (اَدْرٰى ـ كَ) اَدْرٰى، فعل ماضی واحد مذکر غائب اَدْرٰى يُدْرِيْ، مصدر اِدْرَآءٌ، سمجھانا، معلوم کروانا، خبر دینا، آگاہ کرنا، اس نے معلوم کروایا، كَ، ضمیر واحد مذکر حاضر، آپ کو (اس نے آپ کو معلوم کر دیا) مَا، استفہامیہ (کیا) سِجِّيْنٌ۔ سِجْنٌ، مصدر سے مشتق ہے، سخت قید کا دفتر (سجین) كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ (كِتٰبٌ ـ مَرْقُوْمٌ) كِتٰبٌ، موصوف، ایک کتاب، مَرْقُوْمٌ، صفت، رَقْمٌ، مصدر سے اسم مفعول واحد مذکر، لکھی ہوئی (ایک لکھی ہوئی کتاب ہے) وَيْلٌ، اسم مرفوع (خرابی، ہلاکت، عذاب، تباہی) يَّوْمَئِذٍ (يَوْمَ ـ اِذٍ) يَوْمَ، مضاف، دن، اِذٍ، مضاف الیہ، اس (اس دن) لِّلْمُكَذِّبِيْنَ (لِ ـ اَلْمُكَذِّبِيْنَ) لِ، حرف جار، کیلئے، اَلْمُكَذِّبِيْنَ، مجرور، تَكْذِيْبٌ، مصدر سے اسم فاعل جمع مذکر، جھٹلانے والے (جھٹلانے والوں کیلئے) اَلَّذِيْنَ، اسم موصول جمع مذکر (وہ لوگ جو) يُكَذِّبُوْنَ، فعل مضارع جمع مذکر غائب كَذَّبَ يُكَذِّبُ، مصدر تَكْذِيْبٌ، جھٹلانا (وہ جھٹلاتے ہیں) بِيَوْمِ الدِّيْنِ (بِ ـ يَوْمِ ـ الدِّيْنِ) بِ، حرف جار، کو، يَوْمِ، مجرور، مضاف، ظرف زمان، دن، اَلدِّيْنِ، مضاف الیہ، جزاوسزا کے، قیامت کے (جزاوسزا کے دن کو) وَ، حرف عطف (اور) مَا، صلہ میں، اِلَّا، ہے، ترجمہ (نہیں) يُكَذِّبُ، فعل مضارع واحد مذکر غائب كَذَّبَ يُكَذِّبُ، مصدر تَكْذِيْبٌ، جھٹلانا بِهٖ (بِ ـ هٖ) بِ، حرف جار، کو، هٖ، مجرور، ضمیر واحد مذکر غائب، اس، ضمیر کا مرجع يَوْمِ الدِّيْنِ ہے (اس کو) اِلَّا، حرف استثنا (مگر) كُلُّ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ۔ كُلُّ، مضاف، ہر، مُعْتَدٍ، مضاف الیہ، موصوف، اِعْتِدَآءٌ، مصدر سے اسم فاعل واحد مذکر، حد سے تجاوز کرنے والا، سرکش، اَثِيْمٍ، صفت، اِثْمٌ، مصدر سے صفت مشبہ، سخت گنہگار (ہر حد سے تجاوز کرنے والا سخت گنہگار) اِذَا، ظرف زمان، مستقبل پر دلالت کرتا ہے، بمعنی شرط (جب) تُتْلٰى، فعل مضارع مجہول واحد مؤنث غائب تَلَا يَتْلُوْ، مصدر تِلَاوَةٌ، تلاوت کرنا، پڑھنا (تلاوت کی جاتی ہے) عَلَيْهِ (عَلٰى ـ هِ) عَلٰى، حرف جار، پر، هِ، مجرور، ضمیر واحد مذکر غائب، اس، ضمیر کا مرجع مُعْتَدٍ ہے، (اس پر) اٰيٰتُنَا (اٰيٰتُ ـ نَا) اٰيٰتُ، مضاف، آیات، واحد، اٰيَةٌ، نَا، مضاف الیہ، ضمیر جمع متکلم، ہماری (ہماری آیات) قَالَ، فعل ماضی واحد مذکر غائب قَالَ يَقُوْلُ، مصدر قَوْلًا، کہنا، اِذَا، کی وجہ سے ترجمہ (وہ کہتا ہے) اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ (اَسَاطِيْرُ ـ الْاَوَّلِيْنَ) اَسَاطِيْرُ، مضاف، افسانے، کہانیاں، من گھڑت قصے، جھوٹی خبریں، واحد، اُسْطُوْرَةٌ، اَلْاَوَّلِيْنَ، مضاف الیہ، پہلے لوگوں کی، واحد، اَلْاَوَّلُ (پہلے لوگوں کی کہانیاں)

آیت ۱۴ تا ۲۱

كَلَّا بَلْ رَانَ عَلَىٰ قُلُوبِهِم مَّا كَانُوا يَكْسِبُونَ (۱۴) كَلَّا إِنَّهُمْ عَن رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوبُونَ (۱۵) ثُمَّ إِنَّهُمْ لَصَالُوا الْجَحِيمِ (۱۶) ثُمَّ يُقَالُ هَٰذَا الَّذِي كُنتُم بِهِ تُكَذِّبُونَ (۱۷) كَلَّا إِنَّ كِتَابَ الْأَبْرَارِ لَفِي عِلِّيِّينَ (۱۸) وَمَا أَدْرَاكَ مَا عِلِّيُّونَ (۱۹) كِتَابٌ مَّرْقُومٌ (۲۰) يَشْهَدُهُ الْمُقَرَّبُونَ (۲۱)

ترجمہ:

ایسا ہرگز نہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ان کے دلوں پر ان کے گناہوں کا زنگ چڑھ گیا ہے (۱۴) ہرگز نہیں بالیقین اس دن یہ اپنے رب کے دیدار سے محروم رکھے جائیں گے (۱۵) پھر بے شک وہ بھڑکتی ہوئی آگ میں یقیناً داخل ہونے والے ہیں۔(۱۶) پھر کہا جائے گا یہی ہے جسے تم جھٹلایا کرتے تھے۔(۱۷) ہرگز نہیں بے شک نیکوں کے اعمالنامے علّیین (اوپر والوں) میں ہیں (۱۸) تجھے کیا پتہ کہ علّیین کیا ہے؟ (۱۹) وہ ایک کتاب ہے لکھی ہوئی (۲۰) جس کے پاس مقرب (فرشتے) حاضر رہتے ہیں۔(۲۱)

تفسیر:

فرمایا: ہرگز نہیں بلکہ ان کے (برے) کاموں نے ان کے دلوں پر زنگ چڑھا دیا۔

دل پر زنگ لگنا:

لفظ ــ" کلا ــ" سے کفار کے رد فرمایا ہے یعنی یہ پہلے لوگوں کے قصے نہیں ہیں۔

اس آیت میں ــ" ران ــ" کا لفظ ہے، اس کا مصدر ــ" رین ــ" ہے، اس کا معنی ہے: کسی چیز کا زنگ آلود ہونا اور میلا ہونا۔ اس آیت کی تفسیر میں یہ حدیث ہے:

حضرت ابوہریرہ (رض) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: بیشک جب بندہ کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے دل میں سیاہ نقطہ پڑ جاتا ہے اور جب وہ اس گناہ کی تلافی کر لیتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے استغفار اور توبہ کرتا ہے تو اس کا دل صاف ہو جاتا ہے اور اگر وہ دوبارہ اس گناہ کو کرتا ہے تو وہ سیاہ نقطہ زیادہ ہو جاتا ہے حتیٰ کہ اس کے دل پر چھا جاتا ہے اور یہ وہ ــ" ران ــ" ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب مین ذکر فرمایا ہے: **كَلَّا بَلْ رَانَ عَلَىٰ قُلُوبِهِم مَّا كَانُوا يَكْسِبُونَ۔ (المطففین: ۱۴)** امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث ٣٣٣٤: سنن ابن ماجہ رقم الحدیث ٤٢٤٤:)

اسی طرح مفسرین نے کہا ہے کہ مسلسل گناہ کرتے رہنے سے دل سیاہ ہو جاتا ہے، فرأ نے کہا: جس شخص کے گناہ بہت زیادہ ہو جائیں تو وہ اس کے دل کا احاطہ کر لیتے ہیں اور یہی دل کا زنگ ہے، مجاہد نے کہا: جب بندہ ایک گناہ کرتا ہے تو اس کی مثل یہ ہے، انھوں نے اپنی ہتھیلی کی ایک انگلی بند کر لی اور جب دوبارہ گناہ کرتا ہے تو اس کی مثل یہ ہے، انھوں نے

دوسری انگلی بند کر لی، پھر جب بار بار گناہ کرتا ہے تو اس کی مثل یہ ہے، انھوں نے ساری انگلیاں بند کر کے مٹھی بند کر لی حتیٰ کہ اس کے دل پر مہر لگ جاتی ہے۔

فرمایا: بیشک وہ اس دن اپنے رب (کے دیدار) سے محروم ہوں گے۔

کافروں کا اپنے رب کے دیدار سے محروم ہونا اور مؤمنوں کا اپنے رب کے دیدار سے محظوظ ہونا:

اس آیت میں "کلا" کا لفظ تحقیق کے لیے ہے یا کفار کے قول کو رد کرنے کے لیے ہے، یعنی بیشک کفار قیامت کے دن اپنے رب کے دیدار سے محروم ہوں گے۔

زجاج نے کہا: اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن دکھائی دے گا اور اگر ایسا نہ ہو تو پھر اس آیت کا کوئی فائدہ نہیں ہے اور نہ پھر اس میں کفار کو کوئی تخصیص اور تنقیص ہوگی کہ وہ قیامت کے دن اپنے رب کو نہیں دیکھ سکیں گے اور اللہ تعالیٰ نے اس میں یہ خبر دی ہے کہ قیامت کے دن مؤمنین اپنے رب کا دیدار کر رہے ہوں گے۔

وُجُوْهٌ يَّوْمَىِٕذٍ نَّاضِرَةٌ۔ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ۔ (القیامہ ۲۲۔۲۳)

اس دن بہت سے چہرے تروتازہ اور بارونق ہوں گے۔ اپنے رب کی طرف دیکھنے والے ہوں گے۔

علامہ قرطبی لکھتے ہیں:

امام مالک بن انس نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ اپنے دشمنوں کو اپنے دیدار سے محروم رکھے گا اور وہ اس کو نہیں دیکھ سکیں گے تو پھر اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء کے لیے اپنے دیدار کی تجلی فرمائے گا اور وہ اس کو دیکھ لیں گے، امام شافعی نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ کفار پر ناراضگی کی وجہ سے ان کو اپنے دیدار سے محروم رکھے گا تو جب اللہ تعالیٰ مؤمنین سے راضی ہے تو ان کو اپنا دیدار عطاء فرمائے گا، سنو! اللہ کی قسم! اگر محمد بن ادریس کو یہ یقین نہ ہوتا کہ وہ قیامت کے دن اپنے رب کو دیکھے گا تو وہ دنیا میں اس کی عبادت نہ کرتا، الحسین بن الفضل نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے کفار کو دنیا میں اپنی توحید پر ایمان کے نور سے محروم رکھا اور آخرت میں ان کو اپنے دیدار سے محروم رکھے گا۔ (الجامع الاحکام القرآن جز ۱۹ ص ۲۲٤، دار الفکر، بیروت، ۱٤۱۵ھ)

فرمایا: پھر بیشک وہ ضرور دوزخ میں پہنچیں گے۔

یعنی دوزخ میں وہ لازم رہیں گے اور اس سے باہر نہیں آسکیں گے، جیسے قرآن مجید میں ہے:

كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَيْرَهَا (النساء ۵٦)

جب بھی ان کی کھالیں جل جائیں گی تو ہم ان کو دوسری کھالوں کے ساتھ بدل دیں گے۔

فرمایا: پھر (ان سے) کہا جائے گا: یہ ہے وہ عذاب جس کی تم تکذیب کرتے تھے۔

یعنی ان سے جہنم کے محافظ کہیں گے: یہ وہ عذاب ہے جس کی خبر تم کو رسولوں نے دی تھی اور تم اس کی تکذیب کرتے تھ

فرمایا: بیشک نیکوکاروں کا صحیفہ اعمال ضرور علّیین میں ہے۔

علیین اور مومنوں کے صحائف کے متعلق احادیث اور آثار:

نیکو کاروں کا صحیفہ علّیین میں بلند جگہ رکھا ہوا ہے، حضرت ابن عباس (رض) نے فرمایا : وہ صحیفہ اعمال جنت میں ہے، ان سے دوسری روایت یہ ہے کہ وہ آسمان میں اللہ کی کتاب میں ہے، مجاہد اور قتادہ نے کہا : ساتویں آسمان میں مؤمنین کی روحیں ہیں، ضحاک سے ایک روایت ہے کہ وہ سدرۃ المنتہی ہے، جس پر اللہ کے تمام احکام ختم ہوجاتے ہیں اور اس سے تجاوز نہیں کرتے۔

ایک قول یہ ہے کہ علّیین فرشتوں کی صفت ہے اور اس سے مراد ملائکہ مقربین ہیں۔

حضرت ابن عمر (رض) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا : علّیین والے ضرور، جنت کو فلاں مقام سے دیکھ رہے ہیں، پس جب اہل علّیین میں سے کوئی شخص جھانکتا ہے تو اس کے چہرے کی روشنی سے جنت روشن ہوجاتی ہے، پس جنتی کہتے ہیں : یہ کیسا نور ہے؟ تو کہا جائے گا : علّیین والوں میں سے ایک شخص نے جھانکا تھا اور وہ لوگ ابرار، اطاعت گزار اور اصحاب صدق ہیں۔ (سنن ابو داؤد رقم الحدیث ۳۹۸۷ :)

حضرت ابوسعید خدری (رض) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا : اہل جنت اہل علّیین کو اس طرح دیکھتے ہیں جس طرح چمکتے ہوئے ستارہ کو آسمان کے کنارے میں دیکھا جاتا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث ۳۲۵۶ : ، صحیح مسلم رقم الحدیث ۲۸۳۱ : ـ ۲۸۳۰)

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا : اور آپ کیا سمجھے کہ علّیین کیا ہے؟۔ یعنی اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ! آپ کو علّیین کے متعلق کس نے خبر دی، اس میں علّیین کے بلند مرتبہ کی تعظیم کی طرف اشارہ ہے۔

اس کے بعد فرمایا : وہ مہر لگایا ہوا صحیفہ ہے۔

علامہ قرطبی نے یہ روایت ذکر کی ہے:

فرشتے بندون کے اعمال لے کر اوپر چڑھتے ہیں، جب وہ اوپر پہنچتے ہیں تو ان کی طرف وحی کی جاتی ہے : تم میرے بندے کے اعمال کے محافظ ہو اور میں اپنے بندے کے دل کا نگہبان ہوں اور اس نے اخلاص سے میرے لیے عمل کیا ہے، اس کے اس عمل کو علّیین میں رکھ دد، بیشک میں نے اس کو بخش دیا ہے اور فرشتے کسی اور بندے کے عمل کو لے کر اوپر چڑھتے ہیں، جب وہ اوپر پہنچتے ہیں تو ان کی طرف وحی کی جاتی ہے : تم میرے بندے کے اعمال کے محافظ ہو اور میں اس کے دل کا نگہبان ہوں، اس نے یہ عمل اخلاص سے میرے لیے نہیں کیا، اس عمل کو سجین میں رکھ دو۔ (الجامع الاحکام القرآن جز ۱۹ ص ۲۲۶ ، دار الفکر، بیروت، ۱٤۱۵ ھ)

فرمایا : جس پر اللہ کے مقرب بندے گواہ ہیں۔

یعنی ابرار کے نیک اعمال پر ہر آسمان سے مقرب فرشتے گواہ ہیں۔ وہب بن منبہ اور امام ابن اسحاق نے کہا ہے کہ مقربین

سے مراد یہاں پر حضرت اسرافیل (علیہ السلام) ہیں، پس جب مومن کوئی نیک عمل کرتا ہے تو فرشتہ اس کو صحیفہ میں لکھ کر آسمان پر چڑھتا ہے اور اس کا نور آسمانون میں اس طرح چمکتا ہے جس طرح سورج کا نور زمین پر چمکتا ہے حتیٰ کہ وہ فرشتہ اس کو لے کر حضرت اسرافیل تک پہنچتا ہے، پھر وہ اس پر مہر لگا دیتا ہے اور حضرت اسرافیل اس پر گواہ ہوتے ہیں۔

(الجامع الاحکام القرآن جز۱۹ ص ۲۲٦)

ترکیب نحوی وتحقیق صرفی:

كَلَّا، حرف ردع وزجر (ہرگز نہیں) بَلْ، حرف اضراب (بلکہ) رَانَ، فعل ماضی واحد مذکر غائب رَانَ يَرِيْنُ، مصدر رَيْنًا، زنگ آلود ہونا، زنگ لگنا (زنگ لگ گیا ہے) عَلٰى قُلُوْبِهِمْ (عَلٰى ۔قُلُوْبِ ۔هِمْ) عَلٰى، حرف جار، پر، قُلُوْبِ، مجرور، مضاف، دلوں، واحد، قَلْبٌ، هِمْ، مضاف الیہ، ضمیر جمع مذکر غائب، ان کے (ان کے دلوں پر) مَّا، اسم موصول (جو) كَانُوْا، فعل ناقص ماضی جمع مذکر غائب كَانَ يَكُوْنُ، مصدر كَوْنًا، ہونا (وہ تھے) يَكْسِبُوْنَ، فعل مضارع جمع مذکر غائب كَسَبَ يَكْسِبُ، مصدر كَسْبًا، کمانا (وہ کماتے) كَلَّا، حرف ردع وزجر (ہرگز نہیں) اِنَّهُمْ (اِنَّ ۔هُمْ) اِنَّ، حرف مشبہ بالفعل، بے شک، هُمْ، ضمیر جمع مذکر غائب، وہ (بے شک وہ) عَنْ رَّبِّهِمْ (عَنْ ۔رَبِّ ۔هِمْ) عَنْ، حرف جار، سے، رَبِّ، مجرور، مضاف، رب، پروردگار، هِمْ، مضاف الیہ، ضمیر جمع مذکر غائب، اپنے (اپنے رب سے) يَوْمَئِذٍ (يَوْمَ ۔ اِذٍ) يَوْمَ، مضاف، دن، اِذٍ، مضاف الیہ، اس (اس دن) لَّمَحْجُوْبُوْنَ (لَ ۔مَحْجُوْبُوْنَ) لَ، لام تاکید، یقیناً مَحْجُوْبُوْنَ ۔حِجَابًا، مصدر سے اسم مفعول جمع مذکر، حجاب میں رکھے جانے والے (یقیناً حجاب میں رکھے جانے والے) ثُمَّ، حرف عطف (پھر) اِنَّهُمْ (اِنَّ ۔هُمْ) اِنَّ، حرف مشبہ بالفعل، بے شک، هُمْ، ضمیر جمع مذکر غائب، وہ (بے شک وہ) لَصَالُوا الْجَحِيْمِ (لَ ۔صَالُوْا ۔اَلْجَحِيْمِ) لَ، لام تاکید، ضرور، یقیناً، صَالُوْا، مضاف، اصل میں، صَالُوْنَ، تھا، اضافت کی وجہ سے جمع کا نون گرا ہوا ہے، صَلْيٌ، مصدر سے اسم فاعل جمع مذکر، داخل ہونے والے، اَلْجَحِيْمِ، مضاف الیہ، جہنم (یقیناً جہنم میں داخل ہونے والے) ثُمَّ، حرف عطف (پھر) يُقَالُ، فعل مضارع مجہول واحد مذکر غائب قَالَ يَقُوْلُ، مصدر قَوْلًا، کہنا (کہا جائے گا) هٰذَا، اسم اشارہ واحد مذکر قریب (یہ) اَلَّذِيْ، اسم موصول واحد مذکر (وہ جو، وہ جس) كُنْتُمْ، فعل ناقص ماضی جمع مذکر حاضر كَانَ يَكُوْنُ، مصدر كَوْنًا، ہونا (تم تھے) بِهٖ (بِ ۔هٖ) بِ، حرف جار، کو، هٖ، مجرور، ضمیر واحد مذکر غائب، اس (اس کو) تُكَذِّبُوْنَ، فعل مضارع جمع مذکر حاضر كَذَّبَ يُكَذِّبُ، مصدر تَكْذِيْبٌ، جھٹلانا (تم جھٹلایا کرتے) كَلَّا، حرف ردع وزجر (ہرگز نہیں) اِنَّ، حرف مشبہ بالفعل (بے شک) كِتٰبَ الْاَبْرَارِ (كِتٰبَ ۔اَلْاَبْرَارِ) كِتٰبَ، مضاف، کتاب، اعمال نامہ، اَلْاَبْرَارِ، مضاف الیہ، واحد، بَرٌّ وَ بَارٌّ (نیک لوگوں کا اعمال نامہ) لَفِيْ عِلِّيِّيْنَ (لَ ۔فِيْ عِلِّيِّيْنَ) لَ، لام تاکید، ضرور، یقیناً، فِيْ، حرف جار، میں، عِلِّيِّيْنَ، مجرور، عُلُوٌّ، مصدر سے مشتق، مبالغہ کیلئے ہے، بلند مقامات، کے رجسٹر، علّیّین (یقیناً علیّین میں) وَ، حرف عطف (اور) مَا استفہامیہ بمعنی، اَيُّ شَيْءٍ (کس چیز) اَدْرٰكَ (اَدْرٰى ۔كَ) اَدْرٰى، فعل ماضی واحد مذکر غائب اَدْرٰى يُدْرِيْ، مصدر اِدْرَاءٌ، جاننا، معلوم کروانا، خبر دینا، آگاہ کرنا، اس نے معلوم

کروایا، کَ ،ضمیر واحد مذکر حاضر، آپ کو (اس نے آپ کو معلوم کروایا) مَا، استفہامیہ (کیا) عِلِّیُّوْنَ ۔عُلُوٌّ ، مصدر مشتق ، واحد عِلِّیّ کا اعلیٰ مقام، بلند مقامات ، نیکی کے رجسٹر، عِلِّیّین) کِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ ۔کِتٰبٌ ،موصوفیککتاب ،مَرْقُوْمٌ ،صفت رَقْمٌ ،مصدر سے اسم مفعول واحد مذکر، لکھی ہوئی (ایک لکھی ہوئی کتاب ہے) یَّشْهَدُهُ (یَشْهَدُ ۔ هُ) یَشْهَدُ ،فعل مضارع واحد مذکر غائب شَهِدَ یَشْهَدُ ، مصدر شَهَادَةٌ ،موجود ہونا، حاضر ہونا، وہ حاضر رہتا ہے، هُ ،ضمیر واحد مذکر غائب، اس ،ضمیر کا مرجع ، کِتٰبٌ ، ہے (وہ اس کے پاس حاضر رہتا ہے) اَلْمُقَرَّبُوْنَ ۔تَقْرِیْبٌ ، مصدر سے اسم مفعول جمع مذکر (قریب کیے گئے، قرب پالینے والے، عزت والے، سب مقرب) واحد، اَلْمُقَرَّبُ

آیت ۲۲ تا ۲۸

إِنَّ الْأَبْرَارَ لَفِي نَعِيمٍ (٢٢) عَلَى الْأَرَائِكِ يَنظُرُونَ (٢٣) تَعْرِفُ فِي وُجُوهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِيمِ (٢٤) يُسْقَوْنَ مِن رَّحِيقٍ مَّخْتُومٍ (٢٥) خِتَامُهُ مِسْكٌ وَفِي ذَٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُونَ (٢٦) وَمِزَاجُهُ مِن تَسْنِيمٍ (٢٧) عَيْنًا يَشْرَبُ بِهَا الْمُقَرَّبُونَ (٢٨)

ترجمہ:

یقیناً نیک لوگ (بڑی) نعمتوں میں ہونگے ۔(۲۲) تختوں پر (بیٹھے) دیکھ رہے ہوں گے ۔(۲۳) تو ان کے چہروں سے ہی نعمتوں کی تروتازگی پہچان لے گا ۔(۲۴) انھیں ایسی خالص شراب پلائی جائے گی جس پر مہر لگی ہوگی ۔(۲۵) جس پر مشک کی مہر ہوگی، سبقت لے جانے والوں کو اسی میں سبقت کرنی چاہیے (۲۶) اور اس کی آمیزش تسنیم ہوگی (۲۷) جو ایک چشمہ ہے، جس سے مقرب لوگ پییں گے ۔(۲۸)

تفسیر:

فرمایا: یقیناً نیک لوگ (بڑی) نعمتوں میں ہونگے ۔(۲۲) الخ

جنت میں ابرار کی نعمتیں، "رحیق مختوم" اور "تسنیم" کے معانی:

ابرار یعنی نیکوکار جنت کی نعمتوں سے بہرہ اندوز ہو رہے ہوں گے، اور وہ اپنی مسندوں پر بیٹھے ہوئے ان کرامات کو دیکھ رہے ہوں گے، جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے تیار کی ہیں، مقاتل نے کہا : وہ اپنی مسندوں پر بیٹھے ہوئے اہل دوزخ کی طرف دیکھ رہے ہوں گے، ایک قول یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے جلال ذات کی طرف دیکھ رہے ہوں گے ۔

ان نعمتوں کے ملنے سے ان کی جو خوشی ہوگی اور ان کے چہروں پر جو رونق اور تروتازگی ہوگی، اس کو دیکھ کر آپ انھیں پہچان لیں گے، ان کو شراب طہور پلائی جائے گی جس میں کوئی تلخی ہوگی نہ کوئی نشہ ہوگا، اس آیت میں "رحیق" کا لفظ ہے، اس کا معنی ہے : صاف اور شفاف شراب، اس شراب پر مشک کی مہر لگی ہوئی ہوگی، حضرت ابن مسعود نے فرمایا : شراب پینے کے بعد ان کو مشک کا ذائقہ آئے گا۔

حضرت ابو سعید خدری (رض) بیان کرتے ہیں کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا : جس مسلمان نے کسی بے لباس

مسلمان کو لباس پہنایا، اللہ تعالیٰ اس کو جنت کا سبز لباس پہنائے گا، اور جس مسلمان نے کسی بھوکے مسلمان کو کھانا کھلایا، اللہ تعالیٰ اس کو جنت کے پھلوں سے کھلائے گا، اور جس مسلمان نے کسی پیاسے مسلمان کو پانی پلایا، اللہ اس کو "رحیق مختوم" (مشک کے ذائقہ والی شراب) پلائے گا۔ (سنن ابو داؤد رقم الحدیث ۱۶۷۲ :)

"فلیتنافس" کا معنی:

، اس کا مصدر "تنافس" ہے، اس کا معنی ہے : رغبت کرنا، یعنی ان نعمتوں میں رغبت کرنا چاہیے اور ان نعمتوں کے حصول کے لیے اعمال صالحہ کرنے چاہئیں۔

تسنیم کی آمیزش کا مطلب:

۔ تسنیم وہ مشروب ہے جس کو اوپر سے انڈیلا جائے گا، اور یہ جنت کی سب سے افضل شراب ہے۔ لغت میں تسنیم کا معنی ہے : بلندی، اونٹ کے کوہان کو سنام کہا جاتا ہے، کیونکہ وہ بھی اونٹ کی پیٹھ پر بلند ہوتا ہے، اسی طرح "تسنیم القبور" اس قبر کو کہتے ہیں جو اونٹ کے کوہان کی شکل پر بنائی جائے، حضرت عبد اللہ بن مسعود نے فرمایا : تسنیم جنت میں ایک چشمہ ہے جس سے صرف مقربین کو پلایا جائے گا، ایک قول یہ ہے کہ تسنیم ہوا میں ایک چشمہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی قدرت سے بہہ رہا ہے اور اس سے اہل جنت کے برتنوں میں صاف شراب انڈیلی جائے گی۔

ترکیب نحوی وتحقیق صرفی:

اِنَّ، حرف مشبہ بالفعل (بے شک) اَلْاَبْرَارَ (نیک لوگ) واحد، بَرٌّ وَبَارٌّ، لَفِیْ نَعِیْمٍ (لَ۔فِیْ۔ نَعِیْمٍ) لَ، لام تاکید، ضرور، یقیناً، فِیْ، حرف جار، میں، نَعِیْمٍ، مجرور، نعمت (یقیناً نعمت میں) عَلَى الْاَرَآئِكِ (عَلٰی۔ اَلْاَرَآئِكِ) عَلٰی، حرف جار، پر، اَلْاَرَآئِكِ، مجرور، تختوں، واحد، اَرِیْكَةٌ (تختوں پر) یَنْظُرُوْنَ، فعل مضارع جمع مذکر غائب نَظَرَ یَنْظُرُ، مصدر نَظْرًا، دیکھنا، نظارہ کرنا (وہ نظارے کر رہے ہوں گے) تَعْرِفُ، فعل مضارع واحد مذکر حاضر عَرَفَ یَعْرِفُ، مصدر عِرْفَانٌ وَمَعْرِفَةٌ، جاننا، پہنچاننا (آپ پہچانیں گے) فِیْ وُجُوْهِهِمْ (فِیْ۔ وُجُوْهِ۔ هِمْ) فِیْ، حرف جار، بمعنی مِنْ، سے، وُجُوْهِ، مجرور، مضاف، چہروں، واحد، وَجْهٌ، هِمْ، مضاف الیہ، ضمیر جمع مذکر غائب، ان کے (ان کے چہروں سے) نَضْرَةَ النَّعِیْمِ (نَضْرَةَ۔ اَلنَّعِیْمِ) نَضْرَةَ، مضاف، تروتازگی، رونق، تازگی، اَلنَّعِیْمِ، مضاف الیہ، نعمت راحت، عیش (راحت کی رونق، نعمت کی تازگی) یُسْقَوْنَ، فعل مضارع مجہول جمع مذکر غائب سَقٰی یَسْقِیْ، مصدر سِقَایَةٌ، پلانا (وہ پلائے جائیں گے) مِنْ رَّحِیْقٍ مَّخْتُوْمٍ۔ مِنْ، حرف جار، سے، رَحِیْقٍ، مجرور، موصوف، اسم جامد، وہ شراب جس میں ذرا آمیزش نہ ہو، خالص شراب، مَخْتُوْمٍ، صفت، خَتْمٌ، مصدر سے اسم مفعول واحد مذکر، مہر لگی ہوئی، سر بمہر (سر بمہر خالص شراب میں سے) خِتٰمُهٗ (خِتٰمُ۔ هٗ) خِتٰمُ، مضاف، اس کے دو معنی ہیں، مہر کرنے کی چیز، یعنی وہ مسالہ جس سے مہر کیا جائے، دوسرا ہر شے کا آخر اور خاتمہ، هٗ، مضاف الیہ، ضمیر واحد مذکر غائب، اس کی (اس کی مہر، اس کا خاتمہ) مِسْكٌ، اسم (مشک، کستوری) وَفِیْ ذٰلِكَ فَلْیَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ اور پس رغبت کرنے والوں کو چاہیے کہ وہ اس میں رغبت کریں۔ وَ، حرف عطف (اور) فِیْ ذٰلِكَ۔ فِیْ، حرف جار، میں، ذٰلِكَ، مجرور، اسم اشارہ واحد مذکر بعید، اس (اس میں) فَلْیَتَنَافَسِ (فَ۔ لْ۔ یَتَنَافَسْ) فَ، حرف عطف، پس، لْ، لام امر جازم، چاہیے کہ، یَتَنَافَسْ، فعل مضارع واحد مذکر غائب مجزوم تَنَافَسَ یَتَنَافَسُ، مصدر تَنَافُسٌ، رغبت کرنا، مرغوب چیز کا دوسروں سے زیادہ حاصل کرنے کی کوشش کرنا، سبقت کرنا، وہ رغبت کرے (پس چاہیے کہ وہ رغبت کرے) اَلْمُتَنَافِسُوْنَ۔ تَنَافُسٌ، مصدر سے اسم فاعل جمع مذکر (سبقت کرنے والے، رغبت کرنے

والے) وَ، حرف عطف (اور) مِزَاجُهٗ (مِزَاجُ۔ہٗ) مِزَاجُ، مضاف، مصدر، مزاج، آمیزش، باہم ملانا، باہم ملاکر، ملاوٹ، ہٗ، مضاف الیہ، ضمیر واحد مذکر غائب، اس کی (اس کی آمیزش) مِنْ تَسْنِيْمٍ۔ مِنْ، حرف جار، سے، تَسْنِيْمٍ، مجرور، تسنیم، جنت میں ایک چشمہ کا نام، وہ چیز جو خوشبو یا ذائقہ کیلئے شربت یا پانی میں ملاتے ہیں (تسنیم سے) عَيْنًا (ایک چشمہ) يَشْرَبُ، فعل مضارع واحد مذکر غائب شَرِبَ يَشْرَبُ، مصدر شُربًا، پینا (وہ پیے گا) بِهَا (بِ۔ہَا) بِ، حرف جار بمعنی، مِنْ، سے، ہَا، مجرور، ضمیر واحد مونث غائب، اس، ضمیر کا مرجع، عَيْنًا، ہے (اس سے) الْمُقَرَّبُوْنَ۔ تَقْرِيْبٌ، مصدر سے اسم مفعول جمع مذکر (قریب کیے گئے، قرب پالینے والے، مقرب لوگ) واحد، الْمُقَرَّبُ

آیت ۲۹ تا ۳۶

إِنَّ الَّذِينَ أَجْرَمُوا كَانُوا مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا يَضْحَكُونَ (۲۹) وَإِذَا مَرُّوا بِهِمْ يَتَغَامَزُونَ (۳۰) وَإِذَا انْقَلَبُوا إِلَىٰ أَهْلِهِمُ انْقَلَبُوا فَكِهِينَ (۳۱) وَإِذَا رَأَوْهُمْ قَالُوا إِنَّ هَٰؤُلَاءِ لَضَالُّونَ (۳۲) وَمَا أُرْسِلُوا عَلَيْهِمْ حَافِظِينَ (۳۳)

ترجمہ:

بے شک وہ لوگ جنھوں نے جرم کیے، ان لوگوں پر جو ایمان لائے، ہنسا کرتے تھے۔(۲۹) اور جب وہ ان کے پاس سے گزرتے تو ایک دوسرے کو آنکھوں سے اشارے کیا کرتے تھے۔(۳۰) اور جب اپنے گھر والوں کے پاس واپس آتے تو خوش گپیاں کرتے ہوئے واپس آتے تھے۔(۳۱) اور جب انھیں دیکھتے تو کہا کرتے تھے بلاشبہ یہ لوگ یقیناً گمراہ ہیں۔(۳۲) حالانکہ وہ ان پر نگہبان بنا کر نہیں بھیجے گئے تھے۔(۳۳) سو آج وہ لوگ جو ایمان لائے، کافروں پر ہنس رہے ہیں۔(۳۴) تختوں پر (بیٹھے) نظارہ کرر ہے ہیں۔(۳۵) کیا کافروں کو اس کا بدلہ دیا گیا جو وہ کیا کرتے تھے؟(۳۶)

تفسیر:

فرمایا: بے شک وہ لوگ جنھوں نے جرم کیے، ان لوگوں پر جو ایمان لائے، ہنسا کرتے تھے۔

(مجرمین کون ہیں:

اللہ تعالیٰ نے مجرمین کا حال اور ان کا انجام مختلف سورتوں میں بیان فرمایا ہے۔ جہاں متقین اور صالحین کا حال بیان کیا ہے۔ وہاں مجرمین کو بھی بے نقاب کیا ہے۔ اور جرائم میں شرک سے بڑھ کر کونسا جرم ہوسکتا ہے۔ خود اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "ان الشرک لظلم عظیم" یہ بہت بڑا ظلم ہے۔ دوسری جگہ فرمایا "الکفر ون ھم الظلمو ن" دنیا میں سب سے بڑا ظالم کافر ہے جو خدا کے دین اور اس کی شریعت کا منکر ہے۔ یہ لوگ اس دین کا انکار کرتے ہیں جو دین اللہ تعالیٰ نے انسان کی بہتری کے لیے نازل فرمایا۔ مجرمین میں وہ لوگ بھی شامل ہیں۔ جو قانون کو مانتے ہوئے اس کے خلاف چلتے ہیں۔ اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے جن مجرمین کا ذکر کیا ہے۔ ان سے وہ لوگ مراد ہیں جو کفر اور شرک میں مبتلا ہیں۔ حقوق اللہ اور حقوق العباد کو ضائع کرتے ہیں۔ کلام کا سیاق وسباق بتا رہا ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں۔ جو دین داروں کے ساتھ ٹھٹا کرتے تھے۔ مکہ کے یہ روسا غریب مسلمانوں پر ہنستے تھے۔

(ضعفا پر طعن:

فرمایا؛ واذا مروا بھم جب یہ آسودہ حال لوگ غریب دینداروں کے قریب سے گذرتے تھے۔ یتغامزون تو آپس میں آنکھوں سے اشارے کرتے تھے۔ جیسے کہہ رہے ہوں دیکھو یا یہ پھٹے پرانے لباس والے جنت کے والی جارہے ہیں۔ نہ ان کے پاس کھانے پینے کا سامان ہے۔ نہ ان کے پاس سواریاں ہیں۔ مالی حالت نہایت کمزور ہے۔ اور دعوی یہ ہے کہ ہم کامیاب ہیں نحن اکثر اموالا واولادا " ہم ان سے مال واولاد میں زیادہ ہیں۔ ہم کو سزا دینے والا کون ہے۔ اور معترضین آسودہ حال لوگ ہی تھے۔ دوسری جگہ فرمایا" ویل لکل ھمزۃ لمزۃ" یہ پشت پیچھے عیب جوئی کرنے والے اور سامنے طعنہ دینے والے ان کو کس چیز کا گھمنڈ ہے" الذی جمع مالا وعددہ" یہ مال و دولت کی وجہ سے شیخی بگھارتے ہیں اور اپنے آپ کو بہتر سمجھتے ہیں۔ کمزور اور غریب اہل ایمان کی ہنسی اڑاتے ہیں۔ ان کی شکلوں پر اعتراض ان کے لباس پر اعتراض ان کی وضع قطع پر اعتراض ان کی نمازوں پر اعتراض اس طرح یہ امیر لوگ غریب ایمان والوں کا مذاق اڑاتے تھے ان کی تذلیل کرتے تھے۔

(کسی کو حقیر نہیں جاننا چاہیے:

مکے کے سرداران ابو جہل عتبہ شیبہ وغیرہ حضرت بلال صہیب جیسے ناواں اور کمزور مسلمانوں کو ذلیل وحقیر سمجھتے تھے۔ ان کی مجلس میں بیٹھنا بھی گوارانہ کرتے تھے۔ قرآن پاک میں صاف موجود ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر (علیہ السلام) کو فرمایا" ولا تعد عینک عنھم ترید زینۃ الحیوۃ الدنیا آپ اپنی نگاہ شفقت ان غرباء سے بالکل نہ ہٹائیں۔ کیا آپ دنیا کی زینت کا ارادہ کرتے ہیں۔ ہم نے ان کو دنیا کا مال و دولت اس لیے دیا ہے لنفتنھم فیہ " تا کہ ان کی آزمائش کریں مگر یہ لوگ سمجھ رہے ہیں کہ مال و دولت انھیں عیش و آرام کے لیے دیا گیا ہے۔ کیونکہ وہ اللہ کے ہاں مقبول لوگ ہیں۔ فرمایا ایسا نہیں ہے۔ بلکہ یہ آزمائش ہے۔ اصل چیز تو ایمان اور نیکی ہے۔ اللہ کے ہاں مقبولیت کے لیے ان چیزوں کو دیکھا جائے گا۔ نہ مال و دولت کو۔

فرمایا؛ یہ مجرم اور گناہ گار لوگ ایمان والوں پر ہنستے تھے۔ اور جب ان کے پاس سے گذرتے تھے تو اشارے کرتے تھے۔ دیکھو! یہ حوروں کے خاوند جارہے ہیں یہ جنت کے والی جارہے ہیں۔ ان کی حالت دیکھو۔ اور ان کی صورتیں دیکھو۔ اس طرح کی باتیں کرتے تھے۔ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا فرمان (پ ۲ ترمذی ص ۲۹۳) ہے دیکھو اپنے بھائی سے مزاح بھی نہ کرو۔ جس سے اس کی تحقیر ہوتی ہو۔ اگر چہ مزاح مباح ہے مگر تحقیر مقصود ہو تو جائز نہیں۔ آنکھ سے اشارہ کرنا بھی ممنوع ہے۔

(مجرمین بمقابلہ مومنین:

مجرمین کی دوسری صفت یہ بیان کی۔ کہ واذا انقلبوا الی اھلھم جب یہ لوگ اپنے گھروں کو لوٹتے ہیں۔ انقلبو فکھین تو باتیں بناتے ہوئے پلٹتے ہیں۔ فکاھۃ کے معنی خوش طبعی کرنا یا گپیں مارنا۔ یہ لوگ طرح طرح کی باتیں بناتے ہوئے اور خوش طبعی کرتے ہوئے گھروں کو جاتے ہیں کہ ان کے پاس تو سب کچھ موجود ہے۔ مگر مومنین کے پاس کچھ نہیں۔ ان کا مذاق اڑاتے ہیں

واذا راوھم جب یہ لوگ ایمان والوں کو دیکھتے ہیں قالوا ان ھوء لاء لضالون تو کہتے ہیں یہ تو گمراہ لوگ ہیں۔ جو جنت کی تیاری کرر ہے ہیں۔ ہماری طرح مال ودولت نہیں سمیٹتے۔ حالانکہ کمال یہی ہے کہ مال ودولت جمع کرو۔ اور عیش وآرام کی زندگی بسر کرو۔ مگر یہ تو بھکے ہوئے لوگ ہیں جو دنیوی آسائشوں سے بے نیاز ہوئے بیٹھے ہیں۔ حلال وحرام کے چکر میں پڑے ہوئے ہیں۔ قیامت کے محاسبے کا غم کھائے بیٹھے ہیں۔ اور یہ کہ خدا کے ہاں عدل وانصاف ہوگا۔

اس کے برخلاف ایک مومن حلال وحرام میں تمیز کرتا ہے۔ جو دولت کماتا ہے۔ اس کو جائز طریقے پر خرچ بھی کرتا ہے۔ خدا کی عبادت کرتا ہے۔ مگر یہ سرمایہ دار لوگ نیکوکاروں کو حقیر سمجھتے ہیں۔ ان کو آخرت کی بات اچھی نہیں لگتی۔ مومنین کو دیکھتے ہیں۔ تو کہتے ہیں کہ یہ بھکے ہوئے لوگ ہیں۔ خواہ مخواہ عبادت وریاضت میں پڑے ہوئے ہیں۔ اپنے آپ کو کھپا رہے ہیں۔ اپنا آبائی دین اور دنیا کی عیش وعشرت کو چھوڑ رکھا ہے۔ ان کی یہ طرز ٹھیک نہیں ہے۔ یہ گمراہ لوگ ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے جوابا فرمایا وما ارسلوا علیھم حفظین وہ نگران بنا کر نہیں بھیجے گئے۔ کیا یہ بڑے بڑے سرمایہ داران عرب ایمانداروں کے محافظ ہیں۔ ان پر انسپکٹر لگے ہوئے ہیں۔ جو ان کے طرز عمل کو غلط بتا رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ بھکے ہوئے ہیں۔ خدا نے ان کو ایسا ہرگز مقرر نہیں فرمایا۔ ان کو اپنی فکر کرنی چاہیئے۔ کہ ان کا اپنا انجام کیا ہونے والا ہے۔ مگر یہ لوگ غرباء پر طعن کرتے ہیں۔ اور ان کو بیوقوف کہتے ہیں۔

(قیامت کے روز ایماندار کافروں پر ہنسیں گے:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا اگر ایسا ہے تو فالیوم ایک دن ایسا آنے والا ہے کہ جس دن الذین امنو جو لوگ آج اللہ کی وحدانیت اور قیامت پر ایمان لائے ہیں من الکفار یضحکون وہ کافروں پر ہنسیں گے۔ کیونکہ یہ ایک اصول ہے جو کسی پر ہنستا ہے اس پر ہنسا جاتا ہے۔ جس طرح کافر دنیا مین مسلمانوں پر ہنستے تھے اس آنے والے قیامت کے دن مومن کافر پر ہنسیں گے۔ یہ مومنین علی الارائک ینظرون تختوں یا بنچوں پر بیٹھ کر وائیں بائیں نظارہ کرتے ہوں گے۔ لطف اندوز ہوں گے۔ اس دن مومن لوگ کافروں کو کہیں گے۔ کہ تم نے دنیا کی فانی چیزوں میں پھنس کر اپنے ایمان کو برباد کیا اور اب آخرت کو بھی برباد کیا۔ لہٰذا آج ان فانی نعمتوں کا لطف اٹھاؤ۔ تم نے دائمی نعمتوں کے بدلے دنیا کی فانی نعمتوں کو پسند کیا ایمان سے محروم رہے۔ کفر وشرک کی رسموں کو پورا کرتے رہے۔ تم لوگ اپنی فکر کرنے کی بجائے کمزور مسلمانوں پر ہنستے تھے۔ ان کو بیوقوف اور گمراہ کہتے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ھل ثوب الکفار ما کانو ایفعلون کیا کافروں کو بدلہ دیا جائے گا اس کا جو وہ دنیا میں کیا کرتے تھے اس وقت انھیں کہا جائے گا کیا تمہیں بدلہ ملا، یا نہیں۔ تم نے اپنی کرتوتوں کا انجام دیکھ لیا یا نہیں۔ تم دنیا میں شرکیہ اور کفریہ کام کرتے تھے۔ استہزاء اور تحقیر کرتے تھے آج اس کا بدلہ اور مزہ چکھ لیا تم نے۔ یقیناً ان کا انجام ان کے سامنے ہوگا۔ اور اپنے کیے کا بدلہ ان کو مل کرر ہے گا۔

ترکیب نحوی وتحقیق صرفی:

اِنَّ ، حرف مشبہ بالفعل (بے شک) اَلَّذِیْنَ ، اسم موصول جمع مذکر (وہ لوگ جنہوں نے) اَجْرَمُوْا، فعل ماضی جمع مذکر غائب اَجْرَمَ یُجْرِمُ ، مصدر اِجْرَامٌ ، جرم کرنا (انہوں نے جرم کیے) کَانُوْا، فعل ناقص ماضی جمع مذکر غائب کَانَ یَکُوْنُ ، مصدر کَوْنًا، ہونا، مِنَ الَّذِیْنَ (مِنَ ۔ اَلَّذِیْنَ) مِنَ ، حرف جار، بمعنی، عَلٰی، پر، اَلَّذِیْنَ ، مجرور، اسم موصول جمع مذکر، وہ لوگ جو (ان لوگوں پر جو) اٰمَنُوْا، فعل ماضی جمع مذکر غائب اٰمَنَ یُؤْمِنُ ، مصدر اِیْمَانًا، ایمان لانا (وہ ایمان لائے) یَضْحَکُوْنَ ، فعل مضارع جمع مذکر غائب ضَحِکَ یَضْحَکُ ، مصدر ضَحْکًا وَضِحْکًا، ہنسنا (وہ ہنستے) وَ، حرف عطف (اور) اِذَا، ظرف زمان بمعنی شرط، مستقبل پر دلالت کرتا ہے (جب) مَرُّوْا، فعل ماضی جمع مذکر غائب مَرَّ یَمُرُّ ، مصدر مَرًّا وَمُرُوْرًا، گزرنا، اِذَا، کی وجہ سے ترجمہ (وہ گزرتے) بِہِمْ (بِ ۔ ہِمْ) بِ ، حرف جار، سے، ہِمْ ، مجرور، ضمیر جمع مذکر غائب، ان، (ان (کے پاس) سے) یَتَغَامَزُوْنَ ، فعل مضارع جمع مذکر غائب تَغَامَزَ یَتَغَامَزُ ، مصدر تَغَامُزٌ ، آپس میں آنکھوں سے اشارہ کرنا (وہ آپس میں آنکھوں سے اشارہ کرتے) وَ، حرف عطف (اور) اِذَا، ظرف زمان بمعنی شرط، مستقبل پر دلالت کرتا ہے (جب) اِنْقَلَبُوْا، فعل ماضی جمع مذکر غائب اِنْقَلَبَ یَنْقَلِبُ ، مصدر اِنْقِلَابٌ، پلٹنا، لوٹنا، اِذَا، کی وجہ سے ترجمہ (وہ لوٹتے) اِلٰٓی اَہْلِہِمُ (اِلٰی۔ اَہْلِ ۔ ہِمْ) اِلٰی، حرف جار، کی طرف، اَہْلِ ، مجرور، مضاف، گھر والے، اہل، ہِمْ ، مضاف الیہ، ضمیر جمع مذکر غائب، اپنے (اپنے گھر والوں کی طرف) اِنْقَلَبُوْا، فعل ماضی جمع مذکر غائب اِنْقَلَبَ یَنْقَلِبُ ، مصدر اِنْقِلَابٌ، پلٹنا، لوٹنا، اِذَا، کی وجہ سے ترجمہ (وہ لوٹتے) فَکِہِیْنَ ۔ فَکَاہَۃٌ ، مصدر سے اسم فاعل جمع مذکر (خوش گپیاں کرتے ہوئے، مذاق اڑاتے ہوئے، دل لگی کرتے ہوئے) وَ، حرف عطف (اور) اِذَا، ظرف زمان مستقبل بمعنی شرط (جب) رَاَوْہُمْ (رَاَوْا۔ ہُمْ) رَاَوْا، فعل ماضی جمع مذکر غائب رَاٰی یَرٰی، مصدر رُؤْیَۃٌ ، دیکھنا، اِذَا، کی وجہ سے ترجمہ وہ دیکھتے، ہُمْ ، ضمیر جمع مذکر غائب، ان کو (وہ ان کو دیکھتے) قَالُوْا، فعل ماضی جمع مذکر غائب قَالَ یَقُوْلُ ، مصدر قَوْلًا، کہنا، اِذَا، کی وجہ سے ترجمہ (وہ کہتے) اِنَّ ، حرف مشبہ بالفعل (بے شک، بلاشبہ) ہٰٓؤُلَآءِ ، اسم اشارہ جمع قریب (یہ لوگ) لَضَآلُّوْنَ (لَ۔ ضَآلُّوْنَ) لَ ، لام تاکید، ضرور، یقیناً، ضَآلُّوْنَ ۔ ضَلَالٌ ، مصدر سے اسم فاعل جمع مذکر، گمراہ واحد، ضَآلٌّ (یقیناً گمراہ) وَ، حالیہ (حالانکہ) مَا، نافیہ (نہیں) اُرْسِلُوْا، فعل ماضی مجہول جمع مذکر غائب اَرْسَلَ یُرْسِلُ ، مصدر اِرْسَالٌ بھیجنا (وہ بھیجے گئے تھے) عَلَیْہِمْ (عَلٰی۔ ہِمْ) عَلٰی، حرف جار، پر، ہِمْ ، مجرور، ضمیر جمع مذکر غائب ان (ان پر) حٰفِظِیْنَ ۔ حِفْظٌ ، مصدر سے اسم فاعل جمع مذکر (حفاظت کرنے والے، نگرانی کرنے والے، نگران) واحد، حَافِظٌ ، فَالْیَوْمَ (فَ ۔ اَلْیَوْمَ) فَ ، حرف عطف، پس، اَلْیَوْمَ ، آج (پس آج (قیامت کے دن)) اَلَّذِیْنَ ، اسم موصول جمع مذکر (وہ لوگ جو) اٰمَنُوْا، فعل ماضی جمع مذکر غائب اٰمَنَ یُؤْمِنُ ، مصدر اِیْمَانًا، ایمان لانا (وہ ایمان لائے) مِنَ الْکُفَّارِ (مِنَ ۔ اَلْکُفَّارِ) مِنَ ، حرف جار، بمعنی، عَلٰی، پر، اَلْکُفَّارِ ، مجرور، جمع معرفہ، منکرین اسلام، کافروں، واحد، اَلْکَافِرُ (کافروں پر) یَضْحَکُوْنَ ، فعل مضارع جمع مذکر غائب ضَحِکَ یَضْحَکُ ، مصدر ضَحْکًا وَضِحْکًا، ہنسنا (وہ ہنس رہے ہیں) عَلَی الْاَرَآئِکِ (عَلٰی۔ اَلْاَرَآئِکِ) عَلٰی، حرف جار، پر، اَلْاَرَآئِکِ ، مجرور، تختوں، واحد، اَرِیْکَۃٌ (تختوں پر) یَنْظُرُوْنَ ، فعل مضارع جمع مذکر غائب نَظَرَ یَنْظُرُ ، مصدر نَظْرًا، دیکھنا، نظارہ کرنا (وہ نظارہ کر رہے ہیں) ہَلْ ، استفہامیہ (کیا) ثُوِّبَ ، فعل ماضی مجہول واحد مذکر غائب ثَوَّبَ یُثَوِّبُ ، مصدر تَثْوِیْبٌ ، بدلہ دینا، انعام دینا (بدلہ دیا گیا) اَلْکُفَّارُ ، جمع مکسر (منکرین اسلام، کافروں) واحد، اَلْکَافِرُ ، مَا، اسم موصول (اس کا جو) کَانُوْا، فعل ناقص ماضی جمع مذکر غائب کَانَ یَکُوْنُ ، مصدر کَوْنًا، ہونا (وہ تھے) یَفْعَلُوْنَ ، فعل مضارع جمع مذکر غائب فَعَلَ یَفْعَلُ ، مصدر فِعْلًا، کرنا، کام کرنا (وہ کیا کرتے تھے۔)

(الحمد للہ سورہ مطففین مکمل ہو گئی)

[سورۃ الانشقاق]

بِسۡمِ ٱللَّهِ ٱلرَّحۡمَٰنِ ٱلرَّحِيمِ

آیت ۱ تا ۵

إِذَا السَّمَاءُ انْشَقَّتْ (۱) وَأَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ (۲) وَإِذَا الْأَرْضُ مُدَّتْ (۳) وَأَلْقَتْ مَا فِيهَا وَتَخَلَّتْ (۴) وَأَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ (۵)

ترجمہ:

جب آسمان پھٹ جائے گا(۱) اور وہ اپنے پروردگار کا حکم سن کر مان لے گا اور اس پر لازم ہے کہ یہی کرے(۲) اور جب زمین پھیلا دی جائے گی۔(۳) اور اس میں جو کچھ ہے اسے باہر پھینک دے گی اور خالی ہو جائے گی۔(۴) اور وہ اپنے پروردگار کا حکم سن کر مان لے گی اور اس پر لازم ہے کہ یہی کرے(۵)

کوائف:۔

اس سورۃ کا نام سورۃ الانشقاق ہے جو اس سورۃ کی پہلی آیت میں موجود "انشقت" کا لفظ ہے یہ نام بھی اسی سے مأخوذ ہے یہ سورۃ ترتیب تلاوت میں ۸۴ نمبر پر ہے اور ترتیب نزول میں ۸۳ نمبر پر ہے اس سورۃ میں ایک رکوع ۲۵ آیات ہیں۔ یہ سورۃ مکی ہے

ماقبل سے ربط:

سورۃ التطفیف میں مذکور ہوا کہ تم کسی حیلے بہانے سے اپنے مقامات سے نکل نہیں سکو گے۔ یہاں علی سبیل الترقی فرمایا" لترکبن طبقا عن طبق " کہ تم دوزخ سے نہیں نکل سکو گے اور تم پر وہاں کئی حالات آئیں گے اور تمہیں مختلف قسم کی ہولناک سزاؤں سے دوچار ہونا پڑے گا۔" فلا اقسم بالشفق الخ "میں اس پر شواہد ذکر کیے گئے۔ نیز سورۃ التطفیف میں برے کام کرنے والوں کی ایک مثال ذکر کی گئی۔" ویل للمطففین "اور یہاں نیک کاموں کی ترغیب دلائی گئی ہے۔" یا ایہا الانسان انک کادح (الایۃ)

تفسیر:۔

فرمایا؛ جب آسمان پھٹ جائے گا اور بادلوں سمیت اس کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے اور یہ قیامت کی علامات میں سے ہے۔

"اذنت" کا معنی:

الانشقاق ۲ : میں "اذنت" کا لفظ ہے، علامہ راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ نے لکھا ہے :اس کا معنی ہے : کسی بات کو سن کر اس کا علم حاصل کیا جائے۔(المفردات ج ۱ ص ۱۷، مکتبہ نزار مصطفی، مکہ مکرمہ، ۱۴۱۸ھ)

امام ابن جریر متوفی ۳۱۰ ھ نے فرمایا ہے کہ درج ذیل حدیث میں بھی "اذن" کا معنی سننا ہے، حضرت ابوہریرہ (رض) بیان کرتے ہیں:

ما اذن اللہ لشئی کاذنہ لنبی یتغنی بالقرآن

اللہ تعالیٰ نے کسی چیز کو اتنا نہیں سنا جتنا اس نے اپنی نبی سے خوش آوازی کے ساتھ قرآن مجید کو سنا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث ٥٠٢٤ : ،صحیح مسلم رقم الحدیث ١٧٩٠ :)

حضرت ابن عباس (رض) اور مجاہد بیان کرتے ہیں کہ "واذنت لربھا" کا معنی ہے : زمین نے اپنے رب کا حکم سنا۔

قتادہ اور ضحاک نے بیان کیا کہ اس کا معنی ہے : زمین نے اپنے رب کا حکم سنا اور اس کی اطاعت کی۔

(جامع البیان جز ٣٠ ص ١٤٢ـ١٤١، دار الفکر، بیروت، ١٤١٥)

فرمایا : اور جب زمین پھیلا دی جائے گی۔ اور جو کچھ اس کے اندر ہے وہ باہر ڈال دے گی اور خالی ہو جائے گی۔

زمین کو پھیلانے کے متعلق احادیث:

زمین کو کھینچ کر پھیلانے کا ذکر ان احادیث میں ہے :

حضرت عبداللہ بن مسعود (رض) بیان کرتے ہیں کہ شب معراج رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی حضرت ابراہیم حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ (علیہم السلام) سے ملاقات ہوئی اور انھوں نے قیامت کا تذکرہ کیا، پہلے انھوں نے حضرت ابراہیم (علیہ السلام) سے سوال کیا تو حضرت ابراہیم کو اس کا علم نہیں تھا، پھر حضرت موسیٰ (علیہ السلام) سے سوال کیا، ان کو بھی علم نہ تھا، پھر سب نے حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) سے سوال کیا، حضرت عیسیٰ نے کہا : اللہ تعالیٰ نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ قیامت سے پہلے مجھ کو زمین پر نازل فرمائے گا بہرحال قیامت کب آئے گی اس کا علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے، پھر انھوں نے خروج دجال کا ذکر کیا اور فرمایا : میں نازل ہو کر اس کو قتل کروں گا، لوگ اپنے شہروں کی طرف لوٹ جائیں گے اور یاجوج ماجوج ہر بلندی سے ان کے سامنے آئیں گے، وہ جس پانی کے پاس سے گزریں گے اس کو پی جائیں گے اور جس چیز کے پاس سے گزریں گے اس کو خراب کردیں گے، پھر لوگ اللہ سے فریاد کریں گے، پس میں اللہ تعالیٰ سے دعا کروں گا کہ اللہ تعالیٰ ان کو ہلاک کردے، پھر روئے زمین میں ان کی لاشوں سے بدبو پھیل جائے گی، پھر لوگ اللہ تعالیٰ سے فریاد کریں گے، میں اللہ تعالیٰ سے دعا کروں گا تو اللہ تعالیٰ آسمان سے بارش نازل فرمائے گا، وہ بارش ان کی لاشوں کو سمندر میں ڈال دے گی، پھر پہاڑ ریزہ ریزہ کردیئے جائیں گے اور زمین کو چمڑے کی طرح کھینچ کر پھیلا دیا جائے گا اور مجھے بتایا گیا کہ جب یہ ہوگا کہ تو قیامت اس طرح اچانک آجائے گی جس طرح گھر والوں کو پتہ نہیں چلتا کہ حاملہ عورت کے کب بچہ ہوجاتا ہے۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث ٤٠٨١ : ،اس حدیث کی سند صحیح ہے)

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

علی بن حسین بیان کرتے ہیں کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: جب قیامت کا دن ہوگا تو اللہ تعالیٰ زمین کو پھیلا دے گا حتیٰ کہ لوگوں کے لیے صرف اپنے قدموں کی جگہ ہوگی، پس سب سے پہلے مجھے بلایا جائے گا اور جبرائیل رحمٰن کی دائیں طرف ہوں گے، پس میں کہوں گا: اے میرے رب! بیشک انھوں نے مجھے خبر دی تھی کہ تو نے ان کو میری طرف بھیجا ہے، اللہ تعالیٰ فرمائے گا: یہ سچ ہے، پھر میں شفاعت کروں گا، پس میں کہوں گا: اے میرے رب! تیرے بندوں نے اطراف زمین میں تیری عبادت کی ہے، علی بن حسین نے کہا: یہی مقام محمود ہے۔ (جامع البیان رقم الحدیث ٢٨٤٥١: ، دار الفکر، بیروت، ١٤١٥ھ)

مجاہد نے کہا: زمین اپنے مردوں کو باہر نکال دے گا۔ قتادہ نے کہا: زمین اپنے بوجھ کو باہر نکال کر پھینک دے گی۔ (جامع البیان جز ٣٠ ص ٤٣، دار الفکر، بیروت، ١٤١٥ھ)

امام رازی فرماتے ہیں: زمین کی وسعت میں قیامت کے دن اضافہ کیا جائے گا کیونکہ اس دن اس میں تمام مخلوق حساب کے لیے کھڑی ہوگی، اور زمین میں اس دن اضافہ کرنا ضروری ہے خواہ زمین کو پھیلا کر اس میں اضافہ کیا جائے یا زمین کے طول و عرض میں زیادتی کر کے اس میں اضافہ کیا جائے۔

اور اس دن زمین اپنے پیٹ سے تمام مردوں اور خزانوں کو نکال کر باہر پھینک دے گی اور زمین خالی ہو جائے گی، اس کا معنی یہ ہے کہ اس کے باطن میں کوئی چیز باقی نہیں رہے گی۔

اس سے پہلے آسمان کے لیے فرمایا تھا کہ وہ اس کا حکم سن کر اس کی اطاعت کرے گا اور اب زمین کے لیے فرمایا: وہ اس کا حکم سن کر اس کی اطاعت کرے گی۔

ترکیب نحوی و تحقیق صرفی:

اِذَا، ظرف زمان، مستقبل پر دلالت کرتا ہے بمعنی شرط (جب) اَلسَّمَآءُ (آسمان) جمع اَلسَّمٰوٰتِ، اِنْشَقَّتْ، فعل ماضی واحد مؤنث غائب اِنْشَقَّ یَنْشَقُّ، مصدر اِنْشِقَاقٌ، پھٹ جانا، اِذَا، کی وجہ سے ترجمہ (وہ پھٹ جائے گا) وَ، حرف عطف (اور) اَذِنَتْ، فعل ماضی واحد مؤنث غائب اَذِنَ یَاْذَنُ، مصدر اِذْنًا، اجازت دینا، کان لگانا، سننا، اِذَا، کی وجہ سے ترجمہ (وہ کان لگائے گا) لِرَبِّهَا (لِ۔ رَبِّ۔ ہَا) لِ، حرف جار بمعنی، عَلٰی، پر، رَبِّ، مجرور، مضاف، رب، پروردگار، ہَا، مضاف الیہ، ضمیر واحد مؤنث غائب، اپنے، ضمیر کا مرجع، اَلسَّمَآءُ، ہے (اپنے رب (کے حکم) پر) وَ، حرف عطف (اور) حُقَّتْ، فعل ماضی مجہول واحد مؤنث غائب حَقَّ یَحِقُّ، مصدر حَقًّا، موزوں ہونا، جائز ہونا، حق ہونا، لازم ہونا، لائق ہونا (اس کا حق ہے) وَ، حرف عطف (اور) اِذَا، ظرف زمان، مستقبل پر دلالت کرتا ہے بمعنی شرط (جب) اَلْاَرْضُ، (زمین) مُدَّتْ، فعل ماضی مجہول واحد مؤنث غائب مَدَّ یَمُدُّ، مصدر مَدٌّ، پھیلانا (وہ پھیلا دی جائے گی) وَ، حرف عطف (اور) اَلْقَتْ، فعل ماضی واحد مؤنث غائب اَلْقٰی یُلْقِیْ، مصدر اِلْقَآءٌ، ڈالنا، باہر پھینکنا، اِذَا، کی وجہ سے ترجمہ (وہ باہر پھینک دے گی) مَا، اسم موصول (جو) فِیْهَا (فِیْ۔ ہَا) فِیْ، حرف جار، میں، ہَا، مجرور، ضمیر واحد مؤنث غائب، اس، ضمیر کا مرجع، اَلْاَرْضِ، ہے، (اس میں) وَ، حرف عطف (اور) تَخَلَّتْ، فعل ماضی واحد مؤنث غائب تَخَلّٰی یَتَخَلّٰی، مصدر تَخَلِّیْ، خالی ہونا، اِذَا، کی وجہ سے ترجمہ (وہ خالی ہو جائے گی) وَ، حرف عطف (اور) اَذِنَتْ، فعل ماضی واحد مؤنث غائب اَذِنَ یَاْذَنُ، مصدر اِذْنًا، اجازت دینا، کان لگانا، سننا، اِذَا، کی وجہ سے ترجمہ (وہ کان لگائے گی) لِرَبِّهَا (لِ۔ رَبِّ۔ ہَا) لِ، حرف جار بمعنی، عَلٰی، پر، رَبِّ، مجرور، مضاف، رب،

پروردگار، ہَا، مضاف الیہ، ضمیر واحد مؤنث غائب، اپنے، ضمیر کا مرجع، اَلْاَرْضُ، ہے (اپنے رب (کے حکم) پر) وَ، حرف عطف (اور) حُقَّتْ، فعل ماضی مجہول واحد مؤنث غائب حَقَّ یَحِقُّ، مصدر حَقًّا، جائز ہونا، حق ہونا، لازم ہونا، لائق ہونا (اس کا حق ہے)

آیت ۶ تا ۱۵

يَآأَيُّهَا الْإِنْسَانُ إِنَّكَ كَادِحٌ إِلَىٰ رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلَاقِيهِ (۶) فَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ بِيَمِينِهِ (۷) فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَسِيرًا (۸) وَيَنْقَلِبُ إِلَىٰ أَهْلِهِ مَسْرُورًا (۹) وَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ وَرَاءَ ظَهْرِهِ (۱۰) فَسَوْفَ يَدْعُو ثُبُورًا (۱۱) وَيَصْلَىٰ سَعِيرًا (۱۲) إِنَّهُ كَانَ فِي أَهْلِهِ مَسْرُورًا (۱۳) إِنَّهُ ظَنَّ أَنْ لَنْ يَحُورَ (۱۴) بَلَىٰ إِنَّ رَبَّهُ كَانَ بِهِ بَصِيرًا (۱۵)

ترجمہ:۔

اے انسان! تو اپنے پروردگار کے پاس پہنچنے تک مسلسل کسی محنت میں لگا رہے گا، یہاں تک کہ تو اس سے جا ملے گا (۶) پس وہ شخص جسے اس کا اعمال نامہ اس کے دائیں ہاتھ میں دیا گیا۔(۷) سو عنقریب اس سے حساب لیا جائے گا، نہایت آسان حساب۔(۸) اور وہ اپنے گھر والوں کی طرف خوش خوش واپس آئے گا۔(۹) اور وہ شخص جسے اس کا اعمال نامہ اس کی پیٹھ کے پیچھے دیا گیا۔(۱۰) تو عنقریب وہ بڑی ہلاکت کو پکارے گا۔(۱۱) اور بھڑکتی آگ میں داخل ہوگا۔(۱۲) بلاشبہ وہ اپنے گھر والوں میں خوش تھا۔(۱۳) یقیناً اس نے سمجھا تھا کہ وہ کبھی (اپنے رب کی طرف) واپس نہیں لوٹے گا۔(۱۴) کیوں نہیں! یقیناً اس کا رب اسے خوب دیکھنے والا تھا۔(۱۵)

تفسیر:۔

فرمایا: اے انسان! تو اپنے پروردگار کے پاس پہنچنے تک مسلسل کسی محنت میں لگا رہے گا، یہاں تک کہ تو اس سے جا ملے گا

(رب کے سامنے حاضری ہوگی:

آسمان وزمین کے پھٹ جانے اور زمین کے خالی ہونے کے ذکر کے بعد خطاب کا رخ انسان کی طرف ہو جاتا ہے **یاایھا الانسان** یعنی اے انسان **انک کادح** بیشک تم تکلیف اٹھانے والے ہو **الی ربک کدحا** اپنے رب کی طرف تکلیف اٹھانا **فملقیہ** پس اس سے ملنے والے ہو۔ یہ بھی ترقی کی بات ہوگی۔ انسان کو ہر صورت میں مشقت برداشت کرنا ہے" **لقد خلقنا الانسان فی کبد**" بیشک انسان کو ہم نے مشقت میں پیدا کیا ہے۔ کوئی انسان مشقت سے خالی نہیں۔ اور پھر یہی مشقت برداشت کرتے کرتے اپنے رب کے حضور پیش ہو جانا ہے۔ اگر انسان نے اپنی اس ترقی کو خراب نہ کیا، تو آگے خوشحالی نصیب ہوگی۔ اور اگر اسے خراب کر دیا تو آگے برا حال ہوگا۔ بہر حال ٹھوکریں کھا کر، مشقت برداشت کر کے ایک دن اپنے رب کے سامنے پہنچ جانا ہے۔ وہاں کی حاضری لازمی ہے۔ حدیث شریف مین آتا ہے (ب ۱ تفسیر ابن کثیر ص ۴۸۸ ج ۴) بحوالہ ابوداؤد طیالسی ہے کہ جبرائیل (علیہ السلام) آئے اور نبی (علیہ السلام) سے کہا یا **محمد عش ماشئت فانک میت** یعنی اے نبی کریم! آپ جب تک چاہیں زندہ رہیں مگر ایک دن موت ضرور آنی ہے۔ نیز یہ بھی کہا **واحبب ماشئت** دنیا میں آپ جس سے

چاہیں محبت کریں فانک مفارقہ ایک دن جدائی ضرور ہوگی۔ واعمل ماشئت فانک ملاقیہ آپ جو چاہیں عمل کریں۔ اس کا نتیجہ ضرور سامنے آئے گا۔ مطلب یہ کہ انسان تکلیف اٹھا کر مشقت برداشت کر کے ایک دن ضرور اللہ کے ہاں پیش ہوگا۔ اس لیے انسان کو لازم ہے کہ دنیوی زندگی میں اپنے ترقی کے راستے کو خراب نہ کرے۔ اپنی فطرت کو نہ بگاڑے بلکہ اپنی اصل فطرت پر گامزن رہے۔ اور یہ وہی فطرت ہے جو انبیاء علیہم السلام کا راستہ ہے لہٰذا انسان کو چاہیے کہ وہ توحید اور نیکی کے راستہ پر چلتا رہے اور اپنی فطرت کو نہ بگاڑے۔

(آسان حساب؛

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پہنچ کر لوگ دو گروہوں میں تقسیم ہو جائیں گے **فاما من اوتی کتبہ بیمینہ** جسے اپنا نامہ اعمال دائیں ہاتھ میں مل گیا اور ظاہر ہے کہ دائیں ہاتھ میں اعمالنامہ اسے ملے گا جس نے توحید، ایمان اور نیکی کا راستہ اختیار کیا اور سیدھی فطرت پر ترقی کرتا چلا گیا۔ سورۃ حاقہ میں بھی بیان آچکا ہے کہ جس کو دائیں ہاتھ میں اعمال نامہ ملے گا تو وہ خوشی سے دوسروں کو دکھائے گا کہ یہ دیکھو میرا اعمالنامہ پڑھ لو۔ یہاں فرمایا کہ جس کا اعمالنامہ اسے دائیں ہاتھ مل گیا **فسوف یحاسب حسابا یسیرا** عنقریب اس سے آسان حساب لیا جائے گا۔ ام المومنین حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا **من نوقش فی الحساب هلک** جس سے حساب میں مناقشہ کیا گیا وہ ہلاک ہو گیا۔ ام المومنین نے عرض کیا کہ حضور !حسابا یسیرا کیا ہے۔ تو حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کہ حساب کتاب کا اللہ کے حضور پیش ہو جانا ہی عرض ہے اور یہی حساب یسیر ہے۔ جس شخص سے پوچھ لیا گیا کہ تم نے یہ کام کیوں کیا وہ مناقشے میں آ گیا۔ ایسا شخص بچ نہیں سکے گا۔ آسان حساب یہ ہے کہ بس حساب پیش ہو گیا کچھ تعرض نہ فرمایا، جان بچ گئی۔

بعض اوقات حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نماز میں یہ دعا فرماتے (ب ۲ مسلم ص ۳۸۷ ج ۲، ترمذی ص ۴۸۱، بخاری ص ۹۶۷ تھے **اللھم حاسبنی حسابا یسیرا** آگے سورۃ غاشیہ میں آرہا ہے۔ آخر سورۃ میں جب آتا ہے " **ثم ان علینا حسابھم** " یعنی ان کا حساب لینا ہمارے ذمہ ہے تو حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) یہی دعا فرماتے تھے۔ کہ اے اللہ آسان حساب لینا۔

جب اعمال نامہ دائیں ہاتھ میں مل گیا تو پھر **وینقلب الی اھلہ مسرورا** وہ اپنے گھر کی طرف خوش خوش لوٹے گا۔ اس کا گھر تو وہاں جنت ہوگا۔ وہاں سے پلٹ کر وہ جنت میں چلا جائے گا کیونکہ اس نے صحیح فطری ترقی اختیار کی۔ اسے محاسبے میں بھی آسانی پیدا ہو گئی۔ جنت کا ویزا مل گیا۔ دائیں ہاتھ میں اعمالنامہ ملنے کا یہی مطلب تھا۔

(پس پشت اعمالنامے ملنے والا گروہ؛

اس کے بعد دوسرے گروہ کا ذکر فرمایا **واما من اوتی کتبہ وراء ظھرہ** جسے اس کا اعمالنامہ پشت کے پیچھے سے دیا گیا سامنے سے نہیں دیا گیا بلکہ ذلت و رسوائی کے لیے پیٹھ کے پیچھے سے دیا گیا **فسوف یدعوا ثبورا** پس وہ پکارے گا ہلاکت کو وہ کہے گا۔ کاش موت ہی آجائے جو بالکل فنا کر دے اور اس محاسبے سے بچ جائے۔ دوسری جگہ فرمایا کہ ایک ہلاکت کو نہ پکارو

تمہارے لیے بہت سی بلاکتیں ہیں۔ ویصلی سعیرا ایسا شخص جہنم میں داخل ہوگا۔ سعیر کا معنی بھڑکتی ہوئی آگ۔ اور یہ اس وجہ سے کہ انہ کان فی اھلہ مسرورا وہ دنیا کی زندگی میں اپنے گھر میں خوش تھا۔ خواہشات لذات اور برائیوں میں مگن تھا۔ اسے آخرت کی کوئی فکر نہ تھی۔ اس نے اس منزل کے لیے کوئی سامان پیدا نہ کیا۔ فطری ترقی کے لیے کوئی مشقت برداشت نہ کی۔ فطرت کو بگاڑ کر فطری ترقی سے محروم رہا اور آج یہ حال ہوا کہ نامہ اعمال پشت کے پیچھے سے ملا۔

دنیا میں وہ یہی خیال کرتا تھا۔ انہ ظن ان لن یحور کہ وہ رب کے سامنے پلٹ کر نہیں جائے گا۔ وہ فاسد العقیدہ تھا۔ اس کی سوچ درست نہیں تھی اسے اپنے رب کے ہاں حاضری کا یقین نہیں تھا۔ نہ وہ قیامت پر ایمان رکھتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا بلی کیوں نہیں۔ اسے اللہ کے سامنے ضرور پیش ہونا ہے۔ قیامت برحق ہے۔ محاسبہ کا عمل یقینی ہے۔ یہ سب کچھ ہوگا۔ ان ربہ کان بہ بصیرا دنیا میں اللہ تعالیٰ اسے دیکھنے والا ہے۔ انسان کے ہر عمل پر اس کی نگاہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اس پر نگران ہے ایک دن ضرور اس کی پکڑ میں آئے گا۔

ترکیب نحوی وتحقیق صرفی:

یَاَیُّہَا الْاِنْسَانُ (یَا۔ اَیُّہَا۔ اَلْاِنْسَانُ) یَا، حرف ندا، اے، اَیُّھَا، جب منادی مذکر پر، اَلْ، داخل ہو تو، یَا، کے ساتھ اَیُّہَا لگا دیتے ہیں، اَلْاِنْسَانُ، منادی، انسان (اے انسان) اِنَّکَ (اِنَّ۔ کَ) اِنَّ، حرف مشبہ بالفعل، بے شک، کَ، ضمیر واحد مذکر حاضر، تو (بے شک تو) کَادِحٌ۔ کَدْحًا، مصدر سے اسم فاعل واحد مذکر (کوشش کرنے والا، مشقت کرنے والا، محنت کرنے والا) اِلٰی رَبِّکَ (اِلٰی۔ رَبِّ۔ کَ) اِلٰی، حرف جار، کی طرف، رَبِّ، مجرور، مضاف، رب، پروردگار، کَ، مضاف الیہ، ضمیر واحد مذکر حاضر، اپنے (اپنے رب کی طرف) کَدْحًا، مصدر اسم (خوب محنت، سخت کوشش) فَمُلٰقِیْہِ (فَ۔ مُلَاقِیْ۔ ہِ) فَ، حرف عطف، پھر، مُلَاقِیْ، مضاف، مُلَاقَاۃٌ، مصدر سے اسم فاعل واحد مذکر، ملاقات کرنے والا، ملنے والا، ہِ، مضاف الیہ، ضمیر واحد مذکر غائب، اس سے (پھر اس سے ملنے والا) فَاَمَّا (فَ۔ اَمَّا) فَ، حرف عطف، پھر، اَمَّا، حرف شرط وتفصیل، لیکن، رہا وہ (پھر رہا وہ) مَنْ، شرطیہ (جسے) اُوْتِیَ، فعل ماضی مجہول واحد مذکر غائب اُتِیَ یُؤْتٰی، مصدر اِیْتَاءٌ، دینا (وہ دیا جائے گا) کِتٰبَہٗ (کِتٰبَ۔ ہٗ) کِتٰبَ، مضاف، کتاب، اعمال نامہ، ہٗ، مضاف الیہ، ضمیر واحد مذکر غائب، اس کا (اس کا اعمال نامہ) بِیَمِیْنِہٖ (بِ۔ یَمِیْنِ۔ ہٖ) بِ، حرف جار، بمعنی فِیْ، میں، یَمِیْنِ، مجرور، مضاف، دائیں ہاتھ، ہٖ، مضاف الیہ، ضمیر واحد مذکر غائب، اس کے (اس کے دائیں ہاتھ میں) فَسَوْفَ (فَ۔ سَوْفَ) فَ، حرف عطف، جواب شرط، تو، سَوْفَ، حرف استقبال، جلد ہی (تو جلد ہی) یُحَاسَبُ، فعل مضارع مجہول واحد مذکر غائب حَاسَبَ یُحَاسِبُ، مصدر مُحَاسَبَۃٌ، محاسبہ کرنا، حساب لینا (اس کا حساب لیا جائے گا) حِسَابًا یَّسِیْرًا۔ حِسَابًا، موصوف، اسم مصدر، حساب، یَّسِیْرًا، صفت، یُسْرًا، مصدر سے صفت مشبہ، نہایت آسان (نہایت آسان حساب) وَ، حرف عطف (اور) یَنْقَلِبُ، فعل مضارع واحد مذکر غائب اِنْقَلَبَ یَنْقَلِبُ، مصدر اِنْقِلَابًا، پلٹنا، لوٹنا، (وہ لوٹے گا) اِلٰی اَہْلِہٖ (اِلٰی۔ اَہْلِ۔ ہٖ) اِلٰی، حرف جار، کی طرف، اَہْلِ، مجرور، مضاف، گھر والے، اہل، ہٖ، مضاف الیہ، ضمیر واحد مذکر غائب، اپنے (اپنے گھر والوں کی طرف) مَسْرُوْرًا۔ سُرُوْرًا، مصدر سے اسم مفعول واحد مذکر (خوش کیا ہوا، خوش خوش) وَ، حرف عطف (اور) اَمَّا، حرف شرط وتفصیل (لیکن، رہا وہ) مَنْ، شرطیہ (جسے) اُوْتِیَ، فعل ماضی مجہول واحد مذکر غائب اُتِیَ یُؤْتٰی، مصدر اِیْتَاءٌ، دینا (وہ دیا جائے گا) کِتٰبَہٗ (کِتٰبَ۔ ہٗ) کِتٰبَ، مضاف، کتاب، اعمال نامہ، ہٗ، مضاف الیہ، ضمیر واحد مذکر غائب، اس کا (اس کا اعمال نامہ) وَرَآءَ، مصدر رہے، آگے اور پیچھے دونوں معنی میں استعمال ہوتا ہے، یہاں معنی (پیچھے) ہے۔ ظَہْرِہٖ (ظَہْرِ۔ ہٖ) ظَہْرِ، مضاف، پشت، پیٹھ، جمع، ظُہُوْرٌ، ہٖ، مضاف الیہ، ضمیر واحد مذکر غائب، اس کی، (اس کی پیٹھ)، برے آدمی کا اعمال نامہ لیتے وقت بایاں ہاتھ اس کی پیٹھ پر ہوگا۔ فَسَوْفَ (فَ۔ سَوْفَ) فَ، حرف عطف،

تو، سَوۡفَ، حرف استقبال، مضارع کو مستقبل کیلئے مختص کرتا ہے، عنقریب (تو عنقریب) یَدۡعُوۡا، فعل مضارع واحد مذکر غائب دَعَا یَدۡعُوۡا، مصدر دُعَآءٌ وَدَعۡوَۃٌ، پکارنا (وہ پکارے گا) ثُبُوۡرًا۔ ثَبَرَ یَثۡبُرُ، کا مصدر (ہلاک ہونا، مرجانا، موت، ہلاکت) وَ، حرف عطف (اور) یَصۡلٰی، فعل مضارع واحد مذکر غائب صَلِیَ یَصۡلٰی، مصدر صَلۡیٌ، داخل ہونا (وہ داخل ہوگا) سَعِیۡرًا۔ سَعۡرٌ، مصدر سے اسم مفعول (بھڑکتی ہوئی آگ) اِنَّہٗ (اِنَّ۔ہٗ) اِنَّ، حرف مشبہ بالفعل، بے شک، ہٗ، ضمیر واحد مذکر غائب، وہ (بے شک وہ) کَانَ، فعل ناقص ماضی واحد مذکر غائب کَانَ یَکُوۡنُ، مصدر کَوۡنًا، ہونا (وہ تھا) فِیۡ اَہۡلِہٖ (فِیۡ اَہۡلِہٖ) فِیۡ، حرف جار، میں، اَہۡلِ، مجرور، مضاف، گھر والے، اہل، ہٖ، مضاف الیہ، ضمیر واحد مذکر غائب، اپنے (اپنے گھر والوں میں) مَسۡرُوۡرًا۔ سُرُوۡرًا، مصدر سے اسم مفعول واحد مذکر (خوش کیا ہوا، خوش خوش، ہنسی خوشی) اِنَّہٗ (اِنَّ۔ہٗ) اِنَّ، حرف مشبہ بالفعل، بے شک، ہٗ، ضمیر واحد مذکر غائب، اس، وہ (بے شک اس) ظَنَّ، فعل ماضی واحد مذکر غائب ظَنَّ یَظُنُّ، مصدر ظَنًّا، گمان کرنا، سمجھنا (اس نے سمجھ رکھا تھا) اَنۡ، مصدریہ (کہ) لَّنۡ یَّحُوۡرَ، فعل مضارع منصوب منفی موکد بلن ناصبہ واحد مذکر غائب حَارَ یَحُوۡرُ، مصدر حَوۡرًا، واپس ہونا، پلٹنا، لوٹنا (وہ ہرگز نہیں لوٹے گا) بَلٰی، حرف جواب (کیوں نہیں) اِنَّ، حرف مشبہ بالفعل (بے شک، یقیناً) رَبَّہٗ (رَبَّ۔ہٗ) رَبَّ، مضاف، رب، ہٗ، مضاف الیہ، ضمیر واحد مذکر غائب، اس کا (اس کا رب) کَانَ، فعل ناقص ماضی واحد مذکر غائب کَانَ یَکُوۡنُ، مصدر کَوۡنًا، ہونا (وہ ہے) بِہٖ (بِ۔ہٖ) بِ، حرف جار، کو، ہٖ، مجرور، ضمیر واحد مذکر غائب، اس (اس کو) بَصِیۡرًا، اللہ کا صفاتی نام، بَصَارَۃٌ، مصدر سے صفت مشبہ (خوب دیکھنے والا)

آیت ۱۶ تا ۲۵

فَلَاۤ اُقۡسِمُ بِالشَّفَقِ ﴿۱۶﴾ وَالَّیۡلِ وَمَا وَسَقَ ﴿۱۷﴾ وَالۡقَمَرِ اِذَا اتَّسَقَ ﴿۱۸﴾ لَتَرۡکَبُنَّ طَبَقًا عَنۡ طَبَقٍ ﴿۱۹﴾ فَمَا لَہُمۡ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۲۰﴾ وَاِذَا قُرِئَ عَلَیۡہِمُ الۡقُرۡاٰنُ لَا یَسۡجُدُوۡنَ ﴿۲۱﴾ بَلِ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا یُکَذِّبُوۡنَ ﴿۲۲﴾ وَاللّٰہُ اَعۡلَمُ بِمَا یُوۡعُوۡنَ ﴿۲۳﴾ فَبَشِّرۡہُمۡ بِعَذَابٍ اَلِیۡمٍ ﴿۲۴﴾ اِلَّا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَہُمۡ اَجۡرٌ غَیۡرُ مَمۡنُوۡنٍ ﴿۲۵﴾

ترجمہ:۔

پس میں شفق (شام کی سرخی) کی قسم کھاتا ہوں (۱۶) اور رات کی، اور ان چیزوں کی جنہیں وہ سمیٹ لیتی ہے (۱۷) اور چاند کی، جب وہ پورا ہوتا ہے! (۱۸) یقیناً تم ایک حالت سے دوسری حالت میں پہنچو گے (۱۹) انہیں کیا ہو گیا ہے کہ ایمان نہیں لاتے۔ (۲۰) اور جب ان کے پاس قرآن پڑھا جاتا ہے تو سجدہ نہیں کرتے (۲۱) بلکہ وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا جھٹلاتے ہیں۔ (۲۲) اور اللہ زیادہ جاننے والا ہے جو کچھ وہ (دلوں میں) جمع کر رہے ہیں۔ (۲۳) پس انہیں دردناک عذاب کی بشارت دے دیجیے (۲۴) مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے، ان کے لیے نہ ختم ہونے والا اجر ہے۔ (۲۵)

تفسیر:۔

فرمایا: پس میں شفق (شام کی سرخی) کی قسم کھاتا ہوں

"شفق" کا معنی:

الانشقاق ۱۶ : میں "شفق" کا لفظ ہے۔ "شفق" کے معنی میں اختلاف ہے، فقہاء شافعیہ کے نزدیک غروب

آفتاب کے بعد جو سرخی آسمان کے کناروں میں دکھائی دیتی ہے وہ شفق ہے اور فقہاء احناف کے نزدیک اس سرخی کے غائب ہونے کے بعد جو سفیدی دکھائی دیتی ہے وہ شفق ہے۔

محمد بن محمود باترتی متوفی ۷۸٦ھ لکھتے ہیں:

شفق کے مصداق میں علماء کا اختلاف ہے، امام ابوحنیفہ نے فرمایا : شفق آسمان کے کناروں میں وہ سفیدی ہے جو سرخی کے بعد ظاہر ہوتی ہے، حضرت ابوبکر، حضرت معاذ، حضرت انس اور حضرت ابن الزبیر (رض) کا بھی یہی قول ہے، اور امام ابو یوسف اور امام محمد نے کہا کہ شفق سرخی ہے، اور امام ابوحنیفہ سے بھی ایک روایت یہی ہے، یہ حضرت ابن عمر، حضرت شداد بن اوس اور حضرت عبادہ بن الصامت (رض) کا قول ہے اور امام شافعی (رض) نے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ شفق سرخی ہے۔ (مؤطا امام مالک ج۱ ص ۳۹، سنن دارقطنی ج۱ ص ۳٦۹) اور امام ابوحنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ حضرت ابوہریرہ (رض) بیان کرتے ہیں کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا : مغرب کا آخری وقت وہ ہے جب آسمان کے کناروں میں سیاہی پھیل جائے۔ (سنن ابوداؤد ج۱ ص ۵۷، اسلام آباد)

اور آسمان کے کناروں میں سیاہی اسی وقت پھیلتی ہے جب سفیدی زائل ہوجائے اور امام شافعی نے جو حدیث روایت کی ہے کہ شفق سرخی ہے، وہ دراصل حدیث موقوف ہے۔ (عنایہ مع فتح القدیر ۱ ص ۲۲٤۔ ۲۲۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

فرمایا : اور رات کی اور جن چیزوں کو وہ سمیٹ لے۔

"وسق" اور "اتسق" کا معنی:

اس آیت میں "وسق" کا لفظ ہے، اس کا معنی ہے : جمع کرنا، اسی اعتبار سے فقہاء غلہ کے اس پیمانے کو وسق کہتے ہیں جس میں ساٹھ صاع طعام (غلہ یا اناج) جمع کیا جاسکے (ایک صاع چار کلوگرام کا ہوتا ہے) اور "وما وسق" سے وہ تمام چیزیں مراد ہیں جن کو رات جمع کرلیتی ہے، جیسے چاند اور ستارے، اور انسانوں، حیوانوں اور حشرات الارض کی حرکات، کام کاج اور انتشار سے سکون کی طرف رجوع کرنا۔

سعید بن جبیر نے کہا : اس سے مراد ہے : رات میں انسان جو کام کرتے ہیں، قفال نے کہا : ہوسکتا ہے کہ اس سے مراد بندوں کا تہجد پڑھنا ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان مسلمان بندوں کی تحسین فرمائی ہے جو سحری کے وقت اٹھ کر استغفار کرتے ہیں۔

فرمایا : اور چاند کی جب وہ پورا ہوجائے۔

اس آیت میں "اتسق" کا لفظ ہے، اس کا معنی ہے : کسی چیز کا تام اور مکمل ہونا، اس کے اجزاء کا مجتمع ہونا، حضرت ابن عباس (رض) نے کہا : اس کا معنی ہے : جب چاند مستوی ہوجائے، قتادہ نے کہا : اس کا معنی ہے : جب چاند گول ہوجائے۔

فرمایا : تم ضرور درجہ بہ درجہ چڑھو گے۔

ایک طبقہ سے دوسرے طبقہ میں سوار ہونے کے متعلق احادیث اور اقوال مفسرین؛

حضرت ابوسعید (رض) بیان کرتے ہیں کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: تم ضرور اپنے سے پہلے لوگوں کے طریقہ کی اتباع کرو گے، بالشت بہ بالشت اور ہاتھ بہ ہاتھ، حتیٰ کہ اگر پہلے لوگ گوہ کے سوراخ میں داخل ہوئے تھے تو تم بھی داخل ہو گئے، ہم نے پوچھا: یارسول اللہ! یہود و نصاریٰ کے طریقہ پر؟ آپ نے فرمایا: اور کس کے!

(صحیح البخاری رقم الحدیث ٣٤٥٦ : ،صحیح مسلم رقم الحدیث ٤١٢٩ :)

حضرت عبداللہ عمرو (رض) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: میری امت پر وہ احوال اور افعال ضرور طاری ہوں گے جو بنی اسرائیل پر طاری ہوئے تھے، برابر سرابر، حتیٰ کہ ان میں سے اگر کسی نے اپنی ماں کے ساتھ برسرعام بدکاری کی تو میری امت میں بھی کچھ لوگ ایسا کریں گے۔ الحدیث (سنن ترمذی رقم الحدیث ٦٤١ :، المستدرک ج١ص ١٢٩)

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ٩١١ ھ لکھتے ہیں:

امام ابن ابی حاتم اور امام ابن المنذر نے " لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ ۔ " (الانشقاق :١٩) کی تفسیر میں مکحول سے روایت کیا ہے کہ ہر بیس سال بعد تم میں وہ کیفیات ہوں گی جو تم میں پہلے نہیں تھیں۔

امام عبد بن حمید نے قتادہ سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ لوگوں کے احوال بدلتے رہیں گے، وہ پہلے تنگ دست ہوں گے پھر خوش حال ہو جائیں گے اور پہلے خوش حال ہوں گے پھر تنگ دست ہو جائیں گے۔

امام ابن المنذر نے سعید بن جبیر سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ جو لوگ دنیا میں گھٹیا اور پست سمجھے جاتے تھے، وہ آخرت میں معزز ہوں گے اور جو لوگ دنیا میں معزز تھے وہ آخرت میں حقیر ہوں گے۔

(الدرالمنثور ج ٨ ص ٤٢٢، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ١٤٢١ ھ)

فرمایا: تو ان کو کیا ہوا وہ کیوں ایمان نہیں لاتے؟۔

یہ کفار قیامت پر اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیے جانے پر ایمان کیوں نہیں لاتے حالانکہ اس پر حجت قائم ہو چکی ہے اور کفار کے شبہات زائل کیے جا چکے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قسم کھا کر بتایا ہے کہ افلاک اور عناصر میں تغیرات واقع ہو رہے ہیں، شفق کے ظہور سے پہلے دن کی روشنی ہوتی ہے اور اس کے بعد رات کا اندھیرا چھا جاتا ہے اور رات کی ظلمت سے پہلے دن کا نور ہوتا ہے اور چاند کی جسامت گھٹتی بڑھتی رہتی ہے اور جب اللہ تعالیٰ افلاک اور عناصر میں تغیر کرنے پر قادر ہے تو وہ تمام مخلوق میں تغیر کرنے پر قادر ہے تو وہ ضرور اس پر قادر ہے کہ قیامت قائم کر کے سب کو فنا کر دے اور پھر دوبارہ سب کو زندہ کر دے، پھر مشرکین اس پر کیوں ایمان نہیں لاتے!

فرمایا: اور جب ان کے سامنے قرآن مجید پڑھا جائے تو وہ سجدہ نہیں کرتے۔

اگر انسان بہ غور قرآن مجید کو سنے تو اس کو معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ کلام فصاحت و بلاغت میں حد اعجاز کو پہنچا ہوا ہے اور جب قرآن مجید معجز کلام ہے تو سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی نبوت کا صدق واجب ہے، لہٰذا آپ کے احکام کی اطاعت کرنا واجب ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کو بعید قرار دیا کہ کفار قرآن مجید کو سن کر سجدہ نہیں کرتے۔

امام رازی فرماتے ہیں کہ روایت ہے کہ ایک دن نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے یہ آیت پڑھی: "**وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ**۔" (**العلق** :١٩) سجدہ کرو اور اللہ کے قریب ہو، پھر آپ نے سجدہ کیا اور آپ کے ساتھ مؤمنین نے سجدہ کیا، اور کفار اپنے سروں کے اوپر تالیاں بجاتے رہے، تب یہ آیت نازل ہوئی کہ جب ان کے سامنے قرآن مجید پڑھا جائے تو یہ سجدہ نہیں کرتے۔ امام ابو حنیفہ (رح) نے اس آیت سے سجدہ تلاوت کے وجوب پر دو وجہ سے استدلال کیا ہے، اول اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے فعل کی اتباع کو واجب قرار دیا، فرمایا:

فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الَّذِيْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ (الاعراف :١٥٨)

پس اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول نبی امی پر جو کہ اللہ پر اور اس کے کلمات پر ایمان رکھتے ہیں اور ان کی اتباع کرو۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی مذمت کی ہے جو قرآن مجید سن کر سجدہ تلاوت ادا نہیں کرتے، اور جب کسی فعل کے ترک پر مذمت کی جائے تو اس فعل کا کرنا واجب ہوتا ہے۔

(تفسیر کبیر ج ١١ ص ١٠٤، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ١٤١٥ھ)

فرمایا : بلکہ کفار جھٹلا رہے ہیں۔

یعنی اللہ تعالیٰ کی توحید اور سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی نبوت پر ایمان لانے کے دلائل بالکل واضح ہیں لیکن کفار اپنے آباء واجداد کی اندھی تقلید کی وجہ سے اور ضد اور عناد کی وجہ سے ان دلائل کو جھٹلا رہے ہیں۔

فرمایا : اور اللہ خوب جاننے والا ہے جس کو یہ اپنے دلوں میں رکھے ہوئے ہیں۔

اس آیت میں "یوعون" کا لفظ ہے، اس کا مصدر "الوعاء" ہے اس کا معنی ہے : کسی چیز کو جمع کر کے تھیلی میں رکھنا، قرآن مجید میں ہے:

وجمع فاوعی۔ (المعارج :١٨) اس نے جمع کیا اور سنبھال کر رکھا۔

انہوں نے اپنے دلوں میں جو شرک اور تکذیب کو جمع کر کے رکھا ہوا ہے، اللہ کو اس کا خوب علم ہے اور وہ ان کو اس کی دنیا میں آخرت میں سزا دینے والا ہے۔

فرمایا : سو آپ ان کو دردناک عذاب کی بشارت سنا دیجئے۔

یعنی یہ کفار اپنے شرک اور تکذیب کی وجہ سے اس بشارت کے مستحق ہیں۔

فرمایا : سو ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور انھوں نے نیک اعمال کیے، ان کے لیے کبھی ختم نہ ہونے والا اجر ہے۔

اس کا معنی یہ ہے کہ ان کفار میں سے جنہوں نے توبہ کرلی اور ایمان لائے اور نیک عمل کیے، ان کو عظیم ثواب ہوگا۔

اس آیت میں "غیر ممنون" کا لفظ ہے، اس کا معنی یہ ہے کہ ان کو جو ثواب ملے گا اس پر نہ کوئی احسان رکھا جائے گا اور نہ طعنہ دے کر ان کو اذیت پہنچائی جائے گی، اس کا دوسرا معنی یہ ہے کہ وہ ثواب نہ کبھی ختم ہوگا نہ کبھی کم ہوگا اور یہ عبادات ترغیب میں بہت عظیم بشارت ہے، جیسا کہ اس سے پہلی آیتوں میں کفر اور معصیت سے بہت زیادہ زجر وتوبیخ کی گئی ہے۔

ترکیب نحوی وتحقیق صرفی:۔

فَلَآ اُقْسِمُ (فَ۔ لَا۔ اُقْسِمُ) فَ، حرف عطف، پس، لَا، تاکید قسم، کیلئے، نہیں، اُقْسِمُ، فعل مضارع واحد متکلم اَقْسَمَ یُقْسِمُ، مصدر اِقْسَامٌ، قسم کھانا، میں قسم کھاتا ہوں (پس نہیں۔ میں قسم کھاتا ہوں) بِالشَّفَقِ (بِ۔ اَلشَّفَقِ) بِ، حرف جار، کی، اَلشَّفَقِ، مجرور، سورج غروب ہونے کے بعد مغرب میں جو سرخی دکھائی دیتی ہے اسے، شَفَقٌ، کہتے ہیں، شَفَق (شفق کی) وَالَّيْلِ (وَ۔ اَلَّيْلِ) وَ، حرف عطف، حرف جار قسمیہ، قسم کیلئے، اور، اَلَّيْلِ، مجرور، مقسم بہ، رات (اور رات کی (قسم)) وَ، حرف عطف (اور) مَا، اسم موصول (جو) وَسَقَ، فعل ماضی واحد مذکر غائب وَسَقَ يَسِقُ، مصدر وَسْقًا، جمع کرنا، اکٹھا کرنا، سمیٹنا، ترجمہ بمعنی مضارع میں (وہ سمیٹ لیتی ہے) وَالَّيْلِ وَمَا وَسَقَ، اس کا عطف، اَلشَّفَقِ، پر ہے۔ وَالْقَمَرِ (وَ۔ اَلْقَمَرِ) وَ، حرف عطف، حرف جار قسمیہ، قسم کیلئے، اور، اَلْقَمَرِ، مقسم بہ، چاند (اور چاند کی (قسم)) اِذَا، ظرف زمان، مستقبل پر دلالت کرتا ہے بمعنی شرط (جب) اِتَّسَقَ، فعل ماضی واحد مذکر غائب اِتَّسَقَ يَتَّسِقُ، مصدر اِتِّسَاقٌ، پورا ہونا، مکمل ہونا، اِذَا، کی وجہ سے ترجمہ (وہ پورا ہوتا ہے) وَالْقَمَرِ اِذَا اتَّسَقَ، کا عطف بھی، اَلشَّفَقِ، پر ہے۔ لَتَرْكَبُنَّ (لَ۔ تَرْكَبُنَّ) لَ، لام تاکید، بلاشبہ، تَرْكَبُنَّ، فعل مضارع موکد بانون تاکید ثقیلہ جمع مذکر حاضر رَكِبَ يَرْكَبُ، مصدر رُكُوْبًا، سوار ہونا، چڑھنا (بلاشبہ تم یقیناً چڑھتے جاؤگے) طَبَقًا (طبقہ، درجہ، ایک حالت) عَنْ طَبَقٍ۔ عَنْ، حرف جار، بمعنی، بَاء، کو، طَبَقٍ، مجرور (دوسری) حالت ((دوسری) حالت کو) فَمَا (فَ۔ مَا) فَ، حرف عطف، تو، مَا، استفہامیہ، کیا (تو کیا) لَهُمْ (لَ۔ هُمْ) لَ، حرف جار، کو، هُمْ، مجرور، ضمیر جمع مذکر غائب، ان (ان کو) لَا يُؤْمِنُوْنَ، فعل مضارع منفی جمع مذکر غائب اٰمَنَ يُؤْمِنُ، مصدر اِيْمَانًا، ایمان لانا (وہ ایمان نہیں لاتے) اور جب ان پر قرآن پڑھا جاتا ہے (تو) وہ سجدہ نہیں کرتے۔ وَ، حرف عطف (اور) اِذَا، ظرف زمان، مستقبل پر دلالت کرتا ہے، بمعنی شرط (جب) قُرِئَ، فعل ماضی مجہول واحد مذکر غائب قَرَاَ يَقْرَاُ (يَقْرَءُ)، مصدر قِرَاءَةٌ، تلاوت کرنا، پڑھنا (وہ پڑھا جاتا ہے) عَلَيْهِمُ (عَلٰى۔ هِمْ) عَلٰى، حرف جار، پر، هِمْ، مجرور، ضمیر جمع مذکر غائب، ان (ان پر) اَلْقُرْاٰنُ (قرآن) لَا يَسْجُدُوْنَ، فعل مضارع منفی جمع مذکر غائب سَجَدَ يَسْجُدُ، مصدر سُجُوْدًا، سجدہ کرنا (وہ سجدہ نہیں کرتے) بَلْ، حرف اضراب (بلکہ) اَلَّذِيْنَ، اسم موصول جمع مذکر (وہ لوگ جنہوں نے) كَفَرُوْا، فعل ماضی جمع مذکر غائب كَفَرَ يَكْفُرُ، مصدر كُفْرًا، کفر کرنا (انہوں نے کفر کیا) يُكَذِّبُوْنَ، فعل مضارع جمع مذکر غائب كَذَّبَ يُكَذِّبُ، مصدر تَكْذِيْبٌ، جھٹلانا (وہ جھٹلاتے ہیں) وَ، حرف عطف (اور) اللّٰهُ، خالق کائنات کا ذاتی نام (اللہ) اَعْلَمُ۔ عِلْمٌ، مصدر سے افعل التفضیل کا صیغہ (زیادہ جاننے والا) بِمَا (بِ۔ مَا) بِ، حرف جار، کو، مَا، مجرور، اسم موصول، جو (اس کو جو) يُوْعُوْنَ، فعل مضارع جمع مذکر غائب اَوْعٰى يُوْعِىْ، مصدر اِيْعَاءٌ، جمع کرنا (نامہ اعمال میں) جمع کرنا، پوشیدہ رکھنا (دلوں میں) (وہ (نامہ اعمال میں) جمع کرتے ہیں) فَبَشِّرْهُمْ (فَ۔ بَشِّرْ۔ هُمْ) فَ، حرف عطف، پس، بَشِّرْ، فعل امر واحد مذکر حاضر بَشَّرَ يُبَشِّرُ، مصدر تَبْشِيْرًا، خوشخبری سنانا، آپ خوشخبری سنادیں، هُمْ، ضمیر جمع مذکر غائب، انہیں (پس آپ انہیں خوشخبری سنادیں) بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ (بِ، عَذَابٍ، اَلِيْمٍ) بِ، حرف جار، کی، عَذَابٍ، مجرور، موصوف، عذاب، اَلِيْمٍ، صفت، اَلَمٌ، مصدر سے بمعنی فاعل صفت مشبہ، دکھ دینے والا، دردناک (دردناک عذاب کی) اِلَّا، حرف استثنا (مگر، سوائے) اَلَّذِيْنَ، اسم موصول جمع مذکر (وہ لوگ جو) اٰمَنُوْا، فعل ماضی جمع مذکر غائب اٰمَنَ يُؤْمِنُ، مصدر اِيْمَانًا، ایمان لانا (وہ ایمان لائے) وَ، حرف عطف (اور) عَمِلُوْا، فعل ماضی جمع مذکر غائب عَمِلَ يَعْمَلُ، مصدر عَمَلًا، عمل کرنا (انہوں نے عمل کیے) اَلصّٰلِحٰتِ۔ صَالِحٌ، مصدر سے اسم فاعل جمع مؤنث (نیک کام، اچھے کام، نیکیاں) واحد،

الصَّالِحٰتِ، لَهُمْ (لَ۔ ھُمْ) لَ، حرف جار، کیلئے، ھُمْ، مجرور، ضمیر جمع مذکر غائب، ان (ان کیلئے) اَجْرٌ (صلہ، جزا، بدلہ، اجر) غَيْرُ مَمْنُوْنٍ۔ اَجْرٌ، کی صفت ہے، غَيْرُ، نہ، غیر، مَمْنُوْنٍ۔ مَنٌّ، مصدر سے اسم مفعول واحد مذکر، کم کیا ہوا، قطع کیا ہوا، منقطع، ختم ہونے والا (نہ ختم ہونے والا)

(الحمدللہ سورہ انشقاق مکمل ہوگئی)

[سورۃ البروج]

آیت ا تا ۳

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالسَّمَاۗءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ (۱) وَالْيَوْمِ الْمَوْعُوْدِ (۲) وَشَاهِدٍ وَّمَشْهُوْدٍ (۳)

ترجمہ:۔

قسم ہے برجوں والے آسمان کی! (۱) اور اس دن کی جس کا وعدہ کیا گیا ہے (۲) اور حاضر ہونے والے کی اور جس کے پاس حاضر ہوا جائے! (۳)

کوائف:

اس سورت کا نام سورۃ البروج ہے۔ اس کی پہلی آیت کریمہ میں بروج کا لفظ موجود ہے۔ یہ سورت مکہ مکرمہ نازل ہوئی۔ چھبیس سورتیں اس سے پہلے نازل ہو چکی تھیں۔ اس کا ستائیسواں نمبر ہے۔ اس کا ایک رکوع اور بائیس آیات ہیں۔

ماقبل سے ربط:

اس سورت میں بھی دیگر مکی سورتوں کی طرح عقیدہ توحید کی اساس اور اس کے دلائل کا ذکر ہے اور یہ کہ یہی عقیدہ اسلام کی روح ہے، اور عقیدہ کی عظمت اس امر کی متقاضی ہے کہ اس کی حفاظت کے لیے کسی بھی قربانی سے دریغ نہ کیا جائے۔

سورت کی ابتداء حق تعالیٰ شانہ کی کمال خالقیت اور عظمت سے کی گئی، برجوں اور ستاروں والے آسمان کی قسم کھا کر انسانوں کے اذھان اس بات کی طرف متوجہ کئے گئے کہ وہ نظام عالم اور اس کے مرار و معیار کو دیکھیں اور پھر سمجھیں کہ جس قدرت کے ہاتھوں میں یہ سارا نظام فلکی قائم اور جاری ہے وہی قدرت جب چاہے اس کو فنا اور درہم برہم کرنے پر بھی قادر ہے، لہٰذا اہر صاحب نظر اور عقل انسان کو قیامت پر ایمان لانا چاہئے اور توحید خداوندی پر ایمان لانا چاہیے۔

تفسیر:۔

فرمایا: برجوں والے آسمان کی قسم۔اور اس دن کی جس کا وعدہ کیا ہوا ہے۔اور حاضر کی اور جس کو حاضر کیا جائے گا۔

"بروج" کا لغوی اور اصطلاحی معنی:

"بروج" "برج" کی جمع ہے۔اس کے معنی بلند عمارت اور محل ہیں۔گنبد اور ستارے کے مقام کو کہتے ہیں۔آسمان کا بارہواں حصہ جو رصد گاہوں سے دکھائی دیتا ہے،اس کو بروج کہتے ہیں۔علماء ہیئت کہتے ہیں کہ آسمان نو ہیں۔سات آسمانوں میں سے ہر آسمانوں میں ایک سیارہ ہے۔سات سیارگان یہ ہیں،قمر،زحل،عطارد،شمس،مشتری،مریخ اور زہرہ اور آٹھویں آسمان میں وہ ستارے ہیں جو ثابت ہیں (یعنی گردش نہیں کرتے) اور نویں آسمان کو وہ فلک اطلس کہتے ہیں،وہ سادہ ہے، اور آٹھویں آسمان میں ستاروں کے اجتماع سے جو مختلف شکلیں بنتی ہیں،وہ اس نویں آسمان میں نظر آتی ہیں جن کو رصد گاہوں میں دیکھا جاتا ہے۔کہیں یہ شکل شیر کی سی بنی جاتی ہے،اس کو برج اسد کہتے ہیں اور کہیں ترازو کی سی شکل بنتی ہے،اس کو برج میزان کہتے ہیں اور کہیں یہ شکل بچھو کی سی بنتی ہے،اس کو برج عقرب کہتے ہیں۔یہ کل بارہ برج ہیں،حمل،ثور،جوزا،سرطان، اسد،سنبلہ،میزان،عقرب،قوس،جدی،دلو اور حوت۔سورج ہر ماہ میں ایک برج کی مسافت کو طے کرتا ہے اور ایک سال میں بارہ بروج کی مسافت قطع کرتا ہے۔گرمی،سردی،بہار اور خزاں یہ چاروں موسم سورج کی اسی حرکت سے وجود میں آتے ہیں۔(روح المعانی جز ۱٤ ص ۳۳۔۳۲ ملخصاً و موضحاً)

ڈاکٹر وہبہ زحیلی لکھتے ہیں:

اہل عرب ستاروں اور بروج کے علم کو بہت عظیم علوم میں سے شمار کرتے تھے اور ان سے راستوں،اوقات اور ان سے خشک سالی اور فصل کی سرسبزی اور زرخیزی پر استدلال کرتے تھے۔مریخ کا برج الحمل اور العقرب ہے اور زہرہ کا برج الثور اور المیزان ہے اور عطارد کا برج الجوزاء اور السنبلہ ہے اور القمر کا برج السرطان ہے اور الشمس کا برج الاسد ہے اور مشتری کا برج القوس اور الحوت ہے اور زحل کا برج الجدی اور الدلو ہے۔(تفسیر منیر ج ١٤ ص ٢٠،مطبوعہ دار الفکر،بیروت،١٤١١ھ)

"بروج" کے مصادیق میں اقوال مفسرین:

امام ابو منصور محمد بن محمد ماتریدی سمرقندی حنفی متوفی ۳۳۳ھ لکھتے ہیں:

کسی عمارت کو مضبوط بنانے کے لیے اس کی ایک طرف پر جو گنبد بنایا جاتا ہے اس کو برج کہتے ہیں،اور بعض نے کہا: برج کا معنی محل ہے اور بعض نے کہا: برج کا معنی ستارے ہیں اور بعض نے کہا: یہ سورج،چاند اور ستاروں کی گزرگاہ ہیں اور ان کی منازل بروج ہیں۔(تاویلات اہل السنۃ ج ٥ ص ٤٢٤،مؤسسۃ الرسالہ،ناشرون،١٤٢٥ھ)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی شافعی متوفی ٦٠٦ھ لکھتے ہیں:

بروج کی تفسیر میں تین اقوال ہیں:

(١) یہ مشہور بارہ برج ہیں، ان کی قسم اس لیے کھائی ہے کہ ان میں بہت عجیب حکمت ہے کیونکہ ان بروج میں معارج حرکت اور دورہ کرتا ہے اور اس جہان کے فوائد سورج کے دورہ پر موقوف ہیں اور یہ اس کی دلیل ہے کہ ان بروج کا خالق زبردست حکیم ہے۔

(٢) بروج چاند کی منازل ہیں اور ان کی قسم اس لیے کھائی ہے کہ ان بروج میں چاند دورہ کرتا ہے اور چاند کی حرکت سے آثار عجیبہ وجود میں آتے ہیں۔

(٣) بروج سے مراد بڑے بڑے ستارے ہیں اور ان کو ان کے ظہور کی وجہ سے بروج فرمایا ہے کیونکہ بروج کا لغوی معنی ہے: ظہور۔ (تفسیر کبیر ج١١ ص١٠٦، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ١٤١٥ھ)

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ٦٦٨ھ لکھتے ہیں: بروج کے متعلق چار قول ہیں:

(١) الحسن، قتادہ، مجاہد اور ضحاک نے کہا: بروج سے مراد ستارے ہیں۔

(٢) حضرت ابن عباس (رض)، عکرمہ اور مجاہد نے کہا: بروح سے مراد محلات یا قلعے ہیں، عکرمہ نے کہا: یہ محل آسمان میں ہیں، مجاہد نے کہا: بروج محافظ ہیں۔

(٣) المنہال بن عمرو نے کہا: وہ کوئی خوب صورت مخلوق ہے۔

(٤) ابو عبیدہ اور یحییٰ بن سلام نے کہا: وہ منازل ہیں، اور یہ بارہ برج ہیں جو ستاروں، سورج اور چاند کی منازل ہیں۔ قمر ہر برج میں دو دن اور ایک تہائی دن چلتا رہتا ہے اور یہ اٹھائیس دن ہیں اور دو راتیں چھپا رہتا ہے اور سورج ہر برج میں ایک ماہ چلتا رہتا ہے، اور ان بارہ برجوں کے یہ اسماء ہیں: (١) الحمل (٢) الثور (٣) (٤) السرطان (٥) الاسد (٦) السنبلہ (٧) المیز ان (٨) العقرب (٩) القوس (١٠) الجدی (١١) الدلو (١٢) الحوت

کلام عرب میں "البروج" کا معنی ہے: "القصور" یعنی محلات یا قلعے

(الجامع الاحکام القرآن جز١٩ ص٢٤٤، دار الفکر، بیروت، ١٤١٥ھ)

فرمایا: اور اس دن کی (قسم) جس کا وعدہ کیا ہوا ہے۔

اس دن سے مراد قیامت کا دن ہے، آسمان والوں اور زمین والوں سے یہ وعدہ کیا ہوا ہے کہ قیامت کے دن ان سب کو جمع کیا جائے گا۔

فرمایا: اور حاضری (قسم) اور جس کو حاضر کیا جائے گا۔

شاهد اور مشهو کے مصداق؛

اس آیت میں "شاھد" کا لفظ ہے، جس کا معنی ہے: حاضر اور "مشھود" کا لفظ ہے، اس کا معنی ہے: جس کو حاضر کیا گیا ہو۔

"شاھد" اور "مشھود" کے مصداق میں اختلاف ہے، حضرت علی، حضرت ابن عباس، حضرت ابن عمر اور حضرت ابوہریرہ (رض) نے کہا: "شاھد" سے مراد جمعہ کا دن ہے اور "مشھود" سے مراد عرفہ کا دن ہے، حدیث میں ہے:

حضرت ابوہریرہ (رض) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: جس دن کا وعدہ کیا ہوا ہے وہ قیامت کا دن ہے اور "یوم مشھود" یوم عرفہ ہے اور "شاھد" یوم جمعہ ہے۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث ۳۳۳۹ :، المستدرک ج ۲ ص ۵۱۹)

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر دن اور ہر رات شاہد ہے۔

حضرت معقل بن یسار (رض) بیان کرتے ہیں کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: جو دن بھی بندے پر گزرتا ہے وہ اس سے ندا کر کے یہ کہتا ہے: اے ابن آدم! میں نو پیدا شدہ ہوں اور آج تم مجھ میں جو بھی عمل کرو گے میں اسی پر شہید (گواہ) ہوں، سو تم مجھ میں نیک کام کر و کل میں تمہارے حق میں گواہی دوں گا، سو اگر میں گزر گیا تو پھر تم مجھے کبھی نہیں دیکھو گے اور رات بھی آنے کے بعد اسی طرح ندا کرتی ہے۔ (حلیۃ الاولیاء ج ۲ ص ۳۰۳، ۱۴۰۷ ھ، کنز العمال رقم الحدیث: ۴۳۱۶۱)

حضرت ابن عباس (رض)، حسن بصری اور سعید بن جبیر کا قول ہے کہ "شاھد" سے مراد اللہ تعالیٰ ہے، جیسا کہ ان آیات سے ظاہر ہے:

و کفی باللہ شھیدا ۔ (النساء :۷۹) اور اللہ کافی شاہد (گواہ) ہے۔

قُلْ اَیُّ شَیْءٍ اَکْبَرُ شَهَادَةًط قُلِ اللّٰهُ شَهِیْدٌۢ بَیْنِیْ وَبَیْنَكُمْ قف (الانعام :۱۹)

آپ کہیے کہ سب سے بڑی شہادت کس کی ہے؟ آپ کہیے: میرے اور تمہارے درمیان اللہ شہید (گواہ) ہے۔

حضرت ابن عباس (رض) کا ایک اور قول یہ ہے کہ "شاھد" سے مراد سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہیں، جیسا کہ ان آیات سے ظاہر ہے:

فَكَیْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۭ بِشَهِیْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰی هٰۤؤُلَآءِ شَهِیْدًا ۔ (النساء :۴۱)

(اے رسول مکرم!) اس وقت آپ کی کیا شان ہو گی جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لائیں گے اور ہم آپ کو ان سب پر شہید (گواہ) بنائیں گے۔

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًا ۔ (الاحزاب :۴۵)

اے نبی! بیشک ہم نے آپ کو گواہ بنا کر بھیجا ہے اور ثواب کی بشارت دینے والا اور عذاب سے ڈرانے والا۔

وَیَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَیْكُمْ شَهِیْدًا ط (البقرہ :۱۴۳) اور رسول تم پر گواہ ہوں گے۔

ایک قول یہ ہے کہ انبیاء (علیہم السلام) اپنی امتوں پر شاہد ہوں گے، اور ان کی امت مشہود ہوگی:

فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ (النساء :41)

اس وقت آپ کی کیا شان ہوگی جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لائیں گے۔

ایک قول یہ ہے کہ انسان کے اعضاء اس کے اوپر شاہد ہیں:

يَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ أَلْسِنَتُهُمْ وَأَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ۔ (النور :24)

جس دن ان کے خلاف ان کی زبانیں اور ان کے ہاتھ اور ان کے پاؤں گواہی دیں گے کہ وہ کیا کرتے رہے تھے۔

انسان کا مال بھی اس کے خلاف شاہد ہوگا، جیسا کہ اس حدیث میں ہے:

حضرت ابوسعید (رض) بیان کرتے ہیں کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: یہ مال سرسبز اور میٹھا ہے اور وہ مسلمان کیسا اچھا ہے جو اس مال سے مسکین کو، یتیم کو اور مسافر کو دیتا ہے یا جس طرح رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: جو شخص اس مال کو ناحق طریقہ سے لیتا ہے وہ اس شخص کی مثل ہے جو کھاتا ہے اور سیر نہیں ہوتا اور وہ مال اس شخص کے خلاف گواہ ہوگا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث ١٤٦٥: ،صحیح مسلم رقم الحدیث: ١٠٥٢)

بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جمعہ کا دن مشہور ہے:

حضرت ابوالدرداء (رض) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: جمعہ کے دن مجھ پر بہ کثرت صلوٰۃ (دورد) پڑھا کرو کیونکہ یہ دن مشہور ہے، اس دن میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ١٦٣٧)

ایک قول یہ ہے کہ انبیاء (علیہم السلام) شاہد ہیں اور سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مشہور ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے عالم ارواح میں تمام انبیاء (علیہم السلام) سے فرمایا:

قَالَ فَاشْهَدُوا وَأَنَا مَعَكُمْ مِنَ الشَّاهِدِينَ۔ (آل عمران :81)

فرمایا: پس تم سب (محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی رسالت پر) گواہ ہو جاؤ اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں۔

ترکیب نحوی وتحقیق صرفی:

وَالسَّمَآءِ (وَ۔ اَلسَّمَآءِ) وَ، حرف جار و قسمیہ، قسم ہے، اَلسَّمَآءِ، مجرور، مقسم بہ، آسمان (قسم ہے آسمان کی) ذَاتِ الْبُرُوْجِ (ذَاتِ۔ اَلْبُرُوْجِ) ذَاتِ، مضاف، والا، اَلْبُرُوْجِ، مضاف الیہ، برجوں، واحد، بُرْجٌ (برجوں والے) ذَاتِ الْبُرُوْجِ، صفت ہے، اَلسَّمَآءِ، کی، وَالْيَوْمِ الْمَوْعُوْدِ (وَ، اَلْيَوْمِ، اَلْمَوْعُوْدِ) وَ، حرف جارو قسمیہ، اور (قسم) اَلْيَوْمِ، مجرور، مقسم بہ، موصوف، دن، اَلْمَوْعُوْدِ، صفت، وَعْدٌ، مصدر سے اسم مفعول واحد مذکر، وعدہ دیئے ہوئے (وعدہ دیئے ہوئے دن کی قسم) وَشَاهِدٍ (وَ۔ شَاهِدٍ) وَ، حرف عطف، حرف جار قسمیہ، اور، (قسم) شَاهِدٍ، مجرور، مقسم بہ، شَهَادَةٌ وَّشُهُوْدٌ، مصدر

سے اسم فاعل واحد مذکر (حاضر ہونے والے) وَّمَشْهُودٍ (وَ۔ مَشْهُودٍ) وَ، حرف عطف، حرف جار قسمیہ، اور (قسم)، مَشْهُودٍ، مجرور، مقسم بہ، شَهَادَةٌ وَّشُهُودٌ، مصدر سے اسم مفعول واحد مذکر۔

آیت ۴ تا ۱۱

قُتِلَ أَصْحَابُ الْأُخْدُودِ(۴) النَّارِ ذَاتِ الْوَقُودِ(۵) إِذْ هُمْ عَلَيْهَا قُعُودٌ(۶) وَهُمْ عَلَىٰ مَا يَفْعَلُونَ بِالْمُؤْمِنِينَ شُهُودٌ(۷) وَمَا نَقَمُوا مِنْهُمْ إِلَّا أَنْ يُؤْمِنُوا بِاللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَمِيدِ(۸) الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ(۹) إِنَّ الَّذِينَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَتُوبُوا فَلَهُمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ وَلَهُمْ عَذَابُ الْحَرِيقِ(۱۰) إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْكَبِيرُ(۱۱)

ترجمہ:

خندقوں والے ہلاک کئے گئے (۴) جن میں آگ تھی بہت ایندھن والی (۵) جبکہ وہ اس کے کنارے پر بیٹھے تھے (۶) اور ایمان والوں کے ساتھ جو کر رہے تھے اس کو اپنے سامنے دیکھ رہے تھے۔ (۷) اور انھوں نے ان سے اس کے سوا کسی چیز کا بدلہ نہیں لیا کہ وہ اس اللہ پر ایمان رکھتے ہیں جو سب پر غالب ہے، ہر تعریف کے لائق ہے۔ (۸) وہ کہ آسمانوں اور زمین کی بادشاہی صرف اس کی ہے اور اللہ ہر چیز پر گواہ ہے۔ (۹) یقیناً وہ لوگ جنھوں نے مومن مردوں اور مومن عورتوں کو آزمائش میں ڈالا، پھر انھوں نے توبہ نہیں کی تو ان کے لیے جہنم کا عذاب ہے اور ان کے لیے جلنے کا عذاب ہے۔ (۱۰) بلاشبہ وہ لوگ جو ایمان لائے اور انھوں نے نیک کام کیے ان کے لیے ایسے باغات ہیں جن کے نیچے سے نہریں بہ رہی ہیں، یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔ (۱۱)

تفسیر:۔

فرمایا؛ خندقوں والے ہلاک کئے گئے الخ؛

اصحاب الاخدود کا قصہ:

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں! یہ کفار کی ایک قوم تھی جنھوں نے ایمان داروں کو مغلوب کر کے انھیں دین سے ہٹانا چاہا اور ان کے انکار پر زمین میں گڑھے کھود کر ان میں لکڑیاں بھر کر آگ بھڑکائی پھر ان سے کہا کہ اب بھی دین سے پلٹ جاؤ لیکن ان لوگوں نے انکار کیا اور ان ناخدا ترس کفار نے ان مسلمانوں کو اس بھڑکتی ہوئی آگ میں ڈال دیا، اسی کو بیان کیا جاتا ہے کہ یہ لوگ ہلاک ہوئے یہ ایندھن بھری بھڑکتی ہوئی آگ کی خندقوں کے کناروں پر بیٹھے ان مومنوں کے جلنے کا تماشا دیکھ رہے تھے اور اس عداوت وعذاب کا سبب ان مومنوں کا کوئی قصور نہ تھا، انھیں تو صرف ان کی ایمان داری پر غضب وغصہ تھا دراصل غلبہ رکھنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے اس کی پناہ میں آجانے والا کبھی برباد نہیں ہوتا وہ اپنے تمام اقوال افعال شریعت اور تقدیر میں قابل تعریف ہے وہ اگر اپنے خاص بندوں کو کسی وقت کافروں کے ہاتھ سے تکلیف بھی پہنچا دے اور اس کا راز کسی کو معلوم نہ ہو سکے تو نہ ہو لیکن دراصل وہ مصلحت وحکمت کی بنا پر ہی ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کے پاکیزہ

اوصاف میں سے یہ بھی ہے کہ وہ زمینوں، آسمانوں اور کل مخلوقات کا مالک ہے، اور وہ ہر چیز پر حاضر ناظر ہے، کوئی چیز اس سے مخفی نہیں، حضرت علی (رض) فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ اہل فارس کا ہے ان کے بادشاہ نے یہ قانون جاری کرنا چاہا کہ محرمات ابدیہ یعنی ماں، بہن بیٹی وغیرہ سب حلال ہیں اس وقت کے علماء کرام نے اس کا انکار کیا اور روکا، اس پر اس نے خندقیں کھدوا کر اس میں آگ جلا کر ان حضرات کو اس میں ڈال دیا، چنانچہ یہ اہل فارس آج تک ان عورتوں کو حلال ہی جانتے ہیں یہ بھی مروی ہے کہ یہ لوگ یمنی تھے، مسلمانوں اور کافروں میں لڑائی ہوئی مسلمان غالب آگئے پھر دوسری لڑائی میں کافر غالب آگئے تو انھوں نے گڑھے کھدوا کر ایمان والوں کو جلا دیا، یہ بھی مروی ہے کہ یہ واقعہ اہل حبش کا ہے یہ بھی مروی ہے کہ یہ واقعہ بنی اسرائیل کا ہے انھوں نے دانیالؑ اور ان کے ساتھیوں کے ساتھ یہ سلوک کیا تھا اور اقوال بھی ہیں مسند احمد میں ہے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) فرماتے ہیں کہ اگلے زمانے میں ایک بادشاہ تھا اس کے ہاں ایک جادوگر تھا، جب جادوگر بوڑھا ہوگیا تو اس نے بادشاہ سے کہا کہ اب میں بوڑھا ہوگیا ہوں اور میری موت کا وقت آرہا ہے مجھے کوئی بچہ سونپ دو تو میں اسے جادو سکھادوں چنانچہ ایک ذہین لڑکے کو وہ تعلیم دینے لگا لڑکا اس کے پاس جاتا تو راستے میں ایک راہب کا گھر پڑتا جہاں وہ عبادت میں اور کبھی وعظ میں مشغول ہوتا یہ بھی کھڑا ہوجاتا اور اس کے طریق عبادت کو دیکھتا اور وعظ سنتا آتے جاتے یہاں رک جایا کرتا تھا، جادوگر بھی مارتا اور ماں باپ بھی کیونکہ وہاں بھی دیر میں پہنچتا اور یہاں بھی دیر میں آتا، ایک دن اس بچے نے راہب کے سامنے اپنی یہ شکایت بیان کی راہب نے کہا کہ جب جادوگر تجھ سے پوچھے کہ کیوں دیر لگ گئی تو کہہ دینا گھر والوں نے روک لیا تھا اور گھر والے پوچھیں تو کہہ دینا کہ آج جادوگر نے روک لیا تھا، یونہی ایک زمانہ گزر گیا کہ ایک طرف تو جادو سیکھتا تھا اور دوسری جانب کلام اللہ اور دین اللہ سیکھتا تھا ایک دن وہ دیکھتا ہے کہ راستے میں ایک زبردست ہیبت ناک جانور پڑا ہوا ہے، اس نے لوگوں کی آمد و رفت بند کر رکھی ہے ادھر والے ادھر اور ادھر والے ادھر نہیں آسکتے، اور سب لوگ ادھر ادھر حیران و پریشان کھڑے ہیں اس نے اپنے دل میں سوچا کہ آج موقعہ ہے کہ میں امتحان کرلوں کہ راہب کا دین اللہ کو پسند ہے یا جادوگر کا؟ اس نے ایک پتھر اٹھایا اور یہ کہہ کر اس پر پھینکا کہ اللہ اگر تیرے نزدیک راہب کا دین اور اس کی تعلیم جادوگر کے امر سے زیادہ محبوب ہے تو تو اس جانور کو اس پتھر سے ہلاک کردے تاکہ لوگوں کو اس بلا سے نجات ملے پتھر کے لگتے ہی وہ جانور مرگیا اور لوگوں کا آنا جانا شروع ہوگیا پھر جا کر راہب کو خبر دی اس نے کہا پیارے بچے تو مجھ سے افضل ہے اب اللہ کی طرف سے تیری آزمائش ہوگی اگر ایسا ہوا تو کسی کو میری خبر نہ کرنا، اب اس بچے کے پاس حاجت مند لوگوں کو تانتا لگ گیا اور اس کی دعا سے مادر زاد اندھے کوڑھی جذامی اور ہر قسم کے بیمار اچھے ہونے لگے، بادشاہ کے ایک نابینا وزیر کے کان مین بھی یہ آواز پڑی وہ بڑے تحائف لے کر حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ اگر تو مجھے شفاء دے دے تو یہ سب تجھے دے دوں گا اس نے کہا شفا میرے ہاتھ نہیں میں کسی کو شفا نہیں دے سکتا شفا دینے والا اللہ وحدہ لاشریک لہ ہے اگر تو اس پر ایمان لانے کا وعدہ کرے تو میں اس سے دعا کروں اس نے اقرار کیا بچے نے اس کے لیے دعا کی اللہ نے اسے شفاء دے

دی اور بادشاہ کے دربار میں آیا اور جس طرح اندھا ہونے سے پہلے کام کرتا تھا کرنے لگا، اور آنکھیں بالکل روشن تھیں بادشاہ نے متعجب ہو کر پوچھا کہ تجھے آنکھیں کس نے دیں؟ اس نے کہا میرے رب نے بادشاہ نے کہا ہاں یعنی میں نے، وزیر نے کہا نہیں نہیں، میرا اور تیرا رب اللہ ہے، بادشاہ نے کہا اچھا تو کیا میرے سوا تیرا کوئی اور بھی رب ہے وزیر نے کہا ہاں میرا اور تیرا رب اللہ عزوجل ہے۔ اب اس نے اسے مار پیٹ شروع کر دیا اور طرح طرح کی تکلیفیں اور ایذائیں پہنچانے لگا اور پوچھنے لگا کہ تجھے یہ تعلیم کس نے دی؟ آخر اس نے بتا دیا کہ اس بچے کے ہاتھ پر میں نے اسلام قبول کیا اور اس نے اسے بلوایا اور کہا اب تو تم جادو میں خوب کامل ہو گئے ہو کہ اندھوں کو دیکھتا اور بیماروں کو تندرست کرنے لگ گئے اس نے کہا غلط ہے نہ میں کسی کو شفا دے سکتا ہوں نہ جادو، شفا تو اللہ عزوجل کے ہاتھ میں ہے کہنے لگا ہاں یعنی میرے ہاتھ میں ہے، کیونکہ اللہ تو میں ہی ہوں اس نے کہا ہرگز نہیں، کہا پھر کیا تو میرے سوا کسی اور کو رب مانتا ہے؟ تو وہ کہنے لگا ہاں! میرا اور تیرا رب اللہ تعالیٰ ہے اس نے اب اسے بھی طرح طرح کی سزائیں دینی شروع کیں یہاں تک کہ راہب کا پتہ لگا لیا راہب کو بلا کر اس نے کہا کہ تو اسلام کو چھوڑ دے اور اس دین سے پلٹ جا، اس نے انکار کیا تو اس بادشاہ نے آرے سے اس کے چہرے کو چیر دیا اور ٹھیک دو ٹکڑے کر کے پھینک دیا پھر اس نوجوان سے کہا کہ تو بھی دین سے پھر جا مگر اس نے بھی انکار کر دیا تو بادشاہ نے حکم دیا کہ ہمارے سپاہی اسے فلاں فلاں پہاڑ پر لے جائیں اور اس کی بلند چوٹی پر پہنچ کر پھر اسے اس کے دین چھوڑ دینے کو کہیں اگر مان لے تو اچھا ورنہ وہیں سے لڑھکا دیں چنانچہ یہ لوگ اسے لے گئے جب وہاں سے دھکا دینا چاہا تو اس نے اللہ تبارک و تعالیٰ سے دعا کی (اللھم اکفنیھم بماشئت) اللہ جس طرح چاہ مجھے ان سے نجات دے، اس دعا کے ساتھ پہاڑ ہلا اور وہ سب سپاہی لڑھک گئے صرف وہ بچہ بچا رہا، وہاں سے وہ اترا اور ہنسی خوشی پھر اس ظالم بادشاہ کے پاس آ گیا، بادشاہ نے کہا یہ کیا ہوا میرے سپاہی کہاں ہیں؟ فرمایا میرے اللہ نے مجھے ان سے بچا لیا اس نے کچھ اور سپاہی بلوائے اور ان سے بھی یہی کہا کہ اسے کشتی میں بٹھا کر لے جاؤ، اور بیچوں بیچ سمندر میں ڈبو کر چلے آؤ یہ اسے لے کر چلے اور بیچ میں پہنچ کر جب سمندر میں پھینکنا چاہا تو اس نے پھر وہی دعا کی کہ بار الٰہی جس طرح چاہ مجھے ان سے بچا، موج اٹھی اور وہ سپاہی سارے کے سارے سمندر میں ڈوب گئے صرف وہ بچہ ہی باقی رہ گیا یہ پھر بادشاہ کے پاس آیا، اور کہا میرے رب نے مجھے ان سے بھی بچا لیا اے بادشاہ تو چاہے تمام تدبیریں کر ڈال لیکن مجھے ہلاک نہیں کر سکتا ہاں جس طرح میں کہوں اس طرح اگر کرے تو البتہ میری جان نکل جائے گی۔ اس نے کہا کیا کروں فرمایا تو لوگوں کو ایک میدان میں جمع کر پھر کھجور کے تنے پر سولی چڑھا اور میرے ترکش میں سے ایک تنکا نکال میری کمان پر چڑھا اور بسم اللہ رب ھذا الغلام یعنی اسی اللہ کے نام سے جو اس بچے کا رب ہے کہہ کر وہ تیر میری طرف پھینک وہ مجھے لگے اور اس سے میں مروں گا چنانچہ بادشاہ نے یہی کیا تیر بچے کی کنپٹی میں لگا اس نے اپنا ہاتھ اس جگہ رکھ لیا اور شہید ہو گیا۔ اس کے اس طرح شہید ہوتے ہی لوگوں کو اس کے دین کی سچائی کا یقین آ گیا چاروں طرف سے یہ آوازیں اٹھنے لگیں کہ ہم سب اس بچے کے رب پر ایمان لا چکے یہ حال دیکھ کر بادشاہ

کے مصاحب گھبرائے اور بادشاہ سے کہنے لگے اس لڑکے کی ترکیب ہم سمجھے ہی نہیں دیکھئے اس کا یہ اثر پڑا کہ یہ تمام لوگ اس کے مذہب پر ہو گئے ہم نے تو اسی لیے قتل کیا تھا کہ کہیں یہ مذہب پھیل نہ جائے لیکن وہ ڈر تو سامنے ہی آ گیا اور سب مسلمان ہو گئے بادشاہ نے کہا اچھا یہ کرو کہ تمام محلوں اور راستوں میں خندقیں کھدواؤان میں لکڑیاں بھرواور اس میں آگ لگا دو جو اس دین سے پھر جائے اسے چھوڑ دو اور جو نہ مانے اسے اس آگ میں ڈال دو ان مسلمانوں نے صبر وضبط کے ساتھ آگ میں جلنا منظور کرلیا اور اس میں کود کود کر گرنے لگے، البتہ ایک عورت جس کی گود میں دودھ پیتا چھوٹا بچہ تھا وہ ذرا ہچکچائی تو اس بچہ کو اللہ نے بولنے کی طاقت دی اس نے کہا اماں کیا کر رہی ہو تم تو حق پر ہو صبر کرو اور اس میں کود پڑو۔ یہ حدیث مسند احمد میں بھی ہے اور صحیح مسلم کے آخر میں بھی ہے اور نسائی میں بھی قدرے اختصار کے ساتھ ہے، یہ نوجوان شہید دفن کر دیئے گئے تھے اور حضرت عمر بن خطاب (رض) کی خلافت کے زمانہ میں ان کی قبر سے انھیں نکالا گیا تھا ان کی انگلی اسی طرح ان کی کنپٹی پر رکھی ہوئی تھی جس طرح بوقت شہادت تھی، امام ترمذی اسے حسن غریب بتلاتے ہیں لیکن اس روایت میں یہ صراحت نہیں کہ یہ واقعہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے بیان فرمایا تو ممکن ہے کہ حضرت صہیب رومی (رض) نے ہی اس واقعہ کو بیان فرمایا ہو ان کے پاس نصرانیوں کی ایسی حکایتیں بہت ساری تھیں واللہ اعلم، (ابن کثیر)

فائدہ:

لڑکے کا نا عبداللہ بن تامر اور ظالم بادشاہ کا نام یوسف ذونواس تھا۔

فرمایا: وہ ایک آگ تھی ایندھن والی

النَّارِ، الاُخدُودِ سے بدل اشتمال ہے ذَاتِ الْوَقُودِ، النَّارِ کی صفت ہے۔ یعنی یہ خندقیں کیا تھیں؟ ایندھن والی آگ تھیں، جو اہل ایمان کو اس میں جھونکنے کے لئے دہکائی گئی تھی۔

فرمایا: جب وہ اس کے اوپر بیٹھے ہوئے تھے۔

کافر بادشاہ یا اس کے کارندے، آگ کے کنارے بیٹھے اہل ایمان کے جلنے کا تماشا دیکھ رہے تھے، جیسا کہ اگلی آیت میں؛

فرمایا: اور وہ اس پر جو وہ ایمان والوں کے ساتھ کر رہے تھے، گواہ تھے۔

فرمایا: اور انھوں نے ان سے اس کے سوا کسی چیز کا بدلہ نہیں لیا کہ وہ اس اللہ پر ایمان رکھتے ہیں جو سب پر غالب ہے، ہر تعریف کے لائق ہے۔

یعنی ان لوگوں کا جرم جنہیں آگ میں جھونکا جا رہا تھا یہ تھا کہ وہ اللہ پر جو غالب اور قابل ستائش ہے، ایمان لے آئے تھے

فرمایا: وہ کہ آسمانوں اور زمین کی بادشاہی صرف اس کی ہے اور اللہ ہر چیز پر گواہ ہے، یقیناً وہ لوگ جنھوں نے مومن مردوں اور مومن عورتوں کو آزمائش میں ڈالا، پھر انھوں نے توبہ نہیں کی تو ان کے لیے جہنم کا عذاب ہے اور ان کے لیے جلنے کا عذاب ہے۔

اللہ تعالیٰ کی وسیع رحمت:

اللہ تعالیٰ بزرگ و برتر ہے۔ آسمان وزمین کی ہر چیز کا مالک ہے جن کی بنا کر وہی مستحق ہے کہ اس پر ایمان لایا جائے۔ پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان لوگوں نے مسلمان مردوں اور عورتوں کو جلا دیا ہے۔ اگر انہوں نے توبہ نہ کی یعنی اپنے کیے پر نادم نہ ہوئے تو ان کے لیے جہنم ہے اور جلنے کا عذاب ہے۔ تا کہ بدلہ بھی ان کے عمل جیسا ہو۔ حضرت حسن بصری فرماتے ہیں خدائے بزرگ و برتر کے رحم و کرم، اس کی مہربانی اور عنایت کو دیکھ کہ جن بدکاروں نے اس کے پیارے بندوں کو ایسے بدترین عذابوں سے انہیں مارا، انہیں بھی وہ توبہ کرنے کو کہتا ہے اور ان سے بھی مغفرت اور بخشش کا وعدہ کرتا ہے۔ خدایا ہمیں بھی اپنی وسیع رحمتوں سے بھرپور حصہ عطا فرما۔ آمین!

فرمایا؛ بلاشبہ وہ لوگ جو ایمان لائے اور انھوں نے نیک کام کیے ان کے لیے ایسے باغات ہیں جن کے نیچے سے نہریں بہ رہی ہیں، یہی بہت بڑی کامیابی ہے

یہاں ایمان وعمل صالح والے لوگوں کے لیے جنت کی بشارت کے ذکر کی دو مناسبتیں ہیں، ایک تو یہ کہ اگر مسلمانوں کو ستانے والے لوگ بھی ایمان لا کر صالح عمل والے بن جائیں تو ان کے لیے بھی وہ باغات ہیں جن کے تلے نہریں بہتی ہیں۔ دوسری یہ کہ ایمان اور عمل صالح کے حامل جن مسلمانوں کو آزمائش کی بھٹیوں میں جھونکا جا رہا ہے وہ غم نہ کریں، یہ وقت گزر جانے والا ہے، آخرت میں ان کے لیے وہ عظیم الشان باغات تیار ہیں جن کے تلے نہریں بہ رہی ہیں اور سب سے بڑی کامیابی یہی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ایمان والوں کو آزمائشوں اور مصیبتوں میں ثابت قدم رکھنے والی چیز اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ انھیں جنت دے گا۔ کس قدر ظالم ہیں وہ لوگ جو روحانیت کا لبادہ اوڑھ کر جنت کا مذاق اڑاتے اور اسے بے وقعت قرار دینے کی کوشش کرتے ہیں۔

ترکیب نحوی وتحقیق صرفی:

قُتِلَ، فعل ماضی مجہول واحد مذکر غائب قَتَلَ یَقْتُلُ، مصدر قَتْلًا، قتل کرنا، مارنا، ہلاک کرنا (ہلاک کیے گئے) اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ (اَصْحٰبُ۔ الْاُخْدُوْدِ) اَصْحٰبُ، مضاف، والے، صاحبان، واحد، صَاحِبٌ، الْاُخْدُوْدِ، مضاف الیہ، خندق، کھائی، جمع، اَخَادِیْدُ (خندق والے) النَّارِ (آگ) ذَاتِ الْوَقُوْدِ (ذَاتِ۔ الْوَقُوْدِ) ذَاتِ، مضاف، والی، الْوَقُوْدِ، مضاف الیہ، ایندھن (ایندھن والی) اِذْ ہُمْ۔ اِذْ، ظرف زمان، ماضی کے واقعہ سے پہلے آتا ہے، جب، ہُمْ، ضمیر جمع مذکر غائب، وہ (جب وہ) عَلَیْہَا (عَلٰی۔ ہَا) عَلٰی، حرف جار، پر، ہَا، مجرور، اسم موصول، جو (اس پر جو) قُعُوْدٌ (بیٹھنا، بیٹھنے والے، بیٹھے ہوئے) پہلے معنی میں مصدر ہے، دوسرے میں، قَاعِدٌ، کی جمع ہے۔ وَ، حرف عطف (اور) ہُمْ، ضمیر جمع مذکر غائب (وہ) عَلٰی مَا۔ عَلٰی، حرف جار، پر، مَا، مجرور، اسم موصول، جو (اس پر جو) یَفْعَلُوْنَ، فعل مضارع جمع مذکر غائب فَعَلَ یَفْعَلُ، مصدر فِعْلًا، کرنا، کام کرنا (وہ کر رہے تھے) بِالْمُؤْمِنِیْنَ (بِ۔ الْمُؤْمِنِیْنَ) بِ، حرف جار، کے ساتھ، الْمُؤْمِنِیْنَ، مجرور، اِیْمَانًا، مصدر سے اسم فاعل جمع مذکر، ایمان والے، مومنوں، واحد، اَلْمُؤْمِنُ (ایمان والوں کے ساتھ) شُہُوْدٌ، اسم فاعل جمع مکسر واحد، شَاہِدٌ (مشاہدہ کرنے والے، دیکھنے والے، گواہ) وَ، حرف عطف (اور) مَا، نافیہ (نہیں) نَقَمُوْا، فعل ماضی جمع مذکر غائب نَقَمَ یَنْقِمُ، مصدر نَقْمًا، انتقام لینا، سزا دینا (انہوں نے انتقام لیا) مِنْہُمْ (مِنْ۔ ہُمْ) مِنْ، حرف جار،

سے، ہُمْ، مجرور، ضمیر جمع مذکر غائب، ان، ضمیر کا مرجع، اَلْمُؤْمِنِیْنَ، ہے (ان سے) اِلَّا، حرف استثنا (مگر، سوائے) اَنْ، مصدریہ (کہ) یُّؤْمِنُوْا، فعل مضارع جمع مذکر غائب اٰمَنَ یُؤْمِنُ، مصدر اِیْمَانًا، ایمان لانا (وہ ایمان رکھتے) بِاللّٰہِ (بِ۔ اَللّٰہِ) بِ، حرف جار بمعنی، عَلٰی، پر، اَللّٰہِ، مجرور، اللہ (اللہ پر) اَلْعَزِیْزِ، اللہ کا صفاتی نام، عِزَّۃٌ، مصدر سے مبالغہ کا صیغہ (بڑا زبردست) اَلْحَمِیْدِ، اللہ کا صفاتی نام، حَمْدٌ، مصدر سے صفت مشبہ بمعنی مفعول (تعریف کیا ہوا، تعریف والا، نہایت قابل تعریف) اَلَّذِیْ، اسم موصول واحد مذکر (وہ جس) لَہٗ (لَ۔ ہٗ) لَ، حرف جار، کیلئے، ہٗ، مجرور، ضمیر واحد مذکر غائب، اس (اس کیلئے) مُلْکُ السَّمٰوٰتِ۔ مُلْکُ، مضاف، بادشاہی، اَلسَّمٰوٰتِ، مضاف الیہ، آسمانوں کی، واحد، اَلسَّمَآءُ (آسمانوں کی بادشاہی) وَ، حرف عطف (اور) اَلْاَرْضِ (زمین) وَاللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ شَہِیْدٌ اور اللہ ہر چیز پر گواہ ہے۔ وَاللّٰہُ (وَ۔ اَللّٰہُ) وَ، حرف عطف، اور، اَللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ۔ عَلٰی، حرف جار، پر، کُلِّ، مجرور، مضاف، ہر، شَیْءٍ، مضاف الیہ، چیز (ہر چیز پر) شَہِیْدٌ۔ شَہَادَۃٌ وَشُہُوْدٌ، مصدر سے بروزن، فَعِیْلٌ، اسم فاعل واحد مذکر (گواہ، حاضر، موجود) اِنَّ، حرف مشبہ بالفعل (بلاشبہ) اَلَّذِیْنَ، اسم موصول جمع مذکر، فَتَنُوْا، فعل ماضی جمع مذکر غائب فَتَنَ یَفْتِنُ، مصدر فَتْنًا وَّفُتُوْنًا، تکلیف دینا، آزمائش میں ڈالنا (انہوں نے تکلیفیں دیں) اَلْمُؤْمِنِیْنَ۔ اِیْمَانًا، مصدر سے اسم فاعل جمع مذکر (ایمان والے، مومن مردوں) واحد، اَلْمُؤْمِنُ، وَ، حرف عطف (اور) اَلْمُؤْمِنٰتِ۔ اِیْمَانًا، مصدر سے اسم فاعل جمع مؤنث (ایمان والیاں، مومن عورتیں) واحد، اَلْمُؤْمِنَۃُ، ثُمَّ، حرف عطف (پھر) لَمْ یَتُوْبُوْا، فعل مضارع منفی جحد بلم جمع مذکر غائب تَابَ یَتُوْبُ، مصدر تَوْبَۃٌ، توبہ کرنا، لَمْ، کی وجہ سے ترجمہ (انہوں نے توبہ نہیں کی) فَلَہُمْ (فَ۔ لَ۔ ہُمْ) فَ، حرف عطف، تو، لَ، حرف جار، کیلئے، ہُمْ، مجرور، ضمیر جمع مذکر غائب، ان (تو ان کیلئے) عَذَابُ جَہَنَّمَ۔ عَذَابُ، مضاف، عذاب، جَہَنَّمَ، مضاف الیہ، جہنم کا (جہنم کا عذاب) وَ، حرف عطف (اور) لَہُمْ (لَ۔ ہُمْ) لَ، حرف جار، کیلئے، ہُمْ، مجرور، ضمیر جمع مذکر غائب، ان (ان کیلئے عَذَابُ الْحَرِیْقِ (عَذَابُ۔ اَلْحَرِیْقِ) عَذَابُ، مضاف، عذاب، اَلْحَرِیْقِ، مضاف الیہ، حَرْقٌ، مصدر سے فعیل کے وزن پر صفت مشبہ اسم فاعل اور مفعول دونوں کے معنی دیتا ہے، جلنے کا (جلنے کا عذاب) اِنَّ، حرف مشبہ بالفعل (بے شک، بلاشبہ) اَلَّذِیْنَ، اسم موصول جمع مذکر (وہ لوگ جو) اٰمَنُوْا، فعل ماضی جمع مذکر غائب اٰمَنَ یُؤْمِنُ، مصدر اِیْمَانًا، ایمان لانا (وہ ایمان لائے) وَ، حرف عطف (اور) عَمِلُوْا، فعل ماضی جمع مذکر غائب عَمِلَ یَعْمَلُ، مصدر عَمَلًا، عمل کرنا (انہوں نے عمل کیے) اَلصّٰلِحٰتِ۔ صَلَاحًا، مصدر سے اسم فاعل جمع مؤنث (نیک، اچھے کام) واحد، اَلصَّالِحَۃُ، لَہُمْ (لَ۔ ہُمْ) لَ، حرف جار، کیلئے، ہُمْ، مجرور، ضمیر جمع مذکر غائب، ان (ان کیلئے) جَنّٰتٌ (جنتیں، باغات) واحد، جَنَّۃٌ، تَجْرِیْ، فعل مضارع واحد مؤنث غائب جَرٰی یَجْرِیْ، مصدر جَرْیٌ وَّجَرَیَانٌ، بہنا (وہ بہتی ہے) مِنْ تَحْتِہَا (مِنْ۔ تَحْتِ۔ ہَا) مِنْ، حرف جار، سے، تَحْتِ، مجرور، مضاف، نیچے، ہَا، مضاف الیہ، ضمیر واحد مؤنث غائب، اس کے، ضمیر کا مرجع، جَنّٰتٌ، ہے (ان کے نیچے سے) اَلْاَنْہٰرُ (نہریں) واحد، اَلنَّہْرُ، ذٰلِکَ الْفَوْزُ الْکَبِیْرُ ° یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔ ذٰلِکَ، اسم اشارہ واحد مذکر، ترجمہ "وہ" ضرور تا ترجمہ (یہی) کیا جاتا ہے۔ اَلْفَوْزُ الْکَبِیْرُ (اَلْفَوْزُ۔ اَلْکَبِیْرُ) اَلْفَوْزُ، موصوف، مصدر، کامیاب ہونا، کامیابی، اَلْکَبِیْرُ، صفت، کِبَرًا، مصدر سے صفت مشبہ، بہت بڑی۔

آیت ۱۲ تا ۲۲

اِنَّ بَطْشَ رَبِّکَ لَشَدِیْدٌ (۱۲) اِنَّہٗ ہُوَ یُبْدِئُ وَیُعِیْدُ (۱۳) وَہُوَ الْغَفُوْرُ الْوَدُوْدُ (۱۴) ذُو الْعَرْشِ الْمَجِیْدُ (۱۵) فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ (۱۶) ہَلْ اَتٰکَ حَدِیْثُ الْجُنُوْدِ (۱۷) فِرْعَوْنَ وَثَمُوْدَ (۱۸) بَلِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فِیْ تَکْذِیْبٍ (۱۹) وَّاللّٰہُ مِنْ وَّرَآئِہِمْ مُّحِیْطٌ (۲۰) بَلْ ہُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِیْدٌ (۲۱) فِیْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ (۲۲)

ترجمہ:

بے شک تیرے رب کی پکڑ یقیناً بہت سخت ہے۔(۱۲) بے شک وہی پہلی بار پیدا کرتا ہے اور (وہی) دوبارہ پیدا کرے گا۔(۱۳) اور وہی ہے جو بے حد بخشنے والا، نہایت محبت کرنے والا ہے۔(۱۴) عرش کا مالک ہے اور بزرگ و برتر ہے(۱۵) کر گزرنے والا ہے جو چاہتا ہے۔(۱۶) کیا تیرے پاس ان لشکروں کی خبر پہنچی ہے؟(۱۷) (یعنی) فرعون اور ثمود کی۔(۱۸) بلکہ وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا، جھٹلانے میں لگے ہوئے ہیں۔(۱۹) اور اللہ ان کے پیچھے سے (انھیں) گھیرنے والا ہے۔(۲۰) بلکہ وہ ایک بڑی شان والا قرآن ہے۔(۲۱) لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے(۲۲)

تفسیر:۔

فرمایا؛ بے شک تیرے رب کی پکڑ یقیناً بہت سخت ہے۔الخ؛

اللہ تعالیٰ کی عظیم اور منفرد صفات؛

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے کافروں کے لیے عذاب کی وعید اور مؤمنوں کے لیے جنت کی بشارت کا ذکر فرمایا تھا اور اب تاکید کے لیے دوبارہ وعد اور وعید کا ذکر فرما رہا ہے۔

،اس آیت میں "بطش" کا لفظ ہے، "بطش" کا معنی ہے : کسی چیز کو شدت کے ساتھ پکڑنا اور جب اس کی صفت شدت ہو گی تو اس کا معنی ہے : کسی کو بہت زیادہ ملامت کرنا اور اس کو بہت سختی کے ساتھ پکڑنا۔

فرمایا : بیشک وہی ابتداءً پیدا کرتا ہے اور وہی دوبارہ پیدا کرے گا۔

اللہ تعالیٰ مخلوق کو پیدا فرماتا ہے پھر ان کو فناء کر دے گا، پھر ان کو قیامت کے دن دوبارہ زندہ کر کے میدان حشر میں جمع فرمائے گا تا کہ ان کو ان کے اعمال کے مطابق جزا دے، حضرت ابن عباس (رض) نے فرمایا : دوزخ والوں کو آگ کھا لے گی حتیٰ کہ وہ جل کر کوئلہ ہو جائیں گے، پھر اللہ تعالیٰ ان کو نئے سرے سے پیدا فرما دے گا اور اس آیت سے یہی معنی مراد ہے۔

فرمایا : وہی بہت بخشنے والا اور بہت دوست رکھنے والا ہے۔

معتزلہ نے کہا : اللہ تعالیٰ اس کے لیے غفور ہے، جو اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہ پر توبہ کرے اور ہم اہل سنت کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مطلقاً غفور ہے، جو اپنے گناہوں پر توبہ کرے اس کو بھی بخش دیتا ہے اور جو توبہ نہ کرے اس کو بھی بخش دیتا ہے، کیونکہ اس نے فرمایا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ (النساء :۴۸)

بے شک اللہ اس کو نہیں بخشے گا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور اس سے کم گناہ کو جس کے لیے چاہے گا بخش دے گا۔

شرک سے کم گناہ کو بخشنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے توبہ کی قید نہیں لگائی، اس سے معلوم ہوا کہ شرک سے کم گناہ (گناہ کبیرہ)

کی بخشش عام ہے خواہ توبہ کے ساتھ ہو خواہ بغیر توبہ کے۔

امام رازی نے لکھا ہے : کیونکہ توبہ کرنے والے کی مغفرت واجب ہے اور جو کام واجب ہو اس پر مدح نہیں کی جاتی اور اللہ تعالیٰ نے اپنے غفور ہونے کو بہ طور مدح ذکر فرمایا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ یہاں بہت بخشنے والے سے مراد ہے وہ بغیر توبہ کے بخشنے والا ہے۔ (تفسیر کبیر ج۱۱ ص ۱۱٤، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱٤۱۰ھ)

ہمارے نزدیک اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز واجب نہیں ہے، توبہ کو قبول کرنا محض اس کا فعل و کرم ہے، اگر وہ کسی کی توبہ قبول نہ کرے تو اس سے کون باز پرس کرسکتا ہے، اس کا بخشش دینا بہر حال اس کا فضل ہے، خواہ وہ توبہ سے بخشے یا بغیر توبہ کے۔

الودود کے معنی میں بھی اقوال ہیں،

اکثر مفسرین نے کہا : "الودود" کا معنی ہے : محبت کرنے والا، کلبی نے کہا : "الودود" کا معنی ہے : جو اپنے دوستوں کی مغفرت کر کے ان سے محبت کرے، ازہری نے کہا : اللہ نیک بندوں سے محبت کرتا ہے اور یہ اس کا فضل ہے، قفال نے کہا : "الودود" کا معنی حلیم ہے۔

فرمایا : عظمت والے عرش کا مالک ہے۔

اس آیت میں "عرش" کا لفظ ہے، بادشاہ کا تخت اس کی سلطنت اور اقتدار سے کنایہ ہوتا ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس سے عرش مراد ہو اور اللہ عزوجل نے آسمانوں کے اوپر اپنا بہت عظیم تخت بنایا ہو، جس کی عظمت اور جلالت کے اوپر اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی مطلع نہ ہو۔

اس آیت میں "مجید" کا لفظ ہے، ظاہر یہ ہے کہ یہ لفظ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے کیونکہ تعالیٰ، مجید اور جلال اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں اور اکثر مفسرین کا یہی مختار ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے عرش کی صفت ہو جس طرح قرآن مجید (البروج ۲۱ :) میں "مجید" قرآن کی صفت ہے۔

فرمایا : جس کام کا ارادہ کرے اس کو کرنے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ جس کام کو مناسب جانتا ہے، اس کو کرنے والا ہے اور اس پر کسی کو اعتراض کرنے کا حق نہیں ہے، اور اس کے کام میں کوئی مزاحمت نہیں کرسکتا، وہ اپنے مومن بندوں کو جنت میں داخل کرے گا اور کوئی اس کو اس سے روک نہیں سکتا اور وہ کفار اور مشرکین کو دوزخ میں داخل کرے گا اور کوئی ان کو دوزخ سے بچا نہیں سکتا اور وہ گناہ گار مؤمنوں میں سے جن کو چاہے گا توبہ کی توفیق دے کر اس کو معاف کردے گا اور جس کو چاہے گا اس کے اوپر دنیا میں کوئی مصیبت ڈال کر اس کے گناہوں کا کفارہ دے گا اور جس کو چاہے گا اس کو کچھ عرصہ تطہیر کے لیے دوزخ میں عذاب دے گا اور پھر جنت میں داخل کر دے گا، اور جس کو چاہے گا اس کو اپنے مقربین میں سے کسی کی شفاعت سے معاف فرمادے گا اور جس کو چاہے گا اس کو محض اپنے فضل سے معاف فرمادے گا، غرض دنیا اور آخرت میں وہ مالک اور مختار ہے، جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے اور جو چاہے گا وہ

کرے گا۔

عہد رسالت اور اس سے پہلے کے مکذبین کی کارستانیاں؛

فرمایا : کیا آپ کے پاس لشکروں کی خبر پہنچی ؟۔فرعون اور ثمود کی۔ بلکہ کفار تکذیب کے درجے ہیں۔اور اللہ ان کا ہر طرف سے احاطہ کرنے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ کفار نے خندق کھود کر آگ جلائی اور اس میں مؤمنوں کو ڈال دیا، اب یہ بتایا کہ ان سے پہلے جو کفار تھے وہ بھی اسی طرح مؤمنوں پر ظلم کرنے والے تھے، اپنے اپنے زمانے میں فرعون اور ثمود بھی مؤمنوں پر ظلم کرتے تھے ،خلاصہ یہ ہے کہ ہر زمانہ میں کفار مسلمانوں کے ساتھ ظالمانہ کارروائی کرتے رہے ہیں۔

فرمایا :اور اللہ ان کا ہر طرف سے احاطہ کرنے والا ہے۔

محیط، کا معنیٰ؛

(۱) اللہ تعالیٰ کی سلطنت اور اس کا اقتدار تمام کفار کو محیط ہے، کوئی کافر اس کے اقتدار سے باہر نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ ان سب کو فوراً ہلاک کردے اور آپؐ کی تکذیب کرنے کی وجہ سے ان پر فوراً عذاب نازل کردے، سو آپ ان کی تکذیب کی وجہ سے نہ گھبرائیں، جب اللہ تعالیٰ ان سے انتقام لینا چاہے گا تو اس کو ایک پل بھی دیر نہیں لگے گی۔

(۲) اللہ تعالیٰ کے احاطہ کرنے سے مراد یہ ہے کہ ان کی تکذیب کی وجہ سے ان کی ہلاکت قریب آپہنچی ہے۔

(۳) اللہ تعالیٰ ان کے تمام اعمال کو محیط ہے اور ان کا کوئی عمل اللہ تعالیٰ کے علم سے باہر نہیں ہے۔

فرمایا : بلکہ قرآن بہت عظمت والا ہے۔

قرآن مجید کی فضلیت؛

یہ قرآن تغیر اور تبدل سے محفوظ ہے، اس میں اللہ تعالیٰ نے ایک قوم کی سعادت اور دوسری قوم کی شقاوت کو بیان فرمایا ہے اور یہ بتایا ہے کہ فلاں قوم کو فلاں قوم سے ضرر پہنچے گا، یہ قرآن شرف، کرم اور برکت میں انتہاء کو پہنچا ہوا ہے اور لوگوں کو اپنے دین اور دنیا کی بھلائی میں جن احکام کی ضرورت ہوتی ہے، وہ تمام احکام اور ہدایات اس میں مذکور ہیں، یہ واحد آسمانی کتاب ہے کہ جس زبان میں یہ نازل ہوئی ہے اسی زبان میں اب تک محفوظ ہے اور قیامت تک اسی زبان میں محفوظ رہے گی، اس میں کسی قسم کی کمی اور زیادتی نہیں ہو سکی اور نہ اس کی کسی سورت یا آیت کی اب تک کوئی نظیر لائی جاسکی اور نہ قیامت تک لائی جاسکے گی، قرآن مجید کے سوا اور کوئی آسمانی کتاب ایسی نہیں ہے جس کو اتنا زیادہ پڑھا جاتا ہو اور اس کو حفظ کیا جاتا ہو اور ہر سال اس کو نماز (تراویح) میں ذوق وشوق سے سنا اور سنایا جاتا ہو۔

فرمایا :لوح محفوظ میں (مکتوب) ہے۔

لوح محفوظ کی تعریف میں اقوال مفسرین:

قرآن مجید لوح میں مکتوب ہے اور شیاطین کی دسترس سے محفوظ ہے۔

حضرت ابن عباس (رض) نے فرمایا : لوح سرخ یاقوت کی تختی ہے، اس کا بالائی حصہ عرش کے ساتھ بندھا ہوا ہے اور زیریں حصہ ایک فرشتہ کی گود میں ہے، اس کی کتابت نور ہے، اس کا قلم نور ہے، اللہ عزوجل ہر روز اس میں تین سو ساٹھ مرتبہ نظر فرماتا ہے، اور ہر نظر سے وہ جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے، ایک قوم کو بلند کرتا ہے اور دوسری قوم کو پست کر دیتا ہے، یعنی کسی کو فقیر بنا دیتا ہے اور کسی کو غنی بنا دیتا ہے، کسی کو زندہ کرتا ہے اور کسی کو موت عطاء کرتا ہے، وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے، اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے۔

مقاتل نے کہا : لوح محفوظ عرش کی دائیں جانب ہے۔

کہا گیا ہے کہ لوح محفوظ میں مخلوق کی تمام اقسام اور ان کے متعلق تمام امور کا ذکر ہے، اس میں ان کی موت کا، حیات کا، ان کے رزق کا، ان کے اعمال کا اور ان میں نافذ ہونے والے امور کا ذکر ہے، اور ان کے اعمال کے نتائج کا ذکر ہے اور وہی ام الکتاب ہے۔

حضرت ابن عباس (رض) نے فرمایا : اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے جو چیز لوح محفوظ میں لکھی، وہ یہ ہے : میں اللہ ہوں، میرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے، محمد میرے رسول ہیں، جس نے میرے فیصلہ کو تسلیم کر لیا اور میری نازل کی ہوئی مصیبت پر صبر کیا اور میری نعمتوں کا شکر ادا کیا، میں نے اس کو صدیق لکھا ہے اور اس کو صدیقین کے ساتھ اٹھاؤں گا اور جس نے میرے فیصلہ کو تسلیم نہیں کیا اور میری نازل کی ہوئی مصیبت پر صبر نہیں کیا اور میری نعمتوں کا شکر ادا نہیں کیا، وہ مجھے چھوڑ کر جس کو چاہے اپنا معبود بنا لے۔ (الجامع الاحکام القرآن جز ۱۹ ص ۲۰۷ ـ ۲۰٦، دار الفکر، بیروت، ۱٤۱۰ھ)

امام رازی نے کہا ہے کہ لوح سات آسمانوں کے اوپر ہے۔ یہاں فرمایا ہے : قرآن مجید لوح محفوظ میں ہے اور ایک آیت میں فرمایا: اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ۔ فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ۔ (الواقعہ : ۷۸ ـ ۷۷) یہ قرآن کریم ہے۔ جو پوشیدہ کتاب میں ہے۔

ہوسکتا ہے کہ لوح محفوظ اور کتاب مکنون سے مراد ایک ہی چیز ہو اور اس کے محفوظ ہونے کا یہ معنی ہو کہ فرشتوں کے غیر کے چھونے سے محفوظ ہے، جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: لَا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ۔ (الواقعہ : ۷۹) اس کو مطہرون کے سوا کوئی نہیں چھوتا۔

یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس کا معنی یہ ہو کہ ملائکہ مقربین کے سوا یہ اوروں سے محفوظ ہے، کوئی دوسرا اس پر مطلع نہیں ہوسکتا اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ تغیر اور تبدل سے محفوظ ہو۔ (تفسیر کبیر ج ۱۱ ص ۱۱٦، دار احیاء التراث، العربی، بیروت، ۱٤۱۰ھ)

ترکیب نحوی و تحقیق صرفی:

اِنَّ، حرف مشبہ بالفعل (بے شک)، بَطْشَ، اسم مصدر قوت اور سختی کے ساتھ پکڑنے کو "بَطْش" کہتے ہیں (پکڑ) رَبِّكَ (رَبِّ، كَ) رَبِّ،

مضاف، رب، پروردگار، کَ، مضاف الیہ، ضمیر واحد مذکر حاضر، آپ کے (آپ کے رب کی) لَشَدِیْدٌ (لَ۔ شَدِیْدٌ) لَ، لام تاکید، یقیناً، شَدِیْدٌ۔ شَدَّ، مصدر سے صفت مشبہ، بہت سخت (یقیناً بہت سخت) اِنَّہٗ (اِنَّ۔ ہٗ) اِنَّ، حرف مشبہ بالفعل، بے شک، بلاشبہ، ہٗ، ضمیر واحد مذکر غائب، وہ (بے شک وہ) ہُوَ، ضمیر واحد مذکر غائب (وہی) یُبْدِئُ، فعل مضارع واحد مذکر غائب اَبْدَاَ یُبْدِئُ، مصدر اِبْدَآءٌ، پہلی بار پیدا کرنا (وہ پہلیبار پیدا کرتا ہے) وَ، حرف عطف (اور) یُعِیْدُ، فعل مضارع واحد مذکر غائب اَعَادَ یُعِیْدُ، مصدر اِعَادَۃٌ، اعادہ کرنا، دوبارہ پیدا کرنا، لوٹانا (وہی دوبارہ پیدا کرے گا) وَ، حرف عطف (اور) ہُوَ، ضمیر منفصلہ واحد مذکر غائب (وہی) اَلْغَفُوْرُ، اللہ کا صفاتی نام، غُفْرَانًا، مصدر سے مبالغہ کا صیغہ (بہت بخشنے والا) اَلْوَدُوْدُ، اللہ کا صفاتی نام، وُدًّا وَ مَوَدَّۃٌ، مصدر سے مبالغہ کا صیغہ (بہت محبت کرنے والا) ذُوالْعَرْشِ (ذُوْ۔ اَلْعَرْشِ) ذُوْ، مضاف، والا، اَلْعَرْشِ، مضا فالیہ، عرش (عرش والا) اَلْمَجِیْدُ، اللہ کا صفاتی نام، مجْدٌ، مصدر سے صفت مشبہ (بزرگ، بڑی عظمت والا، بڑی شان والا) فَعَّالٌ۔ فِعْلًا، مصدر سے مبالغہ کا صیغہ (بہت کام کرنے والا، کر گزرنے والا، کر ڈالنے والا) لِمَا (لِ۔ مَا) لِ، حرف جار، کو، مَا، مجرور، اسم موصول، جو (اس کو جو) یُرِیْدُ، فعل مضارع واحد مذکر غائب اَرَادَ یُرِیْدُ، مصدر اِرَادَۃٌ، چاہنا، ارادہ کرنا (وہ چاہتا ہے) ہَلْ، استفہامیہ (کیا) اَتٰىکَ (اَتٰى۔ کَ) اَتٰى، فعل ماضی واحد مذکر غائب اَتٰى یَاْتِیْ، مصدر اِتْیَانٌ، آنا، پہنچنا، وہ پہنچی ہے، کَ، ضمیر واحد مذکر حاضر، آپ کے (وہ آپ کے پاس پہنچی ہے) حَدِیْثُ الْجُنُوْدِ (حَدِیْثُ۔ اَلْجُنُوْدِ) حَدِیْثُ، مضاف، بات، اَلْجُنُوْدِ، مضاف الیہ، لشکروں کی، واحد، جُنْدٌ (لشکروں کی بات) فِرْعَوْنَ (فرعون) وَ، حرف عطف (اور) ثَمُوْدَ (ثمود) بَلِ، حرف اضراب (بلکہ) اَلَّذِیْنَ، اسم موصول جمع مذکر (وہ لوگ جنہوں نے) کَفَرُوْا، فعل ماضی جمع مذکر غائب کَفَرَ یَکْفُرُ، مصدر کُفْرًا، کفر کرنا (انہوں نے کفر کیا) فِیْ تَکْذِیْبٍ۔ فِیْ، حرف جار، میں، تَکْذِیْبٍ، مجرور، مصدر، جھٹلانا (جھٹلانے میں) وَاللّٰہُ (وَ۔ اَللّٰہُ) وَ، حرف عطف، اور، اَللّٰہُ، اللہ (اور اللہ) مِنْ وَّرَآئِہِمْ (مِنْ۔ وَرَآءِ۔ ہِمْ) مِنْ، حرف جار، سے، وَرَآءِ، مجرور، مضاف، مصدر ہے، آگے ہونا، پیچھے ہونا، آگے۔ پیچھے۔ ہر طرف سے ہِمْ، مضاف الیہ، ضمیر جمع مذکر غائب، انہیں (انہیں ہر طرف سے) مُحِیْطٌ۔ اِحَاطَۃٌ، مصدر سے اسم فاعل واحد مذکر (گھیرنے والا، گھیرے ہوئے) بَلْ، حرف اضراب (بلکہ) ہُوَ، ضمیر واحد مذکر غائب (وہ) قُرْاٰنٌ مَّجِیْدٌ۔ قُرْاٰنٌ، موصوف، قرآن، مَجِیْدٌ، صفت، مجْدٌ، مصدر سے صفت مشبہ، بڑی شان والا، مجید (بڑی شان والا قرآن، قرآن مجید) فِیْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ (فِیْ۔ لَوْحٍ۔ مَحْفُوْظٍ) فِیْ، حرف جار، میں، لَوْحٍ، مجرور، موصوف، لوح، تختی، مَحْفُوْظٍ، صفت، حِفْظٌ، مصدر سے اسم مفعول واحد مذکر، محفوظ، حفاظت کیا ہوا (محفوظ تختی میں، لوح محفوظ میں)۔

(الحمد للہ سورہ بروج مکمل ہو گئی)

[سورۃ الطارق]

آیت ۱ تا ۴

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

وَالسَّمَاۗءِ وَالطَّارِقِ (۱) وَمَآ اَدۡرٰىكَ مَا الطَّارِقُ (۲) النَّجۡمُ الثَّاقِبُ (۳) اِنۡ كُلُّ نَفۡسٍ لَّمَّا عَلَيۡهَا حَافِظٌ (۴)

ترجمہ؛

قسم ہے آسمان کی اور رات کو آنے والے کی! (۱) اور تجھے کس چیز نے معلوم کروایا کہ رات کو آنے والا کیا ہے؟ (۲) وہ چمکتا ہوا ستارہ ہے۔ (۳) کوئی جان ایسی نہیں ہے جس پر محافظ نہ ہو (۴)

کوائف؛

اس سورۃ کا نام سورۃ الطارق ہے۔ اس کی پہلی آیت میں طارق کا لفظ مذکور ہے جس سے سورۃ کا نام اخذ کیا گیا ہے۔ یہ سورۃ مکی زندگی میں نازل ہوئی۔ اس کی سترہ ۱۷ آیتیں اور ایک رکوع ہے۔

ماقبل سے ربط؛

پچھلی سورۃ میں اللہ تعالیٰ نے نوع انسانی میں پائی جانے والی بدامنی کے پیش نظر قیامت اور جزائے عمل کا مسئلہ سمجھایا تھا۔ اس سورۃ میں انسان کے جسم اور روح کے تعلق کی روشنی میں یہی مسئلہ پیش کیا گیا ہے۔ ان منکرین کا رد ہے جو وقوع قیامت اور بعث بعد الموت کو تسلیم نہیں کرتے۔

تفسیر؛۔

فرمایا؛ قسم ہے آسمان کی اور رات کو آنے والے کی! الخ؛

طارق کیا ہے اور النجم الثاقب کی مختلف تفسیریں:

وَالسَّمَاۗءِ میں واو قسمیہ ہے۔ معنی ہوگا قسم ہے آسمان کی و **الطَّارِقِ** اور قسم ہے رات کو آنے والے کی۔ طارق کا لفظی معنی ہے رات کو آنے والا۔ لیکن یہاں خود تشریح کردی کہ طارق سے کیا مراد ہے؟ فرمایا **وَمَآ اَدۡرٰىكَ مَا الطَّارِقُ** اور آپ کو کس نے بتلایا کہ طارق کیا ہے، رات کو آنے والا کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ خود فرماتے ہیں **النَّجۡمُ الثَّاقِبُ** وہ چمکتا ہوا ستارہ ہے۔ ایک تفسیر یہ کرتے ہیں کہ النجم الثاقب سے مراد چاند ہے کہ اس کی روشنی باقی تمام ستاروں سے زیادہ ہوتی ہے۔ اور دوسری تفسیر یہ ہے کہ اس سے زحل ستارہ مراد ہے۔ تیسری تفسیر یہ ہے کہ ثریا یعنی کہکشاں مراد ہے۔ ان ستاروں میں اللہ تعالیٰ نے بڑی خاصیات رکھی ہیں۔ ہم سے چونکہ بہت دور ہیں اس لیے ہم ان کی پوری حقیقت سے واقف نہیں ہیں۔ یہ قسم ہے اور آگے جواب قسم ہے **اِنۡ كُلُّ نَفۡسٍ لَّمَّا عَلَيۡهَا حَافِظٌ** بعض حضرات ان کو نافیہ قرار دیتے ہیں اور لما الا کے معنی میں ہے۔ معنی ہوگا نہیں ہے کوئی نفس مگر اس پر نگران ہے۔

حافظ کی مراد:

وہ نگران کون ہے؟ اس کی ایک تفسیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہے **فاللہ خیر حفظا وھو ارحم الرحمین (یوسف 64 :)** پس اللہ تعالیٰ ہی سب سے بہتر حفاظت کرنے والا ہے اور وہ سب سے بڑا مہربان ہے۔ تو سب سے بڑا محافظ رب العالمین ہے اور ہر وقت نگران ہے۔ یہ بھی صحیح ہے۔

اور دوسری تفسیر یہ ہے کہ کراماً کاتبین مراد ہیں۔ کہ وہ اعمال کے نگران ہیں۔ سورۃ الانفطار پارہ 30 میں ہے **وان علیکم لحفظین کراما کاتبین یعلمون ما تفعلون**۔ بیشک تمہارے اوپر البتہ حفاظت کرنے والے مقرر ہیں وہ باعزت لکھنے والے ہیں وہ جانتے ہیں جو کچھ تم کرتے ہو۔ جو بات زبان سے نکلتی ہے اس کو لکھ لیتے ہیں اور جو فعل سرزد ہوتا ہے اس کو بھی لکھ لیتے ہیں۔ یہ دو فرشتے دن کے ہوتے ہیں اور دو رات کے۔ فجر اور عصر کی نماز کے وقت ان کی ڈیوٹی بدلتی ہے۔ رات والے فجر کی نماز کے لیے امام اللہ اکبر کہتا ہے تو چلے جاتے ہیں اور دن والے آجاتے ہیں اور عصر کی نماز کے وقت امام محلہ کہتا ہے اللہ اکبر تو دن والے چلے جاتے ہیں اور رات والے آجاتے ہیں۔ تیسری تفسیر یہ ہے کہ حافظ سے مراد وہ فرشتے ہیں جو انسان کی حفاظت پر مامور ہیں۔ جن کا ذکر پارہ ۱۳ سورۃ الرعد آیت نمبر ۱۱ میں ہے **لہ معقبت من بین یدیہ و من خلفہ یحفظونہ من امر اللہ** اس کے لیے آگے پیچھے آنے والے ہیں اس آدمی کے آگے بھی اور پیچھے بھی جو اس کی حفاظت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے حکم سے۔ تفسیر ابن جریر طبری میں حضرت عثمان بن عفان (رض) سے روایت ہے کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا دس فرشتے انسان کے بدن کی دن کو حفاظت کرتے ہیں اور دس رات کو۔ جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے نگرانی منظور ہوتی ہے اور جب اس کی ہلاکت کا وقت ہوتا ہے تو فرشتے الگ ہوجاتے ہیں اور وہی کچھ ہوتا ہے جو رب تعالیٰ نے اس کے لیے مقدر کیا ہوتا ہے۔

ترکیب نحوی وتحقیق صرفی:

وَالسَّمَآءِ (وَ۔ اَلسَّمَآءِ) وَ، حرف جار قسمیہ، قسم ہے، اَلسَّمَآءِ، مجرور، مقسم بہ، آسمان (قسم ہے آسمان کی) وَالطَّارِقِ (وَ۔ اَلطَّارِقِ) وَ، حرف عطف، حرف جار، قسمیہ، اور (قسم) ہے، اَلطَّارِقِ، مقسم بہ، طَرْقٌ، مصدر سے اسم فاعل واحد مذکر، رات کو آنے والا، رات کو نمودار ہونے والا (اور (قسم) ہے رات کو نمودار ہونے والے کی) وَ، حرف عطف (اور) مَآ اَدْرٰىكَ (مَا۔ اَدْرٰى۔ كَ) مَا، استفہامیہ بمعنی، اَیُّ شَیْءٍ، کس چیز، اَدْرٰى، فعل ماضی واحد مذکر غائب اَدْرٰى يُدْرِىْ، مصدر اِدْرَآءٌ، جاننا، سمجھانا، معلوم کروانا، آگاہ کرنا، اس نے معلوم کروایا، كَ، ضمیر واحد مذکر حاضر، آپ کو (آپ کو کس چیز نے معلوم کروایا) مَا، استفہامیہ (کیا) اَلطَّارِقُ، طَرْقٌ، مصدر سے اسم فاعل واحد مذکر (رات کو نمودار ہونے والا) اَلنَّجْمُ الثَّاقِبُ (اَلنَّجْمُ۔ اَلثَّاقِبُ) اَلنَّجْمُ، موصوف، ستارہ، اَلثَّاقِبُ، صفت، ثُقُوْبٌ، مصدر سے جس کے معنی آگ کے روشن ہونے کے ہیں، اسم فاعل واحد مذکر، چمکدار، چمکنے والا، جلادینے والا (چمکنے والا ستارہ ہے) اِنْ، نافیہ (نہیں) كُلُّ نَفْسٍ۔ كُلُّ، مضاف، ہر، نَفْسٍ، مضاف الیہ، نفس، جان (ہر نفس) لَمَّا، استثنائیہ بمعنی، اِلَّا (مگر) عَلَيْهَا (عَلٰى۔ هَا) عَلٰى، حرف جار، پر، هَا، مجرور، ضمیر واحد مونث غائب ضمیر کا مرجع "نَفْسٍ" ہے حَافِظٌ۔ حِفْظٌ، مصدر سے اسم فاعل واحد مذکر (ایک حفاظت کرنے والا، نگہبان، نگران)

آیت ۵ تا ۱۰

فَلْيَنْظُرِ الْإِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ (۵) خُلِقَ مِنْ مَاءٍ دَافِقٍ (۶) يَخْرُجُ مِنْ بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَائِبِ (۷) إِنَّهُ عَلَى رَجْعِهِ لَقَادِرٌ (۸) يَوْمَ تُبْلَى السَّرَائِرُ (۹) فَمَا لَهُ مِنْ قُوَّةٍ وَلَا نَاصِرٍ (۱۰)

ترجمہ:۔

پس انسان کو لازم ہے کہ دیکھے وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا۔(۵) وہ ایک اچھلنے والے پانی سے پیدا کیا گیا ہے۔(۶) جو پیٹھ اور پسلیوں کے درمیان سے نکلتا ہے۔(۷) بے شک وہ اسے لوٹانے پر یقیناً قادر ہے۔(۸) جس دن چھپی ہوئی باتوں کی جانچ پڑتال کی جائے گی۔(۹) تو اس کے پاس نہ کوئی قوت ہو گی اور نہ کوئی مددگار۔(۱۰)

تفسیر:۔

فرمایا؛ پس انسان کو لازم ہے کہ دیکھے وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا الخ

"دافق، صلب" اور "ترائب" کا معنی:

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ ہر نفس کے لیے ایک محافظ ہے، جو اس کی نگرانی کرتا رہتا ہے اور اس کے اعمال کو گنتا رہتا ہے، اس کو جاننے کے بعد انسان پر یہ لازم ہے کہ وہ اہم مقاصد کے حصول کی کوشش کرے اور شرع اور عقل اس پر متفق ہیں کہ سب سے اہم مقصد اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس کی توحید کو ماننا ہے اور اس کو ماننا ہے کہ اس نے مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا ہے، جہاں اس سے اس کے اعمال کی پرسش ہو گی اور اللہ تعالیٰ کی معرفت آخرت کی معرفت پر مقدم ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں انسان کو اس کے خالق کی طرف متوجہ کیا۔

فرمایا : سو انسان کو غور کرنا چاہیے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے۔ وہ اچھلتے ہوئے پانی سے پیدا کیا گیا ہے۔

الطارق ٦ : میں "دافق" کا لفظ ہے، اس کا معنی ہے : اچھل کر بہنے والا۔

جو لوگ مر کر دوبارہ اٹھنے کا اور رسول کے بھیجنے کا انکار کرتے ہیں، وہ اس پر غور کریں کہ وہ نطفہ سے پیدا کیے گئے ہیں اور وہ نطفہ جما ہوا خون بن جاتا ہے، پھر گوشت کا ٹکڑا بن جاتا ہے، پھر اس میں ہڈیاں بن جاتی ہیں، اور پھر اس سے انسان کی صورت بن جاتی ہے، اگر اس نطفہ کو ایک طباق میں رکھ دیا جائے اور تمام جن اور انسان مل کر یہ کوشش کریں کہ وہ اس نطفہ سے انسان کا کوئی ایک عضو بنا لیں تو نہیں بنا سکتے، اللہ تعالیٰ نے انسان کی تخلیق کا جو قدرتی نظام بنایا ہے، اس نظام سے ہٹ کر انسان کی پیدائش عمل میں نہیں آ سکتی۔

فرمایا : جو پیٹھ اور سینہ کی ہڈیوں کے درمیان سے نکلتا ہے۔

اس آیت میں "صلب" کا لفظ ہے، اس سے مراد ہے : مرد کی پیٹھ اور "ترائب" کا لفظ ہے، اس سے مراد عورت کے سینہ کی درمیانی جگہ ہے، یعنی اس کے پستانوں کے درمیانی جگہ، جب انسان جماع کرتا ہے تو اس کی پیٹھ سے پانی نکل کر

رحم میں داخل ہوتا ہے اور عورت کے سینہ سے نکل کر پانی وہاں پہنچتا ہے۔

علامہ قرطبی لکھتے ہیں:

ہم مانتے ہیں کہ نطفہ بدن کے تمام اجزاء سے نکلتا ہے، اسی وجہ سے انسان اپنے والدین کے بہت مشابہ ہوتا ہے، اور خروج منی کے بعد تمام جسم کے غسل کی بھی یہی حکمت ہے اور جو آدمی بہت زیادہ جماع کرتا ہے، اسی وجہ سے اس کی کمر میں بہت درد ہوتا ہے اور یہ اسی وجہ سے ہوتا ہے کہ جو پانی کمر میں جمع ہوتا ہے، وہ بہت زیادہ نکل جاتا ہے۔

(الجامع الاحکام القرآن جز ۲۰ ص ۸، دار الفکر، بیروت، ۱٤۱۵ھ)

فرمایا: بیشک اللہ اس کو لوٹانے پر ضرور قادر ہے۔

انسان کو لوٹانے کے دو مطلب:

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ٦٠٦ھ فرماتے ہیں: اس آیت کے دو مطلب ہیں:

(۱) اس آیت کا معنی یہ ہے: جس ذات نے انسان کو ابتداءً پیدا کیا ہے، وہ اس کے مرنے کے بعد اس کو دوبارہ زندہ کرنے پر قادر ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان آیتوں میں فرمایا ہے:

قُلۡ يُحۡيِيۡهَا الَّذِيۡۤ اَنۡشَاَهَاۤ اَوَّلَ مَرَّةٍ ط (یٰسین: ۷۹)

آپ کہیے کہ ان بوسیدہ ہڈیوں کو وہی زندہ کرے گا جس نے ان کو پہلی بار پیدا کیا تھا۔

وَهُوَ الَّذِيۡ يَبۡدَؤُا الۡخَلۡقَ ثُمَّ يُعِيۡدُهٗ وَهُوَ اَهۡوَنُ عَلَيۡهِ ط (الروم: ۲۷)

وہی ہے جو پہلی بار مخلوق کو پیدا کرتا ہے، پھر اس کو دوبارہ پیدا کرے گا اور یہ اس پر بہت آسان ہے۔

(۲) مجاہد نے کہا: وہ اس پر قادر ہے کہ نطفہ کو دوبارہ آلے میں لوٹا دے، عکرمہ اور ضحاک نے کہا: وہ اس پر قادر ہے کہ نطفہ کو پشت میں لوٹا دے، ضحاک سے یہ بھی منقول ہے کہ وہ انسان کو دوبارہ نطفہ بنا دے، مقاتل بن حیان نے کہا: اس کا معنی ہے: اگر میں چاہوں تو انسان کو بڑھاپے سے جوانی کی طرف لوٹا دوں اور جوانی سے بچپن کی طرف لوٹا دوں اور بچپن سے پھر نطفہ کی طرف لوٹا دوں، تاہم اس آیت کی تفسیر میں پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۱۱ ص ۱۲۱، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱٤۱۵ھ)

علامہ آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ نے اس دوسری تفسیر کو رد کر دیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ بالکل باطل ہے اور صحیح تفسیر پہلی ہے اور حضرت علامہ آلوسی نے جو کچھ لکھا ہے، وہی صحیح اور معقول ہے اور مجاہد اور ضحاک وغیرہ کے اقوال صحیح نہیں ہیں۔ (روح المعانی)

فرمایا: جس دن سینہ کی چھپی باتیں ظاہر کر دی جائیں گی۔ سو اس وقت نہ اس کی کوئی طاقت ہوگی نہ اس کا کوئی مددگار ہوگا۔

"سرائر" اور "ابتلاء" کا معنی:

الطارق ۹ : میں "السرائر" کا لفظ ہے، اس سے مراد ہے : دل میں جو عقائد اور نیات چھپی ہوئی ہیں اور جو اعمال پوشیدہ طور پر کیے ہیں، اور اس آیت میں "تبلی" کا لفظ ہے، اس کا معنی ہے : ابتلاء اور آزمائش، اس سے مراد یہ ہے کہ انسان کے اعمال قیامت کے دن اس کے سامنے پیش کیے جائیں گے، نیز اس کے صحیفہ اعمال میں غور کیا جائے گا جس میں فرشتوں نے اس کے اعمال کی تفصیل لکھی ہے، آیا فرشتوں کا لکھا ہوا اس کے پیش کردہ اعمال کے مطابق ہے یا نہیں، ہر چند کہ اللہ تعالیٰ کو بندوں کے اعمال کا علم ہے لیکن اتمام حجت کے لیے اس کیفیت سے حساب لیا جائے گا۔

اس کی دوسری تفسیر اس طرح ہے کہ بعض افعال کا ظاہر تو حسین ہوتا ہے اور ان کا باطن قبیح ہوتا ہے اور بعض افعال کا ظاہر قبیح ہوتا ہے اور ان کا باطن حسین ہوتا ہے اور اس دن اعمال کی آزمائش اس طرح کی جائے گی کہ جن افعال کا ظاہر حسین ہے اور باطن قبیح ہے، ان افعال کے قبیح ہونے کی وجوہ پیش کی جائیں گی اور جن افعال کا ظاہر قبیح ہے اور باطن حسین ہے، ان افعال کی تحسین کی وجوہ پیش کی جائیں گی۔

اس کی تیسری تفسیر یہ ہے کہ جو افعال اللہ تعالیٰ اور بندوں کے درمیان راز ہیں، ان کو قیامت کے دن ظاہر کر دیا جائے گا اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ہر راز کو ظاہر کر دے گا حتیٰ کہ اس اظہار کی وجہ سے بعض چہرے خوش ہوں گے اور بعض چہرے مرجھائے ہوئے ہوں گے

فرمایا : سو اس وقت نہ اس کی کوئی طاقت ہوگی نہ اس کا کوئی مددگار ہوگا۔

اس کی طاقت نہ ہونے سے مراد یہ ہے کہ اس میں ایسی قوت نہیں ہوگی، جس کی وجہ سے وہ از خود اپنی ذات سے عذاب کو دور کر سکے، اور ناصر نہ ہونے سے مراد یہ ہے کہ اس کا کوئی ایسا مددگار نہ ہوگا جو اس سے عذاب کو دور کر سکے۔

ترکیب نحوی وتحقیق صرفی:

فَلْيَنْظُرِ (فَ۔لْ۔يَنْظُرْ) فَ، حرف عطف، پس، لْ، لام امر، چاہیے کہ، يَنْظُرْ، فعل مضارع مجزوم واحد مذکر غائب نَظَرَ يَنْظُرُ، مصدر نَظَرًا، دیکھنا، وہ دیکھے (پس چاہیے کہ وہ دیکھے) اَلْاِنْسَانُ (انسان) مِمَّ، اصل میں (مِنْ۔مَا) ہے، مَا، کا الف تخفیف کیلئے حذف کیا گیا، مِنْ، حرف جار، سے، مَا، استفہامیہ، کس (کس (چیز) سے) خُلِقَ، فعل ماضی مجہول واحد مذکر غائب خَلَقَ يَخْلُقُ، مصدر خَلْقًا، پیدا کرنا (وہ پیدا کیا گیا) خُلِقَ، فعل ماضی مجہول واحد مذکر غائب خَلَقَ يَخْلُقُ، مصدر خَلْقًا، پیدا کرنا، مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ (مِنْ۔مَآءٍ۔دَافِقٍ) مِنْ، حرف جار، سے، مَآءٍ، مجرور، موصوف، پانی، دَافِقٍ، صفت، دَفْقٌ، مصدر سے اسم فاعل واحد مذکر، اچھلنے والے (اچھلنے والے پانی سے) يَّخْرُجُ، فعل مضارع واحد مذکر غائب خَرَجَ يَخْرُجُ، مصدر خُرُوجًا، نکلنا (وہ نکلتا ہے) مِنْ بَيْنِ الصُّلْبِ۔ مِنْ، حرف جار، سے، بَيْنِ، مجرور، مضاف، درمیان، الصُّلْبِ، مضاف الیہ، پیٹھ کے، جمع، اَصْلَابٌ (پیٹھ کے درمیان سے) وَ، حرف عطف (اور) التَّرَآئِبِ (سینہ کی ہڈیاں، پسلیوں کے) واحد، تَرِيْبَةٌ، اِنَّهٗ (اِنَّ۔هٗ) اِنَّ، حرف مشبہ بالفعل، بے شک، هٗ، ضمیر واحد مذکر غائب، وہ (بے شک وہ) عَلٰى رَجْعِهٖ (عَلٰى۔رَجْعِ۔هٖ) عَلٰى، حرف جار، پر، رَجْعِ، مجرور، مضاف، مصدر، لوٹانا، هٖ، مضاف الیہ، ضمیر واحد مذکر غائب، اس کے، ضمیر کا مرجع، اَلْاِنْسَانُ، ہے (اس کے لوٹانے پر) لَقَادِرٌ (لَ۔قَادِرٌ) لَ، لام تاکید، ضرور، یقیناً، قَادِرٌ، اللہ کا

صفاتی تام، قُدْرَۃٌ مصدر سے اسم فاعل واحد مذکر قدرت رکھنے والا، قادر (یقیناً قادر) یَوْمَ، ظرف زمان ((جس) دن) تُبْلَی، فعل مضارع مجہول واحد مؤنث غائب بَلِیَ یَبْلٰی، مصدر بَلْیٌ وَبَلَاءٌ، جانچنا، اصل شکل میں ظاہر کرنا (وہ جانچا جائے گا) اَلسَّرَآئِرُ (بھید، راز، پوشیدہ باتیں) واحد، سَرِیْرَۃٌ، فَمَا (فَ۔مَا) فَ، حرف عطف، تو، مَا، نافیہ، نہ (تو نہ) لَہٗ (لَ۔ہٗ) لَ، حرف جار، کیلئے، ہٗ، مجرور، ضمیر واحد مذکر غائب، اس (اس کیلئے) مِنْ قُوَّۃٍ۔ مِنْ، حرف جار، زائدہ برائے عموم، قُوَّۃٍ، مجرور، قوت (کوئی قوت) وَ، حرف عطف (اور) لَاناصِرٍ۔ لَا نافیہ، نہ نَاصِرٍ، نَصْرٌ، مصدر سے اسم فاعل واحد مذکر (مدد کرنے والا۔

آیت ۱۱ تا ۱۷

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجْعِ (۱۱) وَالْأَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ (۱۲) إِنَّهُ لَقَوْلٌ فَصْلٌ (۱۳) وَمَا هُوَ بِالْهَزْلِ (۱۴) إِنَّهُمْ يَكِيدُونَ كَيْدًا (۱۵) وَأَكِيدُ كَيْدًا (۱۶) فَمَهِّلِ الْكَافِرِينَ أَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا (۱۷)

ترجمہ:۔

قسم ہے آسمان کی جو بار بار بارش برسانے والا ہے!(۱۱) اور زمین کی جو پھٹنے والی ہے!(۱۲) کہ بے شک یہ یقیناً ایک دو ٹوک بات ہے۔(۱۳) اور وہ کوئی ہنسی مذاق کی بات نہیں ہے(۱۴) بے شک وہ خفیہ تدبیر کرتے ہیں، ایک خفیہ تدبیر۔(۱۵) اور میں بھی خفیہ تدبیر کرتا ہوں، ایک خفیہ تدبیر۔(۱۶) سو کافروں کو مہلت دے، مہلت دے انھیں تھوڑی سی مہلت۔(۱۷)

تفسیر:۔

فرمایا؛ قسم ہے آسمان کی جو بار بار بارش برسانے والا ہے الخ؛

آسمان کو "ذات الرجع" فرمانے کی توجیہات:

اللہ سبحانہٗ نے توحید اور حشر کے ثبوت پر دلائل دینے کے بعد ایک اور قسم کھائی، اس قسم میں آسمان کو "ذات الرجع" فرمایا ہے، "ذات الرجع" کا معنی ہے: بار بار لوٹنے والا۔ زجاج وغیرہ نے کہا ہے: اس سے مراد ہے: بارش کو برسانے والا، کیونکہ بارش بار بار لوٹ کر آتی ہے، دوسری وجہ یہ ہے کہ زمین کے سمندروں سے سمندر کا پانی بھاپ بن کر بادلوں کی صورت اختیار کرلیتا ہے، پھر بارش کی صورت میں وہی پانی زمین کی طرف لوٹ جاتا ہے، تیسری وجہ یہ ہے کہ عرب نیک فال کے طور پر بارش کو "ذات الرجع" یعنی لوٹ کر آنے والی کہتے ہیں کہ بارش دوبارہ پھر لوٹ کر آئے، جیسے عید کے دن کو عید اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ مسلمان کی زندگی میں پھر لوٹ کر آتا ہے، کیونکہ عید کا لفظ عود سے بنا ہے، جس کا معنی ہے: لوٹنا اور چوتھی وجہ یہ ہے کہ بارش ہر سال لوٹ کر آتی ہے بلکہ ایک سال میں متعدد بار آتی ہے، اس لیے بارش کو "ذات الرجع" کہتے ہیں، یعنی بار بار لوٹ کر آنے والی اور کیونکہ بارش کا نزول آسمان کی جانب سے ہوتا ہے، اس لیے آسمان کو بھی "ذات الرجع" فرمایا۔

حضرت ابن عباس (رض) نے فرمایا: "والسماء ذات الرجع" (الطارق: ۱۱) کا معنی ہے: بار بار بارش برسانے والا

آسمان، کیونکہ آسمان سے بار بار بارش نازل ہوتی ہے یا جو خیر آسمان کی طرف سے آتی ہے، وہ بار بار لوٹ کر آتی ہے۔

ابن زید نے کہا : آسمان اپنے سورج اور اپنے چاند کو غروب ہونے کے بعد بار بار طلوع کی طرف لوٹاتا ہے۔

فرمایا :اور پھٹنے والی زمین کی قسم۔

زمین کو"ذات الصدع" فرمانے کی توجہات؛

اس آیت میں زمین کو "ذات الصدع" فرمایا ہے، "الصدع" کا معنی ہے : "الشق" یعنی پھٹنا، قرآن مجید میں ہے۔

یومئذ یصدعون۔ (الروم :۴۳) اس دن سب پھٹ کر بکھر جائیں گے۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا : زمین پھٹتی ہے اور اس سے پودے اور کونپلیں نکل آتی ہیں۔

مجاہد نے کہا :اس سے مراد دو پہاڑوں کے درمیان شق اور شگاف ہے، قرآن مجید میں ہے :

وجعلنا فیھا فجاجاً سبلاً (الانبیاء :۳۱) اور ہم نے اس زمین میں کشادہ راستے بنادیئے۔

لیث نے کہا : "الصدع" سے مراد زمین کی پیداوار ہیں کیونکہ زمین کی پیداوار زمین کو پھاڑ کر باہر نکل آتی ہیں اور اسی اعتبار سے زمین کی پیدوار کو "الصدع" فرمایا ہے۔

امام رازی فرماتے ہیں : جس طرح اللہ تعالیٰ نے جان داروں کی تخلیق کو اپنی توحید اور حشر کی معرفت کی دلیل بنایا ہے، اسی طرح اس نے اس قسم میں زمین کی پیداوار کی تخلیق کو اس کی معرفت کی دلیل بنایا ہے، پس بارش برسانے والا آسمان بہ منزلہ باپ ہے اور پھٹ کر غلہ نکالنے والی زمین بہ منزلہ ماں ہے اور یہ دونوں اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمتیں ہیں کیونکہ دنیا کی تمام نعمتیں اس پر موقوف ہیں کہ آسمان کی جانب سے بار بار بارشیں نازل ہوتی رہیں اور زمین پھٹ کر بار بار غلہ اور پھل اگاتی رہے۔

آسمان اور زمین کی قسم کھا کر اللہ تعالیٰ نے جواب قسم کا ذکر کیا۔

فرمایا : بیشک یہ (قرآن) (حق اور باطل میں) فیصلہ کرنے والا کلام ہے۔

"قول فصل" کی دو تفسیریں؛

حارث اعور، حضرت علی (رض) سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے :اس کتاب میں تم سے پہلے لوگوں کی خبر ہے اور تمہارے بعد کے لوگوں کے لیے حکم ہے اور یہ فیصلہ پر مشتمل کتاب ہے، کوئی مذاق نہیں، جس کسی جبار نے اس کو ترک کردیا، اللہ تعالیٰ اس کو ہلاک کردے گا اور جس نے اس کتاب کے غیر میں ہدایت کو تلاش کیا، اللہ تعالیٰ اس کو ہلاک کردے گا۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث ۲۹۰۶ :)

"قول فصل" کا ایک معنی یہ ہے کہ یہ حق اور باطل میں فیصلہ کرنے والا قول ہے اور اس کا دوسرا معنی یہ ہے : یہ مفصل قول ہے، اس میں حلال اور حرام کو بیان فرمادیا ہے اور یہ بیان فرمادیا ہے کہ کن کاموں سے بچنا چاہیے اور کن کاموں کو کرنا

چاہیے اور اس میں حق اور باطل اور صحیح اور غلط کو بیان فرما دیا ہے اور اس میں مؤمنوں کے لیے ثواب کی بشارت اور کفار کے لیے عذاب کی وعید کو بیان فرما دیا ہے، انبیاء سابقین اور مؤمنین صالحین کا ذکر ہے اور سابقہ امتوں کے کافروں اور ان پر نازل ہونے والے عذاب کا ذکر ہے اور قیامت تک پیش آنے والے امور کے لیے جامع ہدایت ہے اور مکمل دستور العمل ہے۔

"قول فصل" کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ اس سے پہلے جو ذکر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ وہ تم کو اس دن زندہ کرے گا، جس دن تمہاری آزمائش کی جائے گی اور تمہاری خفیہ باتوں کو ظاہر کر دیا جائے گا، یہ برحق قول ہے کوئی مذاق نہیں ہے۔

فرمایا: بیشک کافر اپنی سازش کر رہے ہیں۔ اور مین اپنی خفیہ تدبیر کر رہا ہوں۔

کافروں کی سازش اور ان کا مکر یہ تھا کہ وہ لوگوں کے دلوں میں اسلام کے خلاف شکوک اور شبہات ڈالتے تھے تا کہ وہ اسلام نہ لائیں، مثلاً وہ یہ کہتے تھے کہ قرآن مجید میں ہے کہ تمام انسانوں کو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیا جائے گا، تو جب انسانوں کی ہڈیاں بوسیدہ ہو جائیں گی اور وہ مرنے کے بعد مٹی ہو جائیں گے اور ان کے اجزاء دوسرے مردوں کے اجزاء سے خلط ملط ہو جائیں گے تو ان کو باہم کس طرح تمیز دی جائے گی؟ اور وہ کہتے تھے کہ اگر یہ قرآن واقعی اللہ کا کلام ہے تو یہ کسی بڑے سردار پر کیوں نہ نازل ہوا؟ اور وہ کہتے تھے کہ قرآن مجید میں مذکور ہے کہ جو جانور اپنی طبعی موت سے مر جائے وہ حرام ہے اور جس جانور کو مسلمان اللہ کے نام پر ذبح کریں وہ حلال ہے، سو یہ کیسی غلط بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کا مارا ہوا جانور حرام ہو اور بند کا مارا ہوا جانور حلال ہو؟ اور وہ سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی نبوت میں طعن کرتے تھے اور کہتے تھے: وہ ساحر ہیں یا شاعر ہیں یا مجنوں ہیں اور انھوں نے سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو قتل کرنے کی سازش کی، اللہ تعالیٰ نے ان کی اس سازش کو ناکام کر دیا اور ان کے تمام شبہات کو زائل کر دیا اور نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی نصرت اور مدد فرمائی اور آپ کے لائے ہوئے دین کو سربلند اور غالب کر دیا۔

کفار کے "کید" اور اللہ تعالیٰ کے "کید" میں فرق:

اس آیت میں کفار کی سازش کو بھی "کید" فرمایا ہے اور اللہ تعالیٰ نے جو خفیہ تدبیر فرمائی، اس کو بھی "کید" فرمایا ہے حالانکہ ان کی سازش باطل تھی اور اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیر حق ہے، صورۃً مماثلت کی وجہ سے دونوں کے لیے ایک لفظ "کید" فرمایا ہے جیسا کہ ان آیتوں میں ہے:

جزوا سیئة سیئة مثلها (الشوریٰ: ۴۰) برائی کا بدلہ اسی کی مثل برائی ہے۔

حالانکہ برائی ظلم ہے اور اس کا بدلہ عدل ہے، جیسے کوئی کسی کو ظلماً قتل کر دے، پھر اس کے قصاص میں قاتل کو قتل کیا جائے تو پہلا قتل ظلم ہے اور دوسرا قتل عدل ہے۔

نَسُوا اللهَ فَاَنْسٰهُمْ اَنْفُسَهُمْ ط (الحشر :١٩) کافروں نے اللہ کو بھلا دیا تو اللہ نے بھی ان کو بھلا دیا۔

کافروں کو بھلانا گناہ اور اللہ کا بھلانا یعنی ان پر رحم نہ فرمانا ان کے گناہ کی سزا ہے، لیکن صورۃً مماثلت کی وجہ سے دونوں کے لیے بھلانے کا لفظ استعمال فرمایا:

اس طرح کی اور بہت آیات ہیں، جیسے فرمایا:

یُخٰدِعُوْنَ اللهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ج (النساء :١٤٢)

منافقین اپنے (زعم میں) اللہ کو دھوکہ دے رہے ہیں حالانکہ ان کو ان کے دھوکے کی سزا دینے والا ہے۔

زیر تفسیر آیت میں کافروں کا "کید" (سازش) یہ تھا کہ اللہ کے دین سے لوگوں کو متنفر کیا جائے، اور اللہ تعالیٰ کا "کید" یہ تھا کہ ان کو ان کے کفر میں ڈھیل دی جائے، پھر اچانک ان پر گرفت کی جائے۔

فرمایا: سو آپ کافروں کو چھوڑ دیں (اور) ان کو تھوڑی مہلت دیں۔

نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو مہلت دینے کے حکم کی توجیہ:

اس آیت میں "روید" کا لفظ ہے، یہ اسماء افعال میں سے ہے، اس کا معنی ہے: ان کو مہلت دیں اور ان کے ساتھ نرمی کریں۔ اس آیت میں پہلے "فمھل" فرمایا، اس کے بعد "امھلھم" فرمایا، دونوں کا معنی ہے: ان کو مہلت دیں اور "روید" کا بھی یہ معنی ہے، غرضیکہ متعدد تاکیدات کے ساتھ فرمایا ہے: ان کو مہلت دیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ کفار مکہ جس طرح آپ کو تنگ کر رہے تھے اور مسلمانوں کو مشتعل کر رہے تھے، اس کا تقاضا تھا کہ ان کافروں سے فوری انتقام لیا جائے لیکن اللہ تعالیٰ اپنی حکمت سے آپ کو صبر وضبط کی تلقین فرماتا رہا، دوسری وجہ یہ ہے کہ کفار مکہ کے مسلسل مظالم کا تقاضا یہ تھا اور حالات اس موڑ پر آ گئے تھے کہ آپ ان کے خلاف ہلاکت کی دعا کرتے، اس لیے فرمایا: آپ ان کو تھوڑی مہلت دیں، کیونکہ عنقریب غزوۂ بدر میں یا آخرت مین ان سے انتقام کا موقع آئے گا، اگرچہ آپ نے ان کی ہلاکت کی ایسی کوئی دعا نہیں کی تھی، بلکہ حدیث میں ہے:

حضرت ابوہریرہ (رض) بیان کرتے ہیں کہ آپ سے کہا گیا: یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! مشرکین کے خلاف دعا کیجئے، آپ نے فرمایا: مجھے لعنت کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا مجھے صرف رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ٢٥٩٩)

نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی زوجہ حضرت عائشہ (رض) بیان کرتی ہیں کہ انھوں نے آپ سے پوچھا: آپ پر کونسا ایسا دن آیا ہے جو احد کے دن سے زیادہ آپ پر سخت تھا؟ آپ نے فرمایا: میں نے تمہاری قوم کی جس بدسلوکی کا سامنا کیا ہے، سو کیا ہے اور ان کی سب سے زیادہ بدسلوکی کا دن یوم عقبہ تھا، میں نے ابن عبد یالیل کے سامنے اپنی نبوت کو پیش کیا، اس نے میری امید کے مطابق جواب نہیں دیا، پھر میں نہایت غمگین ہو کر چلا گیا، پھر قرن الثعالب پر پہنچ کر میں سنبھلا، میں نے

سر اٹھا کر دیکھا تو ایک بادل نے مجھ پر سایہ کیا ہوا تھا، میں نے دیکھا کہ اس میں حضرت جبرائیل تھے، انھوں نے مجھ کو ندا کر کے کہا : آپ کی قوم نے جواب آپ کو جواب دیا ہے، وہ اللہ تعالیٰ نے سن لیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کے فرشتے کو آپ کے پاس بھیجا ہے کہ آپ ان لوگوں کے متعلق جو چاہیں اس کو حکم دیں، پہاڑوں کے فرشتہ نے آپ کو ندا کر کے آپ کو سلام کیا، پھر کہا : یا محمد! آپ جو چاہیں حکم دیں، آپ چاہیں تو میں دو پہاڑوں کے درمیان ان کو پیس دوں، نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا : بلکہ میں یہ امید رکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کی پشتوں سے ایسے لوگوں کو نکالے گا، جو صرف اللہ واحد کی عبادت کریں گے اور اس کی عبادت میں کسی کو شریک نہیں کریں گے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث : ۳۲۳۱، صحیح مسلم رقم الحدیث ۷۷۰۶ :)

سو اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے آپ کی طبیعت اور مزاج کے موافق فرمایا، ان کو تھوڑی مہلت دیں، عنقریب جنگ بدر، میں آپ کو جہاد کی اجازت دی جائے گی، پھر ان سے انتقام لے لیں یا پھر آخرت میں ان سے انتقام لیا جائے گا۔

ترکیب نحوی وتحقیق صرفی:

وَالسَّمَآءِ (وَ۔ اَلسَّمَآءِ) وَ، حرف جار، قسمیہ، قسم ہے، اَلسَّمَآءِ، مجرور، مقسم بہ، آسمان کی (قسم ہے آسمان کی) ذَاتِ الرَّجۡعِ (ذَاتِ۔ اَلرَّجۡعِ) ذَاتِ، مضاف، والا، اَلرَّجۡعِ، مضاف الیہ، مصدر رہے، لوٹنا، پھر آنا، چکر لگانا، بارش بھی بار بار ہوتی ہے اس لئے یہاں بطور اسم بمعنی بارش استعمال ہوا ہے (بارش والا) وَالۡاَرۡضِ (وَ۔ اَلۡاَرۡضِ) وَ، حرف عطف، حرف جار، قسمیہ، اور قسم، اَلۡاَرۡضِ، مجرور، مقسم بہ، زمین کی، (اور زمین کی (قسم)) ذَاتِ الصَّدۡعِ (ذَاتِ۔ اَلصَّدۡعِ) ذَاتِ، مضاف، والی، اَلصَّدۡعِ، مضاف الیہ، مصدر ہے پھٹنا، شق ہونا (پھٹ جانے والی) اِنَّهٗ (اِنَّ۔ هٗ) اِنَّ، حرف مشبہ بالفعل، بے شک، هٗ، ضمیر واحد مذکر غائب، وہ، ضمیر کا مرجع "قُرۡاٰنٌ" ہے، (بے شک وہ) لَقَوۡلٌ فَصۡلٌ (لَ۔ قَوۡلٌ۔ فَصۡلٌ) لَ، لام تاکید، ضرور، یقینا، قَوۡلٌ، موصوف، کلام، بات، فَصۡلٌ، صفت، حق و باطل کی تمیز، فیصلہ کرنے والا (فیصلہ کرنے والا کلام) وَّ، حرف عطف (اور) مَا، نافیہ (نہیں) هُوَ، ضمیر منفصلہ واحد مذکر غائب (وہ) بِالۡهَزۡلِ (بِ۔ اَلۡهَزۡلِ) بِ، حرف جار، زائدہ برائے تاکید نفی، اَلۡهَزۡلِ، مجرور، کھیل، باطل، ہنسی مذاق، (ہرگز ہنسی مذاق) اِنَّهُمۡ (اِنَّ۔ هُمۡ) اِنَّ، حرف مشبہ بالفعل، بے شک، هُمۡ، ضمیر جمع مذکر غائب، وہ (بے شک وہ) یَكِیۡدُوۡنَ، فعل مضارع جمع مذکر غائب كَادَ یَكِیۡدُ، مصدر كَیۡدًا، چال چلنا، تدبیر کرنا، سازش کرنا (وہ تدبیر کرتے ہیں) كَیۡدًا، مصدر، مفعول مطلق (ایک تدبیر) وَ، حرف عطف (اور) اَكِیۡدُ، فعل مضارع واحد متکلم كَادَ یَكِیۡدُ، مصدر كَیۡدًا، تدبیر کرنا (میں تدبیر کرتا ہوں) كَیۡدًا، مصدر، مفعول مطلق (ایک تدبیر) فَمَهِّلِ (فَ۔ مَهِّلۡ) فَ، حرف عطف، تو، مَهِّلۡ، فعل امر واحد مذکر حاضر مَهَّلَ یُمَهِّلُ، مصدر تَمۡهِیۡلٌ، مہلت دینا، ڈھیل دینا، آپ مہلت دیجئے (تو آپ مہلت دیجئے) الۡكٰفِرِیۡنَ۔ كُفۡرًا، مصدر سے اسم فاعل جمع مذکر (کفر کرنے والے، کافروں) واحد، اَلۡكَافِرُ، اَمۡهِلۡهُمۡ (اَمۡهِلۡ۔ هُمۡ) اَمۡهِلۡ، فعل امر واحد مذکر حاضر اَمۡهَلَ یُمۡهِلُ، مصدر اِمۡهَالًا، مہلت دینا، آپ مہلت دیجئے، هُمۡ، ضمیر جمع مذکر غائب، انہیں (آپ انہیں مہلت دیجئے) رُوَیۡدًا، اسم فعل ہے، تھوڑی سی مہلت، یہ اصل میں، اِرۡوَادٌ، کی تصغیر ہے، معنی، مہلت دینے اور ٹھہرنے کے ہیں (تھوڑی سی مہلت)۔

(الحمد للہ سورہ طارق مکمل ہو گئی)

[سورۃ الاعلیٰ]

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

آیت ا تا ۵

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى (۱) الَّذِي خَلَقَ فَسَوَّى (۲) وَالَّذِي قَدَّرَ فَهَدَى (۳) وَالَّذِي أَخْرَجَ الْمَرْعَى (۴) فَجَعَلَهُ غُثَاءً أَحْوَى (۵)

ترجمہ:۔

اپنے رب کے نام کی تسبیح کر جو سب سے بلند ہے۔(۱) وہ جس نے پیدا کیا، پس درست بنایا۔(۲) اور جس نے (ٹھیک ٹھاک) اندازہ کیا اور پھر راہ دکھائی (۳) اور وہ جس نے چارا اگایا۔(۴) پھر اس نے اس کو (سکھا کر) سیاہ کوڑا کر دیا۔(۵)

کوائف:

اس سورت کا نام سورۃ الاعلیٰ ہے۔ پہلی ہی آیت کریمہ میں اعلیٰ کا لفظ موجود ہے اسی سے سورت کا نام لیا گیا ہے۔ یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ اس سے پہلے سات سورتیں نازل ہو چکی تھیں۔ اس کا آٹھواں نمبر ہے۔ اس کا ایک رکوع اور انیس آیات ہیں۔

ماقبل سے ربط:

پہلی سورۃ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہر انسان کے نفس پر اللہ نے محافظ مقرر کر رکھے ہیں اور اس کے اعمال کی حفاظت ہو رہی ہے۔ لہٰذا ایک دن آئے گا، جب راز کھلیں گے جب ایسا ہوگا۔ معاملہ بڑا خراب ہوگا۔ اس دن انسان ندامت اور شرمندگی سے بچنا چاہیں گے اس کا طریقہ بھی اللہ نے اس سورۃ میں بتا دیا اور وہ یہ ہے جیسا کہ آخری آیات میں آتا ہے۔ حیوۃ الدنیا اور ترغیب فی الاخرت یعنی دنیا کی طرف سے بے رغبتی اور آخرت کے معاملات کی طرف زیادہ توجہ ہونی چاہیئے۔ اگر ایسا ہو گیا تو راز کھلنے کے دن انسان شرمندگی سے بچ جائے گا۔ ورنہ وہاں پر بچنے کی کوئی صورت نہیں۔ اور رازوں کو کوئی تبدیلی بھی نہیں کر سکتا۔ جس دنیا میں مثلیں تبدیل کر دی جاتی ہیں۔ اس طرح آخرت میں یہ ممکن نہ ہوگا ہر انسان کے اعمال محفوظ ہیں۔ وہ پیش ہوں گے۔ اور ان کے مطابق جزائے عمل واقع ہوگی۔

تفسیر:

فرمایا: اپنے رب کے نام کی تسبیح کر جو سب سے بلند ہے الخ:

(تسبیح کا مفہوم:

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں سبح اسم ربک الاعلی اپنے رب کے نام کی تسبیح بیان کریں۔ جو سب سے بلند ہے۔ اعلیٰ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ اور تسبیح کا معنی تنزیہہ ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کو تمام ایسی چیزوں سے پاک سمجھا جائے جو اس کی شان کے لائق نہیں

۔مثلاً عیب ونقص کی ہر چیز سے اللہ پاک ہے۔ اسی طرح تحمید کا معنی یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کو تمام صفاتِ کمالیہ کے ساتھ موصوف سمجھے۔ مگر نقص وعیب قطعی نہ ہو، نہ خدا کی ذات میں کوئی شریک ہے اور نہ اس کی صفات میں۔ نہ اس کی عبادت میں کوئی شریک کیا جاسکتا ہے۔ گویا تسبیح کا معنی تنزیہہ ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کو ان تمام چیزوں سے پاک سمجھنا جو اس کی ذات کے لائق نہیں ہیں۔ اس کی ذات تمام عیوب ونقائض سے پاک ہے۔

(اللہ تعالیٰ کے اسمائے پاک:

بعض حضرات اسم کا معنی ذات کرتے ہیں۔ کیونکہ اسم ذات کا عنوان ہوتا ہے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ قرآن وحدیث میں اللہ تعالیٰ کے بہت سے نام مذکور ہیں۔ صحیح حدیث میں ننانوے اسمائے پاک کا ذکر ہے۔ **ان للہ تعالیٰ تسعة وتسعین اسما مائة الا واحدا من احصاها دخل الجنة۔** اللہ تعالیٰ کے ننانوے یعنی ایک کم سو ۱۰۰ نام ہیں جس شخص نے ان کو یاد کیا اور ان کا ورد کرتا رہا۔ ان پر ایمان رکھا وہ بہشت میں داخل ہوگا۔ قرآن پاک میں بھی اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ لہ الاسماء الحسنیٰ ۔" دوسری جگہ فرمایا۔" وللہ الاسماء الحسنیٰ ۔" اللہ تعالیٰ کے سارے نام ہی بھلے ہیں، ان میں سے جس نام کے ساتھ چاہو اسے یاد کرو۔ اللہ رحمان، رحیم ستار غفار وغیرہ وغیرہ سب اللہ کے نام ہیں۔

جس طرح خدا کی ذات پاک ہے اسی طرح اس کی صفات بھی پاک ہیں۔ شاہ عبدالعزیز فرماتے ہیں اسم کو ظاہر پر ہی رکھو اور اللہ کے نام کی تسبیح بھی کرو۔ اور وہ اس طرح کہ خدا کا جو بھی اسم ہے اس کا غلط مطلب نہ لو۔ جیسا کہ قرآن پاک میں موجود ہے کہ جو لوگ اسمائے پاک میں الحاد کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو جانتا ہے اگر کسی معنی غلط بیان کیا تو یہ تنزیہہ کے خلاف ہوگا۔ اسم پاک کا وہی مطلب لینا چاہیے جو اللہ کی مراد ہے۔ اگر مطلب غلط لیا تو الحاد ہو جائے گا۔ اور الحاد جس طرح ذات میں برا ہے اسی طرح اسم پاک میں بھی برا ہے۔ مقصد یہ کہ نام اللہ کا ذکر کیا صفت تو اللہ کی مگر مطلب غلط لے لیا تو یہی الحاد ہے اور تنزیہہ کے خلاف ہے۔

(انسان کو اللہ کے نام سے بلانا گناہ ہے:

بعض لوگ اللہ تعالیٰ کے اسم پاک کو غیر اللہ پر بولتے ہیں یہ درست نہیں۔ اس لیے فقہاء کرام اور مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اللہ کا نام لے کر کسی غیر کو بلانا الحاد میں داخل ہے اور گناہ ہے مثلاً عبدالغنی کو صرف غنی کہہ دینا یا عبدالمجید کی بجائے مجید صاحب کہہ دینا درست نہیں ہے۔ غنی اور مجید تو اللہ تعالیٰ کے نام ہیں کسی انسان کو بلانا ہے تو پورا نام یعنی عبدالمجید کہنا چاہیئے۔ نام کو مخفف کر کے بلانا انگریز کا طریقہ ہے۔ ایسا کرنے والا گناہ گار ہوگا۔ یہ بات سبح اسم ربک الاعلیٰ کے خلاف ہے اور مکروہ تحریمی کے درجے میں آتی ہے لہٰذا اس سے اجتناب کرنا چاہیے۔

(اللہ تعالیٰ کی صفات کاملہ:

الغرض یہاں یہ حکم ہوا ہے کہ اپنے رب کی تسبیح بیان کریں وہ رب جو کہ اعلیٰ ہے۔ اعلیٰ خدا تعالیٰ کی صفت ہے۔ کہتے ہیں کہ

اعلیٰ سے ذات مع جمیع الصفات مراد ہوتی ہے کے ساتھ یاد کرنا کافی ہے۔

ان صفات میں سے اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے خلق کو بیان فرمایا ہے۔ **الذی خلق** یعنی وہ خدا تعالیٰ جس کا ایک کمال تخلیق ہے۔ ہر چیز اسی کی پیدا کردہ ہے۔ کیونکہ ھوالخلق العلیم دنیا کی ہر چیز مخلوق ہے۔ اور خالق صرف وہی ہے۔ **اللہ خالق کل شیء** نیز یہ بھی ارشاد ہے کہ پیدا کرنا صرف اسی کا کام ہے۔ " **الا لہ الخلق** توحید کا یہ درجہ ایسا ہے جس میں ہر مذہب کے لوگ شامل ہیں۔ ہنود یہود مشرک وغیرہ سب اس بات کے قائل ہیں کہ خالق خدا کے سوا اور کوئی نہیں۔

اس مقام پر دوسری صفت کمال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان کو صرف پیدا ہی نہیں کیا بلکہ فسوی اس کے تمام قوی ظاہرہ اور باطنہ کو کمال اعتدال کے ساتھ قائم کیا ہے کہ اس کی کمال درجے کی صنعت اور کاریگری کی دلیل ہے۔ امام غزالی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمام اشیاء اس کمال درجے پر پیدا فرمائی ہیں کہ اس سے بہتر ممکن ہی نہیں۔ نہ صرف انسان بلکہ ہر ہر چیز اللہ تعالیٰ کی کمال صنعت کا شاہکار ہے۔ انسان کی بہترین شکل وصورت درخت کے پتے پھل اور پھول ہر چیز اس کی صنعت تسویہ کا ثبوت ہے۔ فرمایا **ھو الذی یصورکم فی الارحام کیف یشاء** "اللہ کی ذات تو وہ ہے جو شکم مادر میں تمہاری بہترین شکل وصورت پیدا کرتا ہے۔ پھر اس کے تمام اعضاء کو ٹھیک ٹھاک بناتا ہے۔ یہ اس کی صفت تسویہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کی پیدائش سے پہلے والذی قدر اس نے اندازہ ٹھہرایا قبل از پیدائش اس کے لیے تمام چیزیں مقرر کر دیں کیونکہ ہر چیز اس کے علم میں موجود ہے اور پھر پیدا کرنے کے بعد یونہی نہیں چھوڑ دیا۔ کہ انسان کا جدھر دل چاہے چلا جائے۔ بلکہ فھدی اسے ہدایت بھی دی۔ اس کی سیدھے راستے کی طرف راہنمائی کی۔ اور بتا دیا کہ اس تک پہنچنے کا یہ صحیح راستہ ہے۔ اس پر چلو گے تو درجہ کمال تک پہنچ جاؤ گے۔ اگر کوئی دوسرا راستہ اختیار کرو گے۔ تو گمراہی کے گڑھے میں جا گرو گے۔

اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر اپنے نام کی تسبیح بیان کرنے کا حکم دیا۔ اور اس کے ساتھ اپنی بعض صفات کاملہ کا ذکر کیا۔ کہ اسی ذات نے انسان کو پیدا کیا۔ پھر برابر کیا۔ تمام قوی ظاہرہ وباطنہ کو کمال اعتدال کے ساتھ رکھا۔ اپنے علم ازلی کے ذریعے اس کی تقدیر مقرر کی۔ اور پھر اس کی ہدایت کے لیے اسے راہ بھی دکھائی۔

(انسان کے حواس ظاہرہ اور باطنہ:

انسان کے حواس ظاہرہ اور باطنہ وہ ذرائع ہیں جن کے ذریعے انسان علم حاصل کرتا ہے بعض ذرائع ایسے ہیں۔ جو انسان کے اندر پائے جاتے ہیں۔ اور بعض ایسے ہیں جو انسان کو باہر سے حاصل ہوتے ہیں۔ اندرونی ذرائع حواس خمسہ یعنی سننے دیکھنے سونگھنے چکھنے اور ٹٹولنے جیسے ذرائع ہیں جن کے ساتھ انسان علم حاصل کرتا ہے۔ انسان کے اندر حس مشترک بھی ہے۔ اسی طرح خیال اور عقل وغیرہ ہیں۔ جن کے ذریعے انسان راہنمائی حاصل کرتا ہے۔ حصول علم کے خارجی ذرائع میں وحی اور الہام ہے۔ اللہ تعالیٰ انبیاء (علیہم السلام) کی معرفت اپنی وحی لوگوں تک پہنچاتا ہے۔ جو ان کی راہنمائی کرتی ہے۔

(جانور انسان کی خدمت پر مامور ہیں؛

صفت تخلیق کا پہلا درجہ انسان کا ہے۔ کہ یہ اشرف المخلوقات ہے۔ پھر دوسرا درجہ حیوانات کا ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی خدمت کے لیے اور نوع انسانی کی مصلحت کو پورا کرنے لیے پیدا کیا ہے۔ جیسا فرمایا" **متاعا لکم ولانعامکم** " یہ چیزیں تمہارے اور تمہارے جانوروں کے فائدے کے لیے ہیں اور جانور تمہاری خدمت کے لیے پیدا کیے ہیں سورۃ نحل میں موجود ہے۔ کہ دیکھو! اللہ تعالیٰ نے جانوروں کو پیدا کر کے کس طرح تمہارے ماتحت کر دیا۔ یہ تمہارے بس میں نہ تھا۔ مگر اللہ نے انھیں تمہارے لیے مسخر کر دیا اسی لیے فرمایا کہ گھوڑے یا اونٹ یا خچر وغیرہ کی پیٹھ پر یوں کہو" **سبحٰن الذی سخر لنا هذا وما کنا له مقرنین** " خدا کی ذات پاک ہے۔ جس نے ان کو ہمارے تابع کر دیا۔ ورنہ ایسے جانوروں کو کون مطیع کرسکتا ہے۔ کوئی بھی حیوان گھوڑا ہاتھی اونٹ وغیرہ بگڑ جائے تو جان کی فکر پڑ جاتی ہے۔ مگر یہ وہی ذات ہے جس نے اسے اپنے سے کمزور تر ہستی کے تابع کر دیا۔ فرمایا والذی اخرج المرعیٰ خدا کی ذات وہ ہے جس نے زمین سے چارا نکالا جہاں پر جانور نظر آئیں سمجھ لیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس خطہ ارضی میں چراگاہ بھی پیدا کی ہے۔ جو ان جانوروں کی خوراک ہے۔ جانور خود تو اپنے لیے چارا پیدا نہیں کرسکتا، یہ تو وہی مالک الملک ہے جس نے ہر ذی روح کی روزی کا ذمہ لے رکھا ہے۔ جانوروں کی خوراک کے لیے چارا بھی زمین سے پیدا فرما دیا ہے۔ ادر یہ چارا اسی وقت کارآمد ہے جب تک سرسبز ہے مگر کچھ عرصہ کے بعد یہ خشک ہو جاتا ہے۔ اسی لیے فرمایا فجعله غثاء جب پیدا کیا تو یہ چارہ سرسبز و شاداب تھا۔ پھر کچھ وقت کے بعد اسے خشک بنا دیا۔ احوی پھر وہ سیاہی مائل ہو کر کوڑا کرکٹ بن گیا۔ پہلے تازہ تھا اور کارآمد تھا اب مرجھا گیا اور کوڑے کا ڈھیر بن گیا۔

ترکیب نحوی و تحقیق صرفی؛

سَبِّحْ، فعل امر واحد مذکر حاضر سَبَّحَ یُسَبِّحُ، مصدر تَسْبِیْحٌ، پاکی بیان کرنا، تسبیح کرنا (آپ تسبیح کریں) اِسْمَ (نام) رَبِّکَ (رَبِّ۔ کَ) رَبِّ، مضاف، رب، پروردگار، کَ، مضاف الیہ، ضمیر واحد مذکر حاضر، اپنے، (اپنے رب کے) الْاَعْلٰی، جس کے معنی بلند و برتر ہونے کے ہیں، عُلُوٌّ، مصدر سے افعل التفضیل کا صیغہ، (سب سے بلند، سب سے برتر) الَّذِیْ، اسم موصول واحد مذکر (وہ جس نے) خَلَقَ، فعل ماضی واحد مذکر غائب خَلَقَ یَخْلُقُ، مصدر خَلْقًا، پیدا کرنا (اس نے پیدا کیا) فَسَوّٰی (فَ۔ سَوّٰی) فَ، حرف عطف، پھر، سَوّٰی، فعل ماضی واحد مذکر غائب سَوّٰی یُسَوِّیْ، مصدر تَسْوِیَۃٌ، سنوارنا، مکمل کرنا، درست کرنا، اس نے درست کیا (پھر اس نے درست کیا) وَ، حرف عطف (اور) الَّذِیْ، اسم موصول واحد مذکر (وہ جس نے) قَدَّرَ، فعل ماضی واحد مذکر غائب قَدَّرَ یُقَدِّرُ، مصدر تَقْدِیْرًا، اندازہ کرنا، تقدیر بنانا (اس نے اندازہ کیا) فَهَدٰی (فَ۔ هَدٰی) فَ، حرف عطف، پھر، هَدٰی، فعل ماضی واحد مذکر غائب هَدٰی یَهْدِیْ، مصدر هِدَایَۃٌ، ہدایت دینا، راہ دکھانا، اس نے ہدایت دی (پھر اس نے ہدایت دی) وَ، حرف عطف (اور) الَّذِیْ، اسم موصول واحد مذکر (وہ جس نے) اَخْرَجَ، فعل ماضی واحد مذکر غائب اَخْرَجَ یُخْرِجُ، مصدر اِخْرَاجًا، نکالنا (اس نے نکالا) الْمَرْعٰی۔ رَعْیٌ، مصدر سے اسم ظرف (چراگاہ) بمعنی ثانی جانوروں اور انسانوں کی خوراک، چارہ، نباتات) فَجَعَلَهٗ (فَ۔ جَعَلَ۔ هٗ) فَ، حرف عطف، پھر، جَعَلَ، فعل ماضی واحد مذکر غائب جَعَلَ یَجْعَلُ، مصدر جَعْلًا، بنانا، کر دینا، اس نے کر دیا، هٗ، ضمیر واحد مذکر غائب، اسے (پھر اس نے اسے کر دیا) غُثَآءً اَحْوٰی۔ غُثَآءً، سیلاب کا کوڑا کرکٹ اور جھاگ، سوکھی گھاس، جمع، اَغْثَآءٌ، اَحْوٰی، صفت، سیاہ۔

آیت ۶ تا ۱۳

سَنُقۡرِئُكَ فَلَا تَنۡسٰۤى (۶) اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ‌ؕ اِنَّهٗ يَعۡلَمُ الۡجَهۡرَ وَمَا يَخۡفٰى (۷) وَنُيَسِّرُكَ لِلۡيُسۡرٰى (۸) فَذَكِّرۡ اِنۡ نَّفَعَتِ الذِّكۡرٰى (۹) سَيَذَّكَّرُ مَنۡ يَّخۡشٰى (۱۰) وَيَتَجَنَّبُهَا الۡاَشۡقَى (۱۱) الَّذِىۡ يَصۡلَى النَّارَ الۡكُبۡرٰى (۱۲) ثُمَّ لَا يَمُوۡتُ فِيۡهَا وَلَا يَحۡيٰى (۱۳)

ترجمہ:

ہم عنقریب تجھے پڑھائیں گے تو تو نہیں بھولے گا۔(۶) مگر جو اللہ چاہے۔ یقیناً وہ کھلی بات کو جانتا ہے اور اس بات کو بھی جو چھپی ہوئی ہے۔(۷) اور ہم تجھے آسان راستے کے لیے سہولت دیں گے۔(۸) سو تو نصیحت کر، اگر نصیحت کرنا فائدہ دے۔(۹) عنقریب نصیحت حاصل کرے گا جو ڈرتا ہے۔(۱۰) اور اس سے علیحدہ رہے گا جو سب سے بڑا بدنصیب ہے۔(۱۱) وہ جو سب سے بڑی آگ میں داخل ہوگا۔(۱۲) پھر وہ نہ اس میں مرے گا اور نہ زندہ رہے گا۔(۱۳)

تفسیر:۔

فرمایا؛ ہم عنقریب تجھے پڑھائیں گے تو تو نہیں بھولے گا۔

(قرآن پاک کی تعلیم اللہ کے ذمہ ہے:

اللہ تعالیٰ نے اپنی آخری کتاب قرآن پاک نازل فرما کر حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو تسلی دی کہ اس کتاب کو پڑھنے میں آپ کسی قسم کی فکر نہ کریں بلکہ سنقرئک ہم خود آپ کو اس طور پر پڑھا دیں گے فلا تنسی کہ آپ بھولیں گے نہیں آپ کو قرآن پاک کی ایسی تعلیم دیں گے جو طبعی تقاضوں کو پورا کرے گی۔ اس کے اصول ضوابط شریعت قانون ہر چیز آپ کو ذہن نشین کرا دیں گے۔ ایک دفعہ یاد کرا دینے کے بعد بھولنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا الا ماشاء اللہ سوائے اس چیز کے کہ اللہ تعالیٰ خود اسے بھلا دینا چاہے۔ اللہ تعالیٰ ایک حکم صادر کرتا ہے تو وہ اس کو واپس بھی لے سکتا ہے لہٰذا اگر اللہ تعالیٰ چاہے کہ کوئی حکم باقی نہ رہے۔ تو وہ خود بھلا دے گا۔ مگر اس کا قانون ہے ما ننسخ من ایۃ او ننسھا نات بخیر منھا۔ جب ہم کسی آیت کو منسوخ کر دیتے ہیں تو اس سے بہتر چیز لے آتے ہیں۔ لہٰذا اس قانون کے تحت اگر خود اللہ تعالیٰ کسی چیز کی منسوخی چاہیں گے تو اسے بھلا دیں گے ورنہ قرآن پاک کی ہر ہر آیت کا پڑھانا اور یاد رکھوانا ہماری ذمہ داری ہے۔

(اللہ عالم الغیب الشہادۃ ہے:

فرمایا؛ اللہ تعالیٰ جانتا ہے پکارنے کو اور مخفی چیز کو یعنی جو کام انسان کھلے طور پر کرتا ہے۔

اللہ اسے بھی جانتا ہے۔ اور جو کام پوشیدہ رکھتے ہیں۔ اللہ ان سے بھی واقف ہے۔ وہ تو انسان کے دل کی نیت کو بھی جانتا ہے۔ ہر شخص کی استعداد اور صلاحیت تک سے واقف ہے۔

(ہدایت کا طالب ہدایت پالیتا:

فرمایا؛ہم آسان کردیں گے آپ کے لیے آسانی یعنی آپ کے مشن کو بتدریج آسان بنادیں گے۔پیغمبر کا کام تبلیغ کے ذریعے لوگوں کو صراط مستقیم کی طرف بلانا ہے۔لوگوں کے ہدایت پانے کے دوطریقے ہیں۔یا تو وہ پیغمبر (علیہ السلام) کی تبلیغ کا اثر قبول کرتے ہیں یا خود بخود حق کے متلاشی بن کر ہدایت کو پالیتے ہیں۔جولوگ اچھی صلاحیت کے مالک ہوتے ہیں۔وہ نبی کی دعوت کو فوراقبول کرلیتے ہیں۔مگر یہ ممکن نہیں کہ ہر شخص کو نبی خود خطاب کرے جولوگ خود حق کے متلاشی ہوتے ہیں وہ ضرور اسے پالیتے ہیں۔کیونکہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے والذین جاھدوا فینالنھد ینھم سبلنا یعنی جولوگ ہماری طرف آنے کی کوشش کرتے ہیں۔ہم ان کے لیے ہدایت کے دروازے کھول دیتے ہیں۔ایسےلوگوں تک اگر نبی کا خطاب نہ بھی پہنچے تب بھی وہ ہدایت کوتلاش کرلیتے ہیں۔

(تبلیغ میں سراسر نفع ہے۔:

نبی (علیہ السلام) کو ارشاد فرمایا کہ آپ نصیحت کرتے رہیں اور اس بات کی فکر نہ کریں کہ کوئی نصیحت سے فائدہ حاصل کرے یا نہ کرے۔آپ اپنا کام کرتے رہیں۔تبلیغ کا فریضہ انجام دیتے رہیں۔آپ سے یہ نہیں پوچھا جائے گا کہ آپ کے مخاطب نے تبلیغ کا فائدہ کیوں نہیں اٹھایا۔بلکہ آپ سے صرف یہ سوال ہوگا کہ آپ نے نصیحت کی یا نہیں۔شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ مبلغ کو یقین رکھنا چاہیے کہ کوئی مانے یا نہ مانے اسے تبلیغ حق کا اجر ضرور ملے گا۔پھر ان کو بھی یقیناً فائدہ پہنچے گا۔جو اس دعوت کو قبول کرلیں گے۔اگر کوئی نصیحت نہ پکڑے تو اس کی اپنی بد بختی ہے۔ورنہ مبلغ کو ضرور فائدہ ہوگا ۔اس لیے حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو حکم ہوتا ہے۔کہ آپ نصیحت کرتے رہیں۔کوئی اس سے فائدہ اٹھائے یا نہ اٹھائے۔

(خوف خدا کامیابی کاذریعہ ہے:

فرمایاسیذ کر من یخشٰی نصیحت وہ شخص پکڑے گا جو ڈرتا ہے اور ڈرتا وہ ہے جسے خطرے کا احساس ہوتا ہے۔اور خطرے کے آنے سے پہلے ہی اس سے بچاؤ کا انتظام کرلیتا ہے۔ایسے شخص کو ہی عاقبت اندیش کہتے ہیں قبل از وقت خطرے کا احساس کرتا ہے۔نصیحت وہی پکڑے گا جسے ڈر ہے کہ ایک دن راز کھلیں گے جزائے عمل واقع ہوگی۔اور اس سے کوئی نہیں بچ سکے گا۔

(شقی کاانجام:

فرمایاو یتجنبھا الاشقی اور اس نصیحت سے الگ وہ رہے گا جو بد بخت ہے ناعاقبت اندیش ہے۔اس نے بروقت خطرے کا احساس ہی نہیں کیا۔اور اس بچاؤ کی تیاری نہیں کی۔وہ لذات اور شہوات میں منہمک رہا۔اور نصیحت کی بات کو مزاق سمجھتا رہا ۔ایسا شخص کمال کی منزل تک نہیں پہنچ سکے گا۔بلکہ الذی یصلی النار الکبری یہ بڑی آگ میں پہنچے گا۔جو دوزخ کی آگ ہے اور دنیا کی آگ سے ستر گنا زیادہ سخت ہے۔اور اس بڑی آگ میں پہنچے گا۔جو دوزخ کی آگ ہے اور دنیا کی آگ سے

ستر گنا زیادہ سخت ہے۔ اور اس بڑی آگ میں جا کر اس کی حالت یہ ہوگی۔ کہ **ثم لا یموت فیھا** اس آگ میں جل کر اس کی موت بھی واقع نہیں ہوگی۔ تا کہ اس کا خاتمہ ہو جائے امام ابن جریر فرماتے ہیں۔ دوزخی کی جان گلے تک آئے گی مگر نکلے گی نہیں اس طرح نہ اس کی موت واقع ہوگی۔ ولا یحییٰ اور نہ ہی وہ زندہ ہوگا۔ حقیقت میں اسے زندگی کا لطف خوشی اور سرور حاصل نہیں ہوگا۔ اس کو آرام وراحت نہیں ملے گا۔ اس لیے دوزخ کی زندگی اس کے لیے زندگی ہوگی مصائب وآلام کی کٹھن منزل ہوگی۔ ایسی حالت کو لا یموت فیھا ولا یحییٰ کہہ سکتے ہیں۔ جس میں نہ موت دیا جا سکے۔ ایسے بدبخت کی یہ حالت ہوگی۔

ترکیب نحوی وتحقیق صرفی:

سَنُقْرِئُکَ (سَ۔ نُقْرِئُ۔ کَ) سَ، حرف استقبال، مضارع کو مستقبل کے معنی کیلئے مختص کرتا ہے، عنقریب، نُقْرِئُ، فعل مضارع جمع متکلم اَقْرَأَ یُقْرِئُ، مصدر اِقْرَآءٌ، پڑھانا، ہم پڑھائیں گے، کَ، ضمیر واحد مذکر حاضر، فَلَا تَنْسٰی (فَ۔ لَا تَنْسٰی) فَ، حرف عطف، تو، لَا تَنْسٰی، فعل مضارع منفی واحد مذکر حاضر نَسِیَ یَنْسٰی، مصدر نِسْیَانٌ، بھولنا، آپ نہیں بھولیں گے (تو آپ نہیں بھولیں گے) اِلَّا، حرف استثنا (مگر) مَا، اسم موصول (جو) شَآءَ، فعل ماضی واحد مذکر غائب شَآءَ یَشَآءُ، مصدر مَشِیْئَۃٌ، چاہنا (وہ چاہے) اللّٰہُ (اللہ) اِنَّہٗ یَعْلَمُ الْجَھْرَ وَمَا یَخْفٰی بلاشبہ وہ جانتا ہے ظاہر کو اور اس کو (بھی) جو چھپا ہوتا ہے۔ اِنَّہٗ (اِنَّ۔ ہٗ) اِنَّ، حرف مشبہ بالفعل، بلاشبہ، ہٗ، ضمیر واحد مذکر غائب، وہ (بلاشبہ وہ) یَعْلَمُ، فعل مضارع واحد مذکر غائب عَلِمَ یَعْلَمُ، مصدر عِلْمًا، جاننا (وہ جانتا ہے) اَلْجَھْرَ، دیکھنے یا سننے میں کسی چیز کے کھلم کھلا ظاہر ہونے کا نام، جَھْرٌ، ہے (زور سے کہنا، علانیہ ظاہر ہونا، ظاہری بات، ظاہر) وَ، حرف عطف (اور) مَا، اسم موصول (اس کو جو) یَخْفٰی، فعل مضارع واحد مذکر غائب خَفِیَ یَخْفٰی، مصدر خِفَآءٌ، پوشیدہ ہونا، چھپا ہونا (چھپا ہوتا ہے) وَ، حرف عطف (اور) نُیَسِّرُکَ (نُیَسِّرُ۔ کَ) نُیَسِّرُ، فعل مضارع جمع متکلم یَسَّرَ یُیَسِّرُ، مصدر تَیْسِیْرًا آسان کرنا، سہولت دینا، ہم سہولت دیں گے، کَ، ضمیر واحد مذکر حاضر، آپ کو (ہم آپ کو سہولت دیں گے) لِلْیُسْرٰی (لِ۔ اَلْیُسْرٰی) لِ، حرف جار، کی، اَلْیُسْرٰی، مجرور، یُسْرٌ، مصدر سے اسم تفضیل واحد مؤنث معرف باللام، آسان (آسان (طریقہ) کی) فَذَکِّرْ (فَ۔ ذَکِّرْ) فَ، حرف عطف، تو، ذَکِّرْ، فعل امر واحد مذکر حاضر ذَکَّرَ یُذَکِّرُ، مصدر تَذْکِیْرٌ، نصیحت کرنا، آپ نصیحت کریں (تو آپ نصیحت کریں) اِنْ، شرطیہ جازمہ (اگر) نَفَعَتْ، فعل ماضی واحد مؤنث غائب نَفَعَ یَنْفَعُ، مصدر نَفْعٌ، نفع دینا، فائدہ دینا، اِنْ، کی وجہ سے ترجمہ، (وہ فائدہ دے) اَلذِّکْرٰی، مصدر (نصیحت کرنا، نصیحت) سَیَذَّکَّرُ (سَ۔ یَذَّکَّرُ) سَ، حرف استقبال، مضارع کو مستقبل کے معنی کیلئے مختص کرتا ہے، عنقریب، یَذَّکَّرُ، فعل مضارع واحد مذکر غائب اِذَّکَّرَ یَذَّکَّرُ، مصدر اِذَّکُّرٌ، نصیحت قبول کرنا، وہ نصیحت قبول کرے گا (عنقریب وہ نصیحت قبول کرے گا) مَنْ، اسم موصول (جو) یَخْشٰی، فعل مضارع واحد مذکر غائب خَشِیَ یَخْشٰی، مصدر خَشْیَۃٌ، ڈرنا (وہ ڈرتا ہے) وَ، حرف عطف (اور) یَتَجَنَّبُھَا (یَتَجَنَّبُ۔ ھَا) یَتَجَنَّبُ، فعل مضارع واحد مذکر غائب تَجَنَّبَ یَتَجَنَّبُ، مصدر تَجَنُّبٌ، اجتناب کرنا، دور رہنا، وہ دور رہے گا، ھَا، ضمیر واحد مؤنث غائب، اس سے، ضمیر کا مرجع، اَلذِّکْرٰی، ہے (وہ اس سے دور رہے گا) اَلْاَشْقَی۔ شَقَاوَۃٌ، مصدر سے افعل التفضیل کا صیغہ (سب سے بڑا بدبخت، بدقسمت) اَلَّذِیْ، اسم موصول واحد مذکر (وہ جو) یَصْلَی، فعل مضارع واحد مذکر غائب صَلِیَ یَصْلٰی، مصدر صَلْیٌ، داخل ہونا (وہ داخل ہوگا) اَلنَّارَ (آگ) اَلْکُبْرٰی۔ کِبَرٌ، مصدر سے افعل التفضیل کا صیغہ واحد مؤنث (سب سے بڑی) ثُمَّ، حرف عطف (پھر) لَا یَمُوْتُ، فعل مضارع منفی واحد مذکر غائب مَاتَ یَمُوْتُ، مصدر مَوْتًا، مرنا، فوت ہونا (وہ نہ مرے گا) فِیْھَا (فِیْ۔ ھَا) فِیْ، حرف جار، میں، ھَا، مجرور، ضمیر واحد مؤنث غائب، اس، ضمیر کا مرجع، اَلنَّارَ، ہے (اس میں) وَ، حرف عطف (اور) لَا یَحْیٰی، فعل مضارع منفی واحد مذکر غائب حَیِیَ یَحْیٰی، مصدر حَیَاۃٌ، زندہ رہنا (نہ وہ زندہ رہے گا)

آیت ۱۴ تا ۱۹

قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكَّىٰ (۱۴) وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهِ فَصَلَّىٰ (۱۵) بَلْ تُؤْثِرُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا (۱۶) وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ وَأَبْقَىٰ (۱۷) إِنَّ هَٰذَا لَفِي الصُّحُفِ الْأُولَىٰ (۱۸) صُحُفِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ (۱۹)

ترجمہ:۔

بے شک وہ کامیاب ہو گیا جو پاک ہو گیا۔(۱۴) اور اپنے رب کا نام لیا پھر نماز پڑھی(۱۵) بلکہ تم دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو۔(۱۶) حالانکہ آخرت کہیں بہتر اور زیادہ باقی رہنے والی ہے۔(۱۷) بے شک یہ بات یقیناً پہلے صحیفوں میں ہے۔(۱۸) ابراہیم اور موسیٰ کے صحیفوں میں۔(۱۹)

تفسیر:۔

فرمایا: بے شک وہ کامیاب ہو گیا جو پاک ہو گیا الخ:

تزکیہ نفس کا معنی:

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے کفار کا اور ان کی ہٹ دھرمی اور ان کے اخروی انجام کا ذکر فرمایا تھا، اور جیسا کہ قرآن مجید کا اسلوب ہے کہ وہ کفار کے بعد مؤمنین کا ذکر فرماتا ہے اور وعید کے بعد اور عذاب کے بعد ثواب کا ذکر فرماتا ہے، اس لیے ان مؤمنوں کا ذکر فرما رہا ہے، جنہوں نے اپنا تزکیہ کر لیا اور اپنا باطن صاف کر لیا۔

اب یہ بحث ہے کہ تزکیہ سے کیا مراد ہے؟ امام رازی کی رائے یہ ہے کہ تزکیہ سے مراد ہے : کفر و شرک کو ترک کر کے اپنے باطن کو صاف کرنا اور کفر کی تاریکی کو اپنے قلب سے زائل کر کے اس کو ایمان کے نور سے روشن کرنا، کیونکہ اس آیت میں مطلق تزکیہ کا ذکر ہے اور جب کسی چیز کو مطلق ذکر کیا جائے تو اس سے مراد اس کا کامل فرد ہوتا ہے اور تزکیہ کا کامل فرد کفر اور شرک کو زائل کرنا ہے اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ حضرت ابن عباس (رض) نے فرمایا : ”تزکی“ کا معنی ہے : ”لا الہ الا اللہ“ پڑھنا۔(تفسیر کبیر ج ۱۱ ص ۱۳۵)

حضرت جابر بن عبد اللہ (رض) بیان کرتے ہیں کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے " قد افلح من تزکی " کی تفسیر میں فرمایا : جس نے " لا الہ الا اللہ " کی شہادت دی اور یہ شہادت دی کہ میں اللہ کا رسول ہوں اور " وذکر اسم ربہ فصلی " کی تفسیر میں فرمایا : یہ پانچ نمازوں کی حفاظت کرتا ہے۔

(مسند البزار رقم الحدیث ۲۲۸٤ :، اس حدیث کی سند میں عباد بن احمد العرزمی متروک ہے۔ مجمع الزوائد ج ۷ ص ۱۳۷)

دوسرے مفسرین نے یہ کہا ہے کہ تزکیہ سے مراد ہے : کفر و شرک اور ہر قسم کے کبیرہ گناہوں کی آلودگی سے قلب کو صاف کر دینا اور اس کی تائید ان آیات سے ہوتی ہے :

قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ۔ الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ۔ وَالَّذِينَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُونَ۔ وَالَّذِينَ هُمْ لِلزَّكَاةِ فَاعِلُونَ۔

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ۔ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ۔ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ۔ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ۔ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ۔ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ۔ الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ۔ (المؤمنون ۱۔۱۱)

بے شک ایمان والوں نے فلاح حاصل کرلی۔ جو اپنی نمازوں میں خشوع کرتے ہیں۔ اور جو بے ہودہ باتوں سے منہ موڑ لیتے ہیں۔ اور جو اپنا باطن صاف کرنے والے ہیں۔ اور جو لوگ اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ سو اپنی بیویوں کے یا باندیوں کے سو بیشک ان میں وہ ملامت کیے ہوئے نہیں ہیں۔ اور جس نے ان کے علاوہ کسی اور کو طلب کیا سو وہی لوگ (اللہ کی حدود سے) تجاوز کرنے والے ہیں۔ اور وہ لوگ جو اپنی امانتوں اور عہد کی پاس داری کرنے والے ہیں۔ اور وہ لوگ جو اپنی نمازوں کی نگہبانی کرنے والے ہیں۔ وہی لوگ وارث ہیں۔ جو جنت الفردوس کی وارثت پائیں گے، وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔

حافظ جلال الدین سیوطی نے الاعلیٰ ۱۵ :۔۱۴ کی تفسیر میں حسب ذیل آثار ذکر کیے ہیں۔

امام ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس (رض) سے روایت کیا : جس نے شرک کو ترک کیا، توحید کا اقرار کیا اور پانچوں نمازیں پڑھیں۔

امام بیہقی نے "الاسماء والصفات" میں عکرمہ سے روایت کیا ہے : جس نے " لاالہ الااللہ " پڑھا۔

امام ابن ابی حاتم نے عطاء سے روایت کیا ہے، جس نے بہ کثرت استغفار کیا۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث : ۱۹۲۳۱)

امام عبدالرزاق اور امام ابن ابی حاتم نے حضرت قتادہ (رض) سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کیا ہے، جس نے نیک عمل کیے۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث ۱۹۲۳۲ :)

تزکیہ کی تفسیر صدقہ فطر قرار دینے کے متعلق احادیث اور آثار:

امام بزار، امام ابن ابی حاتم اور امام بیہقی نے سند ضعیف سے عبداللہ بن عمرو بن عوف سے، انھوں نے اپنے والد سے اور انھوں نے اپنے دادا سے روایت کیا ہے کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) عید کی نماز پڑھنے سے پہلے ان آیات کی تلاوت فرماتے تھے، : "قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى۔ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى۔" (الاعلیٰ :۱۴۔ ۱۵) ایک روایت میں ہے کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے صدقہ فطر کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا : " وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى۔ " سے مراد صدقہ فطر ہے۔ (تفسیر امام ابن حاتم)

امام ابن مردویہ نے حضرت ابوسعید الخدری (رض) سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) عید الفطر کے دن نماز عید پڑھنے کے لیے جانے سے پہلے صدقہ فطر ادا کرتے۔

امام ابن مردویہ اور امام بیہقی نے حضرت عبداللہ بن عمر (رض) سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت اس لیے نازل ہوئی ہے کہ عید کی نماز کے لیے جانے سے پہلے صدقہ فطر ادا کر دیا جائے۔

امام ابن جریر اور امام ابن ابی حاتم نے حضرت قتادہ (رض) سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کیا ہے: جس شخص نے اپنے مال کو پاک کیا اور جس شخص نے اپنے اخلاق سے اپنے باطن کو پاکیزہ کیا۔

امام سعید بن منصور اور امام ابن ابی شیبہ نے حضرت ابوالاحوص (رض) سے روایت کیا ہے: اللہ اس شخص پر رحم فرمائے جس نے صدقہ کیا، پھر نماز پڑھی، پھر انھوں نے یہ آیت پڑھی۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث ۱۹۲۴۰ :)

(الدر المنثور ج ۸ ص ۴۴۵، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

تزکیہ کا معنی ہے: اپنے قلب سے عائد باطلہ اور گناہ ہائے کبیرہ کی طرف میلان کو زائل کرنا اور خضوع اور خشوع سے نماز پڑھنے کا معنی یہ ہے: جو شخص اپنے رب کے سامنے منکسر اور متواضع ہوتا ہے، اس کا دل اللہ تعالیٰ کے جلال اور اس کی عظمت سے منور ہو جاتا ہے، پھر اس نور کی وجہ سے اس کے تمام اعضاء سے خضوع اور خشوع ظاہر ہوتا ہے۔

فقہاء شافعیہ نے کہا ہے کہ نماز کی "تکبیرۃ الافتتاح" میں اللہ اکبر کہنا ضروری ہے اور امام اعظم ابوحنیفہ (رح) نے فرمایا ہے کہ اللہ اکبر کہنا ضروری نہیں ہے، اگر اس نے اللہ اعظم کہہ دیا، پھر بھی نماز کو شروع کرنا صحیح ہے کیونکہ اس آیت میں فرمایا ہے:

(الاعلیٰ ۱۴ :) اس نے اپنے رب کا نام ذکر کیا، پھر نماز پڑھی۔

فرمایا: بلکہ تم دنیا کی زندگی کی ترجیح دیتے ہو۔

دنیا کی لذتوں کو آخرت کی نعمتوں پر ترجیح دینے کی مذمت میں احادیث اور آثار:

اس آیت کا معنی ہے کہ تم دنیا کے مشاغل اور دنیا کی لذات کو آخرت کے مشاغل اور آخرت کی لذات پر ترجیح دیتے ہو۔

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: حضرت ابوسعید خدری (رض) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ہمیں عصر کے بعد سے غروب آفتاب تک خطبہ دیا، ہم میں سے جس نے اس کو یاد رکھا اس نے یاد رکھا اور جس نے اس کو بھلا دیا اس نے بھلا دیا، اس خطبہ میں آپ نے قیام تک ہونے والے امور کو بیان فرما دیا، آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کے بعد فرمایا: یہ دنیا سرسبز اور میٹھی ہے اور اللہ تم کو اس میں خلیفہ بنانے والا ہے، سو دیکھنے والا ہے کہ تم اس میں کیا عمل کرتے ہو، سنو! تم دنیا اور عورتوں سے بچو۔ الحدیث۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۱۹ مسند احمد ج ۱۷ ص ۲۲۷۔ رقم الحدیث :)

حضرت عقبہ بن عامر (رض) بیان کرتے ہیں کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے شہداء احد کی نماز جنازہ پڑھنے کے بعد فرمایا: بیشک اللہ کی قسم! مین اب بھی اپنے حوض کو دیکھ رہا ہوں اور مجھے روئے زمین کے خزانوں کی چابیاں دے دی گئی ہیں

اور بیشک مجھے یہ خطرہ نہیں ہے کہ میرے بعد تم سب مشرک ہو جاؤ گے لیکن مجھے تم پر یہ خطرہ ہے کہ تم دنیا میں رغبت کرو گے۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث ١٣٤٤ : ،سنن ابو داؤد رقم الحدیث ٣٢٢٣ : ،مسند احمد ج ٤ ص ١٤٩)

امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن مسعود (رض) نے سورۃ الاعلیٰ پڑھی، جب وہ اس آیت پر پہنچے :

"بَلۡ تُؤۡثِرُوۡنَ الۡحَيٰوةَ الدُّنۡيَا۔" (الاعلیٰ :١٦) تو انھوں نے پڑھنا چھوڑ دیا اور اپنے اصحاب کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: ہم نے آخرت کے اوپر دنیا کو ترجیح دے دی ہے، پھر انھوں نے کہا : ہم نے دنیا کو اس لیے ترجیح دی ہے کہ ہم نے دنیا کی خوش نما چیزوں کو دنیا کی (حسین) عورتوں کو اور دنیا کی کھانے پینے کی لذیذ چیزوں کو دیکھا اور آخرت کی نعمتیں ہم سے غائب تھی، اور ہم نے جلد ملنے والی چیزوں کو تاخیر سے ملنے والی نعمتوں پر ترجیح دی۔ (جامع البیان رقم الحدیث ٢٨٦٥٨ :)

فرمایا : اور آخرت ہی بہت عمدہ اور ہمیشہ باقی رہنے والی ہے۔

اخروی نعمتوں کے افضل ہونے کی وجوہ:

(١) آخرت جسمانی اور روحانی سعادتوں پر مشتمل ہے جب کہ دنیا میں صرف دنیاوی لذتیں ہیں۔

(٢) دنیا کی لذتیں مصیبت اٹھانے کے بعد ملتی ہیں اور آخرت کی لذتیں ابتداء ملتی ہیں۔

(٣) دنیا کی لذتوں کے ساتھ یہ فکر بھی ہوتی ہے کہ یہ لذتیں کسی وقت بھی زائل ہو سکتی ہیں۔

(٤) دنیا کی لذتیں فانی ہیں اور آخرت کی لذتیں باقی ہیں۔

فرمایا : بیشک یہ (نصیحت) پہلے صحائف میں بھی (مذکور) ہے۔

کون سی نصیحت سابقہ صحائف میں مذکور ہے؟!

اس مین اختلاف ہے کہ اس نصیحت کا اشارہ کس طرف ہے، بعض علماء نے کہا :اس کا اشارہ اللہ تعالیٰ کی توحید، سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی رسالت، کفار کو عذاب کی وعید اور مؤمنین کو ثواب کی بشارت کی طرف ہے۔

بعض علماء نے کہا :اس کا اشارہ "قَدۡ اَفۡلَحَ مَنۡ تَزَکّٰى۔" (الاعلیٰ :١٤) کی طرف ہے اور اس سے مقصود یہ ہے کہ انسان اپنے نفس کو ہر نامناسب کام سے پاک اور صاف کرے، قوت نظریہ کو تمام عقائد باطلہ سے پاک کرے اور قوتِ عملیہ کو تمام مذموم اخلاق سے پاک کرے۔

"وَذَكَرَ اسۡمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى۔" (الاعلیٰ :١٥) میں یہ بتایا ہے کہ انسان اپنی روح کو اللہ تعالیٰ کی معرفت سے منور کرے اور " فصلی " میں یہ بتایا ہے کہ انسان اپنے اعضاء کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے مزین کرے۔

"بَلۡ تُؤۡثِرُوۡنَ الۡحَيٰوةَ الدُّنۡيَا۔" الاعلیٰ :١٦) میں یہ اشارہ ہے کہ انسان کو چاہیے کہ وہ دنیا کی زیب و زینت میں غافل ہو کر اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت کو فراموش نہ کرے۔

"وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى۔" (الاعلیٰ :۱۷) میں یہ رہنمائی کی ہے کہ انسان پر لازم ہے کہ وہ آخرت میں اللہ تعالیٰ کے ثواب کی طرف رغبت کرے اور اخروی انعامات کی طرف۔

اور چونکہ اشارہ اس کی طرف کیا جاتا ہے جو زیادہ قریب مذکور ہو، اس لیے متبادر یہ ہے کہ یہ اشارہ الاعلیٰ ۱۷ : کی طرف ہے اور اس آیت کی نظیر یہ آیت ہے:

وَاِنَّهٗ لَفِيْ زُبُرِ الْاَوَّلِيْنَ ۔ (الشعراء :۱۹۶) بیشک یہ (قرآن) انبیاء سابقین کے صحائف میں بھی مذکور ہے۔

فرمایا :ابراہیم اور موسیٰ کے صحائف میں۔

نبیوں، رسولوں، کتابوں اور صحیفوں کی تعداد کی تحقیق :

امام ابونعیم اصبہانی نے اپنی سند کے ساتھ ایک بہت طویل حدیث روایت کی ہے، اس موضوع سے متعلق اس روایت کا درمیانی حصہ ہم پیش کر رہے ہیں۔

حضرت ابوذر (رض) بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا :یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! انبیاء کتنے ہیں؟ آپ نے فرمایا :ایک لکھ چوبیس ہزار، میں نے عرض کیا :یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! رسول کتنے ہیں؟ آپ نے فرمایا: تین سو تیرہ جم غفیر ہیں، میں نے کہا :بہت اچھے ہیں، میں نے کہا :یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! پہلا نبی کون ہے؟ آپ نے فرمایا : آدم، میں نے عرض کیا :یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! کیا وہ نبی مرسل ہیں؟ آپ نے فرمایا :ہاں! اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور ان میں اپنی پسندیدہ روح پھونکی، پھر ان کو اپنے سامنے بنایا، پھر آپ نے فرمایا :اے ابوذر! چار نبی سریانی ہیں : آدم، شیث اور ادریس ہیں جنہوں نے سب سے پہلے قلم سے خط کھینچا اور نوح اور چار نبی عرب ہیں :ھود، صالح، شعیب اور تمہارے نبی، میں نے عرض کیا :یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! اللہ تعالیٰ نے کتنی کتابیں نازل کیں؟ آپ نے فرمایا :سو صحیفے اور چار کتابیں، شیث پر پچاس صحیفے نازل کیے گئے، ادریسؑ پر تیس صحیفے نازل کیے گئے، ابراہیمؑ پر دس صحیفے نازل کیے گئے اور موسیٰؑ پر توراۃ سے پہلے دس صحیفے نازل کیے گئے اور توراۃ، انجیل، زبور اور فرقان کو نازل کیا گیا: (حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۱٦۷، مطبوعہ دار الکتاب العربی، بیروت، ۱٤۰۷ ھ)

اس حدیث کو امام ابن حبان نے بھی اپنی صحیح مین حضرت ابوذر (رض) سے روایت کیا ہے۔

(موارد الظمآن ص ٥٤ - ٥۲، مطبوعہ دار الکتاب العلمیہ، بیروت)

امام احمد نے بھی دوسندوں سے اس حدیث کو حضرت ابوذر سے روایت کیا ہے مگر اس میں تین سو پندرہ رسولوں کا ذکر ہے۔ (مسند احمد ج ٥ ص ۲٦٦ - ۱۷۹، مطبوعہ مکتبہ اسلامی، بیروت، ۱۳۹۸ ھ)

امام ابن عساکر نے بھی اس حدیث کو حضرت ابوذر (رض) سے روایت کیا ہے۔

(تہذیب تاریخ دمشق ج ٦ ص ۳٥۷ - ۳٥٦، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱٤۰۷ ھ)

حافظ الہیثمی نے بھی امام احمد اور امام طبرانی کے حوالوں سے تین سو پندرہ رسولوں کا ذکر کیا ہے اور اس حدیث کو ضعیف لکھا ہے۔(مجمع الزوائد ج۱ ص۱۵۹ مطبوعہ دار الکتاب العربی، بیروت،

ترکیب نحوی وتحقیق صرفی:

قَدْ ، حرف تحقیق (یقیناً) اَفْلَحَ ، فعل ماضی واحد مذکر غائب اَفْلَحَ یُفْلِحُ ، مصدر اِفْلَاحًا، فلاح پانا، کامیاب ہونا (وہ کامیاب ہوگیا) مَنْ ، اسم موصول (جو) تَزَکّٰی، فعل ماضی واحد مذکر غائب تَزَکّٰی یَتَزَکّٰی، مصدر تَزَکِّیْ، پاک ہونا، پاکیزگی اختیار کرنا (وہ پاک ہوگیا) وَ، حرف عطف (اور) ذَکَرَ، فعل ماضی واحد مذکر غائب ذَکَرَ یَذْکُرُ، مصدر ذِکْرًا، ذکر کرنا، یاد کرنا (اس نے یاد کیا) اِسْمَ (نام) رَبِّهٖ (رَبِّ۔ہٖ) رَبِّ، مضاف، رب، ہٖ، مضاف الیہ، ضمیر واحد مذکر غائب، اپنے (اپنے رب کا) فَصَلّٰی (فَ۔صَلّٰی) فَ، حرف عطف، پھر، صَلّٰی، فعل ماضی واحد مذکر غائب صَلّٰی یُصَلِّیْ، مصدر تَصْلِیَةٌ وَ صَلَاةٌ، نماز پڑھنا، اس نے نماز پڑھی (پھر اس نے نماز پڑھی) بَلْ ، حرف اضراب (بلکہ) تُؤْثِرُوْنَ ، فعل مضارع جمع مذکر حاضر اٰثَرَ یُؤْثِرُ ، مصدر اِیْثَارٌ، ترجیح دینا (تم ترجیح دیتے ہو) الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا (الْحَیٰوةَ۔الدُّنْیَا) اَلْحَیٰوةَ، موصوف، زندگی، اَلدُّنْیَا، صفت، دنیاوی، دنیا، (دنیاوی زندگی، دنیا کی زندگی) وَ، حالیہ (حالانکہ) اَلْاٰخِرَةُ (آخرت) خَیْرٌ (بہتر، اچھی) وَ، حرف عطف (اور) اَبْقٰی۔بَقَآءٌ، مصدر سے افعل التفضیل کا صیغہ (زیادہ باقی رہنے والا) اِنَّ، حرف مشبہ بالفعل (بلاشبہ) ہٰذَا، اسم اشارہ واحد مذکر قریب (یہ، یہی) لَفِی الصُّحُفِ الْاُوْلٰی (لَ۔فِیْ۔اَلصُّحُفِ۔اَلْاُوْلٰی) لَ، لام تاکید، یقیناً، فِیْ، حرف جار، میں، اَلصُّحُفِ، مجرور، موصوف، صحیفوں، واحد، صَحِیْفَةٌ، اَلْاُوْلٰی، صفت، پہلے، اَلْاَوَّلُ، کی مؤنث (یقیناً پہلے صحیفوں میں) صُحُفِ اِبْرٰهِیْمَ۔صُحُفِ، مضاف، صحیفوں، واحد، صَحِیْفَةٌ، اِبْرٰهِیْمَ، معطوف علیہ، حضرت ابراہیم (علیہ السلام)، (حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کے صحیفوں) وَ، حرف عطف (اور) مُوْسٰی، معطوف۔

(الحمد للہ سورہ اعلیٰ مکمل ہوگئی)

[سورۃ الغاشیۃ]

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

آیت ۱تا۷

هَلْ اَتٰىكَ حَدِیْثُ الْغَاشِیَةِ (۱) وُجُوْهٌ یَّوْمَىِٕذٍ خَاشِعَةٌ (۲) عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ (۳) تَصْلٰی نَارًا حَامِیَةً (۴) تُسْقٰی مِنْ عَیْنٍ اٰنِیَةٍ (۵) لَیْسَ لَهُمْ طَعَامٌ اِلَّا مِنْ ضَرِیْعٍ (۶) لَّا یُسْمِنُ وَلَا یُغْنِیْ مِنْ جُوْعٍ (۷)

ترجمہ:۔

کیا تیرے پاس ڈھانپ لینے والی (قیامت) کی خبر پہنچی؟ (۱) اس دن کئی چہرے ذلیل ہوں گے۔ (۲) محنت کرنے والے، تھک جانے والے۔ (۳) گرم آگ مین داخل ہوں گے۔ (۴) وہ ایک کھولتے ہوئے چشمے سے پلائے جائیں گے۔ (۵) ان کے لیے کوئی کھانا نہیں ہوگا مگر ضریع سے۔ (۶) جو نہ موٹا کرے گا نہ بھوک مٹائے گا۔ (۷)

کوائف:

اس سورت کا نام سورۃ الغاشیہ ہے۔ غاشیہ کا لفظ پہلی ہی آیت کریمہ میں موجود ہے۔ اسی لفظ سے اس سورت کا نام الغاشیہ رکھا گیا ہے۔ یہ سورۃ بھی مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ اس سے پہلے سڑسٹھ سورتیں نازل ہو چکی تھیں۔ اس کا ایک رکوع اور چھبیس آیتیں ہیں۔

ماقبل سے ربط:

گزشتہ سورت میں انسان کو اس امر پر متوجہ کیا گیا تھا کہ وہ اللہ رب العالمین کی پاکی بیان کرے، اور مادی زندگی میں منہمک ہو کر اپنے رب کو فراموش نہ کرے، ایمان وتقوی ہی معیار نجات ہے اور فکر آخرت ہی انسانی سعادت ہے، یہی وہ ہدایت وتعلیم ہے جو تخلیق عالم کے بعد سے مسلسل تمام انبیاء (علیہم السلام) اپنی اپنی امتوں کو دیتے رہے، ان ہی علوم وہدایات پر صحف ابراہیم وموسی (علیہا السلام) بھی مشتمل تھے، اب اس سورت میں ہر اس غافل انسان کو وقوع قیامت سے چونکایا جارہا ہے جو مادی لذتوں میں پڑ کر آخرت اور بعث بعد الموت کو بھلا چکا،

تفسیر:۔

فرمایا: کیا تیرے پاس ڈھانپ لینے والی (قیامت) کی خبر پہنچی؟ الخ

قیامت کے دن کو "الغاشیۃ" فرمانے کی وجہ:

"الغاشیۃ" (ڈھانپنے والی چیز) قیامت کو کہا گیا ہے اور اس کو "الغاشیۃ" کہنے کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

(۱) قرآن مجید میں ہے: "**یوم یغشھم العذاب**" (**العنکبوت**: ۵۵) وہ دن جو ان کو عذاب سے ڈھانپ لے گا۔

(۲) قیامت کو "الغاشیۃ" اس لیے فرمایا ہے کہ جو چیز کسی دوسری چیز کا تمام اطراف سے احاطہ کر لے، اس کا غاشیہ کہتے ہیں۔

(۳) قیامت اچانک آکر لوگوں کو اللہ کے عذاب سے ڈھانپ لے گی، جیسا کہ اس آیت میں ہے:

اَفَاَمِنُوْٓا اَنْ تَاْتِيَهُمْ غَاشِيَةٌ مِّنْ عَذَابِ اللّٰهِ (یوسف: ۱۰۷)

کیا یہ لوگ اس سے بے خوف ہو گئے ہیں کہ ان پر اللہ کے عذاب سے ڈھانپنے والی چیز آجائے۔

(٤) قیامت تمام اولین اور آخرین لوگوں کو ڈھانپ لے گی۔

(٥) قیامت کے ہولناک مناظر اور اس کے دہشت ناک احوال اور شدائد لوگوں کو ڈھانپ لیں گے۔

(٦) "الغاشیۃ" دوزخ کی آگ ہے، جو کفار اور اہل دوزخ کے چہروں کو ڈھانپ لے گی، قرآن مجید میں ہے:

تغشی وجوھم النار۔ (ابراھیم: ۵۰) ان کے چہروں کو دوزخ کی آگ ڈھانپ لے گی۔

فرمایا: اس دن بہت چہرے ذلیل ہوں گے۔

"خاشعۃ" کا معنی:

،اس کا معنی ہے : ذلیل وخوار ہونے والے، دبنے والے، عاجزی کرنے والے۔

اس آیت کا لفظی معنی ہے : کفار کے چہرے اس دن ذلیل وخوار ہوں گے اور اس سے مراد ہے : خود کفار اس دن ذلیل و خوار ہوں گے، چہروں کا ذکر اس لیے فرمایا ہے کہ ان کی ذلت اور خواری کے آثار ان کے چہروں سے ظاہر ہوں گے، قرآن مجید کی دیگر آیتوں میں بھی کفار کی ذلت اور خواری کا ذکر فرمایا ہے:

وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ط (السجدۃ :۱۲)

کاش کہ آپ دیکھتے جب مجرم لوگ اپنے رب کے سامنے سر جھکائے ہوئے ہوں گے۔

وَتَرٰىهُمْ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا خٰشِعِيْنَ مِنَ الذُّلِّ (الشوریٰ :۴۵)

اور آپ انھیں اس حال میں دیکھیں گے کہ وہ دوزخ پر پیش کیے جائیں گے اور وہ ذلت سے جھک رہے ہوں گے۔

فرمایا : کام کرنے والے، مشقت برداشت کرنے والے۔

کفار پر شدت عذاب:

آخرت کے دن کفار کے چہروں پر مشقت ہوگی، کیونکہ وہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے سے تکبر کرتے تھے، وہ دوزخ میں مشقت والے عمل کریں گے، وہ زنجیروں اور بھاری اور وزنی طوق گلے میں ڈالے ہوئے گھسیٹ رہے ہوں گے، قرآن مجید میں ہے:

خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ ۔ ثُمَّ الْجَحِيْمَ صَلُّوْهُ ۔ ثُمَّ فِىْ سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوْهُ ۔ (الحاقہ :۳۰۔۳۲)

اس کو پکڑو، پھر اس کو طوق پہنا دو۔ پھر اس کو دوزخ میں جھونک دو۔ پھر اس کو ایسی زنجیر میں جکڑ دو جس کی پیمائش ستر ہاتھ ہے۔

ان کی مشقت والا عمل یہ ہوگا کہ وہ زنجیروں اور طوق میں جکڑے ہوئے دوزخ کے شعلوں کی لپیٹ سے کبھی اوپر اٹھیں گے اور کبھی نیچے جائیں گے، نیز دوزخ میں داخل ہونے سے پہلے وہ میدان محشر میں ایک ہزار سال کے دن میں ننگے، بھوکے پیاسے کھڑے ہوں گے اور یہ ان کا بہت مشقت والا عمل ہوگا۔

حسن بصری نے کہا :ان کو یہ ذلت اور مشقت دنیا میں حاصل ہوگی اور یہ لوگ یہود، نصاریٰ، بت پرست اور مجوس ہیں، انھوں نے اپنے ذہنوں اور دماغوں میں اللہ تعالیٰ کا جو تصور بنا رکھا تھا، یہ اس کے مطابق دنیا میں عبادت کی مشقت برداشت کرتے رہے، روزے رکھتے اور مشقت والی ریاضتیں کرتے، لیکن ان کی یہ ریاضتیں آخرت میں کسی کام نہ آئیں، اس لیے یہ ذلیل و خوار ہوں گے

فرمایا: وہ بھڑکتی ہوئی آگ میں جھونکے جائیں گے۔

"تصلی" اور "حامیہ" کا معنی:

تصلی کا معنی ہے: کسی جگہ داخل ہونا اور کسی جگہ پہنچنا۔

"حامیۃ" اس کا معنی ہے: دہکتی ہوئی جلتی ہوئی آگ، یہ لفظ "حمی" سے بنا ہے، اس کا معنی ہے، دہکنا اور گرم ہونا۔ (مختار الصحاح ص ۱۰٤، داراحیاء التراث العربی، بیروت) اور "تصلی" کا لفظ "صلی" سے بنا ہے، اس کا معنی ہے، داخل ہونا، اس سے مراد ہے: وہ دوزخ میں جھونکے گئے اور جل رہے ہیں۔

(القاموس المحیط ص ۱۳٤، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، ۱٤۲٤ھ)

فرمایا: انھیں کھولتے ہوئے چشمہ (کے پانی) سے پلایا جائے گا۔

اس آیت میں "انیۃ" کا لفظ ہے، یہ لفظ "انی" سے بنا ہے، اس کا معنی ہے: سخت کھولنا اور پکنا۔

مفسرین نے کہا ہے کہ یہ پانی اس قدر گرم ہے کہ اگر اس کا ایک قطرہ پہاڑوں پر ڈال دیا جائے تو تمام پہاڑ پگھل جائیں گے۔

فرمایا: ان کا کھانا صرف خاردار خشک زہریلے درخت سے ہوگا۔

اس آیت میں "ضریع" کا لفظ ہے، "ضریع" کا معنی ہے: خاردار جھاڑی، حدیث میں ہے:

"الضریع" ایک گھاس ہے، جس کو شبرق کہا جاتا ہے، اہل حجاز "الضریع" سوکھی ہوئی گھاس کو کہتے ہیں اور یہ زہریلی گھاس ہوتی ہے۔ (صحیح البخاری تفسیر سورۃ الغاشیہ، باب ۸۸:)

علامہ بدرالدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

عذاب کی متعدد اقسام ہیں، اسی طرح معذبین کے بھی کئی طبقات ہیں، بعض معذبین تھوہر کے درخت کو کھائیں گے، اور بعض "غسلین" کو کھائیں گے اور بعض "الضریع" کو کھائیں گے، حضرت ابن عباس نے فرمایا: "الضریع" آگ کا درخت ہے اور خلیل نے کہا: وہ سبز رنگ کی بدبودار گھاس ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ٤۱٦، ھ)

فرمایا: جو نہ فربہ کرے گا نہ بھوک دور کرے گا۔

کفار قریش نے کہا: ہمارے اونٹ ضریع (خشک گھاس) کھاتے ہیں اور خوب فربہ ہو جاتے ہیں تو اس کے رد میں یہ آیت نازل ہوئی۔

ترکیب نحوی و تحقیق صرفی:

ہَلْ، استفہامیہ (کیا) اَتٰکَ (اَتٰی۔ کَ) اَتٰی، فعل ماضی واحد مذکر غائب اَتٰی یَاْتِیْ، مصدر اِتْیَانٌ، آنا، پہنچنا، وہ پہنچی ہے، کَ، ضمیر واحد مذکر حاضر، آپ کے (وہ آپ کے پاس پہنچی ہے) حَدِیْثُ الْغَاشِیَۃِ (حَدِیْثُ۔ الْغَاشِیَۃِ) حَدِیْثُ، مضاف، کہانی، بات، خبر، ہر وہ کلام جو انسان تک پہنچ سکے، خواہ

بذریعہ سماعت، بذریعہ وحی، عالم خواب یا بحالت بیداری اس کو، حدیث، کہتے ہیں، جمع اَحَادِیثُ اَلْغَاشِیَۃِ، مضاف الیہ، غشآء، مصدر سے اسم فاعل واحد مؤنث، ہر طرف سے گھیر لینے والی، چھا جانے والی، ڈھانپ لینے والی (قیامت) (چھا جانے والی (قیامت) کی خبر) وُجُوہٌ (کئی چہرے) واحد، وَجْہٌ، یَوْمَئِذٍ (یَوْمَ۔اِذٍ) یَوْمَ، مضاف، دن، اِذٍ، مضاف الیہ، اس (اس دن) خَاشِعَۃٌ، خُشُوْعٌ، مصدر سے اسم فاعل واحد مؤنث، عاجزی کرنے والی، غم اور حقارت کی وجہ سے ترجمہ، (ذلیل ہونے والی، ذلیل وخوار) عَامِلَۃٌ، عَمَلًا، مصدر سے اسم فاعل واحد مؤنث (عمل کرنے ولا، محنت کرنے والا، سخت مشقت اٹھانے والا) نَاصِبَۃٌ۔ نَصَبٌ، مصدر سے اسم فاعل واحد مؤنث (تھک جانے والا) عَامِلَۃٌ نَاصِبَۃٌ، دونوں، وُجُوہٌ، کی خبر اور صفات ہیں۔ تَصْلٰی، فعل مضارع واحد مؤنث غائب صَلِیَ یَصْلٰی، مصدر صَلْیٌ، داخل ہونا، وُجُوہٌ، کی وجہ سے ترجمہ (وہ داخل ہوں گے) نَارًا حَامِیَۃً۔ نَارًا، موصوف، آگ، حَامِیَۃً، صفت، حَمْیٌ، مصدر سے اسم فاعل واحد مؤنث، دہکتی ہوئی (دہکتی ہوئی آگ) تَصْلٰی نَارًا حَامِیَۃً، کا جملہ، وُجُوہٌ، کی خبر ہے۔ تُسْقٰی، فعل مضارع مجہول واحد مؤنث غائب سَقٰی یَسْقِیْ، مصدر سَقْیٌ وَسِقَایَۃٌ، پلانا، وُجُوہٌ، کی وجہ سے ترجمہ (وہ پلائے جائیں گے) مِنْ عَیْنٍ اٰنِیَۃٍ۔ مِنْ، حرف جار، سے، عَیْنٍ، مجرور، موصوف، چشمہ، اٰنِیَۃٍ، صفت، اَنْیٌ، مصدر سے اسم فاعل واحد مؤنث، سخت کھولتا ہوا، یہ جملہ بھی، وُجُوہٌ، کی خبر ہے (کھولتے ہوئے چشمے سے) لَیْسَ، فعل ناقص ماضی واحد مذکر غائب، اس کا فعل مضارع اور فعل امر نہیں آتا، ترجمہ بحوالہ قیامت، (نہیں ہوگا) لَھُمْ (لَ۔ھُمْ) لَ، حرف جار، کیلئے، ھُمْ، مجرور، ضمیر جمع مذکر غائب، ان (ان کیلئے) طَعَامٌ (کوئی کھانا) اِلَّا، حرف استثنا (مگر، سوائے) مِنْ ضَرِیْعٍ۔ مِنْ، حرف جار، سے، ضَرِیْعٍ، مجرور، خاردار سوکھی گھاس، خاردار جھاڑیوں (خاردار جھاڑیوں سے) لَایُسْمِنُ، فعل مضارع منفی واحد مذکر غائب اَسْمَنَ یُسْمِنُ، مصدر اِسْمَانٌ، موٹا کرنا (وہ نہ موٹا کرے گا) وَ، حرف عطف (اور) لَایُغْنِیْ، فعل مضارع منفی واحد مذکر غائب اَغْنٰی یُغْنِیْ، مصدر اِغْنَآءٌ، فائدہ دینا، بے نیاز کرنا، کام آنا (وہ فائدہ نہ دے گا) مِنْ جُوْعٍ۔ مِنْ، حرف جار بمعنی فِیْ، میں، جُوْعٍ، مجرور۔

آیت ۸ تا ۱۶

وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ نَّاعِمَةٌ (۸) لِّسَعْيِهَا رَاضِيَةٌ (۹) فِي جَنَّةٍ عَالِيَةٍ (۱۰) لَّا تَسْمَعُ فِيهَا لَاغِيَةً (۱۱) فِيهَا عَيْنٌ جَارِيَةٌ (۱۲) فِيهَا سُرُرٌ مَّرْفُوعَةٌ (۱۳) وَأَكْوَابٌ مَّوْضُوعَةٌ (۱۴) وَنَمَارِقُ مَصْفُوفَةٌ (۱۵) وَزَرَابِيُّ مَبْثُوثَةٌ (۱۶)

ترجمہ:۔

کئی چہرے اس دن تروتازہ ہوں گے۔(۸) اپنی کوشش پر خوش۔(۹) بلند جنت میں ہوں گے۔(۱۰) وہ اس میں بے ہودگی والی کوئی بات نہیں سنیں گے۔(۱۱) اس میں ایک بہنے والا چشمہ ہے۔(۱۲) اس میں اونچے اونچے تخت ہیں۔(۱۳) اور رکھے ہوئے آبخورے (پیالے) ہیں۔(۱۴) اور قطاروں میں لگے ہوئے گاؤ تکیے ہیں۔(۱۵) اور بچھائے ہوئے مخملی قالین ہیں۔(۱۶)

تفسیر:

فرمایا: کئی چہرے اس دن تروتازہ ہوں گے الخ

مومنین کا انعام:

مجرموں اور نافرمانوں کا حال بیان کرنے کے بعد ان آیتوں میں نیک لوگوں کے احوال اور ان کے انعام کا بیان ہے کہ اس دن بہت سے چہرے تروتازہ اور مسرور ہوں گے، انھوں نے دنیا میں اعمال صالحہ اور احکام شرعیہ کی اطاعت و پابندی کیلئے جو

کوششیں کی تھیں، قیامت کے روز وہ اپنی جہد وسعی کا ثمرہ اور انعام دیکھ کر خوش ہوں گے، وہ عالی مرتبہ اور بلند مقام والی جنت کے محلات اور بالا خانوں میں ہوں گے جہاں سکون واطمینان کا یہ عالم ہوگا کہ ان کے کانوں میں کوئی لغو اور بیہودہ بات نہیں پڑے گی۔ جیسے ارشاد ہے:

لایسمعون۔۔سلما سلما (الواقعہ، ۲۵:۲۶)

وہ وہاں کوئی لغو بات سنیں گے اور نہ گناہ کی بات، صرف سلام ہی سلام کی آواز ہوگی۔

پھر فرمایا کہ جنت میں صاف وشفاف پانی کے بہتے ہوئے چشمے، بلند وبالا تخت، چشموں کے کنارے نہایت قرینے اور سلیقے سے رکھے ہوئے گلاس، قطاروں میں لگے ہوئے نرم ولطیف ریشمی، گدے ہوں گے اور ہر طرف قالین پھیلے ہوئے ہوں گے ۔ یہ ہی وہ نعمتیں اور اعزاز واکرام جو قیامت کے روز اہل ایمان اور اللہ کے فرمان بردار بندوں کو ملیں گے، اس لیے ان کے چہرے فرحت وخوشی سے چمک رہے ہوں گے۔ مشکل الفاظ کے معانی صرفی تحقیق میں ملاحظ فرمائیں۔

ترکیب نحوی وتحقیق صرفی:

وُجُوۡہٌ (کئی چہرے) واحد، وَجۡہٌ، یَوۡمَئِذٍ (یَوۡمَ۔اِذٍ) یَوۡمَ، مضاف، دن، اِذٍ، مضاف الیہ، اس (اس دن) نَاعِمَۃٌ۔ نُعُوۡمَۃٌ، مصدر سے اسم فاعل واحد مؤنث (خوش، تروتازہ، ہشاش بشاش) لِّسَعۡیِہَا (لِ۔ سَعۡیِ۔ہَا) لِ، حرف جار بمعنی، عَلٰی، پر، سَعۡیِ، مجرور، مضاف، اسم مصدر، کوشش، ہَا، مضاف الیہ، ضمیر واحد مؤنث غائب، اپنی، ضمیر کا مرجع، وُجُوۡہٌ، ہے (اپنی کوشش پر) رَاضِیَۃٌ۔ رِضًی، مصدر سے اسم فاعل واحد مؤنث (راضی، خوش) فِیۡ جَنَّۃٍ عَالِیَۃٍ۔ فِیۡ، حرف جار، میں، جَنَّۃٍ، مجرور، موصوف، جنت، عَالِیَۃٍ، صفت، عُلُوٌّ، مصدر سے اسم فاعل واحد مؤنث، اونچی، بلند، آیت کا تعلق، وُجُوۡہٌ، سے ہے (بلند جنت میں ہوں گے) لَا تَسۡمَعُ، فعل مضارع منفی واحد مؤنث غائب سَمِعَ یَسۡمَعُ، مصدر سَمۡعًا، سننا، صیغہ کا تعلق، وُجُوۡہٌ، سے ہے، اس لیے ترجمہ (وہ نہیں سنیں گے) فِیۡہَا (فِیۡ۔ہَا) فِیۡ، حرف جار، میں، ہَا، مجرور، ضمیر واحد مؤنث غائب، اس، ضمیر کا مرجع، جَنَّۃٍ، ہے (اس میں) لَاغِیَۃً۔ لَغۡوٌ، مصدر سے اسم فاعل واحد مؤنث (کوئی لغو بات) فِیۡہَا (فِیۡ۔ہَا) فِیۡ، حرف جار، میں، ہَا، مجرور، ضمیر واحد مؤنث غائب، اس، ضمیر کا مرجع، جَنَّۃٍ، ہے (اس میں) عَیۡنٌ جَارِیَۃٌ۔ عَیۡنٌ، موصوف، ایک چشمہ، جمع، عُیُوۡنٌ، جَارِیَۃٌ، صفت، جَرَیَانًا، مصدر سے اسم فاعل واحد مؤنث، جاری رواں، بہتا ہوا، بہنے والا (بہنے والا چشمہ) فِیۡہَا (فِیۡ۔ہَا) فِیۡ، حرف جار، میں، ہَا، مجرور، ضمیر واحد مؤنث غائب، اس، ضمیر کا مرجع، جَنَّۃٍ، ہے (اس میں) سُرُرٌ مَّرۡفُوۡعَۃٌ۔ سُرُرٌ، جمع مکسر، موصوف، تخت، واحد، سَرِیۡرٌ، مَرۡفُوۡعَۃٌ، صفت، رَفۡعٌ، مصدر سے اسم مفعول واحد مؤنث، اوپر اٹھائی ہوئی، اونچے اونچے (اونچے اونچے تخت) وَ، حرف عطف (اور) اَکۡوَابٌ مَّوۡضُوۡعَۃٌ۔ اَکۡوَابٌ، جمع مکسر، موصوف، پیالے، آبخورے، واحد، کُوۡبٌ، مَّوۡضُوۡعَۃٌ، صفت، وَضۡعٌ، مصدر سے اسم مفعول واحد مؤنث، رکھا ہوا (رکھے ہوئے پیالے ہوں گے) وَ، حرف عطف (اور) نَمَارِقُ، جمع مکسر (گاؤ تکیے، سہارا لینے کیلئے تکیے) واحد، نُمۡرُقَۃٌ، مَصۡفُوۡفَۃٌ۔ صَفٌّ، مصدر سے اسم مفعول واحد مؤنث (قطاروں میں لگے ہوئے، قطار در قطار لگے ہوئے) وَ، حرف عطف (اور) زَرَابِیُّ، ہر وہ چیز جو بچھائی جائے (مخملی قالین، غالیچے، نفیس فرش) مَبۡثُوۡثَۃٌ۔ بَثٌّ، مصدر سے اسم مفعول واحد مؤنث (بچھے ہوئے، پھیلائے ہوئے، بکھرے ہوئے)

آیت ۱۷ تا ۲۶

أَفَلَا يَنظُرُونَ إِلَى الْإِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ (۱۷) وَإِلَى السَّمَاءِ كَيْفَ رُفِعَتْ (۱۸) وَإِلَى الْجِبَالِ كَيْفَ نُصِبَتْ (۱۹) وَإِلَى الْأَرْضِ كَيْفَ سُطِحَتْ (۲۰) فَذَكِّرْ إِنَّمَا أَنتَ مُذَكِّرٌ (۲۱) لَّسْتَ عَلَيْهِم بِمُصَيْطِرٍ (۲۲) إِلَّا مَن تَوَلَّىٰ وَكَفَرَ (۲۳) فَيُعَذِّبُهُ اللَّهُ الْعَذَابَ الْأَكْبَرَ (۲۴) إِنَّ إِلَيْنَا إِيَابَهُمْ (۲۵) ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُم (۲۶)

ترجمہ:۔

تو کیا وہ اونٹوں کی طرف نہیں دیکھتے کہ وہ کیسے پیدا کیے گئے۔(۱۷) اور آسمان کی طرف کہ وہ کیسے بلند کیا گیا۔(۱۸) اور پہاڑوں کی طرف کہ وہ کیسے نصب کیے گئے۔(۱۹) اور زمین کی طرف کہ وہ کیسے بچھائی گئی۔(۲۰) پس تو نصیحت کر، تو صرف نصیحت کرنے والا ہے۔(۲۱) تو ہرگز ان پر کوئی مسلط کیا ہوا نہیں ہے۔(۲۲) مگر جس نے منہ موڑا اور انکار کیا۔(۲۳) تو اسے اللہ عذاب دے گا، سب سے بڑا عذاب۔(۲۴) یقیناً ہماری ہی طرف ان کا لوٹ کر آنا ہے۔(۲۵) پھر بے شک ہمارے ہی ذمے ان کا حساب ہے۔(۲۶)

تفسیر:

فرمایا؛ تو کیا وہ اونٹوں کی طرف نہیں دیکھتے کہ وہ کیسے پیدا کیے گئے۔ الخ

اونٹ میں اللہ تعالیٰ کی قدرت اور توحید کی نشانیاں:

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے قیامت کے آنے کی خبر دی تھی اور یہ بتایا تھا کہ اہل قیامت کی دو قسمیں ہیں: ایک مؤمنین ہیں جو نجات یافتہ ہیں اور دوسرے کافرین ہیں جو عذاب یافتہ ہیں، اور قیامت کے دن پر اور عذاب اور ثواب پر ایمان لانا اس پر موقوف ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اس کائنات کا واحد خالق اور مدبر اور حکیم مانا جائے، اس لیے اب درج ذیل آیتوں میں اللہ تعالیٰ کی تخلیق اور توحید اور اس کی قدرت اور اس کی حکمت پر دلائل قائم فرمائے ہیں۔

الغاشیہ ۱۷: میں اونٹ کی تخلیق کا ذکر فرمایا، اللہ تعالیٰ کے پیدا کیے ہوئے تمام حیوانات اس کی تخلیق اور اس کی توحید پر دلالت کرتے ہیں کیونکہ تمام حیوانات کی پیدائش اور ان کی نشو ونما کا طریقہ واحد ہے اور ان کی تخلیق کی طرز اور نظم واحد ہے اور تخلیق کی طرز کا واحد ہونا اس پر دلالت کرتا ہے کہ ان کا خالق بھی واحد ہے، پھر ان تمام حیوانات اور چوپایوں میں سے اونٹ کی تخصیص کی وجوہ حسب ذیل ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے حیوانات میں جو منافع اور فوائد رکھے ہیں، وہ یہ ہیں: انسان بعض جانوروں کا گوشت کھاتا ہے اور بعض جانوروں کا دودھ پیتا ہے، بعض جانوروں پر اپنا سامان لادتا ہے اور بعض جانوروں پر سوار ہو کر ایک جگہ سے دوسری جگہ سفر کرتا ہے، اور بعض جانوروں کو صرف ان کی خوب صورتی اور ان کا حسن و جمال دیکھنے کے لیے رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ نے درج ذیل آیات میں ان فوائد کا ذکر فرمایا ہے:

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مِّمَّا عَمِلَتْ اَيْدِيْنَآ اَنْعَامًا فَهُمْ لَهَا مٰلِكُوْنَ ۔ وَذَلَّلْنٰهَا لَهُمْ فَمِنْهَا رَكُوْبُهُمْ وَمِنْهَا يَاْكُلُوْنَ ۔

(یٰسٓ ۷۱۔۷۲)

کیا تم نہیں دیکھتے کہ ہم نے اپنے ہاتھوں سے جو مخلوق بنائی ہے، ان میں سے ہم نے ان کے فائدہ کے لیے چوپائے بھی بنائے ہیں، جن کے یہ مالک ہیں۔ اور ہم نے ان چوپایوں کو ان کے تابع کر دیا ہے، سو ان میں سے بعض ان کی سواریاں ہیں اور بعض کو وہ کھاتے ہیں۔

وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا ج لَكُمْ فِيْهَا دِفْءٌ وَّمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۔ وَلَكُمْ فِيْهَا جَمَالٌ حِيْنَ تُرِيْحُوْنَ وَحِيْنَ تَسْرَحُوْنَ ۔ وَتَحْمِلُ اَثْقَالَكُمْ اِلٰى بَلَدٍ لَّمْ تَكُوْنُوْا بٰلِغِيْهِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ ط اِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۔ وَّالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَزِيْنَةً ط وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۔ (النحل ۵۔۸)

اور اللہ نے تمہارے نفع کے لیے چوپائے پیدا کیے جن میں تمہارے گرمی کے لباس ہیں اور بھی بہت منافع ہیں اور بعض چوپائے تمہارے کھانے کے کام آتے ہیں۔ اور ان چوپاؤں میں تمہارے لیے حسن و جمال ہے جب تم شام کو چرا کر لاؤ اور جب صبح چرانے لے جاؤ۔ اور وہ تمہارا سامان ان شہروں تک اٹھا کر لے جاتے ہیں جہاں تم بغیر مشقت برداشت کیے خود نہیں جا سکتے تھے، بیشک تمہارا رب بہت شفیق اور نہایت مہربان ہے۔ اور اس نے گھوڑوں کو اور خچروں کو اور گدھوں کو پیدا کیا تاکہ تم ان پر سوار ہو، اور وہ باعث زینت ہوں، اور ان چیزوں کو پیدا کیا جن کو تم نہیں جانتے۔

ان آیات میں مویشی کو پیدا کرنے کے یہ فوائد بیان فرمائے ہیں کہ تم ان پر سواری کرتے ہو، ان کا گوشت کھاتے ہو، ان کی اون اور بالوں سے لباس اور ٹوپیاں بناتے ہو، ان کا حسن و جمال دیکھ کر تمہیں خوشی ہوتی ہے اور وہ تمہارے بار برداری کے کام آتے ہیں اور ان میں سے بعض کا تم دودھ پیتے ہو، اور یہ تمام فوائد اونٹ کے اندر باقی تمام جانوروں کی بہ نسبت بہت زیادہ ہیں کیونکہ اگر حلال جانوروں کے گوشت کھانے کا فائدہ دیکھا جائے تو اونٹ کا گوشت سب سے زیادہ ہوتا ہے اور اگر دودھ پینے کا فائدہ دیکھا جائے تو اونٹنی کا دودھ سب سے زیادہ ہوتا ہے اور اگر جانوروں پر سوار ہو کر قطع مسافت کو دیکھا جائے تو ریگستانی علاقوں میں اونٹ سب سے زیادہ مسافت قطع کرتا ہے بلکہ ان علاقوں میں صرف اونٹ ہی کے ذریعہ سفر کیا جاتا ہے، اور بار برداری کے لحاظ سے اونٹ تمام جانوروں سے زیادہ بوجھ اٹھاتا ہے، اور عربوں کے دلوں میں تمام جانوروں سے زیادہ اونٹ کی وقعت اور اہمیت ہوتی ہے، اسی وجہ سے انھوں نے کسی انسان کو خطأً قتل کرنے کی دیت سو اونٹ مقرر کی ہے، نیز اونٹ دوسرے جانوں کی بہ نسبت کئی کئی دن کی خوراک کو اپنے اندر ذخیرہ کر لیتا ہے اور بغیر کھائے پیئے لمبے عرصہ تک سفر کرتا رہتا ہے، اسی لیے اس کو صحرائی جہاز کہا جاتا ہے، نیز یہ بہت آسانی سے سدھایا جاتا ہے اور بہت اطاعت گزار ہے، اس کی نکیل کی رسی کو پکڑ کر اس بچہ بھی اسے جہاں چاہتا ہے لے جاتا ہے، اونٹ میں اس قدر حیران کن صفات ہیں جو عقل والے کو اس پر مجبور کرتی ہیں کہ وہ اس کی تخلیق پر غور کرے اور اس کی حکمتوں سے یہ قیاس کرے کہ اس کا خالق کس قدر زبردست قدرت اور حکمت والا ہے اور بے ساختہ یہ کہے کہ اللہ سبحان ہے اس نے کوئی چیز بے فائدہ نہیں بنائی۔

فرمایا: اور آسمان کو کہ وہ کیسے بلند کیا گیا ہے۔

آسمان، پہاڑ اور زمین میں نشانیاں:

اللہ تعالیٰ نے بغیر کسی ستون کے اتنی عظیم چھت بنادی ہے جو پوری روئے زمین کو احاطہ کیے ہوئے ہے اور اس میں بیشمار ستاروں کی قندیلیں روشن کردی ہیں، جو صحراؤں، بیابانوں اور سمندروں میں اندھیری رات کے مسافروں کی رہ نمائی کرتی ہیں، برسہابرس سے یہ نظام یونہی طرز واحد پر قائم ہے، کیا یہ اللہ تعالیٰ کی تخلیق اور اس کی توحید پر ایک روشن دلیل نہیں ہے۔

فرمایا: اور پہاڑوں کو کہ وہ کیسے نصب کیے گئے ہیں۔

زمین میں ان پہاڑوں کو نصب کیا گیا، یہ نہ اِدھر اُدھر ہلتے ہیں نہ جھکتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان پہاڑوں کے اندر معدنی دولت کے ذخائر رکھے ہیں، ان میں سونا اور چاندی ہے، لوہا اور تانبا ہے، کوئلہ ہے اور انسانی ضروریات کا سامان ہے۔

فرمایا: اور زمین کو کہ وہ کیسے پھیلائی گئی ہے۔

ان مذکور نشانیوں میں باہمی مناسبت:

اللہ تعالیٰ نے اپنی تخلیق اور اپنی توحید پر دلائل کا ذکر کرتے ہوئے اونٹ، آسمان، پہاڑوں اور زمین کا ذکر فرمایا ہے اور چاروں کے ذکر میں کوئی مناسبت ضروری ہے۔

اس مناسبت کی تفصیل یہ ہے کہ قرآن مجید لغتِ عرب پر نازل ہوا ہے اور عرب عموماً صحراؤں میں سفر کرتے تھے اور صحرا میں بالکل تنہاء ہوتے تھے اور جب انسان تنہاء ہوتا ہے تو وہ اردگرد کی چیزوں پر غور وفکر کرتا ہے، سب سے پہلے وہ اپنی سواری اونٹ کی طرف دیکھتے تو ان کو اس میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کے عجائب اور اسرار دکھائی دیتے، وہ اس سے حاصل ہونے والے فوائد اور منافع پر غور کرتے اور جب وہ اوپر نظر اٹھاتے تو ان کو آسمان کے سوا کچھ نظر نہ آتا اور وہ اس بے ستون وسیع وعریض بلند نیلی چھت کر دیکھ کر حیران ہوتے، اور جب وہ اپنے دائیں اور بائیں دیکھتے تو ان کو پہاڑ نظر آتے اور جب وہ اپنے نیچے دیکھتے تو ان کو پھیلی ہوئی زمین نظر آتی اور یہی وہ موقع تھا کہ جب وہ ان چیزوں کے اسرار اور منافع پر غور وفکر کرتے تو ان پر لازم تھا کہ وہ اس غور وفکر کے بعد اللہ تعالیٰ کی تخلیق اور اس کی توحید پر ایمان لے آتے، سو اللہ تعالیٰ نے انسان کے غور وفکر کرنے کے لیے ان چاروں چیزوں کا ایک ساتھ ذکر فرمایا۔

فرمایا: سو آپ نصیحت کرتے رہیے، آپ ہی نصیحت کرنے والے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی تخلیق، توحید اور قیامت پر دلائل ذکر کرنے کے بعد فرمایا، سو آپ نصیحت کرتے رہیے، آپ ایمان لانے کی ترغیب پر ثواب کی بشارت دیں گے اور جو کفر پر اصرار کرے گا، اس کو عذاب سے ڈرائیں گے اور اگر کفار آپ کی مخالفت کرتے ہیں اور آپ ایذاء پہنچاتے ہیں تو آپ اس پر صبر کریں، اب آپ ہی نصیحت کرنے والے ہیں کیونکہ اب آپ کے بعد کوئی اور نبی تو مبعوث نہیں کیا جائے گا، نبوت اور رسالت آپ پر ختم ہو چکی ہے۔

فرمایا: آپ ان (کافروں) کو جبراً مسلمان کرنے والے نہیں ہیں۔

جبریہ کے نظریہ کا رد:

اس مضمون کی دیگر آیات یہ ہیں:

وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ قف (ق: ۴۵) اور آپ ان پر جبر کرنے والے نہیں ہیں۔

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِى الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا ط اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ۔ (یونس: ۹۹)

اور اگر آپ کا رب چاہتا تو روئے زمین کے تمام لوگ سب کے سب ایمان لے آتے، تو کیا آپ لوگوں پر زبردستی کریں گے حتیٰ کہ وہ سب مومن ہو جائیں گے۔

نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) یہ چاہتے تھے کہ تمام مشرکین مومن اور مؤحد ہو جائیں اور آپ کی ان تھک تبلیغ کرنے کے باوجود ان کے ایمان نہ لانے سے آپ بہت رنجیدہ اور غم گین ہوتے تھے، اللہ تعالیٰ نے آپ کے رنج کے ازالہ اور آپ کی تسلی کے لیے یہ آیات نازل فرمائیں کہ اگر آپ کا رب چاہتا تو روئے زمین کے تمام لوگ ایک ساتھ ایمان لے آتے، لیکن اللہ سبحانہٗ نے ایسا نہیں چاہا کیونکہ سب لوگوں کو جبراً مومن بنا دینا، اس کی حکمت اور مصلحت کے خلاف ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو حق اور باطل میں تمیز کرنے کے لیے عقل دی ہے اور اس کو اختیار عطاء فرمایا ہے، وہ چاہتا ہے کہ انسان اپنی عقل سے کھوٹے کھرے کو پرکھ کر اپنے اختیار سے اللہ تعالیٰ کی الوہیت، اس کی تخلیق، اس کی توحید اور اس کی قدرت اور اس کی حکمت پر ایمان لائے۔ اس آیت میں فرقہ جبریہ کا رد ہے، جو یہ کہتا ہے کہ انسان کو کسی چیز کا اختیار نہیں ہے، انسان کا مومن ہونا یا انسان کا کافر ہونا، یا انسان کا نیک اور صالح ہونا، یا اس کا فاسق اور فاجر ہونا، سب اللہ کے کرنے سے ہوتا ہے اور انسان اپنے تمام افعال میں مجبور محض ہے۔ ان کا یہ نظریہ بداہتہً باطل ہے، اگر ایسا ہو تو دنیا میں رسولوں کو ہدایت کے لیے بھیجنا اور جنت اور دوزخ کو پیدا کرنا اور جزاء اور سزا کا نظام بنانا یہ سب عبث اور فائدہ ہو جائے گا۔

فرمایا: مگر جو حق سے پشت پھیرے اور کفر کرے۔ تو اللہ اس کو بہت بڑا عذاب دے گا۔

بہت بڑے عذاب کا مطلب:

اگر آپ کی پرزور تبلیغ کے باوجود یہ لوگ ایمان نہ لائیں تو آپ سے ان کے ایمان نہ لانے پر سوال نہیں کیا جائے گا لیکن جو اِن میں سے پشت پھیرے گا تو اللہ سبحانہ اس کو بہت بڑا عذاب دے گا اور وہ دوزخ کا عذاب ہے، دوزخ کے عذاب کو بہت بڑا عذاب اس وجہ سے فرمایا ہے کہ کفر کا عذاب جرم و فسق کے عذاب سے بہت بڑا ہے، جیسا کہ اس آیت میں فرمایا:

وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْاَدْنٰى دُوْنَ الْعَذَابِ الْاَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ۔ (السجدۃ: ۲۱)

ہم ان کو (دنیا میں) بڑے عذاب کے علاوہ ضرور کم درجہ کا عذاب چکھائیں گے تا کہ وہ (کفر سے) پلٹ آئیں۔

بڑے عذاب سے مراد دوزخ کا عذاب ہے اور اس سے کم درجہ کے عذاب سے مراد ہے: دنیا کا عذاب، جیسے دنیا میں جنگ

کے اندر شکست سے دوچار ہونا، سمندر طوفان اور دریاؤں میں سیلاب آنا، زلزلے، قحط اور موذی بیماریوں میں مبتلا ہونا۔

دوزخ کے عذاب کو بہت بڑا عذاب کہنے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ اس سے مراد ہے : دوزخ کی آگ کا سب سے نچلا طبقہ۔

فرمایا : بیشک ہماری ہی طرف ان کا لوٹنا ہے۔ پھر بیشک ہم پر ہی ان کا حساب ہے۔

کفار اور مشرکین کو عذاب دینا کیوں ضروری ہے؟

ان آیتوں میں نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو تسلی دی گئی ہے کہ ہر چند کہ مشرکین مکہ آپ کی نبوت کی تکذیب کرتے ہیں اور آپ کی رسالت کا انکار کرتے ہیں، آپ کا مذاق اڑاتے ہیں، آپ پر آوازیں کستے ہیں اور آپ پر طعن اور تشنیع کرتے ہیں اور آپ کو طرح طرح کی ایذاء پہنچاتے ہیں لیکن بالآخر یہ ہماری طرف لوٹ کر آئیں گے، پھر ہم ان کا حساب لیں گے اور ان کو قرار واقعی سزا دیں گے۔

نیز کفار سے حساب لینا اور ان کو عذاب دینا اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا ہے اور اس میں حکمت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انبیاء (علیہم السلام) کی عزت اور وجاہت کو ظاہر فرمائے گا کہ جن کافروں اور مشرکوں نے دنیا میں انبیاء (علیہم السلام) کے پیغام کو مسترد کر دیا تھا اور ان کی نبوت اور رسالت کی تکذیب کی تھی، وہ آج کس قدر ذلت اور خواری کے عذاب میں مبتلا ہیں، سو قیامت کے دن اللہ سبحانہٗ کفار کو عذاب میں مبتلا کر کے انبیاء (علیہم السلام) کے مقام کو بلند فرمائے گا اور اللہ تعالیٰ ان کافروں اور مشرکوں سے انتقام لے گا، جو دنیا میں اپنے خود ساختہ خداؤں کو اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات اور اس کے استحقاق عبادت میں شریک کرتے رہے تھے۔

ترکیب نحوی وتحقیق صرفی:۔

اَفَلَا یَنْظُرُوْنَ (اَ۔ فَ۔ لَایَنْظُرُوْنَ) اَ، ہمزہ استفہامیہ، کیا، فَ، حرف عطف، تو، لَایَنْظُرُوْنَ، فعل مضارع منفی جمع مذکر غائب نَظَرَ یَنْظُرُ، مصدر نَظَرًا، دیکھنا، وہ نہیں دیکھتے (تو کیا وہ نہیں دیکھتے) اِلَی الْاِبِلِ (اِلٰی۔ اَلْاِبِلِ) اِلٰی، حرف جار، کی طرف، اَلْاِبِلِ، مجرور، واحد اور جمع دونوں کیلئے بولا جاتا ہے، اونٹ (اونٹ کی طرف) کَیْفَ، استفہامیہ (کیسے) خُلِقَتْ، فعل ماضی مجہول واحد مؤنث غائب خَلَقَ یَخْلُقُ، مصدر خَلْقًا، پیدا کرنا (وہ پیدا کیا گیا ہے) وَ، حرف عطف (اور) اِلَی السَّمَآءِ (اِلٰی۔ اَلسَّمَآءِ) اِلٰی، حرف جار، کی طرف، اَلسَّمَآءِ، مجرور، آسمان، جمع، اَلسَّمٰوٰتِ (آسمان کی طرف) کَیْفَ، استفہامیہ (کیسے) رُفِعَتْ، فعل ماضی مجہول واحد مؤنث غائب رَفَعَ یَرْفَعُ، مصدر رَفْعًا، اٹھانا، بلند کرنا (وہ بلند کیا گیا ہے) وَ، حرف عطف (اور) اِلَی الْجِبَالِ (اِلٰی۔ اَلْجِبَالِ) اِلٰی، حرف جار، کی طرف، اَلْجِبَالِ، مجرور، پہاڑوں، واحد، اَلْجَبَلُ (پہاڑوں کی طرف) کَیْفَ، استفہامیہ (کیسے) نُصِبَتْ، فعل ماضی مجہول واحد مؤنث غائب نَصَبَ یَنْصُبُ، مصدر نَصْبًا، گاڑ دینا، کھڑا کرنا (وہ گاڑ دیا گیا ہے) وَ، حرف عطف (اور) اِلَی الْاَرْضِ (اِلٰی۔ اَلْاَرْضِ) اِلٰی، حرف جار، کی طرف، اَلْاَرْضِ، مجرور، زمین، (زمین کی طرف) کَیْفَ، استفہامیہ (کیسے) سُطِحَتْ، فعل ماضی مجہول واحد مؤنث غائب سَطَحَ یَسْطَحُ، مصدر سَطْحٌ، بچھا دینا، ہموار کرنا (وہ بچھا دی گئی ہے) فَذَکِّرْ (فَ۔ ذَکِّرْ) فَ، حرف عطف، پس، ذَکِّرْ، فعل امر واحد مذکر حاضر ذَکَّرَ یُذَکِّرُ، مصدر تَذْکِیْرٌ، یاد دلانا، نصیحت کرنا، آپ نصیحت کریں (پس آپ نصیحت کریں) اِنَّمَا (اِنَّ۔ مَا) اِنَّ، حرف مشبہ بالفعل اور، مَا، کافہ حصر کیلئے (بے شک، صرف) اَنْتَ، ضمیر منفصلہ واحد مذکر حاضر مُذَکِّرٌ۔ تَذْکِیْرٌ، مصدر سے اسم فاعل واحد مذکر (نصیحت کرنے والے، یاد دہانی کرانے والے) لَسْتَ، فعل ناقص ماضی واحد مذکر حاضر (آپ نہیں ہیں) فعل مضارع اور فعل امر کے صیغے نہیں آتے۔ عَلَیْہِمْ (عَلٰی۔ ہِمْ)

عَلٰی، حرف جار، پر، ہِمْ، مجرور، ضمیر جمع مذکر غائب، ان (ان پر) بِمُصَیْطِرٍ (بِ۔ مُصَیْطِرٍ) بِ، حرف جار، زائد برائے تاکید نفی، مُصَیْطِرٍ، مجرور، یہ اصل میں، مُسَیْطِرٌ، تھا، سین کو صاد سے بدل دیا گیا ہے، سَیْطَرَۃٌ، مصدر سے اسم فاعل واحد مذکر، ذمہ دار، نگران، داروغہ، جبر کرنے والا، مسلط (ہرگز مسلط) اِلَّا، حرف استثنا (مگر) مَنْ، شرطیہ اسم موصول (جو) تَوَلّٰی، فعل ماضی واحد مذکر غائب تَوَلّٰی یَتَوَلّٰی، مصدر تَوَلِّیٌ، منہ موڑنا، روگردانی کرنا (وہ روگردانی کرے) وَ، حرف عطف (اور) کَفَرَ، فعل ماضی واحد مذکر غائب کَفَرَ یَکْفُرُ، مصدر کُفْرًا، کفر کرنا، انکار کرنا (وہ انکار کرے) فَیُعَذِّبُہُ اللّٰہُ (فَ۔ یُعَذِّبُ۔ ہُ۔ اَللّٰہُ) فَ، حرف عطف، جواب شرط، تو، یُعَذِّبُ، فعل مضارع واحد مذکر غائب عَذَّبَ یُعَذِّبُ، مصدر تَعْذِیْبٌ، عذاب دینا، وہ عذاب دے گا، ہُ، ضمیر واحد مذکر غائب، اسے، اَللّٰہُ، فاعل، اللہ (تو اللہ اسے عذاب دے گا) اَلْعَذَابَ الْاَکْبَرَ (اَلْعَذَابَ۔ اَلْاَکْبَرَ) اَلْعَذَابَ، موصوف، عذاب، اَلْاَکْبَرَ، صفت، کِبَرٌ، مصدر سے افعل التفضیل کا صیغہ، زیادہ بڑا، سب سے بڑا (سب سے بڑا عذاب) اِنَّ، حرف مشبہ بالفعل (بے شک، یقیناً) اِلَیْنَآ (اِلٰی۔ نَا) اِلٰی، حرف جار، کی طرف، نَا، مجرور، ضمیر جمع متکلم ہماری (ہماری طرف) اِیَابَھُمْ (اِیَابَ۔ ہُمْ) اِیَابَ، مضاف، اٰبَ یَئُوْبُ، کا مصدر ہے، لوٹ کر آنا، ہُمْ، مضاف الیہ، ضمیر جمع مذکر غائب، ان کا (ان کا لوٹ کر آنا) ثُمَّ، حرف عطف (پھر) اِنَّ، حرف مشبہ بالفعل (بے شک، یقیناً) عَلَیْنَا (عَلٰی۔ نَا) عَلٰی، حرف جار، پر، ذمے، نَا، مجرور، ضمیر جمع متکلم، ہمارے (ہمارے ذمے) حِسَابَھُمْ (حِسَابَ۔ ہُمْ) حِسَابَ، مضاف، مصدر، حساب لینا، حساب، ہُمْ، مضاف الیہ، ضمیر جمع مذکر غائب، ان کا (ان کا حساب لینا)۔

(الحمدللہ سورہ غاشیہ مکمل ہوگئی)

[سورۃ الفجر]

آیت ۱تا۵

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَالْفَجْرِ (۱) وَلَیَالٍ عَشْرٍ (۲) وَالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ (۳) وَالَّیْلِ اِذَا یَسْرِ (۴) ھَلْ فِیْ ذٰلِکَ قَسَمٌ لِّذِیْ حِجْرٍ (۵)

ترجمہ:۔

قسم ہے فجر کی! (۱) اور دس راتوں کی! (۲) اور جفت اور طاق کی! (۳) اور رات کی جب وہ چلتی ہے! (۴) یقیناً اس میں عقل والے کے لیے بڑی قسم ہے۔ (۵)

کوائف:

اس سورۃ کا نام سورۃ الفجر ہے۔ اس کی پہلی آیت میں فجر کا لفظ مذکور ہے۔ اسی لفظ سے اس سورۃ کا نام فجر ماخوذ ہے۔ یہ سورۃ مکی زندگی میں نازل ہوئی۔ اس کی تیس ۳۰ آیتیں ہیں۔

ما قبل سے ربط؛

گزشتہ سورت میں قیامت کے احوال ذکر کیے گئے تھے اور یہ کہ ان ہولناک واقعات کا انسانی قدرت اور مادی اسباب کے دائرہ میں کوئی مقابلہ اور دفاع نہیں ہوسکتا۔ مقابلہ اور مدافعت تو درکنار اس پر بدحواسی اور اضطراب کا یہ عالم ہوگا کہ انسان اپنے آپ کو بے بس دیکھ رہا ہوگا، اور مجرمین پر خداوند عالم کا ایسا عذاب مسلط ہوگا کہ اس کا تصور ہی نہیں کیا جاسکتا ہے تو اب اس سورت میں بالخصوص ایسے عبرت ناک تاریخی واقعات بیان فرمائے گئے جن کو پڑھ کر ہر انسان عبرت حاصل کرے اور سمجھ لے کہ خدا کی نافرمان قومیں اور اس کے رسولوں کی تکذیب کرنے والی بڑی سے بڑی طاقتور قوم جب اس طرح ہلاک کردی گئی تو پھر کس کی مجال ہے کہ اللہ کے پیغمبر کا انکار کرکے اس کے عذاب سے بچ سکے۔

تفسیر؛۔

فرمایا؛قسم ہے فجر کی!الخ

والفجر کی تفسیریں:

والفجر میں واو قسمیہ ہے۔معنی ہوگا قسم ہے فجر کی۔فجر سے کیا مراد ہے؟مفسرین کرام رحمۃ اللہ علیہم اس آیت کی تفسیر یہ بیان کرتے ہیں کہ اس سے مراد چھوٹی عید کی فجر ہے۔چونکہ رمضان شریف کے روزے ختم ہوئے ہیں اور رمضان شریف مین بڑی عبادت کی ہوتی ہے اس کے بعد آنے والی عید کا بڑا مقام ہے۔عید کی نماز بھی پڑھنی ہوتی ہے۔لہٰذا فجر سے مراد چھوٹی عید کی فجر ہے۔

دوسری تفسیر یہ ہے کرتے ہیں کہ فجر سے مراد دوسویں ذوالحجہ کی فجر ہے۔بڑی عید کی فجر مراد ہے۔دسویں ذوالحجہ کو حاجی قربانی کرتے ہیں اور دوسرے علاقوں میں بھی لوگ قربانی کرتے ہیں۔یہ دن بھی بڑی برکت والا ہے لہٰذا اس کی فجر مراد ہے۔
تیسری تفسیر یہ کرتے ہیں کہ نویں ذوالحجہ کی فجر مراد ہے کہ نویں تاریخ کو لوگ عرفات میں جمع ہوتے ہیں۔یہ حج کے فرائض اور ارکان میں سے ایک اہم رکن ہے۔لہٰذا عرفہ کی فجر مراد ہے۔اور یہ تفسیر بھی کرتے ہیں کہ ہر فجر مراد ہے کہ یہ نورانی وقت ہوتا ہے لہٰذا اس وقت کی قسم ہے۔

فرمایا؛اور قسم ہے دس راتوں کی۔

اس سے کون سی راتیں مراد ہیں؟

ایک تفسیر یہ ہے کہ رمضان المبارک کی آخری دس راتیں مراد ہیں جن میں لیلۃ القدر ہے۔حدیث پاک میں آتا ہے التمسوھا فی عشر الاواخر من رمضان۔رمضان المبارک کے آخری عشرے میں لیلۃ القدر کو تلاش کرو۔تو ان دس راتوں کی بڑی فضیلت ہے۔

دوسری تفسیر یہ کرتے ہیں کہ یکم ذوالحجہ سے لے کر دس ذوالحجہ کی دس راتیں مراد ہیں۔ان راتوں میں حج کے احکام ہوتے ہیں،

احرام باندھتے ہیں، منیٰ، عرفات، مزدلفہ پہنچتے ہیں۔ گویا کہ یہ بڑی برکت والی راتیں ہیں۔
تیسری تفسیر یہ کرتے ہیں کہ محرم کی ابتدائی دس راتیں مراد ہیں۔ کیونکہ سال کا آغاز ہوتا ہے۔ دس محرم کو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ (علیہ السلام) اور ان کی قوم کو فرعون سے نجات دی تھی۔
فرمایا: اور قسم ہے جفت کی اور قسم ہے طاق کی۔

جفت اور طاق کی تفسیر:

اس کی ایک تفسیر یہ کرتے ہیں کہ جفت، طاق سے نمازیں مراد ہیں کہ فجر، ظہر، عصر، عشاء کی نمازیں جفت ہیں مغرب اور وتر طاق ہیں۔ اور یہ معنیٰ بھی کرتے ہیں کہ جفت سے مراد مخلوق ہے اور طاق سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ کیونکہ مخلوق میں نر بھی ہیں، مادہ بھی ہیں، کالے بھی ہیں، گورے بھی ہیں، بڑے قد کے بھی ہیں، چھوٹے قد کے بھی ہیں۔ آسمان بلندی پر ہے اور زمیں پستی ہے، رات ہے، دن ہے۔ یہ سب جفت ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات وحدہ لاشریک لہ ہے اس کے مقابلے میں کوئی نہیں ہے۔
فرمایا: اور قسم ہے رات کی جب وہ جانے لگتی ہے۔

رات کی قسم کھانے کی وجوہ:

اکثر مفسرین نے کہا ہے کہ اس رات سے مراد کوئی مخصوص رات نہیں ہے کیونکہ رات اور دن کے متواتر آنے جانے میں اور ان کی مقدار کے مختلف ہونے میں اللہ تعالیٰ کی مخلوق پر بہت عظیم نعمت ہے، اس لیے رات کی قسم کھانا ممکن ہے اور اس میں اس پر تنبیہ ہے کہ رات اور دن کا متواتر ایک دوسرے کے بعد آنا اللہ تعالیٰ کی عظیم تدبیر پر مبنی ہے۔
مقاتل بن سلیمان نے کہا: اس سے مراد عید الاضحیٰ کی رات ہے۔ (تفسیر مقاتل بن سلیمان ج ۳ ص ۴۸۱)
اور امام رازی نے مقاتل بن حیان سے نقل کیا کہ اس سے مراد مزدلفہ کی رات ہے، کیونکہ اس رات کے اول میں عرفات سے مزدلفہ کی طرف روانگی ہوتی ہے اور اس کے آخر میں بھی گزرنا ہوتا ہے۔
فرمایا: بیشک اس میں صاحب عقل کے لیے بہت بڑی قسم ہے۔

"ذی حجر" کا معنیٰ:

اس آیت میں "ذی حجر" کا لفظ ہے، "حجر" عقل کو کہتے ہیں کیونکہ عقل انسان کو غلط اور نامناسب کام کرنے سے روکتی ہے، اور "حجر" کا معنیٰ ہے: کسی کام سے منع کرنا اور روکنا، الفراء نے کہا ہے: جو شخص اپنے نفس پر قاہر ہو اور اپنے نفس پر ضبط کرنے والا ہو، اس کو عرب "ذو حجر" کہتے ہیں۔
اس آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ جو شخص صاحب عقل ہو، وہ جان لے گا، یہ مذکورہ چیزیں بہت عجیب و غریب ہیں اور ان میں اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی ربوبیت پر بہت دلائل ہیں اور یہ چیزیں خالق کے وجود پر دلالت کرتی ہیں، اس لیے یہ چیزیں اس

لائق ہیں کہ ان کی قسم کھائی جائے۔

ترکیب نحوی وتحقیق صرفی:

وَالْفَجْرِ (وَ۔ اَلْفَجْرِ) وَ، حرف جار، قسمیہ، قسم ہے، اَلْفَجْرِ، مجرور، مقسم بہ، فجر، صبح (قسم ہے فجر کی) وَلَيَالٍ عَشْرٍ۔وَ، حرف عطف، حرف جار قسمیہ، اور، (قسم) لَيَالٍ، مجرور، موصوف، مقسم بہ، راتوں، واحد، لَيْلٌ، عَشْرٍ، صفت، دس، (اور دس راتوں کی) وَّالشَّفْعِ (وَ۔ اَلشَّفْعِ) وَ، حرف عطف، حرف جار قسمیہ، اور، (قسم) اَلشَّفْعِ، مجرور، مقسم بہ، جفت کی (اور جفت کی (قسم)) وَالْوَتْرِ (وَ۔ اَلْوَتْرِ) وَ، حرف عطف، حرف جار قسمیہ، اور (قسم) ، اَلْوَتْرِ، مجرور، مقسم بہ، طاق کی (اور طاق کی (قسم)) وَالَّيْلِ (وَ۔ اَلَّيْلِ) وَ، حرف عطف، حرف جار قسمیہ، اور، (قسم) اَلَّيْلِ، مجرور، مقسم بہ، رات کی (اور رات کی (قسم) اِذَا، ظرف زمان مستقبل بمعنی شرط (جب) يَسْرِ، فعل مضارع واحد مذکر غائب سَرٰى يَسْرِىْ، مصدر سَرْیٌ وَّسُرْيَةٌ، رات کو سفر کرنا، گزرنا (وہ گزرنے لگے) هَلْ، حرف استفہامیہ (کیا) فِىْ ذٰلِكَ، فِىْ، حرف جار، میں، ذٰلِكَ، مجرور، اسم اشارہ واحد مذکر بعید، اس (اس میں) قَسَمٌ، اسم مصدر (کوئی قسم) لِّذِىْ حِجْرٍ (لِ۔ ذِىْ۔ حِجْرٍ) لِ، حرف جار، کیلئے، ذِىْ، مجرور، مضاف، والے، حِجْرٍ، مضاف الیہ، پتھروں سے احاطہ بنائی ہوئی دیوار جو حفاظت اور روکنے کیلئے ہوتی ہے، عقل کو بھی، حِجْرٍ، کہتے ہیں۔ یہ بھی انسان کو بے اعتدالیوں سے روکتی ہے (عقل والے کیلئے)۔

آیت ۶ تا ۱۴

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ(۶) اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ(۷) الَّتِىْ لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِى الْبِلَادِ(۸) وَثَمُوْدَ الَّذِيْنَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ (۹) وَفِرْعَوْنَ ذِى الْاَوْتَادِ(۱۰) الَّذِيْنَ طَغَوْا فِى الْبِلَادِ(۱۱) فَاَكْثَرُوْا فِيْهَا الْفَسَادَ(۱۲) فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ(۱۳) اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ(۱۴)

ترجمہ:

کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ آپ کے رب نے قومِ عاد کے ساتھ کیا کیا (۶) (وہ عاد) جو ارم (قبیلہ کے لوگ) تھے، ستونوں والے۔(۷) وہ کہ ان جیسا کوئی شہروں میں پیدا نہیں کیا گیا۔(۸) اور ثمود کے ساتھ (کیا، کیا) جنھوں نے وادی میں چٹانوں کو تراشا۔(۹) اور میخوں والے فرعون کے ساتھ (کیا، کیا)۔(۱۰) وہ لوگ تھے جنہوں نے شہروں مین بڑی سرکشی کی (۱۱) پس انھوں نے ان میں بہت زیادہ فساد پھیلا دیا۔(۱۲) تو تیرے رب نے ان پر عذاب کا کوڑا برسایا۔(۱۳) بے شک تیرا رب یقیناً گھات میں ہے۔(۱۴)

تفسیر:

فرمایا؛ کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ آپ کے رب نے قومِ عاد کے ساتھ کیا کیا، الخ

ان آیتوں میں بظاہر نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو خطاب ہے، لیکن یہ خطاب ہر شخص کو عام ہے، اور اس سے مقصود کفار مکہ کو زجر و توبیخ اور ڈانٹ ڈپٹ ہے کہ اگر وہ اسی طرح کفر اور شرک پر اڑے رہے تو یہ خطرہ ہے کہ ان پر بھی وہی عذاب آجائے جو عاد اور ثمود اور قوم فرعون پر آچکا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ان آیتوں مین کفار کی تین قوموں کا اجمالاً ذکر فرمایا ہے اور یہ فرمایا ہے : اللہ تعالیٰ نے ان پر عذاب کا کوڑا

برسایالیکن ان کے عذاب کی کیفیت بیان نہیں فرمائی، البتہ سورۃ الحاقہ میں ان قوموں کے عذاب کی کیفیت بیان فرمائی ہے۔

قوم ثمود کے عذاب کی کیفیت کے متعلق فرمایا:

فَاَمَّا ثَمُوۡدُ فَاُهۡلِكُوۡا بِالطَّاغِيَةِ ۔ (الحاقہ :٥) رہے ثمود تو ان کو ایک چنگھاڑ سے ہلاک کردیا گیا۔

اور قوم عاد کے عذاب کی کیفیت کے متعلق فرمایا:

وَاَمَّا عَادٌ فَاُهۡلِكُوۡا بِرِيۡحٍ صَرۡصَرٍ عَاتِيَةٍ ۔ (الحاقہ :٦)

اور رہے عاد تو ان کو گرجتی ہوئی تیز آندھی سے ہلاک کردیا گیا۔

اور فرعون کے عذاب کے متعلق فرمایا:

وَجَآءَ فِرۡعَوۡنُ وَمَنۡ قَبۡلَهٗ وَالۡمُؤۡتَفِكٰتُ بِالۡخَاطِئَةِ ۔ (الحاقہ :٩)

اور فرعون اور اس سے پہلے کے لوگ اور وہ جن کی بستیاں الٹ دی گئی تھیں انھوں نے گناہ کیے۔

فرعون اور اس کی قوم کے عذاب کی تفصیل ان آیتوں میں ہے:

وَجٰوَزۡنَا بِبَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ الۡبَحۡرَ فَاَتۡبَعَهُمۡ فِرۡعَوۡنُ وَجُنُوۡدُهٗ بَغۡيًا وَّعَدۡوًا ط حَتّٰۤى اِذَاۤ اَدۡرَكَهُ الۡغَرَقُ ۙ قَالَ اٰمَنۡتُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِىۡۤ اٰمَنَتۡ بِهٖ بَنُوۡۤا اِسۡرَآءِيۡلَ وَاَنَا مِنَ الۡمُسۡلِمِيۡنَ ۔ آٰلۡـٰٔنَ وَقَدۡ عَصَيۡتَ قَبۡلُ وَكُنۡتَ مِنَ الۡمُفۡسِدِيۡنَ ۔ فَالۡيَوۡمَ نُنَجِّيۡكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوۡنَ لِمَنۡ خَلۡفَكَ اٰيَةً ط وَاِنَّ كَثِيۡرًا مِّنَ النَّاسِ عَنۡ اٰيٰتِنَا لَغٰفِلُوۡنَ ۔ (یونس :٩٠-٩٢)

اور ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر پار گزار دیا، پھر فرعون نے اپنے لشکر کے ساتھ ظلم اور زیادتی کے ارادہ سے ان کا تعاقب کیا، حتیٰ کہ جب فرعون ڈوبنے لگا تو اس نے کہا: میں ایمان لایا کہ اس ذات کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں اور میں بھی مسلمانوں میں سے ہوں۔ (جواب آیا:) اب ایمان لایا ہے اور اس سے پہلے تو سرکشی کرنے والوں میں سے تھا۔ پس آج ہم صرف تیرے بدن کو نجات دیں گے تا کہ تو بعد والوں کے لیے نشان عبرت ہوجائے، اور بیشک بہت سے لوگ ہماری نشانیوں سے غافل ہیں۔

قوم عاد کا تعارف:

عام کا نام ہے: عاد بن عوض بن ارم بن سام بن نوح، پھر لفظ عاد اس کے قبیلہ کا نام بن گیا، پھر اس قبیلہ کے متقدمین کو عاد اولیٰ کہا جاتا ہے۔

قرآن مجید میں ہے: "وانه اهلك عاد الاولىٰ" (النجم :٥٠) بیشک اس نے عاد اولیٰ کو ہلاک کردیا، اور متاخرین کو عاد الاخیرۃ کہا جاتا ہے، اور رہا ارم تو وہ عاد کے دادا کا نام ہے اور اس آیت میں ارم سے کون مراد ہے؟ اس میں حسب ذیل اقوال ہیں:

(١) اس سے مراد قبیلہ عاد کے متقدمین ہیں، جن کو عاد اولیٰ کہا جاتا ہے اور اسی وجہ سے ان کو ان کے دادا کے نام پر ارم کہتے ہیں۔

(۲) جس شہر میں یہ لوگ رہتے تھے، اس کا نام ارم تھا اور یہ اسکندریہ تھا اور ایک قول ہے کہ یہ شہر دمشق تھا، اس پر یہ اعتراض ہے کہ قرآن مجید نے بیان کیا ہے کہ قوم عاد ریگستان کے بلند ٹیلوں میں رہتی تھی اور اسکندریہ اور دمشق میں ریگستان کے بلند ٹیلے نہیں ہیں، قرآن مجید میں ہے:

وَاذْكُرْ اَخَا عَادٍؕ اِذْ اَنْذَرَ قَوْمَهٗ بِالْاَحْقَافِ (الاحقاف :۲۱)

اور عاد کے بھائی کو یاد کرو جب اس نے اپنی قوم کو ریگستان میں ڈرایا۔

(۳) ارم اس قوم کا نام ہے جو میناروں کی شکل میں یا قبروں کی شکل میں پہاڑوں کے اندر اپنے گھر بناتی تھی۔

فرمایا: وہ ارم کے لوگ تھے، ستونوں جیسے لمبے قد والے۔

علامہ قرطبی نے کہا ہے کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا: ان میں سے لمبے قد کا آدمی پانچ سو ذراع کا ہوتا تھا (ایک ذراع ڈیڑھ فٹ کا ہے) اور ان میں سے چھوٹے قد کا آدمی تین سو ذراع کا ہوتا تھا، حضرت ابن عباس (رض) سے دوسری روایت یہ ہے کہ ان کا قد ستر (۷۰) ذراع کا ہوتا تھا، علامہ ابن العربی نے کہا: یہ روایت صحیح نہیں ہے، کیونکہ حدیث صحیح مین ہے:

حضرت ابوہریرہ (رض) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم (علیہ السلام) کو پیدا کیا اور ان کا طول ہوا میں ساٹھ ذراع تھا، پھر اب تک مخلوق کا قد تدریجاً کم ہوتا رہا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث ۶۲۲۷ :، صحیح مسلم رقم الحدیث ۲۸۴۱ :)

قتادہ نے کہا: ان میں سے ایک آدمی کا طول بارہ ذراع کا ہوتا تھا۔

یہ لوگ ستون کھڑے کر کے ان کے اوپر مکان بناتے تھے، اس لیے ان کو ستون والے فرمایا اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ان کے لمبے قد کی وجہ سے ان کو ستون والے فرمایا۔ ضحاک نے کہا کہ ستون والے سے مراد ہے: وہ بہت زیادہ قوت والے تھے، اس کی دلیل یہ آیت ہے:

وقالوا من اشد منا قوة (حم السجدہ :۱۵) انھوں نے کہا: ہم سے زیادہ طاقت والا کون ہے؟

فرمایا: ان کی مثل شہروں میں کوئی پیدا نہیں کیا گیا۔

قوم عاد جتنے لمبے قد، عظیم جسامت اور شدید قوت والی تھی، اس زمانہ میں ایسی قوم کہیں بھی پیدا نہیں کی گئی تھی۔

فرمایا: اور ثمود کے لوگ تھے جنہوں نے وادی میں پتھروں کی چٹانیں تراشیں۔

ثمود کا پہاڑوں کو تراش کر مکان بنانا:

ثمود حضرت صالح (علیہ السلام) کی قوم تھیں، مفسرین نے کہا ہے: انھوں نے سب سے پہلے پہاڑوں اور چٹانوں کو تراش کر مکان بنائے، انھوں نے مدائن میں ہزاروں کی تعداد مین پہاڑوں کو تراش کر مکان بنائے، قرآن مجید میں ہے:

وَكَانُوا يَنْحِتُونَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوتًا اٰمِنِيْنَ ۔ (الحجر :۸۲) یہ لوگ بے خوف ہو کر پہاڑوں کو تراش کر گھر بناتے تھے۔

۹ ہجری میں جب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ان کی بستی سے گزرے تو آپ نے اپنے سر پر کپڑا لپیٹ لیا اور سواری کو تیز کر لیا اور فرمایا: اس جگہ روتے ہوئے اور اللہ کے عذاب سے ڈرتے ہوئے گزرو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث ۴۳۳: ،صحیح مسلم رقم الحدیث ۱۲۸۰ :)

یہ وادی پہاڑوں کے درمیان تھی وہ ان پہاڑوں کو تراش کر ان میں حویلیاں اور گھر بناتے تھے، جن میں حوض بھی ہوتے تھے۔

فرمایا: اور میخوں والا فرعون تھا۔

میخوں والے کا معنیٰ:

میخوں والے سے مراد فرعون کا لشکر ہے، جو فرعون کے ملک اور اس کی سلطنت کو مضبوط کرتا تھا، یہ حضرت ابن عباس (رض) کا قول ہے، ایک قول یہ ہے کہ وہ لوگوں کو میخوں سے عذاب دیا کرتا تھا، ان کو باندھ کر ان میں میخیں گاڑ دیا کرتا تھا، حتیٰ کہ وہ مرجاتے تھے، اس نے اپنی بیوی آسیہ اور بیٹی ماشطہ کے ساتھ بھی یہی کیا تھا،

فرمایا: ان لوگوں نے شہروں میں بہت سرکشی کی۔ پھر ان شہروں میں بہت دہشت گردی کی۔ پھر آپ کے رب نے ان پر عذاب کا کوڑا برسایا۔

عذاب کے کوڑے کا معنیٰ:

ان لوگوں سے مراد عاد، ثمود اور فرعون ہیں، انھوں نے ظلم ڈھانے اور سرکشی کرنے میں حد سے تجاوز کیا، پھر انھوں نے بہت دہشت گردی کی اور حد سے زیادہ لوگوں کو اذیت پہنچائی، تب اللہ تعالیٰ نے ان پر عذاب کا کوڑا برسایا، عذاب کے کوڑے سے مراد ہے: ان پر بہت شدید عذاب نازل کیا، کیونکہ ان کے نزدیک کوڑے مارنا بہت سخت سزا ہوتی تھی۔

فرمایا: بیشک آپ کا رب (ان کی) گھات میں ہے۔

"مرصاد" کا معنیٰ:

"مرصاد" کا معنیٰ ہے: گھات لگانے کی جگہ یعنی کسی کا انتظار کرنے کا مقام، جو شخص گھات لگا کر کسی پوشیدہ مقام میں بیٹھا ہو، اس کے پاس سے گزرنے والا دشمن اس سے بچ کر گزر نہیں سکتا اور اس کا دشمن اس سے چھپا نہیں رہ سکتا، اسی طرح اللہ تعالیٰ بھی در پردہ بندوں کے تمام اعمال سے باخبر ہے، اس سے بچ کر یا اس سے چھپ کر کوئی بندہ کوئی کام نہیں کر سکتا،

گھات لگانے کے چار اجزا ہیں: (۱) گھات لگانے کا مقام دشمن سے مخفی ہو (۲) دشمن کی گزرگاہ ہو (۳) جہاں گھات لگا کر بیٹھنے والے کو دشمن کے احوال کی خبر ہو جائے (۴) دشمن گھات لگانے والے کی گرفت سے بچ نہ سکے۔ اللہ تعالیٰ جو

گھات لگا تا ہے اس میں یہ چاروں امور متحقق ہیں، بندوں کو نہیں معلوم کہ اللہ کے علم کا کیا ذریعہ ہے اور وہ کس طرح ہمارے اعمال کو دیکھ رہا ہے اور کہاں سے دیکھ رہا ہے، زندگی کا راستہ سب کو طے کرنا ہے، سب اس راستہ سے گزر رہے ہیں، اللہ تعالیٰ کو ان کے تمام اقوال اور اعمال اور احوال کا، کامل علم ہے اور اس کی گرفت سے کوئی بچ نہیں سکتا۔

حسن اور عکرمہ نے کہا: اللہ تعالیٰ ہر انسان کے اعمال کو دیکھ رہا ہے تا کہ اس کے مطابق اس کو جزا دے۔

حضرت ابن عباس (رض) نے فرمایا: آپ کا رب ان کی گھات میں ہے یعنی ان کی باتیں سن رہا ہے اور ان کے اعمال دیکھ رہا ہے، ان کی سرگوشیوں کو سنتا ہے اور ان کے پوشیدہ اعمال کو دیکھ رہا ہے اور سب کو ان کے اعمال کے موافق جزاء دے گا۔ (الجامع الاحکام القرآن جز۲۰ ص ۴۵، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

ترکیب نحوی وتحقیق صرفی:

اَلَم تَرَ (اَ۔ لَم تَرَ) اَ، ہمزہ استفہامیہ، کیا، لَم تَرَ، فعل مضارع منفی جحد بلم واحد مذکر حاضر رَاٰی یَرٰی مصدر رُؤیَۃٌ، دیکھنا، لَمْ، کی وجہ سے ترجمہ (کیا آپ نے نہیں دیکھا) کَیفَ، استفہامیہ (کیسا) فَعَلَ، فعل ماضی واحد مذکر غائب فَعَلَ یَفعَلُ، مصدر فِعلًا، کرنا، کام کرنا (اس نے کیا) رَبُّکَ (رَبُّ۔ کَ) رَبُّ، مضاف، رب، پروردگار، کَ، مضاف الیہ، ضمیر واحد مذکر حاضر، آپ کے (آپ کے رب نے) بِعَادٍ (بِ۔ عَادٍ) بِ، حرف جار، کے ساتھ، عَادٍ، مجرور، عاد (عاد کے ساتھ) اِرَمَ، قوم عاد کی وہ نسل جو ارم بن سام بن نوح سے چلی (ارم) ذَاتِ العِمَادِ (ذَاتِ۔ اَلعِمَادِ) ذَاتِ، مضاف، والے، اَلعِمَادِ، مضاف الیہ، بلند ستونوں، واحد، اَلعَمَدُ، (بلند ستونوں والے) اَلَّتِیْ، اسم موصول واحد مؤنث (وہ جن) لَم یُخلَق، فعل مضارع مجہول منفی جحد بلم واحد مذکر غائب خَلَقَ یَخلُقُ، مصدر خَلقًا، پیدا کرنا، لَمْ، کی وجہ سے ترجمہ (وہ نہیں پیدا کیا گیا) مِثلُھَا (مِثلُ۔ ہَا) مِثلُ، مضاف، مانند، طرح، مثل، جیسا، ہَا، مضاف الیہ، ضمیر واحد مؤنث غائب، اس کا، ضمیر کا مرجع، اِرَمَ، ہے (ان کی مثل) فِی البِلَادِ (فِیْ۔ اَلبِلَادِ) فِیْ، حرف جار، میں، اَلبِلَادِ، مجرور، شہروں، واحد، اَلبَلَدُ (شہروں میں) وَ، حرف عطف (اور) ثَمُودَ، ثمود (حضرت صالح (علیہ السلام) کی قوم) اَلَّذِینَ، اسم موصول جمع مذکر (جنہوں نے) جَابُوا، فعل ماضی جمع مذکر غائب جَابَ یَجُوبُ، مصدر جَوبًا، چلنا پھرنا، تراشنا (انہوں نے تراشا) الصَّخرَ (چٹانوں) واحد، صَخرَۃٌ، بِالوَادِ (بِ۔ اَلوَادِ) بِ، حرف جار بمعنی، فِیْ، میں، اَلوَادِ، مجرور، وادی (وادی میں) وَ، حرف عطف (اور) فِرعَونَ (فرعون) ذِی الاَوتَادِ (ذِیَ۔ اَلاَوتَادِ) ذِیَ، مضاف، والے، اَلاَوتَادِ، مضاف الیہ، میخوں، واحد، وَتَدٌ (میخوں والے) لشکروں اور خیموں کی کثرت کی وجہ سے، ذِی الاَوتَادِ، کہا گیا ہے۔ اَلَّذِینَ، اسم موصول جمع مذکر (وہ لوگ جنہوں نے) طَغَوا، فعل ماضی جمع مذکر غائب طَغٰی یَطغٰی، مصدر طُغیَانٌ، سرکشی کرنا، حد سے بڑھنا (انہوں نے سرکشی کی) فِی البِلَادِ۔ فِیْ، حرف جار، میں، اَلبِلَادِ، مجرور، شہروں، واحد، اَلبَلَدُ۔ فَاَکثَرُوا (فَ۔ اَکثَرُوا) فَ، حرف عطف، پھر، اَکثَرُوا، فعل ماضی جمع مذکر غائب اَکثَرَ یُکثِرُ، مصدر اِکثَارٌ، بہت زیادہ کرنا، انتہا کرنا، انہوں نے بہت زیادہ کیا (پھر انہوں نے بہت زیادہ کیا) فِیہَا (فِیْ۔ ہَا) فِیْ، حرف جار، میں، ہَا، مجرور، ضمیر واحد مؤنث غائب، اس، ضمیر کا مرجع، اَلبِلَادِ، ہے (ان میں) اَلفَسَادَ، اسم فعل ومصدر (فساد، خرابی، بگاڑ، فساد کرنا) فَصَبَّ (فَ۔ صَبَّ) فَ، حرف عطف، پھر، صَبَّ، فعل ماضی واحد مذکر غائب صَبَّ یَصُبُّ، مصدر صَبًّا، برسانا، انڈیلنا، اس نے برسایا (پھر اس نے برسایا) عَلَیہِم (عَلٰی۔ ہِمْ) عَلٰی، حرف جار، پر، ہِمْ، مجرور، ضمیر جمع مذکر غائب، ان (ان پر) رَبُّکَ (رَبُّ۔ کَ) رَبُّ، مضاف، رب، پروردگار، کَ، مضاف الیہ، ضمیر واحد مذکر حاضر، آپ کے (آپ کے رب نے) سَوطَ عَذَابٍ۔ سَوطَ، مضاف، کوڑا، عَذَابٍ، مضاف الیہ، عذاب کا (عذاب کا کوڑا) اِنَّ، حرف مشبہ بالفعل (بے شک) رَبَّکَ (رَبَّ۔ کَ) رَبَّ، مضاف، رب، پروردگار، کَ، مضاف الیہ، ضمیر واحد مذکر حاضر، آپ کا (آپ کا رب) لَبِالمِرصَادِ (لَ۔ بِ۔ اَلمِرصَادِ) لَ، لام تاکید، بِ،

حرف جار بمعنی "فِی"، میں، اَلْمِرْصَادِ، مجرور، رَصَدٌ، سے اسم ظرف مکان، گھات کی جگہ، گھات۔)

آیت ۱۵ تا ۲۰

فَأَمَّا الْإِنسَانُ إِذَا مَا ابْتَلَاهُ رَبُّهُ فَأَكْرَمَهُ وَنَعَّمَهُ فَيَقُولُ رَبِّي أَكْرَمَنِ (۱۵) وَأَمَّا إِذَا مَا ابْتَلَاهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهُ فَيَقُولُ رَبِّي أَهَانَنِ (۱۶) كَلَّا بَل لَّا تُكْرِمُونَ الْيَتِيمَ (۱۷) وَلَا تَحَاضُّونَ عَلَىٰ طَعَامِ الْمِسْكِينِ (۱۸) وَتَأْكُلُونَ التُّرَاثَ أَكْلًا لَّمًّا (۱۹) وَتُحِبُّونَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا (۲۰)

ترجمہ:

پس لیکن انسان جب اس کا رب اسے آزمائے، پھر اسے عزت بخشے اور اسے نعمت دے تو کہتا ہے میرے رب نے مجھے عزت بخشی۔(۱۵) اور لیکن جب وہ اسے آزمائے، پھر اس پر اس کا رزق تنگ کردے تو کہتا ہے میرے رب نے مجھے ذلیل کردیا۔(۱۶) ہرگز ایسا نہیں، بلکہ تم یتیم کی عزت نہیں کرتے۔(۱۷) اور نہ تم آپس میں مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب دیتے ہو۔(۱۸) اور تم میراث کھا جاتے ہو، سب سمیٹ کے کھا جانا۔(۱۹) اور مال سے محبت کرتے ہو، بہت زیادہ محبت کرنا۔(۲۰)

تفسیر:۔

فرمایا؛ پس لیکن انسان جب اس کا رب اسے آزمائے، پھر اسے عزت بخشے اور اسے نعمت دے تو کہتا ہے میرے رب نے مجھے عزت بخشی۔ الخ

عزت وذلت کا معیار:

اس سے پہلی آیت میں فرمایا تھا: بیشک آپ کا رب ان کی گھات میں ہے یعنی آپ کا رب دیکھ رہا ہے کہ اس کے بندے آخرت کے لیے کیا عمل کررہے ہیں، سو اس کی نظر صرف آخرت کی طرف ہے، اور انسان کا یہ حال ہے کہ اس کی نظر صرف دنیا کی طرف ہے، اس کے نزدیک اہم چیز صرف دنیا کی لذتیں اور شہوتیں ہیں، اگر دنیا میں اس کی نفسانی خواہشین پوری ہوجائیں تو وہ کہتا ہے کہ میرے رب نے مجھے عزت دی اور اگر دنیا میں اس کی نفسانی خواہشین پوری نہ ہوں تو وہ کہتا ہے کہ میرے رب نے مجھے ذلیل کردیا، اس کی نظیر وہ آیات ہیں جو کفار کے متعلق نازل ہوئی ہیں:

يَعْلَمُونَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ج وَهُمْ عَنِ الْآخِرَةِ هُمْ غَافِلُونَ۔ (الروم ۷)

وہ تو صرف دنیوی زندگی کے ظاہر کو (ہی) جانتے ہیں اور وہ آخرت سے بالکل غافل ہیں۔

وَمِنَ النَّاسِ مَن يَعْبُدُ اللَّهَ عَلَىٰ حَرْفٍ ج فَإِنْ أَصَابَهُ خَيْرٌ اطْمَأَنَّ بِهِ ج وَإِنْ أَصَابَتْهُ فِتْنَةٌ انقَلَبَ عَلَىٰ وَجْهِهِ ج قف خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةَ ط ذَٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِينُ۔ (الحج ۱۱)

اور بعض لوگ ایسے ہیں جو ایک کنارے پر (کھڑے ہوکر) اللہ کی عبادت کرتے ہیں، اگر ان کو کوئی فائدہ ہوا تو وہ اس سے مطمئن ہوتے ہیں، اور اگر ان پر کوئی مصیبت آگئی تو وہ اسی وقت پلٹ جاتے ہیں، انھوں نے دنیا اور آخرت کا نقصان

اٹھاناہی کھلاہوانقصان ہے۔

دنیاوی عیش وعشرت کی مذمت کی وجوہ:

(۱) دنیا کی نعمتیں آخرت کی نعمتوں کے مقابلہ میں اس قدر کم ہیں جیسے قطرہ سمندر کے مقابلہ میں ہو، بلکہ یہ نسبت بھی نہیں ہے، کیونکہ قطرہ کی سمندر کی طرف نسبت متناہی کی متناہی کی طرف ہے اور دنیا کی آخرت کی طرف نسبت متناہی کی غیر متناہی کی طرف ہے، دنیا کی نعمتیں متناہی اور محدود ہیں اور آخرت کی نعمتیں غیر متناہی اور لامحدود ہیں، پس اگر کسی شخص کو دنیا کی نعمتیں حاصل ہوں اور وہ آخرت کی نعمتیں حاصل نہ کرے سکے تو یہ سراسر خسارہ ہے اور جو دنیا کی نعمتیں حاصل نہ کرسکا بلکہ مصائب اور آفات میں مبتلا رہا اور آخرت میں اس کو جنت اور اس کی نعمتیں مل گئیں تو وہ کامیاب اور بامراد ہے، اس کا اپنے متعلق یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ اس کے رب نے اس کو ذلیل کردیا بلکہ اس کے رب نے اس کو عزت والا بنایا اور کامیاب کردیا۔

(۲) جب بھی کسی انسان پر کوئی مصیب آئے یا اس کو کوئی نعمت ملے تو اس کو یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ یہ اس کے کسی عمل کا نتیجہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ جس پر چاہتا ہے رزق کشادہ کردیتا ہے اور جس پر چاہتا ہے رزق تنگ کردیتا ہے، بعض اوقات اس کے نیک بندوں پر دنیا میں مصائب آتے ہیں جیسے حضرت امام حسین (رض) پر مصائب آئے اور بعض اوقات فساق اور فجار بہت عیش وآرام اور نعمتوں میں ہوتے ہیں جیسے یزید اور اس کے دیگر رفقاء، اور عمومی طور پر کفار بہت دولت مند، قوی اور مستحکم ہیں اور مسلمان بہت پس ماندہ، کمزور اور دبے ہوئے ہیں کیونکہ دنیا میں کفار کی شوکت اور عزت بہ طور استدراج، مکر اور ان کو ڈھیل دینے کے لیے ہوتی ہے اور مسلمانوں کی زبوں حالی ان کی آزمائش اور آخرت میں ان کے درجات کی بلندی کے لیے ہوتی ہے۔

(۳) جو شخص مال دار اور خوش حال ہو، اس کو اپنی زندگی کے خاتمہ سے غافل نہیں ہونا چاہیے کیونکہ اعتبار انسان کے خاتمہ کا ہوتا ہے اور جو شخص فقیر اور محتاج ہو، اس کو یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے اس کو مال وزر نہیں دیا، تو کیا ہوا اللہ تعالیٰ نے اس کو اور بیشمار نعمتیں دی ہیں، اس کا بدن صحیح وسالم ہے، اس کی عقل کام کررہی ہے، وہ صاحب ایمان ہے اور عمل صالحہ پر قادر ہے، سانس لینے کے لیے ہوا، پینے کے لیے پانی اور کھانے کے لیے غذا اس کو میسر ہے، وہ ناگہانی آفات مثلاً زلزلوں اور سونامی ایسے سمندری طوفانوں سے محفوظ ہے اور مہلک اور موذی امراض مثلاً ایڈز اور کینسر وغیرہ سے بچا ہوا ہے۔

(٤) جب انسان کو اپنی لذتوں کے حصول اور شہوتوں کے اسباب میسر ہوتے ہیں تو وہ اپنے نفسانی تقاضوں کو پورا کرنے میں منہمک ہوجاتا ہے اور ان لذتوں کو ترک کرنا اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کی طرف رجوع کرنا اس کے لیے مشکل ہوجاتا ہے اور جب انسان کے پاس عیش وعشرت کے سامان نہ ہوں، اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل کرنے والی اور معصیت پر ابھارنے والی چیزیں نہ ہوں تو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا اس کے لیے سہل اور آسان ہوجاتا ہے، سو جب اللہ تعالیٰ کسی انسان کو عیش وطرب دے کر واپس لے لے تو اس کو یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو عزت دینے کے بعد ذلت میں مبتلا کردیا بلکہ یہ سمجھنا

چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنی آخرت اور عاقبت سنوارنے کا ایک اور موقع عنایت فرما دیا ہے۔

(٥) انسان دنیاوی نعمتوں اور راحتوں سے جتنا زیادہ بہرہ اندوز ہوگا، وہ اس قدر زیادہ ان کی محبت میں گرفتار ہوگا اور موت کے وقت جب ان چیزوں سے اس کی جدائی ہوگی تو اس کو اتنا زیادہ قلق ہوگا اور دنیاوی عیش وعشرت سے اس کا جس قدر کم تعلق ہوگا، موت کے وقت ان چیزوں کی جدائی سے اسی قدر کم قلق ہوگا، اس لیے یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ دنیا کی نعمتوں کا حصول عزت کا سبب ہے اور ان نعمتوں کا نہ ملنا ذلت کا سبب ہے۔

آیا دنیاوی مال کے حصول پر اترانے والا عام انسان ہے یا مخصوص انسان ہے؟

الفجر ١٥ : میں ”الانسان“ کا ذکر ہے، اس میں مفسرین کا اختلاف ہے کہ اس انسان سے عام انسان مراد ہے یا کوئی خاص انسان مراد ہے۔ حضرت ابن عباس (رض) بیان کرتے ہیں کہ اس میں سے عتبہ بن ربیعہ اور ابو حذیفہ بن المغیرہ مراد ہیں، ایک قول یہ ہے کہ اس سے امیہ بن خلف مراد ہے اور ایک قول یہ ہے کہ اس سے ابی بن خلف مراد ہے۔

مال اور نعمت ملنے پر خوش ہونا، اترانا اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا نہ کرنا، اور رزق کی تنگی اور فقر کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اہانت سمجھنا ان کافروں کا شیوہ ہے، جو قیامت اور حشر ونشر پر ایمان نہیں رکھتے، رہا مومن تو جب اس پر رزق کی کشادگی کی جائے تو وہ اس کو اللہ تعالیٰ کا انعام سمجھتا ہے اور اس نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہے اور اگر اس پر رزق کی تنگی کر دی جائے تو وہ سمجھتا ہے کہ یہ قضاء وقدر سے متعلق ہے اور اس مصیبت پر صبر کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے کوئی شکوہ اور شکایت نہیں کرتا، البتہ بعض مسلمان بھی اپنی جہالت سے یہ گمان کرتے ہیں کہ جب ان کو کوئی نعمت ملے تو وہ سمجھتے ہیں کہ وہ اپنی کسی عبادت کی فضیلت کی وجہ سے اس نعمت کے مستحق تھے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو اس وجہ سے عزت دی ہے اور جب ان پر کوئی مصیبت آئے تو وہ سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو رسوا کر دیا، سو ایسے مسلمانوں کو اپنے گمان پر توبہ کرنا چاہیے اور یہ یقین کرنا چاہیے کہ وہ کافروں کی صفت ہے، مسلمانوں میں یہ صفت نہیں ہونی چاہیے۔

فرمایا : یہ بات نہیں ہے، بلکہ تم یتیم کی عزت نہیں کرتے ہو۔ اور تم ایک دوسرے کو یتیم کے کھلانے پر راغب نہیں کرتے ہو۔ اور تم وراثت کا پورا مال سمیٹ کر کھا جاتے ہو۔ اور تم مال سے بہت زیادہ محبت کرتے ہو۔

”کلا“ کا معنی :

الفجر ١٧ : میں ”کلا“ کا لفظ ان کے گمان کو مسترد کرنے کے لیے ہے، پس کسی شخص کا خوش حال اور مال دار ہونا اس کی فضیلت کی وجہ سے نہیں ہے اور نہ تنگ دست ہونا اس کی ذلت کی وجہ سے، سو بندے کو تنگی ہو یا کشادگی ہو حال میں اللہ تعالیٰ کی حمد کرنی چاہیے۔

فرمایا : بلکہ تم یتیم کی عزت نہیں کرتے ہو۔

یتیم کی تکریم کی وجوہ :

امام ابو منصور ماتریدی متوفی ۳۳۳ھ نے یتیم کی تکریم کے حسب ذیل محامل بیان کیے ہیں:

(۱) یتیم کے مال کی حفاظت کرے تا کہ وہ ضائع نہ ہو اور اس کی عمدہ ترتیب کرے اور اس کو نیک اخلاق اور آداب سکھائے اور اس کو بری صحبتوں اور بری عادتوں سے بچائے تا کہ وہ لوگوں کی نگاہوں میں معزز اور مکرم ہو۔

(۲) اس کو احکام شرعیہ کی تعلیم دے، اس سے نماز پڑھوائے، روزے رکھوائے اور دیگر مستحب کاموں کی تلقین کرے تا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی معزز اور مکرم ہو۔

(۳) اس کے مال کو اپنی ضروریات بہ قدر حاجت خرچ کرے اور اس کے مال کو نفع بخش تجارت یا کسی عمدہ صنعت پر لگائے تا کہ اس کا مال ختم ہونے یا ضائع ہونے سے بچے، یہ اس کے مال کی تکریم ہے۔

یتیم کی دل داری نہ کرنے کی مذمت:

فرمایا: اور تم ایک دوسرے کو یتیم کے کھلانے پر راغب نہیں کرتے ہو۔

یعنی تم لوگوں سے یہ نہیں کہتے تھے کہ یتیم کو کھلاؤ، اور اس طرح نیکی کا حکم دینے کو ترک کرتے ہو۔

فرمایا: اور تم وراثت کا پورا مال سمیٹ کر کھا جاتے ہو۔

اس آیت میں ”تراث“ کا لفظ ہے، یہ اصل میں ”وراث“ تھا، واؤ کو تاء سے تبدیل کر دیا، جیسے ”وجاہ“ کو ”تجاہ“ کر دیا۔

اور اس آیت میں ”لما“ کا لفظ ہے، اس کا معنی ہے: بہت زیادہ جمع کرنا یعنی تم وراثت کا بہت زیادہ مال کھا جاتے ہو.

تاکلون التراث کا مطلب:

(۱) زجاج نے کہا: اس آیت کا معنی ہے: وہ یتیم کے بڑے ہو جانے کے ڈر سے اس کے مال کو جلدی جلدی فضول کاموں میں خرچ کر کے ختم کر دیتے تھے۔

(۲) حسن بصری نے کہا: وہ یتیم کا مال بھی کھا جاتے اور اس کے ساتھی کا مال بھی کھا جاتے تھے۔

(۳) میت کے مال میں سے بعض مال حلال ہوتا تھا، بعض مال مشتبہ ہوتا تھا اور بعض مال حرام ہوتا تھا، وہ بغیر تمیز کے سارا مال کھا جاتے تھے۔

فرمایا: اور تم مال سے بہت زیادہ محبت کرتے ہو۔

اس آیت میں ”جما“ کا لفظ ہے، اس کا معنی ہے: کثیر، یعنی تم مال سے بہت زیادہ محبت کرتے ہو اور تم مال کو جمع کرنا چاہتے ہو اور یہ نہیں دیکھتے کہ وہ مال حلال ذرائع سے آرہا ہے یا حرام ذرائع سے آرہا ہے، تمہاری نظر صرف دنیا پر ہے اور آخرت کی طرف سے تم نے آنکھیں بند کی ہوئی ہیں۔

ترکیب نحوی وتحقیق صرفی:

فَاَمَّا (فَ ۔ اَمَّا) فَ، حرف عطف، پس، اَمَّا، حرف شرط و تفصیل، مگر، لیکن، رہا، بہر حال (پس لیکن) اَلْاِنْسَانُ (انسان) اِذَا، ظرف زمان مستقبل بمعنی شرط (جب) مَا، زائدہ ہے۔ ابْتَلٰىهُ (اِبْتَلٰى ۔ هُ) اِبْتَلٰى، فعل ماضی واحد مذکر غائب اِبْتَلٰى يَبْتَلِيْ، مصدر اِبْتِلَآءٌ، آزمانا، اِذَا، کی وجہ سے ترجمہ، وہ آزماتا ہے، هُ، ضمیر واحد مذکر غائب، اسے۔ رَبُّهٗ (رَبُّ ۔ هٗ) رَبُّ، مضاف، رب، هٗ، مضاف الیہ، ضمیر واحد مذکر غائب، اس کا (اس کا رب) فَاَكْرَمَهٗ (فَ ۔ اَكْرَمَ ۔ هٗ) فَ، حرف عطف، پھر، اَكْرَمَ، فعل ماضی واحد مذکر غائب اَكْرَمَ يُكْرِمُ، مصدر اِكْرَامٌ، عزت سے نوازنا، اِذَا، کی وجہ سے ترجمہ، وہ عزت سے نوازتا ہے، هٗ، ضمیر واحد مذکر غائب، اسے (پھر وہ اسے عزت سے نوازتا ہے) وَ، حرف عطف (اور) نَعَّمَهٗ (نَعَّمَ ۔ هٗ) نَعَّمَ، فعل ماضی واحد مذکر غائب نَعَّمَ يُنَعِّمُ، مصدر تَنْعِيْمٌ، نعمت عطا کرنا، وہ نعمت عطا کرتا ہے، هٗ، ضمیر واحد مذکر غائب، اسے (وہ اسے نعمت عطا کرتا ہے) فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَكْرَمَنِ ۱۵ تو وہ کہتا ہے میرے رب نے مجھے عزت سے نوازا۔ فَيَقُوْلُ (فَ ۔ يَقُوْلُ) فَ، حرف عطف، تو، يَقُوْلُ، فعل مضارع واحد مذکر غائب قَالَ يَقُوْلُ، مصدر قَوْلًا، کہنا، وہ کہتا ہے (تو وہ کہتا ہے) رَبِّيْٓ (رَبِّ ۔ يْ) رَبِّ، مضاف، رب، يْ، مضاف الیہ، ضمیر واحد متکلم، میرے (میرے رب نے) اَكْرَمَنِ، اصل میں "اَكْرَمَنِيْ" تھا، يْ، تخفیف کیلئے حذف کردی گئی۔ (اَكْرَمَ ۔ نِ ۔ يْ) اَكْرَمَ، فعل ماضی واحد مذکر غائب اَكْرَمَ يُكْرِمُ، مصدر اِكْرَامٌ، عزت سے نوازنا، اس نے عزت سے نوازا، نِ، نون وقایہ، يْ، ضمیر واحد متکلم، محذوف ہے، مجھے (اس نے مجھے عزت سے نوازا) وَ، حرف عطف (اور) اَمَّا، حرف شرط و تفصیل (مگر، لیکن، بہر حال، رہا) اِذَا، ظرف زمان مستقبل بمعنی شرط (جب) مَا، زائدہ ہے۔ ابْتَلٰىهُ (اِبْتَلٰى ۔ هُ) اِبْتَلٰى، فعل ماضی واحد مذکر غائب اِبْتَلٰى يَبْتَلِيْ، مصدر اِبْتِلَآءٌ، آزمانا، اِذَا، کی وجہ سے ترجمہ، وہ آزماتا ہے، هُ، ضمیر واحد مذکر غائب، اسے (وہ اسے آزماتا ہے) فَقَدَرَ (فَ ۔ قَدَرَ) فَ، حرف عطف، پھر، قَدَرَ، فعل ماضی واحد مذکر غائب قَدَرَ يَقْدِرُ، مصدر قَدْرًا، رزق یا دوسرے وسائل تنگ کرنا، اِذَا، کی وجہ سے ترجمہ، وہ تنگ کردیتا ہے (پھر وہ تنگ کردیتا ہے) عَلَيْهِ (عَلٰى ۔ هِ) عَلٰى، حرف جار، پر، هِ، مجرور، ضمیر واحد مذکر غائب، اس (اس پر) رِزْقَهٗ (رِزْقَ ۔ هٗ) رِزْقَ، مضاف، اسم مصدر، رزق، هٗ، مضاف الیہ، ضمیر واحد مذکر غائب، اس کا (اس کا رزق) فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَهَانَنِ ۱۶ تو وہ کہتا ہے میرے رب نے مجھے ذلیل کردیا۔ فَيَقُوْلُ (فَ ۔ يَقُوْلُ) فَ، حرف عطف، تو، يَقُوْلُ، فعل مضارع واحد مذکر غائب قَالَ يَقُوْلُ، مصدر قَوْلًا کہنا، وہ کہتا ہے (تو وہ کہتا ہے) رَبِّيْٓ (رَبِّ ۔ يْ) رَبِّ، مضاف، رب، پروردگار، يْ، مضاف الیہ، ضمیر واحد متکلم میرے (میرے رب نے) اَهَانَنِ، اصل میں، اَهَانَنِيْ، تھا، يْ، محذوف ہے (اَهَانَ ۔ نِ ۔ يْ) اَهَانَ، فعل ماضی واحد مذکر غائب اَهَانَ يُهِيْنُ، مصدر اِهَانَةٌ، ذلیل کرنا، اس نے ذلیل کردیا، نِ، نون وقایہ، يْ، ضمیر واحد متکلم، محذوف ہے، مجھے (اس نے مجھے ذلیل کردیا) وَ، حرف عطف (اور) اَمَّا، حرف شرط و تفصیل (مگر، لیکن، بہر حال، رہا) اِذَا، ظرف زمان مستقبل بمعنی شرط (جب) مَا، زائدہ ہے۔ ابْتَلٰىهُ (اِبْتَلٰى ۔ هُ) اِبْتَلٰى، فعل ماضی واحد مذکر غائب اِبْتَلٰى يَبْتَلِيْ، مصدر اِبْتِلَآءٌ، آزمانا، اِذَا، کی وجہ سے ترجمہ، وہ آزماتا ہے، هُ، ضمیر واحد مذکر غائب، اسے (وہ اسے آزماتا ہے) فَقَدَرَ (فَ ۔ قَدَرَ) فَ، حرف عطف، پھر، قَدَرَ، فعل ماضی واحد مذکر غائب قَدَرَ يَقْدِرُ، مصدر قَدْرًا، رزق یا دوسرے وسائل تنگ کرنا، اِذَا، کی وجہ سے ترجمہ، وہ تنگ کردیتا ہے (پھر وہ تنگ کردیتا ہے) عَلَيْهِ (عَلٰى ۔ هِ) عَلٰى، حرف جار، پر، هِ، مجرور، ضمیر واحد مذکر غائب، اس (اس پر) رِزْقَهٗ (رِزْقَ ، هٗ) رِزْقَ، مضاف، اسم مصدر، رزق، هٗ، مضاف الیہ، ضمیر واحد مذکر غائب، اس کا (اس کا رزق) فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَهَانَنِ ۱۶ تو وہ کہتا ہے میرے رب نے مجھے ذلیل کردیا۔ فَيَقُوْلُ (فَ ۔ يَقُوْلُ) فَ، حرف عطف، تو، يَقُوْلُ، فعل مضارع واحد مذکر غائب قَالَ يَقُوْلُ، مصدر قَوْلًا کہنا، وہ کہتا ہے (تو وہ کہتا ہے) رَبِّيْٓ (رَبِّ ۔ يْ) رَبِّ، مضاف، رب، پروردگار، يْ، مضاف الیہ، ضمیر واحد متکلم میرے (میرے رب نے) اَهَانَنِ، اصل میں، اَهَانَنِيْ، تھا، يْ، محذوف ہے (اَهَانَ ۔ نِ ۔ يْ) اَهَانَ، فعل ماضی واحد مذکر غائب اَهَانَ يُهِيْنُ، مصدر اِهَانَةٌ، ذلیل کرنا، اس نے ذلیل کردیا، نِ، نون وقایہ، يْ، ضمیر واحد متکلم، محذوف ہے، مجھے (اس نے مجھے ذلیل کردیا) كَلَّا، حرف ردع وزجر (ہرگز نہیں) بَلْ، حرف اضراب (بلکہ) لَا تُكْرِمُوْنَ، فعل مضارع منفی جمع مذکر حاضر اَكْرَمَ يُكْرِمُ، مصدر اِكْرَامٌ، عزت کرنا (تم

عزت نہیں کرتے) اَلْیَتِیْمَ (یتیم کی) وَ، حرف عطف (اور) لَا تَحٰٓضُّوْنَ، فعل مضارع منفی جمع مذکر حاضر حَاضَّ یُحَاضُّ، مصدر مُحَاضَّۃٌ، آپس میں ترغیب دینا (تم آپس میں ترغیب نہیں دیتے) عَلٰی طَعَامِ الْمِسْکِیْنِ (عَلٰی۔ طَعَامِ۔ اَلْمِسْکِیْنِ) عَلٰی، حرف جار، پر، طَعَامِ، مجرور، مضاف، اسم بمعنی، اِطْعَامٌ، کھانا کھلانا، اَلْمِسْکِیْنِ، مضاف الیہ، مسکین (مسکین کو کھانا کھلانے پر) وَ، حرف عطف (اور) تَاْکُلُوْنَ، فعل مضارع جمع مذکر حاضر اَکَلَ یَاْکُلُ، مصدر اَکْلًا، کھاجانا (تم کھاجاتے ہو) اَلتُّرَاثَ، اصل میں، وُرَاثٌ، تھا، واؤ کو تا سے بدل دیا گیا ہے (وراثت کا مال، میراث) اَکْلًا لَّمًّا، اَکْلًا موصوف، مصدر، کھاجانا، لَمًّا، صفت، لَمَّ یَلُمُّ، کا مصدر، سمیٹنا، سمیٹ کر (سمیٹ کر کھاجانا) وَ، حرف عطف (اور) تُحِبُّوْنَ، فعل مضارع جمع مذکر حاضر اَحَبَّ یُحِبُّ، مصدر اِحْبَابٌ، پسند کرنا، محبت کرنا (تم محبت کرتے ہو) اَلْمَالَ (مال) حُبًّا جَمًّا۔ حُبًّا، موصوف، حَبَّ یَحِبُّ، کا مصدر، محبت کرنا، محبت، جَمًّا، صفت، کثرت اور زیادتی کیلئے آتا ہے، جی بھر کر، بہت زیادہ۔

آیت ۲۱ تا ۲۶

كَلَّآ اِذَا دُكَّتِ الْاَرْضُ دَكًّا دَكًّا (۲۱) وَّجَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا (۲۲) وَجِايْٓءَ يَوْمَىِٕذٍۭ بِجَهَنَّمَ ۙ يَوْمَىِٕذٍ يَّتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ وَاَنّٰى لَهُ الذِّكْرٰى (۲۳) يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ قَدَّمْتُ لِحَيَاتِيْ (۲۴) فَيَوْمَىِٕذٍ لَّا يُعَذِّبُ عَذَابَهٗٓ اَحَدٌ (۲۵) وَّلَا يُوْثِقُ وَثَاقَهٗٓ اَحَدٌ (۲۶)

ترجمہ:

ہرگز نہیں، جب زمین کوٹ کوٹ کر ریزہ ریزہ کردی جائے گی۔(۲۱) اور تیرا رب آئے گا اور فرشتے جو صف در صف ہوں گے۔(۲۲) اور اس دن جہنم کو لایا جائے گا، اس دن انسان نصیحت حاصل کرے گا اور (اس وقت) اس کے لیے نصیحت کہاں۔(۲۳) کہے گا اے کاش! میں نے اپنی زندگی کے لیے آگے بھیجا ہوتا۔(۲۴) پس اس دن اس کے عذاب جیسا عذاب کوئی نہیں کرے گا۔(۲۵) نہ اس کی قید و بند جیسی کسی کی قید و بند ہوگی۔(۲۶)

تفسیر:۔

فرمایا؛ ہرگز نہیں، جب زمین کوٹ کوٹ کر ریزہ ریزہ کردی جائے گی، الخ

قیامت کے دن کفار اور فساق و فجار کا کفِ افسوس ملنا:

الفجر ۲۱: میں بھی پہلے ”کلا“ کا لفظ ہے اور یہ لفظ کافروں کے گمان اور ان کے زعم کو مسترد کرنے کے لیے ہے کہ کافر دنیا کی حرص کر رہے ہیں اور یتیم کا مال ہڑپ کر رہے ہیں اور اس کے حقوق کا تحفظ نہیں کر رہے اور اس کی تادیب، تربیت اور تکریم نہیں کر رہے ہیں اور اپنے ان کاموں کو اچھا سمجھ کر ان کاموں پر خوش ہو رہے ہیں، سو ان کا یہ سمجھنا غلط اور باطل ہے، ان کو ان کاموں سے باز آنا چاہیے، وہ ہر طرح کا مال جمع کر رہے ہیں، خواہ وہ حلال ہو یا حرام ہو اور ان کا یہ وہم ہے کہ آگے چل کر آخرت میں اس کی کوئی پوچھ گچھ نہیں ہوگی اور ان کے برے اعمال پر کوئی گرفت نہیں ہوگی، سو ایسا نہیں ہوگا، جن لوگوں کا یہ حال ہے وہ قیامت کے دن نادم ہوں گے اور وہ یہ تمنا کریں گے کہ کاش! انھوں نے اپنی ساری عمر نیک کاموں میں صرف کر کے اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کیا ہوتا اور یتیموں، غریبوں اور ناداروں کی ضروریات پر اپنے مال کو خرچ کیا ہوتا اور لوٹ مار،

ڈاکہ زنی، چھین جھپٹ، بھتہ خوری اور دیگر حرام ذرائع سے مال جمع نہ کیا ہوتا، نقلی دوائیں نہ بنائی ہوتیں، کھانے پینے کی چیزوں میں ملاوٹ نہ کی ہوتی، ذخیرہ اندوزی نہ کی ہوتی، منشیات کا دھندا نہ کیا ہوتا، سود نہ لیا ہوتا، رشوت نہ لی ہوتی اور دیگر حرام کام نہ کیے ہوتے، لیکن اس دن ان کاموں پر ندامت کسی کام نہ آئے گی اور ایسا انسان صرف کف افسوس ملتا رہ جائے گا۔

"دکادکا" کا معنی

اور اس آیت میں "دکادکا" کے الفاظ ہیں، "دکا" کا معنی ہے: ریزہ ریزہ کرنا، کسی چیز کو ڈھا کر برابر کرنا، کوٹ کر ہموار کرنا، "دک" نرم اور ہموار زمین کو کہتے ہیں اور چونکہ نرم اور ہموار زمین ریزہ ریزہ ہوتی ہے، اس لیے اس مناسبت سے اس کے مصدر کا معنی ہے: ریزہ ریزہ کرنا اور اس آیت میں "دکت" کا لفظ ہے، اس کا معنی ہے: وہ توڑی گئی، وہ ریزہ ریزہ کی گئی۔

خلیل نے کہا: "دک" کا معنی ہے: دیوار یا پہاڑ کو توڑ کر ریزہ ریزہ کر دینا یعنی جب روئے زمین کی ہر چیز ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہو جائے گی خواہ وہ پہاڑ ہوں یا درخت اور جب زمین پر زلزلہ آئے گا تو اس پر کوئی چیز صحیح اور سالم نہیں رہے گی۔

فرمایا: اور آپ کا رب جلوہ فرما ہوگا اور فرشتے صف بہ صف حاضر ہوں گے۔

قیامت کے دن آپ کے رب کے آنے کی توجیہات:

یہ قیامت کے دن کی دوسری صفت ہے، اس آیت میں فرمایا: "وجاء ربک" اس کا لفظ معنی ہے: آپ کا رب آئے گا، واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ کا حرکت کرنا اور آنا جانا حال ہے کیونکہ حرکت کرنا اور آنا جانا جسم کی صفت ہے اور اللہ تعالیٰ جسم اور جسمانیت سے منزہ اور مبرا ہے، متقدمین اس آیت کی تقریر میں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آتا جاتا بھی ہے اور آسمانوں پر اترتا بھی ہے اور وہ بھاگتا بھی ہے جیسا کہ قرآن مجید کی آیات اور احادیث صحیحہ میں ہے، لیکن اس کا آنا جانا، اترنا اور بھاگنا مخلوق کی طرح نہیں ہے کیونکہ کوئی چیز اس کی مثل نہیں ہے، وہ اپنی شان کے مطابق آتا جاتا ہے اور اترتا چڑھتا ہے، ہم نہیں جانتے کہ اس کے آنے جانے اور اترنے چڑھنے کی کیا کیفیت ہے اور متاخرین نے جب دیکھا کہ بدمذہب لوگ اللہ تعالیٰ کے آنے پر اعتراض کرتے ہیں کہ آنا جانا تو جسم کی صفت ہے اور اگر اللہ آئے گا تو العیاذ باللہ وہ جسم ہوگا اور جسم ممکن اور حادیث ہوتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کا حادیث ہونا لازم آئے گا تو انھوں نے اللہ تعالیٰ کے آنے کی حسب ذیل توجیہات کی ہیں:

(١) اللہ تعالیٰ کے آنے سے مراد یہ ہے کہ حساب لینے اور جزا دینے کے لیے اللہ تعالیٰ کا حکم آئے گا۔

(٢) اس کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ کا قہر اور اس کا عذاب آئے گا۔

(٣) اللہ تعالیٰ کی بڑی بڑی نشانیاں آئیں گی کیونکہ یہ قیامت کا دن ہوگا اور اس دن اللہ تعالیٰ کی عظیم الشان آیات کا ظہور ہوگا، پس اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کے آنے کو اللہ تعالیٰ کا آنا فرمایا، تاکہ ان نشانیوں کی عظمت معلوم ہو۔

(٤) اس کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ کی ذات کا ظہور تام ہوگا اور لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات میں جس قدر شکوک اور

شبہات تھے، وہ سب زائل ہو جائیں گے اور سب کے نزدیک اللہ تعالیٰ کا ظہور ہو جائے گا، یعنی اللہ تعالیٰ اپنی ذات کی واضح تجلی فرمائے گا۔

(ہ) اس آیت میں جو فرمایا ہے : آپ کا رب آیا، اس میں آپ کے رب کے قہر اور سلطنت کے آثار کے ظہور کا بیان ہے اور اس کی نشانیوں کے ظہور کی تمثیل ہے، جب بادشاہ خود دربار میں آتا ہے تو اس کے آنے سے اس کے رعب، اس کی ہیبت اور جلال کے جو آثار ظاہر ہوتے ہیں وہ آثار ظاہر ہو گئے اور آپ کے رب کے آنے سے آپ کے رب کے جلال کے آثار کا ظہور مراد ہے۔

اس کے بعد فرمایا ہے :اور فرشتے صف بہ صف حاضر ہوں گے، اس کا معنیٰ ہے :ہر آسمان سے فرشتے نازل ہو کر صف باندھ کر کھڑے ہو جائیں گے اور وہ جنات اور انسان کو گھیر لیں گے۔

فرمایا :اور اس دن دوزخ کو لایا جائے گا، اس دن انسان یاد کرے گا اور اب کہاں یاد کرنے کا وقت ہے۔

دوزخ کو لانے والے:

حضرت ابن مسعود (رض) اور مقاتل نے کہا :ستر ہزار اور فرشتے جہنم کو ہانکتے ہوئے لائیں گے اور ان فرشتوں کے ہاتھوں میں اس کی لگام ہوگی اور دوزخ غیظ و غضب سے چنگھاڑ رہی ہوگی اور اس کو لا کر عرش کی بائیں جانب گاڑ دیا جائے گا۔

امام مسلم نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن مسعود (رض) سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا :اس دن جہنم کو لایا جائے گا، اس کی ستر ہزار لگامیں ہوں گی، ہر لگام کے ساتھ ستر ہزار فرشتے ہوں گے جو اس کو گھسیٹ رہے ہوں گے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث ۲۸۴۲ :)

امام ابو اسحاق احمد بن ابراہیم الثعلبی المتوفی ۴۲۷ ھ اور امام ابو الحسن علی ابن احمد الواحدی المتوفی ۴۶۸ ھ روایت کرتے ہیں۔

حضرت ابو سعید خدری (رض) بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا، حتیٰ کہ آپ کے اصحاب پر یہ اثر بہت شاق گزرا، پھر آپ نے فرمایا :ابھی ابھی مجھے حضرت جبرائیل نے یہ آیات پڑھائی ہیں

:- كَلَّآ إِذَا دُكَّتِ الْأَرْضُ دَكًّا دَكًّا ۔ وَجَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ۔ وَجِا۟ىٓءَ يَوْمَئِذٍۭ بِجَهَنَّمَ (الفجر :۲۳۔۲۱)

حضرت علی (رض) بیان کرتے ہیں، میں نے عرض کیا :یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! جہنم کو کس طرح لایا جائے گا؟ فرمایا :اس کو ستر ہزار لگاموں کے ساتھ کھینچا جائے گا، ہر لگام کو ستر ہزار فرشتے کھینچ رہے ہوں گے، وہ اس طرح بدک رہی ہوگی کہ اگر اس کو چھوڑ دیا جائے تو وہ تمام اہل محشر کو جلا ڈالے، پس وہ کہے گی :اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! آپ کو مجھ سے کیا خطرہ ہے؟ اللہ تعالیٰ نے آپ کے گوشت کو مجھ پر حرام کر دیا ہے؟ اس وقت ہر شخص نفسی نفسی (مجھے اپنی جان کی فکر ہے) کہہ رہا ہوگا سوائے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے، آپ کہہ رہے ہوں گے :اے میرے رب! میری امت! اے

میرے رب! میری امت!

(الکشف والبیان ج ١٠ ص ٢٠٢ ـ ٢٠١، الوسیط ج ٤ ص ٤٨٥، بیروت، الجامع الاحکام القرآن جز ٢٠ ص ١٤٩)

فرمایا: اس دن انسان یاد کرے گا اور اب کہاں یاد کرنے کا وقت ہے۔

آخرت میں ندامت اور توبہ فائدہ نہیں دے گی:

اس دن کافر اپنے شرک اور کفر پر نادم ہوگا اور توبہ کرے گا اور اس سے کہا جائے گا: اب کہاں یاد کرنے کا وقت ہے! وہ دنیا میں نصیحت قبول نہیں کرتا تھا اور اپنے کفر اور شرک سے رجوع نہیں کرتا تھا، اب دوزخ کو اپنے سامنے دیکھ کر کفر اور شرک سے رجوع کرے گا اور توبہ کرے گا، مگر اب توبہ کہاں قبول ہوگی، آخرت کے عذاب کو دیکھنے اور غیب کا مشاہدہ کرنے کے بعد توبہ قبول ہوتی ہے نہ ایمان قبول ہوتا ہے۔ کافر کے نادم ہونے کا ذکر اس آیت میں بھی ہے:

وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلَى النَّارِ فَقَالُوْا يٰلَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِاٰيٰتِ رَبِّنَا وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۔ (الانعام: ٢٧)

اور اگر آپ اس وقت دیکھیں جب یہ دوزخ کے پاس کھڑے کیے جائیں گے، پھر کہیں گے: ہائے ہائے! کاش! ہمیں (دنیا میں) لوٹا دیا جائے، پھر ہم اپنے رب کی آیات کو نہیں جھٹلائیں گے اور ہم مؤمنین میں سے ہو جائیں گے۔

فرمایا: وہ کہے گا: کاش! میں نے زندگی میں کوئی نیکی آگے کے لیے بھیجی ہوتی۔

یعنی وہ کہے گا: کاش! میں نے دنیا کی زندگی میں کوئی نیک عمل کیا ہوتا یا کاش! میں نے زندگی میں کوئی ایسا عمل کیا ہوتا جس کی وجہ سے مجھے آج دوزخ سے نجات مل جاتی۔

فرمایا: سو اس دن اس کے عذاب کی طرح کوئی عذاب نہ دے گا۔ اور نہ کوئی اس کے جکڑنے کی طرح جکڑے گا۔

حضرت ابن عباس (رض) اور حسن بصری نے کہا: اللہ کے عذاب کی طرح اس کو کوئی عذاب نہیں دے گا، اور جس طرح اللہ نے اس کو جکڑا ہے اس طرح اس کو کوئی نہیں جکڑے گا۔

اس کا معنی یہ ہے کہ دنیا میں کوئی کسی کو اس طرح عذاب نہیں دے گا جس طرح اللہ عزوجل آخرت میں کافر کو عذاب دے گا، یعنی جس طرح کافر کو زنجیروں اور طوق سے جکڑا جائے گا، اس طرح کوئی دنیا میں کسی کو نہیں جکڑے گا۔ ایک قول یہ ہے کہ اس کافر سے مراد ابلیس ہے اور ایک قول یہ ہے کہ اس کافر سے مراد امیہ بن خلف ہے۔

اس آیت کا ایک معنی یہ بھی کیا گیا ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عذاب دینے کا مالک نہیں ہوگا۔

ترکیب نحوی وتحقیق صرفی:

کَلَّآ، حرف ردع وزجر (ہرگز نہیں) اِذَا، ظرف زمان، مستقبل پر دلالت کرتا ہے بمعنی شرط (جب) دُكَّتْ، فعل ماضی مجہول واحد مؤنث غائب دَكَّ يَدُكُّ، مصدر دَكًّا، کوٹنا، توڑنا، کوٹ کر ہموار کرنا، اِذَا، کی وجہ سے ترجمہ (وہ کوٹ کر ہموار کردی جائے گی) اَلْاَرْضُ (زمین) دَكًّا، مصدر منصوب نرم اور ہموار زمین کو کہتے ہیں جو کہ ریزہ ریزہ ہوتی ہے، فعل کی تاکید کیلئے لایا گیا ہے، دوسری بار، دَكًّا، مزید تاکید کیلئے لایا گیا ہے (ریزہ ریزہ) وَ، حرف عطف (اور) جَآءَ، فعل ماضی واحد مذکر غائب جَآءَ يَجِيْءُ، مصدر مَجِيْءٌ، آنا، اِذَا، کا معطوف ہونے کی وجہ سے ترجمہ (وہ آئے گا)

رَبُّكَ (رَبُّ۔كَ) رَبُّ، مضاف، رب، پروردگار، كَ، مضاف الیہ، ضمیر واحد مذکر حاضر، آپ کا (آپ کا رب) وَ، حرف عطف (اور) اَلْمَلَكُ، میں، ال، جنسی ہے یعنی (فرشتے) صَفًّا، صَفَّ يَصُفُّ، کا مصدر ہے (صف باندھنا، قطار بنانا) بطور اسم صف اور قطار کے معنی بھی ہوتے ہیں، دوسرا، صَفًّا، تاکید کیلئے آیا ہے (قطار در قطار) وَ، حرف عطف (اور) جِایْٓءَ، فعل ماضی مجہول واحد مذکر غائب جَآءَ يَجِيْٓءُ، مصدر مَجِيْٓءٌ، آنا، لانا (وہ لایا جائے گا) يَوْمَئِذٍ (يَوْمَ۔اِذٍ) يَوْمَ، مضاف، دن، اِذٍ، مضاف الیہ، اس (اس دن) بِجَهَنَّمَ (بِ۔جَهَنَّمَ) بِ، حرف جار، کو، جَهَنَّمَ، مجرور، جہنم (جہنم کو) يَوْمَئِذٍ يَّتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ وَاَنّٰى لَهُ الذِّكْرٰى ۲۳۰۰ اس دن انسان نصیحت حاصل کرے گا اور (اس وقت) اس کیلئے نصیحت (مفید) کہاں ہوگی۔ يَوْمَئِذٍ (يَوْمَ۔اِذٍ) يَوْمَ، مضاف، ظرف زمان، دن، اِذٍ، مضاف الیہ، اس (اس دن) يَتَذَكَّرُ، فعل مضارع واحد مذکر غائب تَذَكَّرَ يَتَذَكَّرُ، مصدر تَذَكُّرٌ، نصیحت حاصل کرنا (وہ نصیحت حاصل کرے گا) اَلْاِنْسَانُ، فاعل (انسان) وَ، حرف عطف (اور) اَنّٰى، اسم ظرف مکان بمعنی، اَيْنَ (کہاں) لَهُ (لَ۔هُ) لَ، حرف جار، کیلئے، هُ، مجرور، ضمیر واحد مذکر غائب، اس (اس کیلئے) اَلذِّكْرٰى، اسم مصدر (نصیحت) يَقُوْلُ، فعل مضارع واحد مذکر غائب قَالَ يَقُوْلُ، مصدر قَوْلٌ، کہنا (وہ کہے گا) يٰلَيْتَنِيْ (يَا۔لَيْتَ۔نِ۔يْ) يَا، حرف ندا، اے، منادٰی محذوف، لَيْتَ، حرف مشبہ بالفعل تمنا کیلئے مستعمل، کاش، نِ، نون وقایہ، يْ، ضمیر واحد متکلم، میں (اے کاش میں) قَدَّمْتُ، فعل ماضی واحد متکلم قَدَّمَ يُقَدِّمُ، مصدر تَقْدِيْمٌ، آگے بھیجنا (میں نے آگے بھیجا ہوتا) لِحَيَاتِيْ (لِ۔حَيَاةِ۔يْ) لِ، حرف جار، کیلئے، حَيَاةِ، مجرور، مضاف، زندگی، يْ، مضاف الیہ، ضمیر واحد متکلم، اپنی (اپنی زندگی کیلئے) فَيَوْمَئِذٍ (فَ۔يَوْمَ۔اِذٍ) فَ، حرف عطف، تو، يَوْمَ، مضاف، ظرف زمان، دن، اِذٍ، مضاف الیہ، اس، (تو اس دن) لَا يُعَذِّبُ، فعل مضارع منفی واحد مذکر غائب عَذَّبَ يُعَذِّبُ، مصدر تَعْذِيْبٌ، عذاب دینا (نہ وہ عذاب دے گا) عَذَابَهٗٓ (عَذَابَ۔هُ) عَذَابَ، مضاف، عذاب، هُ، مضاف الیہ، ضمیر واحد مذکر غائب، اس کے (اس کے عذاب (جیسا)) اَحَدٌ (کوئی ایک) وَ، حرف عطف (اور) لَا يُوْثِقُ، فعل مضارع منفی واحد مذکر غائب اَوْثَقَ يُوْثِقُ، مصدر اِيْثَاقٌ، جکڑنا، باندھنا (نہ وہ جکڑے گا) وَثَاقَهٗٓ (وَثَاقَ۔هُ) وَثَاقَ، مضاف، اسم مفعول مطلق، جکڑ، هُ، مضاف الیہ، ضمیر واحد مذکر غائب، اس کی (اس کی جکڑ (جیسا)) اَحَدٌ (کوئی ایک)۔

آیت ۲۷ تا ۳۰

يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ (۲۷) ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً (۲۸) فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ (۲۹) وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ (۳۰)

ترجمہ:

اے اطمینان والی روح۔ (۲۷) اپنے رب کی طرف لوٹ آ، اس حال میں کہ تو راضی ہے، پسند کی ہوئی ہے۔ (۲۸) پس میرے

(خاص) بندوں میں داخل ہوجا۔ (۲۹) اور میری جنت میں داخل ہوجا۔ (۳۰)

تفسیر:

فرمایا: اے اطمینان والی روح۔ الخ

نفس مطمئنہ کو ندا کرنے والوں کے مصداق میں مفسرین کے اقوال:

ایک سوال یہ ہے کہ قیامت کے دن نفس مطمئنہ کو کون ندا کر کے کہے گا: اے نفس مطمئنہ!؟ مفسرین نے کہا: یہ نداء اور خطاب فرشتے کریں گے اور اولیاء اللہ سے کہیں گے: اے نفس مطمئنہ! اور بعض صوفیاء نے کہا: یہ نداء اور خطاب خود اللہ عزوجل کرے گا کیونکہ دنیا میں اللہ کے نیک بندے یا اللہ یا اللہ کہہ کر اللہ تعالیٰ کو پکارتے تھے تو قیامت کے دن اس کی جزاء

میں اللہ تعالیٰ نیک بندوں کو پکارے گا اور فرمائے گا! اے نفس مطمئنہ!

امام عبدالرحمن بن محمد ابن ابی حاتم رازی متوفی ۳۲۷ ھ نے اپنی سند کے ساتھ اس نداء اور خطاب کے متعلق حسب ذیل اقوال نقل کیے ہیں:

حضرت ابن عباس (رض) نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا: جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت ابوبکر (رض) بیٹھے ہوئے تھے، انھوں نے کہا: یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! یہ کتنا خوب صورت خطاب ہے، آپ نے فرمایا: عنقریب یہ خطاب تم سے کیا جائے گا (یعنی موت کے وقت)، حضرت ابن عباس (رض) بیان کرتے ہیں، آپ نے فرمایا: رومۃ کے کنویں کو کون خریدے گا کہ ہم اس کو میٹھا پانی پئیں؟ حضرت عثمان (رض) نے اس کنویں کو خرید لیا، پھر نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: کیا تم اس کنویں کو لوگوں کے پینے کے لیے وقف کر رہے ہو؟ انھوں نے کہا: جی ہاں! تب اللہ تعالیٰ نے حضرت عثمان کے متعلق یہ آیت نازل فرمائی: "یا یتھا النفس المطمینۃ" الآیۃ۔

حضرت بریدہ (رض) نے کہا: اس آیت میں نفس مطمئنہ سے حضرت حمزہ (رض) کا نفس مراد ہے۔

مجاہد نے کہا: نفس مطمئنہ سے وہ نفس مراد ہے جس کو یہ یقین ہو کہ اللہ تعالیٰ اس کا رب ہے۔

الحسن نے کہا: جب اللہ تعالیٰ اپنے بندہ مومن کی روح قبض کرنے کا ارادہ فرماتا ہے تو اس کا نفس اس سے مطمئن ہوتا ہے۔ اور وہ اللہ سے راضی ہوتا ہے اور اللہ اس سے راضی ہوتا ہے، تب اللہ اس کی روح کو قبض کرنے کا حکم دیتا ہے اور اس کو جنت میں داخل کرا دیتا ہے اور اس کو اپنے نیک بندوں میں شامل کر لیتا ہے۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۱۰ ص ۳۴۳۱ - ۳۴۲۹، ملخصاً، مکتبہ نزار مصطفی مکہ مکرمہ، ۱۴۱۷ ھ)

نفس انسان کی اقسام:

انسان کے نفس کی تین قسمیں ہیں: (۱) نفس امارہ، وہ نفس جو انسان کو برے کام کرنے کا حکم دیتا ہے (۲) نفس لوامہ، وہ نفس جو انسان کو برے کام کرنے پر ملازمت کرتا ہے (۳) نفس مطمئنہ، وہ نفس جو ہمیشہ نیک کام کرنے کا حکم دیتا ہے اور اپنی کارکردگی پر مطمئن رہتا ہے، یہ نفس انبیاء (علیہم السلام) اور اولیاء کرام کے ساتھ مخصوص ہے، نفس امارہ فساق فجار کا نفس ہے اور نفس لوامہ عام مؤمنین کا نفس ہے جو شیطان کے بہکانے سے اور نفس امارہ کی ترغیبات سے برے کام کر لیتے ہیں، پھر ان کا نفس ان کو ملامت کرتا ہے، وہ ان برے کاموں پر توبہ اور استغفار کرتے ہیں اور آئندہ ان برے کاموں سے بچنے کا عہد کرتے اور ان برے کاموں کی تلافی اور تدراک کرتے ہیں۔

قرآن مجید میں نفس کی ان تینوں قسموں کا ذکر ہے، نفس امارہ کا ذکر اس آت میں ہے: حضرت یوسف (علیہ السلام) نے کہا:

وَمَآ اُبَرِّئُ نَفۡسِیۡ ۚ اِنَّ النَّفۡسَ لَاَمَّارَۃٌۢ بِالسُّوۡٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیۡ ؕ اِنَّ رَبِّیۡ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ۔ (یوسف: ۵۳)

میں اپنے نفس کو برائی سے بری نہیں کرتا، بیشک نفس برائی کا بہت زیادہ حکم دینے والا ہے سوا اس کے کہ میرا رب ہی رحم فرمائے، بیشک میرا رب بہت بخشنے والا، بے رحم فرمانے والا ہے۔

اور نفس لوامہ کا ذکر اس آیت میں ہے:

ولا اقسم بالنفس اللوامۃ۔ (القیامہ : ۲) اور میں اس نفس کی قسم کھاتا ہوں جو ملامت کرنے والا ہے۔

اور نفس مطمئنہ کا ذکر اس آیت میں ہے:

یاایتھا النفس المطمئنۃ۔ (الفجر : ۲۷) اے نفس مطمئنہ!۔

نفس مطمئنہ کے مصداق میں مفسرین کے اقوال:

(۱) مجاہد وغیرہ نے کہا: جس نفس کو یہ یقین ہو کہ اللہ تعالیٰ اس کا رب ہے اور وہ اس کے سامنے عاجز ہے (۲) حضرت ابن عباس (رض) نے کہا: وہ نفس جو اللہ کے ثواب پر مطمئن ہو، ان سے ایک روایت ہے: وہ نفس جو مومنہ ہو (۳) مجاہد سے دوسری روایت ہے: جو نفس اللہ تعالیٰ کی تقدیر اور اس کی قضاء پر راضی ہو اور اس کو یہ یقین ہو کہ جو مصیبت اس سے ٹل چکی ہے وہ اس پر آ نہیں سکتی تھی اور جو مصیبت اس پر آ گئی ہے وہ اس سے ٹل سکتی تھی (٤) مقاتل نے کہا: جو نفس اللہ تعالیٰ کے عذاب سے مامون ہو (٥) ایک قول ہے: جس کو اللہ تعالیٰ کے کیے ہوئے وعدہ پر یقین ہو (٦) عبداللہ بن بریدہ نے اپنے والد سے روایت کیا ہے: اس سے مراد حضرت حمزہ کا نفس ہے اور صحیح یہ ہے کہ اس سے مراد ہر مومن کا نفس ہے جو مخلص ہو اور اطاعت گزار ہو (۷) حضرت عمرو بن العاص (رض) نے کہا: جب مومن فوت ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے پاس دو فرشتوں کو بھیجتا ہے اور ان کے ساتھ جنت کا ایک تحفہ بھیجتا ہے، وہ فرشتے اس سے کہتے ہیں: اے نفس مطمئنہ! اپنے جسم سے اس حال میں باہر نکل کہ تو خود بھی راضی ہو اور تیرا رب بھی تجھ سے راضی ہو، تو خوشی اور خوشبو کی طرف نکل اور اپنے رب کی طرف جو تجھ سے راضی ہے ناراض نہیں ہے، پھر وہ نفس اس مشک سے زیادہ خوشبو کے ساتھ نکلتا ہے جس کو کسی انسان نے روئے زمین پر سونگھا ہو۔ الحدیث (۸) سعید بن جبیر نے کہا: حضرت ابن عباس (رض) طائف میں فوت ہو گئے، پھر ایک ایسا پرندہ آیا، جیسا پرندہ اس سے پہلے نہیں دیکھا گیا تھا، وہ ان کی نعش میں داخل ہو گیا، پھر باہر نکلتے ہوئے نہیں دیکھا گیا، پھر جب ان کو دفن کیا گیا تو کوئی ان کی قبر پر ان آیات کی تلاوت کر رہا تھا: "یٰۤاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَىٕنَّةُ ۔ ارْجِعِیْۤ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً ۔" (الفجر : ۲۸۔ ۲۷) اور یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ کون تلاوت کر رہا تھا۔ (الجامع الاحکام القرآن جز ۲۰ ص ٥١، دار الفکر، بیروت، ۱٤۱٥ھ)

نفس مطمئنہ کے اپنے رب کی طرف لوٹنے اور جنت میں داخل ہونے کی تفسیر:

فرمایا: تو اپنے رب کی طرف اس حال میں لوٹ جا کہ تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی۔ پھر تو میرے نیک بندوں میں داخل ہو جا۔ اور میری جنت میں داخل ہو جا۔

امام ابومنصور محمد بن ماتری حنفی متوفی ۳۳۳ھ لکھتے ہیں:

نفس مطمئنہ وہ نفس ہے جو پرسکون ہو اور شک میں نہ ہو اور وہ اللہ تعالیٰ کے وعد، وعید، امر، نہی اور اس کی توحید پر مطمئن ہو، یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس سے دنیا میں یہ کہا جائے گا کہ جہاں تجھے تیرے رب نے حکم دیا ہے تو اللہ تعالیٰ کے وعد اور وعید پر مطمئن ہوکر وہاں لوٹ جا، پھر اس نفس سے اللہ تعالیٰ نے آخرت کے جس انعام کا وعدہ کیا ہے، وہ اس کو عطاء فرمائے گا تو وہ اس سے راضی ہوجائے گا اور چونکہ اس نے دنیا میں نیکی کے کاموں میں بہت کوشش کی ہوگی، اس لیے وہ اپنے رب کے نزدیک بھی مرضیہ اور پسندیدہ ہوگا، اس سے کہا جائے گا : تو میرے نیک بندوں میں داخل ہوجا اور تو ان میں داخل ہوجا، جو جنت کے مستحق ہیں۔

اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ نفس مطمئنہ سے آخرت میں یہ کہا جائے کہ اے نفس! تو دنیا میں اللہ کے وعد اور اس کی وعید پر مطمئن تھا اور تو نے دنیا میں اس کی اطاعت اور عبادت کی، اب تو میرے نیک بندوں میں داخل ہوجا اور میری جنت میں داخل ہوجا۔

ایک قول یہ ہے کہ اس سے کہا جائے گا :اے نفس! تو دنیا میں مطمئن تھا، اب تو آخرت کی طلب میں جا اور ان چیزوں کی طرف جا، جن کو اللہ نے اپنے اولیاء کے لیے تیار رکھا ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ اس سے کہا جائے گا :اے نفس مطمئنہ! اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی طرف لوٹ جا، جب تو ایسا کرے گا تو اللہ تعالیٰ تجھ سے راضی ہوجائے گا اور تو بھی اللہ تعالیٰ کی عطاء اور ثواب سے راضی ہوجائے گا۔

(تاویلات اہل السنۃ ج ٥ ص ٤٥٦، مؤسسۃ الرسالۃ، ناشرون، ١٤٢٥ھ)

امام فخرالدین محمد بن رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

"راضیۃ مرضیۃ۔" (الفجر ٢٨ :) کا معنی ہے : تو ثواب سے راضی ہے اور تو نے دنیا میں جو نیک اعمال کیے ہیں، ان کی وجہ سے تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک مرضیہ اور پسندیدہ ہے اور "فادخلی فی عبدی۔" (الفجر ٢٩ :) کا معنی ہے : تو میرے مقرب بندوں میں شامل ہوجا اور یہ بہت معزز حالت ہے کیونکہ ارواح شریفہ قدسہ شفاف آئینوں کی طرح ہیں اور جب بعض مقربین کی روحیں ایک دوسرے سے مل جاتی ہیں تو جس طرح شفاف آئینوں میں ایک دوسرے کے عکوس منعکس ہوتے ہیں تو ہر ایک کی سعادت کے آثار سب میں ظاہر ہوں گے اور ان کی روحانیت کے درجات بہت عظیم ہوں گے اور "وادخلی جنتی۔" (الفجر ٣٠ :) کا معنی ہے کہ نیک روحوں کو روحانی جنت تو موت کے وقت ہی حاصل ہوجاتی ہے، اب آخرت میں جسمانی جنت بھی ان کو حاصل ہوجائے گی اور جب کہ جسمانی جنت کی سعادت قیامت کے بعد ہی حاصل ہوگی، اس لیے "وادخلی جنتی۔" کو واؤ کے ساتھ فرمایا ہے، فاء کے ساتھ نہیں فرمایا کیونکہ نفس مطمئنہ کو جسمانی جنت موت کے فوراً بعد حاصل نہیں ہوگی اور "فادخلی فی عبدی" کو فاء کے ساتھ فرمایا ہے کیونکہ نفس مطمئنہ موت کے فوراً بعد دیگر مقربین کی

ارواح میں شامل ہوجائے گی۔

(تفسیر کبیر ج۱۱ ص ۱۶۳۔۱۶۲، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

علامہ سید محمد آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

ایک قول یہ ہے کہ "ارجعی الی ربک" (الفجر ۲۸ :) سے مراد یہ ہے کہ اپنے رب کی کرامت کی طرف رجوع کر اور میرے نیک بندوں میں اور دار ثواب میں داخل ہوجا، اس سے مراد یہ ہے کہ یہ قول موت کے وقت کہا جائے یا محشر میں حساب سے پہلے اور دخول میں مراد جنت میں دخول ہے، لیکن دائمی قیام کے لیے نہیں بلکہ جنت کی نعمتوں سے ایک قسم کا تمتع حاصل کرنے کے لیے حتیٰ کہ قیامت قائم ہوجائے، کیونکہ حدیث میں ہے کہ مؤمنین کی روحیں جنت میں پرندوں کے پوٹوں میں ہوں گی اور بعض آثار میں ہے کہ جب مومن مرجاتا ہے تو اس کو نصف جنت عطاء کی جاتی ہے، یعنی اس جنت کا نصف جس کا اس سے قیامت کے دن دینے کا وعدہ کیا گیا ہے۔

امام بن جریر، امام ابن المنذر اور امام ابن ابی حاتم نے ابو صالح سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کیا ہے، یہ موت کا عنوان ہے اور دنیا سے نکل کر اپنے رب کی طرف رجوع کا ذکر ہے اور جب قیامت کا دن ہوگا تو اس سے کہا جائے گا: میرے نیک بندوں میں اور میری جنت میں داخل ہوجا۔ ایک تفسیر یہ ہے کہ موت کے بعد اور قیامت سے پہلے نفس مطمئنہ سے یہ کہا جائے گا اور اپنے رب کی طرف رجوع کرنے سے مراد یہ ہے کہ اپنے جسم کی طرف لوٹ جا تاکہ منکر نکیر کے سوالوں کا جواب دے سکے، امام ابن منذر نے اس آیت کی تفسیر میں محمد بن کعب قرظی سے روایت کیا ہے کہ جب مومن مرجاتا ہے تو اس کو جنت میں اس کا مقام دکھایا جاتا ہے، پھر اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے: اے نفس مطمئنہ! اپنے اس جسم کی طرف لوٹ جا، جس سے تو راضی ہوکر نکلی تھی کیونکہ تو نے میرے پسندیدہ اور مرضیہ ثواب کو دیکھ لیا تھا حتیٰ کہ تجھ سے منکر اور نکیر سوال کریں۔

امام ابن المنذر اور امام ابن ابی حاتم نے زید بن اسلم سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ نفس مطمئنہ کو موت کے وقت، قبر سے نکلنے کے وقت اور میدان محشر میں جنت کی بشارت دی جائے گی۔

(روح المعانی جز۳۰ ص ۲۳۸۔۲۳۶، ملخصاً، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۷ھ)

ترکیب نحوی وتحقیق صرفی:

یٰۤاَیَّتُهَا النَّفۡسُ الۡمُطۡمَئِنَّةُ (یَااَیَّتُهَا۔ اَلنَّفۡسُ۔ اَلۡمُطۡمَئِنَّةُ) یا، حرف ندا، اے، اَیَّتُهَا، جب منادیٰ مؤنث پر ال، ہو تو، یا، کے ساتھ، اَیَّتُهَا، لگا دیتے ہیں، اَلنَّفۡسُ الۡمُطۡمَئِنَّةُ، منادیٰ، اَلنَّفۡسُ، موصوف، نَفۡس، جان، اَلۡمُطۡمَئِنَّةُ، صفت، اِطۡمِیۡنَانٌ، مصدر سے اسم فاعل واحد مؤنث، اطمینان والی، مطمئن، اطمینان پانے والی (اے اطمینان پانے والی جان) اِرۡجِعِیۡٓ، فعل امر واحد مؤنث حاضر رَجَعَ یَرۡجِعُ، مصدر رَجۡعٌ وَرُجُوۡعٌ، لوٹ آنا (تو لوٹ آ) اِلٰی رَبِّکِ (اِلٰی۔ رَبِّ۔ کِ) اِلٰی، حرف جار، کی طرف، رَبِّ، مجرور، مضاف، رب، پروردگار، کِ، مضاف الیہ، ضمیر واحد مؤنث حاضر، اپنے، مؤنث کا صیغہ، اَلنَّفۡسُ، کی وجہ سے ہے (اپنے رب کی طرف) رَاضِیَةً۔ رِضًی، مصدر سے اسم فاعل واحد مؤنث (راضی، من بھائی، خوش) مَّرۡضِیَّةً۔ رِضًی، مصدر سے اسم مفعول واحد مؤنث (پسند کی ہوئی، پسندیدہ) فَادۡخُلِیۡ (فَ۔ اُدۡخُلِیۡ) فَ، حرف عطف، پس، اُدۡخُلِیۡ، فعل امر واحد

مونث حاضر دَخَلَ یَدْخُلُ، مصدر دُخُولٌ، داخل ہونا، تو داخل ہوجا (پس تو داخل ہوجا) فِیْ عِبَادِیْ (فِیْ - عِبَادِ - یْ) فِیْ، حرف جار، میں، عِبَادِ، مجرور، مضاف، بندوں، واحد، عَبْدٌ، یْ، مضاف الیہ، ضمیر واحد متکلم، میرے (میرے بندوں میں) وَ، حرف عطف (اور) اُدْخُلِیْ، فعل امر واحد مونث حاضر دَخَلَ یَدْخُلُ، مصدر دُخُولٌ، داخل ہونا، (تو داخل ہوجا) مونث کا صیغہ "اَلنَّفْسُ" کی وجہ سے ہے۔ جَنَّتِیْ (جَنَّةِ - یْ) جَنَّةِ، مضاف، جنت، یْ، مضاف الیہ، ضمیر واحد متکلم، میری (میری جنت)

(الحمدللہ سورہ فجر مکمل ہوگئی)

[سورۃ البلد]

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

آیت ۱ تا ۷

لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ (۱) وَاَنْتَ حِلٌّ بِهٰذَا الْبَلَدِ (۲) وَوَالِدٍ وَّمَا وَلَدَ (۳) لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْ كَبَدٍ (۴) اَيَحْسَبُ اَنْ لَّنْ يَّقْدِرَ عَلَيْهِ اَحَدٌ (۵) يَقُوْلُ اَهْلَكْتُ مَالًا لُّبَدًا (۶) اَيَحْسَبُ اَنْ لَّمْ يَرَهٗٓ اَحَدٌ (۷)

ترجمہ:

میں اس شہر کی قسم کھاتا ہوں! (۱) اور تو اس شہر میں رہنے والا ہے۔ (۲) اور جننے والے کی قسم! اور اس کی جو اس نے جنا! (۳) بلاشبہ یقیناً ہم نے انسان کو بڑی مشقت میں پیدا کیا ہے۔ (۴) کیا وہ خیال کرتا ہے کہ اس پر کبھی کوئی قادر نہیں ہوگا؟ (۵) کہتا ہے میں نے ڈھیروں مال برباد کرڈالا۔ (۶) کیا وہ خیال کرتا ہے کہ اسے کسی نے نہیں دیکھا؟ (۷)

کوائف:

اس سورۃ کا نام سورۃ البلد ہے۔ اس کی پہلی آیت میں بلد کا لفظ مذکور ہے۔ جس سے سورۃ کا نام اخذ کیا گیا ہے۔ بلد شہر کو کہتے ہیں اور جس شہر کا اس سورۃ میں ذکر خیر آیا ہے۔ وہ مکہ مکرمہ کا شہر ہے۔ یہ مکی سورۃ ہے۔ مکی زندگی میں نازل ہوئی۔ اس کی بیس آیات اور ایک رکوع ہے

ماقبل سے ربط:

مکی سورتوں میں عام طور پر بنیادی عقائد کا ذکر ہے۔ پہلی سورۃ میں اللہ نے چار قسم کے لوگوں کا حال بیان فرمایا ہے ان میں سے تین قسم کے لوگ ناکام ہیں اور چوتھی قسم کے لوگ کامیاب ہیں۔ جو اہل ایمان ہیں اور ان کا نفس دنیا میں نیکی اور ذکر الٰہی کے ساتھ اطمینان حاصل کرتا ہے۔ ان لوگوں کے لیے کامیابی کی بشارت دی گئی ہے۔ اس سورۃ میں انسان کی بعض اخلاقی بیماریوں کا بھی ذکر ہے۔ جن کا علاج اس سورۃ میں پیش کیا گیا ہے۔

تفسیر:۔

فرمایا؛ میں اس شہر کی قسم کھاتا ہوں !الخ

اس میں جو لفظ "لا" ہے، اس کی تفسیر میں دو قول ہیں:

(۱) پہلا قول یہ ہے کہ لفظ "لا" کے ساتھ مشرکین مکہ کے زعم کی نفی فرمائی ہے، ان کا زعم یہ تھا کہ قیامت آئے گی نہ مرنے کے بعد لوگوں کو دوبارہ زندہ کیا جائے گا، اللہ تعالیٰ نے ان کے زعم کی نفی فرمائی : نہیں ایسا نہیں ہے کہ قیامت نہیں آئے گی اور نہ ایسا ہے کہ لوگوں کو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ نہیں کیا جائے گا بلکہ میں اس شہر کی قسم کھاتا ہوں کہ ایسا ضرور ہوگا، دوسری صورت یہ ہے کہ جو انسان دنیا کی زندگی پر مغرور تھا اور یہ سمجھتا تھا کہ اس کے اوپر کوئی قادر نہیں ہوگا، اس کے اس زعم کی نفی فرمائی : نہیں ایسا نہیں ہے کہ انسان پر کوئی قادر نہیں ہوگا، کیوں نہیں !اس شہر کی قسم !اللہ اس کو دوبارہ زندہ کرنے پر ضرور قادر ہوگا، اور اس کی تیسری صورت یہ ہے کہ میں اس شہر کی اس وقت قسم نہیں کھاتا جب آپ اس شہر میں نہ ہوں، بلکہ میں اس شہر کی اس وقت قسم کھاتا ہوں جب آپ اس شہر میں مقیم ہوں۔

(۲) لفظ "لا" کی تفسیر میں دوسرا قول یہ ہے کہ اس آیت میں لفظ "لا" زائد ہے اور اس کا یہ معنیٰ نہیں ہے کہ میں اس شہر کی قسم نہیں کھاتا، کیونکہ دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس شہر کی قسم کھائی ہے، فرمایا:

وھذا البلد الامین۔ (التین :۳) اور اس امن والے شہر کی قسم!۔

اور جب اللہ تعالیٰ اجس شہر کی قسم کھا چکا ہے تو اس شہر کے قسم کھانے کی نفی کس طرح صحیح ہوگی، اس کی نظیر یہ آیت ہے، اللہ تعالیٰ نے ابلیس سے فرمایا:

مامنعک الا تسجد (الاعراف :۱۲) (اس کا لفظی ترجمہ یہ ہے) تجھ کو سجدہ نہ کرنے سے کس نے منع کیا؟

حالانکہ مقصود یہ ہے کہ تجھ کو سجدہ کرنے سے کس نے منع کیا، جیسا کہ اس آیت میں ہے:

مامنعک ان تسجد (ص :۷۵) تجھ کو سجدہ کرنے سے کس نے منع کیا؟

پس معلوم ہوا کہ الاعراف ۱۲ : میں لفظ "لا" زائد ہے اسی طرح "لا اقسم بھذا البلد۔" میں بھی لفظ "لا" زائد ہے۔

مکہ مکرمہ کی فضیلت میں آیات اور احادیث:

مفسرین کا اس پر اجماع ہے کہ اس شہر سے مراد مکہ مکرمہ ہے اور مکہ مکرمہ کی فضیلت حسب ذیل آیات ہیں:

اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِىْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ۔ فِيْهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ط وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ط وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِىٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ۔ (آل عمران :۹۶۔۹۷)

بے شک اللہ کا پہلا گھر جو لوگوں کے لیے بنایا گیا ہے وہ وہی ہے جو مکہ میں ہے، وہ تمام جہانوں کے لیے برکت والا اور ہدایت والا ہے۔ اس میں واضح نشانیاں ہیں، مقام ابراہیم ہے، جو اس میں داخل ہو گیا وہ امن والا ہو گیا، اور اللہ کے لیے ان لوگوں کے اوپر اس گھر کا حج کرنا فرض ہے جو اس گھر کے راستہ پر جانے کی قدرت رکھتے ہوں، اور جس نے کفر کیا تو بیشک اللہ تمام جہانوں سے بے پرواہ ہے۔

وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى وَعَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ۔ (البقرہ :۱۲۵)

اور جب ہم نے بیت اللہ کو لوگوں کے ثواب کی جگہ بنا دیا اور امن کی جگہ بنا دیا، اور ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ کو نماز پڑھنے کی جگہ بنا لو، اور ہم نے ابراہیم اور اسماعیل سے یہ عہد لیا کہ تم دونوں میرے گھر کو طواف کرنے والوں کے لیے اور اعتکاف کرنے والوں کے لیے رکوع کرنے والوں، سجدہ کرنے والوں کے لیے پاک رکھو۔

وَلْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ۔ (الحج :۲۹) اور (وہ لوگ) اللہ کے قدیم گھر کا طواف کریں۔

اور بیت اللہ کی فضلیت میں حضرت ابوشریح (رض) بیان کرتے ہیں کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا : مکہ کو اللہ نے حرم بنایا ہے، اس کو لوگوں نے حرم نہیں بنایا، جو شخص اللہ پر اور قیامت پر ایمان رکھتا ہے، اس کے لیے یہ حلال نہیں ہے کہ وہ مکہ میں خون بہائے اور نہ مکہ کے کسی درخت کو کاٹے، اگر کسی شخص مکہ میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے قتال کرنے سے معارضہ کرے تو اس سے کہو کہ اللہ نے اپنے رسول کو اجازت دی تھی اور تم کو اجازت نہیں دی ہے اور مجھے دن کی ایک ساعت (ایک گھنٹہ) میں قتال کی اجازت دی تھی، پھر اس کی حرمت آج اسی طرح لوٹ آئی ہے جس طرح کل تھی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث ۱۰۴ :، صحیح مسلم رقم الحدیث ۱۳۵٤٦ :)

حضرت ابن عمر (رض) بیان کرتے ہیں کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے منیٰ میں فرمایا : کیا تم جانتے ہو کہ آج کونسا دن ہے؟ مسلمانوں نے کہا : اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتے ہیں، آپ نے فرمایا : بیشک یہ یوم حرام ہے (عزت اور حرمت والا دن ہے)، پھر فرمایا : کیا تم جانتے ہو یہ کونسا شہر ہے؟ مسلمانوں نے کہا : اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتے ہیں، آپ نے فرمایا : یہ بلد حرام ہے (حرمت والا شہر ہے) پھر فرمایا : کیا تم جانتے ہو یہ کونسا مہینہ ہے؟ مسلمانوں نے کہا : اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتے ہیں، آپ نے فرمایا : یہ عزت اور حرمت والا مہینہ ہے، پھر آپ نے فرمایا : بیشک اللہ نے تمہاری جانوں کو اور تمہارے مالوں اور تمہاری عزتوں کو ایک دوسرے پر اس طرح حرام کر دیا ہے، جس طرح آج کے دن کی حرمت ہے اور آج کے مہینہ کے حرمت ہے اور جس طرح تمہارے اس شہر کی حرمت ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث ۱۷٤۲ :، صحیح مسلم رقم الحدیث ٦٦ :)

فرمایا :اس حال میں کہ آپ اس شہر میں مقیم ہیں۔

"وانت حل بھذا البلد" کی تفسیر:

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ٦٦٨ھ لکھتے ہیں:

اس پر اجماع ہے کہ اس شہر سے مراد مکہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے اس حرمت والے شہر کی اس لیے قسم کھائی ہے کہ آپ اس شہر میں ہیں اور یہ اس سے ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک آپ مکرم ہیں اور اللہ کو آپ سے بہت محبت ہے، علامہ واسطی نے کہا: گویا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہم اس شہر کی قسم اس لیے کھاتے ہیں کہ آپ کے اس شہر میں رہنے کی وجہ سے جب تک آپ حیات ہوں، یہ شہر مکرم ہے اور جب آپ کی وفات ہو تو یہ شہرت برکت والا ہے، یعنی مدینہ منورہ لیکن پہلا قول زیادہ صحیح ہے کیونکہ یہ سورت بالاتفاق مکہ میں نازل ہوئی ہے۔

اس آیت میں فرمایا ہے :"وانت حل" یعنی اس شہر میں آپ جو کام بھی کریں وہ آپ کے لیے حلال ہے، حضرت ابن عباس (رض) نے فرمایا : جس دن آپ مکہ میں داخل ہوئے آپ کے لیے حلال کردیا گیا کہ آپ جس کافر کو چاہیں قتل کردیں، سو آپ نے ابن خطل، مقیس بن صبابہ وغیرہما کو قتل کردیا اور آپ کے بعد اور کسی شخص کے لیے مکہ میں کسی کو قتل کرنا جائز نہیں ہے۔ ابو صالح نے حضرت ابن عباس (رض) سے روایت ہے کہ آپ کے لیے دن کی ایک ساعت میں مکہ میں قتال کرنا حلال ہوا تھا اور یہ فتح مکہ کا دن تھا، پھر اس کے بعد قیامت تک کے لیے اس کی حرمت لوٹ آئی، اور نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا : بیشک اللہ نے جب آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا، اس وقت اس نے مکہ کو حرم بنادیا تھا پس وہ قیامت تک کے لیے حرام ہے، نہ مجھ سے پہلے کسی کے لیے حلال ہوا تھا اور نہ میرے بعد کسی کے لیے حلال ہوگا اور میرے لیے صرف دن کی ایک ساعت میں حلال ہوا تھا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث ١٣٥٣ :)

"وانت حل" کا دوسرا یہ معنی کیا گیا ہے کہ آپ اس میں مقیم ہیں اور یہ آپ کا محل ہے اور ایک قول یہ ہے کہ آپ اس میں محسن ہیں یعنی آپ اس شہر میں نیک کام کرنے والے ہیں اور میں اس شہر میں آپ سے راضی ہوں۔ قتادہ نے کہا : اس کا معنی یہ ہے کہ آپ اس میں حلال ہیں یعنی آپ اس میں گناہ گار نہیں ہیں۔ اہل لغت نے ذکر کیا ہے کہ کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص حل ہے اور حلال ہے اور محل ہے، اس کا معنی گرہ کھولنا، حلال ہونا اور نازل ہونا، اترنا اور ٹھہرنا ہے یعنی آپ مکہ میں نازل ہونے والے اور ٹھہرنے والے ہیں، ایک قول یہ ہے کہ اس میں نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی تعریف اور تحسین ہے یعنی آپ اس شہر میں کوئی ایسا کام کرنے والے نہیں ہیں، جس کا ارتکاب آپ پر حرام ہو، کیونکہ آپ کو معلوم تھا کہ بیت اللہ کے کیا حقوق ہیں، نہ کہ ان مشرکین کی طرح جو اس شہر میں کفر اور معصیت کے کام کرتے تھے اور ان آیتوں کا معنی اس طرح ہے کہ میں اس بیت معظم کی قسم کھاتا ہوں جس کی عزت اور حرمت کو آپ جانتے ہیں، سو آپ اس بیت کی تعظیم کرتے ہوئے اس میں مقیم ہیں اور اس شہر میں کوئی ایسا کام نہیں کرتے جو آپ پر حرام ہو۔ شرجیل بن سعد نے کہا : آپ اس شہر میں حلال ہیں اور کفار مکہ

میں قتل کرنے کو اور شکار کرنے کو اور اس کے درختوں کو کاٹنے کو حرام قرار دیتے ہیں، اس کے باوجود وہ مکہ سے آپ کے نکالنے کو اور آپ کے قتل کو حلال قرار دیتے ہیں۔ (الجامع الاحکام القرآن جز ۲۰ ص ۵۵، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

"وانت حل بھذا البلد" کی تفسیر امام رازی سے

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

"وانت حل بھذا البلد۔" (البلد ۲ :) سے مراد حسب ذیل امور ہیں:

(۱) آپ اس شہر میں مقیم ہیں اور ٹھہرے ہوئے ہیں گویا کہ اللہ تعالیٰ نے مکہ کو اس وجہ سے مکرم قرار دیا ہے کہ آپ اس میں مقیم ہیں۔

(۲) کفار اس شہر کے احترام میں اس شہر میں قتل کرنے کو، یہاں شکار کرنے کو اور یہاں کے درختوں کے کاٹنے کو حرام قرار دیتے ہیں، اس کے باوجود ان کے نزدیک اس شہر میں آپ کو قتل کرنا حلال ہے، وہ آپ کو قتل کرنے کے لیے گھات لگا کر بیٹھے تھے لیکن آپ ان کے درمیان سے سورۃ یٰسین پڑھتے ہوئے نکل گئے اور ان کو پتہ نہیں چلا، اس آیت میں نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو اپنی مہم میں ثابت قدم رکھنا ہے اور کفار کی عداوت پر تعجب کا اظہار ہے۔

فرمایا: اور (انسان کے) والد کی قسم اور اس کی اولاد کی۔

والد اور اولاد کے مصداق میں اقوال مفسرین:

مجاہد اور قتادہ اور حسن اور ابو صالح نے کہا: والد سے مراد حضرت آدم (علیہ السلام) ہیں اور اس کی اولاد سے مراد ان کی نسل ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی قسم اس لیے کھائی ہے کہ وہ روئے زمین پر اللہ تعالیٰ کی سب سے عمدہ مخلوق ہیں، اس میں انبیاء (علیہم السلام) بھی اور اللہ تعالیٰ کی طرف دیگر دعوت دینے والے بھی ہیں، ایک قول یہ ہے کہ یہ حضرت آدم (علیہ السلام) اور ان کی اولاد میں سے نیک لوگوں کی قسم ہے اور جو کفار اور فساق اور فجار ہیں وہ گویا کہ حیوانات ہیں، ایک قول یہ ہے کہ والد سے مراد حضرت ابراہیم (علیہ السلام) ہیں اور اولاد سے مراد ان کی ذریت ہے، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس سے مراد ان کی تمام ذریت ہو اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس سے مراد وہ لوگ ہوں جو ان کی ذریت میں سے مسلمان ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد عام والد اور اس کی اولاد ہے۔ الماوردی نے کہا: یہ بھی ہوسکتا ہے کہ والد سے مراد ہمارے نبی سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہوں کیونکہ اس سے پہلی آیتوں میں آپ کا ذکر ہے اور اولاد سے مراد آپ کی امت ہے، حدیث میں ہے:

حضرت ابوہریرہ (رض) بیان کرتے ہیں کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: میں تمہارے لیے والد کی طرح ہوں، تمہیں تعلیم دیتا ہوں۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث ٤ : سنن نسائی رقم الحدیث ٤٠ :،)

فرمایا: بیشک ہم نے انسان کو (اس کی) مشقت میں پیدا کیا۔

"کبد" کا معنیٰ اور انسان کی دشواری کا مطلب؛

اس آیت میں "کبد" کا لفظ ہے، "کبد" کا معنی ہے :دشواری، سختی، مشقت، "کبد" یا "کبد" کا معنی ہے : جگر، کلیجی، جگر کا درد ہونا، "کبد" یعنی شدت اور مشقت کے حسب ذیل مطالب ہو سکتے ہیں۔

(۱) ہم نے انسان کو شدت اور مشقت کے کئی مراحل میں پیدا کیا ہے، ایک مرتبہ اس کی ماں کے پیٹ میں، پھر اس کے دودھ پینے کی مدت میں، پھر جب وہ بالغ ہو گیا تو اپنے معاش اور روزگار کے حصول کی مشقت میں مبتلا ہو گیا، پھر اس کے بعد موت کی شدت میں۔

(۲) اس سے مراد دین کی مشقت اٹھانا ہے، وہ نعمت ملنے پر شکر ادا کرتا ہے اور مصیبت آنے پر صبر کرتا ہے اور عبادات کی ادائیگی میں مشقت اٹھاتا ہے۔

(۳) اس سے مراد آخرت کی مشقت ہے، پہلے سکرات موت کی شدت ہے، پھر قبر میں منکر نکیر کے سوالوں کے جواب کی مشقت ہے، پھر قبر کے اندھیرے کا سامنا ہے، پھر قبر سے نکل کر میدان حشر کی طرف جانا ہے، پھر اللہ عزوجل کے سامنے حاضر ہوتا ہے، اور پھر آخرت کے انجام کا پیش آنا ہے، جو جنت ہو گا یا دوزخ۔

(٤) یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے یہ مراد ہو کہ دنیا میں کوئی لذت نہیں ہے، انسان جس کو بظاہر لذت سمجھتا ہے اس میں بھی درد اور تکلیف کی آمیزش ہے، کھانا کھانے سے پہلے انسان بھوک کی تکلیف برداشت کرتا ہے اور کھانے کے بعد غذا کے ناموافق ہونے کی وجہ سے انسان مختلف بیماریوں کا سامنا کرتا ہے، غرض انسان کو محنت، مشقت، شدت اور مصیبت میں پیدا کیا گیا ہے، اس لیے اس جہان کے بعد کوئی اور جہان ہونا چاہیے تاکہ وہ جہان اس کے لیے لذات، سعادات اور کرامات کے حصول کا جہان ہو۔

فرمایا؛ کیا وہ خیال کرتا ہے کہ اس پر کبھی کوئی قادر نہیں ہو گا؟

یہ زجر ہے کیا کافر انسان گمان کرتا ہے کہ اس پر کوئی قادر اور غالب نہ ہو گا اور کوئی اس کو اس کے برے عملوں کی سزا نہیں دے گا۔ اس کا یہ خیال غلط ہے۔ اسے اس کے گناہوں کی اللہ تعالیٰ ضرور سزا دے گا۔

فرمایا : وہ کہتا ہے : میں نے اپنا بہت مال خرچ کر دیا ہے۔

"لبداً" کا معنیٰ؛

اس آیت میں "لبدا" کا لفظ ہے، "لبد" کا معنی مال کثیر "لابد" کا بھی یہی معنی ہے، اصل میں "لبد" اور "لبدۃ" کا معنی ہے : نمدہ اور گوند سے چپکایا ہوا اون، نمدہ ہو یا چپکایا ہوا اون، ان میں تہ پر تہ جمائی جاتی ہے، وسعت استعمال کی وجہ سے مال کثیر کو بھی "لبد" کہتے ہیں، گویا اس میں بھی مال کی تہ پر تہ جائی جاتی ہے، "لبد" اس شخص کو بھی کہتے ہیں جو گھر میں بیٹھا رہے اور کمائی کے لیے باہر نہ نکلے۔ (القاموس المحیط ص ۳۱٦، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، ١٤٢٤

ھ)

لیث نے کہا :" مال لبد" سے مراد یہ ہے کہ وہ اتنا زیادہ مال ہو کہ اس کی کثرت کی وجہ سے اس کے فناء ہونے کا خوف نہ ہو، اس آیت کا معنی یہ ہے کہ کافر یہ کہتا ہے کہ میں نے (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی عداوت میں مال کثیر خرچ کیا ہے یا اس سے مراد یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں کفار اپنی بڑائی اور فخر کو ظاہر کرنے کے لیے مال کثیر خرچ کرتے تھے، اس کے متعلق ان میں سے کسی نے کہا : میں نے اپنا بہت مال خرچ کر دیا ہے۔

البلد ۷ : میں فرمایا : کیا وہ گمان کرتا ہے کہ اس کو کسی نے نہیں دیکھا؟۔

اس آیت کی دو تفسیریں ہیں، قتادہ نے کہا : وہ یہ گمان کرتا ہے کہ اللہ نے اس کو نہیں دیکھا اور وہ اس سے یہ نہیں پوچھے گا کہ اس نے یہ مال کہاں سے حاصل کیا اور کہاں خرچ کیا؟ الکلبی نے کہا : وہ جھوٹا ہے، اس نے کچھ خرچ نہیں کیا، پس اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا کہ اللہ اس کو دیکھ رہا ہے کہ وہ کیا خرچ کر رہا ہے اور کیا خرچ نہیں کر رہا، وہ ہر چیز کو دیکھ رہا ہے اور ہر چیز کو جانتا ہے۔ (جامع البیان جز ۳۰ ص ۲۴۹، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

ترکیب نحوی و تحقیق صرفی:

لَا، زائدہ، نافیہ، مخاطب کے باطل خیالات کی تردید کیلئے لایا گیا ہے (نہیں) اُقْسِمُ، فعل مضارع واحد متکلم اَقْسَمَ یُقْسِمُ، مصدر اِقْسَامٌ، قسم کھانا (میں قسم کھاتا ہوں) بِهٰذَا الْبَلَدِ (بِ۔ہٰذَا۔ اَلْبَلَدِ) بِ، حرف جار، کی، ہٰذَا، مجرور، اسم اشارہ واحد مذکر قریب، اس، اَلْبَلَدِ، مشار الیہ، شہر، شہر مکہ معظمہ ہے (اس شہر کی) وَ، حرف عطف (اور) اَنْتَ، ضمیر منفصلہ واحد مذکر حاضر (آپ) حِلٌّ ۔ حَلَّ یَحِلُّ، کا مصدر، حلال ہونا، رہنا، اترنا، یہاں، حِلٌّ، بمعنی، حَالٌّ، بمعنی اسم فاعل (رہنے والا) بِهٰذَا الْبَلَدِ (بِ۔ہٰذَا۔ اَلْبَلَدِ) بِ، حرف جار بمعنی، فِیْ، میں، ہٰذَا، مجرور، اسم اشارہ واحد مذکر قریب، اس، اَلْبَلَدِ، مشار الیہ، شہر (اس شہر میں) وَوَالِدٍ (وَ۔ وَالِدٍ) وَ، حرف عطف، حرف جار قسمیہ، اور (قسم)، وَالِدٍ، مجرور، مقسم بہ، وَلَادَةٌ، مصدر سے اسم فاعل واحد مذکر، جننے والا، باپ، والد، مراد حضرت آدم (اور قسم ہے) والد (حضرت آدم (علیہ السلام)) کی) وَ، حرف عطف (اور) مَا، اسم موصول (اس کی جو) وَلَدَ، فعل ماضی واحد مذکر غائب وَلَدَ یَلِدُ، مصدر وِلَادَةٌ، پیدا کرنا، جننا (اس نے جنا) لَقَدْ (لَ۔قَدْ) لَ، لام تاکید، بلاشبہ، قَدْ، حرف تحقیق، یقینا (بلاشبہ یقینا) خَلَقْنَا، فعل ماضی جمع متکلم خَلَقَ یَخْلُقُ، مصدر خَلْقًا، پیدا کرنا (ہم نے پیدا کیا) الْاِنْسَانَ (انسان) فِیْ کَبَدٍ۔فِیْ، حرف جار، میں، کَبَدٍ، مجرور، اسم مصدر، دکھ، تکلیف، مشقت، دشواری (مشقت میں) اَیَحْسَبُ (اَ۔یَحْسَبُ) اَ، ہمزہ استفہامیہ، کیا، یَحْسَبُ، فعل مضارع واحد مذکر غائب حَسِبَ یَحْسَبُ، مصدر حِسْبَانًا، گمان کرنا، خیال کرنا، وہ گمان کرتا ہے (کیا وہ گمان کرتا ہے) اَنْ، مصدریہ ناصبہ (کہ) لَنْ یَّقْدِرَ، فعل مضارع منصوب منفی مؤکد بلن واحد مذکر غائب قَدَرَ یَقْدِرُ، مصدر قُدْرَةٌ، قدرت رکھنا، قابو پانا (وہ ہرگز قابو نہیں پاسکے گا) عَلَیْهِ (عَلٰی۔ہِ) عَلٰی، حرف جار، پر، ہِ، مجرور، ضمیر واحد مذکر غائب، اس (اس پر) اَحَدٌ (کوئی ایک) یَقُوْلُ، فعل مضارع واحد مذکر غائب قَالَ یَقُوْلُ، مصدر قَوْلًا، کہنا (وہ کہتا ہے) اَهْلَکْتُ، فعل ماضی واحد متکلم اَهْلَکَ یُهْلِکُ، مصدر اِهْلَاکٌ، ہلاک کرنا، برباد کرنا (میں نے برباد کر ڈالا) مَالًا لُّبَدًا، مَالًا، موصوف، مال، لُبَدًا، صفت، لُبُوْدًا، مصدر سے صفت مشبہ وسیع، زیادہ کثیر، ڈھیروں، (ڈھیروں مال) اَیَحْسَبُ (اَ۔ یَحْسَبُ) اَ، ہمزہ استفہامیہ، کیا، یَحْسَبُ، فعل مضارع واحد مذکر غائب حَسِبَ یَحْسَبُ، مصدر حِسْبَانًا، گمان کرنا، خیال کرنا، سمجھنا، وہ خیال کرتا ہے (کیا وہ خیال کرتا ہے) اَنْ، مصدریہ ناصبہ (کہ) لَمْ یَرَهٗ (لَمْ یَرَ۔ هٗ) لَمْ یَرَ، فعل مضارع منفی جحد بلم واحد مذکر غائب رَاٰی یَرٰی مصدر رُؤْیَةٌ، دیکھنا، لَمْ، کی وجہ سے ترجمہ، نہیں دیکھا، هٗ ضمیر واحد مذکر غائب، اسے (نہیں دیکھا اسے) اَحَدٌ (کسی ایک نے)

آیت ۸ تا ۱۶

أَلَمْ نَجْعَلْ لَهُ عَيْنَيْنِ (۸) وَلِسَانًا وَشَفَتَيْنِ (۹) وَهَدَيْنَاهُ النَّجْدَيْنِ (۱۰) فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ (۱۱) وَمَا أَدْرَاكَ مَا الْعَقَبَةُ (۱۲)
فَكُّ رَقَبَةٍ (۱۳) أَوْ إِطْعَامٌ فِي يَوْمٍ ذِي مَسْغَبَةٍ (۱۴) يَتِيمًا ذَا مَقْرَبَةٍ (۱۵) أَوْ مِسْكِينًا ذَا مَتْرَبَةٍ (۱۶)

ترجمہ:

کیا ہم نے اس کے لیے دو آنکھیں نہیں بنائیں۔(۸) اور ایک زبان اور دو ہونٹ۔(۹) اور ہم نے اسے دو واضح راستے دکھا دیے۔(۱۰) پھر (بھی) وہ مشکل گھاٹی میں نہ گھسا۔(۱۱) اور تجھے کیا معلوم کہ وہ مشکل گھاٹی کیا ہے؟(۱۲) (وہ) گردن چھڑانا ہے۔(۱۳) یا کسی بھوک والے دن میں کھانا کھلانا ہے۔(۱۴) کسی قرابت والے یتیم کو۔(۱۵) یا مٹی میں پڑے کسی مسکین کو(۱۶)

تفسیر:۔

فرمایا: کیا ہم نے اس کے لیے دو آنکھیں نہیں بنائیں۔الخ

اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتیں اور خیر اور شر کے دو راستے:

امام ابن ابی حاتم نے قتادہ سے البلد ۸ : کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ہمیں دو آنکھیں عطاء فرمانا اس کی دو ظاہری نعمتیں ہیں جو ہم کو اس کا شکر ادا کرنے کی ترغیب دیتی ہیں۔

امام ابن عساکر نے مکحول سے روایت کیا کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے، اے ابن آدم! میں نے تجھے بہت عظیم نعمتیں عطاء کی ہیں، جو عدد شمار سے باہر ہیں اور جن کا تو شکر ادا نہیں کر سکتا، اور میں نے تجھ کو جو نعمتیں دی ہیں، وہ یہ ہیں کہ تیرے لیے دو آنکھیں بنا دی ہیں جن سے تو دیکھتا ہے اور میں نے ان آنکھوں کے لیے پردے (پلکیں) بنا دی ہیں، تو اپنی آنکھوں سے حلال چیزوں کو دیکھ اور جب تو ان چیزوں کو دیکھے جن کو میں نے حرام کر دیا تو ان پردوں (پلکوں) کو منطبق کر دے اور میں نے تجھ کو زبان دی ہے اور اس کے لیے غلاف بنا دیا ہے پس تو میرے حکم کے مطابق زبان سے بول، جو باتیں تیرے لئے حلال ہیں اور اگر تیرے سامنے وہ چیزیں پیش ہوں جن کو میں نے تجھ پر حرام کر دیا ہے تو اپنی زبان پر تالا ڈال دے، اور میں نے ترے لیے شرم گاہ بنائی ہے اور اس کے لیے پردہ بنایا ہے تو اپنی شرم گاہ سے ان چیزوں کو حاصل کر جو میں نے تیرے حلال کر دی ہیں اور جب تیرے سامنے کوئی حرام چیز آئے تو تو اس پر پردہ ڈال دے، اے ابن آدم! میری ناراضگی کو نہ اٹھا اور نہ تو میرے انتقام کی طاقت نہیں رکھتا۔

مجاہد نے :۔"ھدینہ النجدین"۔ کا معنی ہے : ہم نے انسان کو خیر اور شر کے راستوں کی پہچان کرادی ہے۔

امام ابن مردویہ نے حضرت حسن (رض) سے روایت کیا ہے کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) فرمارہے تھے : اے لوگو! یہ دو راستے خیر اور شر کے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے شر کا راستہ خیر کے راستے سے زیادہ محبوب نہیں بنایا۔

(الدرالمنثور ج ٨ ص ٤٧٨ ۔ ٤٨٨ دراحیاء التراث العربی، بیروت، ١٤١٥ھ)

ان آیات میں اس پر واضح دلیل ہے کہ انسان مجبور نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کو اختیار دیا ہے، اس کو حواس عطاء کیے ہیں اور عقل سلیم دی ہے، اس کو نیکی اور بدی کے راستے دکھا دیئے ہیں اور سمجھا دیئے ہیں، اس پر لازم ہے کہ وہ نیکی کے راستے کو اختیار کرے اور برائی کے راستے کو ترک کردے اور اگر اس نے اختیار کے باوجود نیک عمل نہیں کیے اور برے عمل کرتا رہا تو وہ اپنے ہاتھوں سے اپنے لیے دوزخ بنائے گا۔

"اقتحم" اور "العقبۃ" کا معنی اور دشوار گھاٹی کا مصداق:

البلد ١١ : میں "اقتحم" کا لفظ ہے، اس کا معنی ہے : چڑھا، گھس پڑا، اس کا مصدر "اقتحام" ہے اس کا معنی ہے : بغیر دیکھے بھالے اپنے آپ کو کسی چیز میں جھونک دینا۔ (القاموس المحیط ص ١١٤٦، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، ١٤٢٤ھ)

اور اس آیت میں "العقبۃ" کا لفظ ہے، اس کا معنی ہے : گھاٹی، پہاڑ میں چڑھائی کا جو دشوار گزار راستہ ہوتا ہے، اس کو "عقبہ" کہتے ہیں۔ (القاموس المحیط ص ١١٦، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، ١٤٢٤ھ)

"عقبہ" سے مراد یہاں آخرت ہے، عطاء نے کہا : "عقبہ" سے مراد یہاں جہنم کی گھاٹی ہے، الکلبی نے کہا : یہ جنت اور دوزخ کے درمیان ایک گھاٹی ہے، حضرت ابن عمر نے کہا : یہ جہنم میں ایک پہاڑ ہے، نیز "عقبۃ" کی تفسیر مقروض کی گردن چھڑانے اور اس کو کھانا کھلانے کے ساتھ کی گئی ہے۔

حسن اور مقاتل نے کہا ہے کہ دشوار گزار گھاٹی پر چڑھنے کے ذکر میں یہ مثال دی ہے کہ انسان نے اپنے نفس کی ناجائز خواہشوں کے خلاف مزاحمت کیوں نہیں کی اور غلط نفسانی تقاضوں کو پورا کرنے سے اجتناب کیوں نہیں کیا اور نیکی کرنے میں شیطان کے بہکانے سے جہاد کیوں نہیں کیا، الحسن نے کہا : اللہ کی گھاٹی بہت شدید ہے، اور یہ انسان کا اپنی ناجائز خواہشوں سے اور شیاطین انس اور جن سے جہاد کرنا ہے۔

امام رازی نے فرمایا : یہی تفسیر برحق ہے کیونکہ انسان یہ چاہتا ہے کہ وہ محسوسات کے عالم سے نکل کر انوار الہیہ کے عالم میں پہنچ جائے اور اس مادی عالم اور عالم قدس کے درمیان بیشمار دشوار گزار گھاٹیاں اور پرخطرہ وادیاں ہیں جن کو عبور کرنا بے حد مشکل اور دشوار ہے۔

فرمایا : (قرض یا غلامی سے) گردن چھڑانا۔

غلام کو آزاد کرنے کی فضیلت میں احادیث:

"الفک" کا معنی ہے : طوق اور بیڑیوں کو کاٹ دینا اور یہاں اس سے مراد ہے : کسی انسان کے گلے سے غلامی یا قرض کا طوق اتار دینا۔

حضرت ابوہریرہ (رض) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا : جس شخص نے کسی غلام کو آزاد

کیا، اللہ تعالیٰ اس غلام کے ہر عضو کے بدلے میں اس کے عضو کو دوزخ سے آزاد کردے گا، حتیٰ کہ اس کا شرم گاہ کو اس کی شرم گاہ کے بدلہ میں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث ۲۵۱۷ :، صحیح مسلم رقم الحدیث ۵۰۹ :، سنن ترمذی رقم الحدیث ۱۵۴۱ :)

حضرت ابو امامہ اور نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے دیگر اصحاب بیان کرتے ہیں کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: جس مسلمان مرد نے کسی مسلمان مرد کو آزاد کیا تو وہ اس کا دوزخ سے چھڑانا ہوگا، اس کے ہر عضو کا اس کے عضو سے بدلہ ہوگا اور جس مسلمان عورت سے کسی مسلمان عورت کو آزاد کیا تو وہ اس کا دوزخ سے چھڑانا ہوگا اور اس کے ہر عضو کا اس کے عضو سے بدلہ ہوگا۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث ۱۵۴۷ :، السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۱۰ ص ۲۷۱، المعجم الکبیر ج ۱ ص ۹۵)

فرمایا: یا بھوک کے دن کھانا کھلایا۔

بھوکے مسلمان کو کھانا کھلانے کی فضیلت میں آیات اور احادیث:

اس آیت میں "مسغبۃ" کا لفظ ہے، یہ اسم مصدر ہے، اس کا معنی ہے: بھوک، بھوکا ہونا، "سغب" کا معنی ہے، ایسی بھوک یا پیاس جس میں تھکان سی محسوس ہو، جیسے جب جسم میں گلوکوز کم ہونے کے وقت کیفیت ہوتی ہے۔

(القاموس المحیط ص ۹۷، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

قحط، تنگ دستی اور شدید ضرورت کے وقت مال نکالنا انسان کے نفس پر سخت مشکل اور دشوار ہوتا ہے، جیسے قرآن مجید میں ہے:

وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِى الرِّقَابِ ج (البقرۃ ۱۷۷:)

اور مال سے اپنی محبت کے باوجود رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں، سوالیوں اور گردن چھڑانے کے لیے مال دے۔

وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا۔ (الدھر ۸:)

اور وہ کھانے کی ضرورت کے باوجود مسکین، یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمر (رض) بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے سوال کیا: اسلام کے کون سے حکم پر عمل کرنا سب سے افضل ہے؟ فرمایا: تم جس شخص کو پہچانتے ہو خواہ پہچانتے ہو، اس کو کھانا کھلاؤ اور سلام کرو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث ۱۲ :، صحیح مسلم رقم الحدیث ۲۹ :، ابن ماجہ رقم الحدیث ۳۲۵۳ :)

جبان بن ابی جمیلہ بیان کرتے ہیں کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: جو صدقہ سب سے زیادہ سرعت کے ساتھ آسمان پر چڑھتا ہے، وہ یہ ہے کہ انسان بہت عمدہ کھانا تیار کرے اور پھر اپنے (مسلمان) بھائیوں کو کھلائے۔

(کنز العمال ج ۶ ص ۴۲۴، رقم الحدیث ۱۶۳۶۹ :)

حضرت انس (رض) بیان کرتے ہیں کہ کسی بھوکے پیٹ والے کو سیر ہو کر کھانا کھلانے سے زیادہ کوئی عمل افضل نہیں ہے۔

(الفردوس بماثور الخطاب رقم الحدیث ۶۳۴۷ :، کنز العمال رقم الحدیث ۱۶۳۷۰ :، شعب الایمان رقم الحدیث ۳۳۶۷ :
)
محمد بن مکندر بیان کرتے ہیں کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا : مغفرت کے موجبات سے یہ ہے کہ بھوکے مسلمان کو کھانا کھلایا جائے۔ کنز الایمان رقم الحدیث ۱۶۳۷۲ :، المستدرک ج ۲ ص ۵۲۴، رقم الحدیث ۳۹۳۵ :)
حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص (رض) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا : جس شخص نے اپنے (مسلمان) بھائی کو روٹی کھلائی حتی کہ وہ سیر ہوگیا اور اس کو پانی پلایا حتیٰ کہ وہ سیر ہوگیا، اللہ تعالیٰ اس کو دوزخ کی سات خندقوں سے دور کردے گا، ہر خندق کی مسافت پانچ سو سال ہے۔ (شعب الایمان رقم الحدیث ۳۳۶۸ :، کنز العمال رقم الحدیث ۱۶۳۷۳ :)
حضرت ابوسعید خدری بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا : جس شخص نے کسی بھوکے مسلمان کو کھلانا کھلایا، اللہ تعالیٰ اس کو جنت کے پھلوں سے کھلائے گا اور جس شخص نے کسی بےلباس مسلمان کو لباس پہنایا، اللہ تعالیٰ اس کو جنت کا سبز لباس پہنائے گا اور جس شخص نے کسی پیاسے مسلمان کو پانی پلایا، اللہ تعالیٰ اس کو رحیق (شراب طہور) سے پلائے گا۔
(شعب الایمان رقم الحدیث ۳۳۷۰ :)
فرمایا : ایسے یتیم کو جو رشتہ دار بھی ہو۔

یتیم کا معنی :

انسانوں میں یتیم اس شخص کو کہتے ہیں جس کا بچپن میں باپ فوت ہوگیا ہو اور حیوانات میں یتیم اس کو کہتے ہیں جس کی بچپن میں ماں فوت ہوگئی ہو اور بعض اہل لغت یتیم اس شخص کو کہتے ہیں جس کے ماں باپ دونوں فوت ہوگئے ہوں۔
جو یتیم رشتہ دار ہو اس پر بھی صدقہ کرنے میں فضیلت ہے لیکن جو یتیم رشتہ دار بھی ہو، اس پر صدقہ کرنے میں زیادہ فضیلت ہے، جس طرح جس یتیم کے کفالت کرنے والے ہوں، اس پر صدقہ کرنے میں بھی فضیلت ہے لیکن جس یتیم کا کوئی کفیل نہ ہو، اس پر صدقہ کرنے میں بہت فضیلت ہے۔

یتیموں کو صدقہ دینے کی فضیلت میں احادیث :

حضرت ابن عباس (رض) بیان کرتے ہیں کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا : جس شخص نے مسلمانوں میں سے کسی یتیم کو رکھا اور اس کو اپنے کھانے پینے میں شامل کیا، اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل کردے گا، سوا اس کے اس کا کوئی ایسا گناہ ہو جس کی مغفرت نہ ہو سکے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث ۱۹۱۷ :، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث ۳۶۶۹ :)
حضرت سہل بن سعد (رض) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا : میں اور یتیم کی کفالت کرنے

والا جنت میں ان دو انگلیوں کی طرح ایک ساتھ ہوں گے، آپ نے انگشت شہادت اور درمیانی انگلی کے ساتھ ارشاد فرمایا۔
(سنن ترمذی رقم الحدیث ۱۹۱۸ ؛ صحیح البخاری رقم الحدیث ٦٠٠٥ ؛ سنن ابو داؤد رقم الحدیث ٥١٥٠ ؛ مسند احمد ج ٥ ص ٣٣٣)

حضرت ابو امامہ (رض) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا : جس نے یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرا اور صرف اللہ کی رضا کے لیے ہاتھ پھیرا تو اس کے ہاتھ کے نیچے جتنے بال آئیں گے، اس کی اتنی نیکیاں لکھ دی جائیں گی اور جس شخص کے پاس کوئی یتیم لڑکی یا یتیم لڑکا ہو اور وہ اس کے ساتھ نیک سلوک کرے تو وہ میرے ساتھ جنت میں ان دو انگلیوں کی طرح ہوگا اور آپ نے انگشت شہادت اور درمیانی انگل کو ملایا۔
(مسند احمد ج ٥ ص ٢٥٠ طبع قدیم، مسند احمد ج ٣٦ ص ٤٨٤، رقم الحدیث ٢٢١٥٣ ؛ مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت ١٩٩٠ء)

رشتہ داروں کو صدقہ دینے کی فضیلت میں احادیث :

حضرت حکیم بن حزام (رض) بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے سوال کیا کہ کس کو صدقہ دینا سب سے افضل ہے؟ آپ نے فرمایا : اس قرابت دار کو جو پہلوتہی کرتا ہو۔
(سنن دارمی رقم الحدیث ١٦٧٩ ؛ مسند احمد رقم الحدیث ١٤٨٩٦ ؛ دار احیاء التراث العربی، بیروت)

حضرت ام المؤمنین نے اپنی کتاب باندی کو آزادی کیا تو نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا : اگر تم یہ باندی اپنے کسی کاموں کو دیتے دیتیں تو تم کو زیادہ اجر ملتا۔ (سنن ابو داؤد رقم الحدیث ١٦٩٠ ؛ مسند احمد رقم الحدیث ٢٦٢٨٣ ؛ دار احیاء التراث العربی، بیروت)

سلیمان بن عامر الضبی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا : مسکین پر صدقہ کرنا ایک صدقہ ہے اور قرابت دار پر صدقہ کرنا دو صدقے ہیں، ایک صدقہ ہے اور ایک صلہ رحم ہے۔
(سنن نسائی رقم الحدیث ٢٥٨٢ ؛ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث)

حضرت عبداللہ بن مسعود (رض) کی بیوی حضرت زینب (رض) بیان کرتی ہیں کہ انھوں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے یہ سوال کیا کہ کیا ان کے لیے یہ صدقہ کافی ہوگا کہ وہ اپنے خاوند اور اپنی گود کے بچوں کو صدقہ دے؟ آپ نے فرمایا : ہاں! تمہیں دو اجر ملیں گے، ایک اجر صدقہ کا ہوگا اور ایک اجر قرابت داری کا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث ١٤٦٦ ؛ صحیح مسلم رقم الحدیث ١٠٠٠ ؛ سنن نسائی رقم الحدیث ٢٥٨٣ ؛ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث العربی،)

فرمایا : مٹی میں پڑے مسکین کو۔

خاک نشین کا مصداق :

خاک نشین سے مراد یہ ہے کہ جس کے پاس کچھ نہ ہو، حتیٰ کہ فقیری کی وجہ سے وہ مٹی سے آلود ہے اور سوائے خاک اور مٹی کے

اس کا اور کوئی ٹھکانا نہیں ہے، حضرت ابن عباس نے فرمایا : یہ وہ شخص ہے جو راستہ (فٹ پاتھ) پر پڑا ہو اور اس کا کوئی گھر نہ ہو، مجاہد نے کہا : یہ وہ شخص ہے جو اپنے جسم اور لباس کو مٹی سے نہ بچا سکے، قتادہ نے کہا : اس سے مراد یہ ہے کہ وہ عیال دار ہو، عکرمہ نے کہا : اس سے مراد ہے کہ وہ مقروض ہو، ابو سنان نے کہا : اس سے مراد ہے کہ وہ اپاہج ہو، ابن جبیر نے کہا : اس سے مراد ہے : جس کو دیکھ بھال کرنے والا کوئی نہ ہو۔ (الجامع الاحکام القرآن جز ۲۰ ص ٦٢، ھ)

ترکیب نحوی وتحقیق صرفی:

اَلَمْ نَجْعَلْ (اَ۔ لَمْ نَجْعَلْ) اَ، ہمزہ استفہامیہ، کیا، لَمْ نَجْعَلْ، فعل مضارع منفی جحد بلم جمع متکلم جَعَلَ یَجْعَلُ، مصدر جَعْلًا، بنانا، لَمْ، کی وجہ سے ترجمہ، ہم نے نہیں بنائیں (کیا ہم نے نہیں بنائیں) لَہٗ (لَ۔ ہٗ) لَ، حرف جار، کیلئے، ہٗ، مجرور، ضمیر واحد مذکر غائب، اس (اس کیلئے) عَیْنَیْنِ، تثنیہ (دو آنکھیں) واحد، عَیْنٌ، وَ، حرف عطف (اور) لِسَانًا (ایک زبان) جمع، اَلْسِنَۃٌ، وَ، حرف عطف (اور) شَفَتَیْنِ، تثنیہ (دو ہونٹ) واحد، شَفَۃٌ، وَ، حرف عطف (اور) ہَدَیْنٰہُ (ہَدَیْنَا، ہٗ) ہَدَیْنَا، فعل ماضی جمع متکلم ھَدٰی یَھْدِی، مصدر ھِدَایَۃٌ، ہدایت دینا، نشان دہی کرنا، رہنمائی کرنا، دکھانا، ہم نے دکھادیئے، ہٗ، ضمیر واحد مذکر غائب، اسے (ہم نے اسے دکھادیئے) اَلنَّجْدَیْنِ، تثنیہ (دونوں راستے) یعنی نیکی اور بدی کے راستے، واحد، اَلنَّجْدُ، فَلَا اقْتَحَمَ (فَ۔ لَا۔ اِقْتَحَمَ) فَ، حرف عطف، پس، لَا، نافیہ ہے، نہیں، اِقْتَحَمَ، فعل ماضی واحد مذکر غائب اِقْتَحَمَ یَقْتَحِمُ، مصدر اِقْتِحَامٌ، بغیر دیکھے بھالے اپنے آپ کو کسی شے میں جھونک دینا، گھسنا، داخل ہونا، وہ داخل ہوا (پس نہیں وہ داخل ہوا) اَلْعَقَبَۃَ، پہاڑ پر چڑھائی کا دشوار گزار راستہ (دشوار گزار گھاٹی) وَ، حرف عطف (اور) مَآ، استفہامیہ بمعنی، اَیُّ شَیْءٍ (کس چیز) اَدْرٰیکَ (اَدْرٰی۔ کَ) اَدْرٰی، فعل ماضی واحد مذکر غائب اَدْرٰی یُدْرِیْ، مصدر اِدْرَآءٌ، معلوم کروانا، آگاہ کرنا، خبر دینا، اس نے معلوم کروایا، کَ، ضمیر واحد مذکر حاضر، آپ کو (اس نے آپ کو معلوم کروایا) مَا، استفہامیہ (کیا) اَلْعَقَبَۃُ (دشوار گزار گھاٹی) فَکُّ رَقَبَۃٍ۔ فَکُّ، مضاف، مصدر ہے، چھڑانا، آزاد کرنا، رَقَبَۃٍ، مضاف الیہ، اصل معنی گردن کے ہیں، غلام اور باندی کیلئے بھی بولا جاتا ہے، گردن، غلام، لونڈی (گردن کا چھڑانا) اَوْ، حرف عطف (یا) اِطْعٰمٌ، مصدر ہے (کھانا کھلانا) فِیْ یَوْمٍ۔ فِیْ، حرف جار، میں، یَوْمٍ، مجرور، ظرف زمان، دن (دن میں) ذِیْ مَسْغَبَۃٍ۔ ذِیْ، مضاف، والے، مَسْغَبَۃٍ، مضاف الیہ، اسم مصدر، بھوکا ہونا، بھوک (بھوک والے) یَتِیْمًا (کسی یتیم کو) ذَا مَقْرَبَۃٍ۔ ذَا، مضاف، والا، مَقْرَبَۃٍ، مضاف الیہ، مصدر میمی، قرابت (قرابت والے) اَوْ، حرف عطف (یا) مِسْکِیْنًا (کسی مسکین کو) ذَا مَتْرَبَۃٍ۔ ذَا، مضاف، والے، نشین، مَتْرَبَۃٍ، مضاف الیہ، اسم، سخت ناداری، ایسی مفلسی جو زمین سے چمٹا دے، تراب، مٹی، خاک (مٹی والے، خاک نشین)۔

آیت ۱۷ تا ۲۰

ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ (۱۷) اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ (۱۸) وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا هُمْ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ (۱۹) عَلَيْهِمْ نَارٌ مُّؤْصَدَةٌ (۲۰)

ترجمہ:

پھر (یہ کہ) ہو وہ ان لوگوں میں سے جو ایمان لائے اور جنھوں نے ایک دوسرے کو صبر کی وصیت کی اور ایک دوسرے کو رحم کرنے کی وصیت کی۔ (۱۷) یہی لوگ دائیں ہاتھ والے ہیں۔ (۱۸) اور جن لوگوں نے ہماری آیات کا انکار کیا وہی بائیں ہاتھ والے ہیں۔ (۱۹) ان پر (ہر طرف سے) آگ بند کی ہوئی ہوگی۔ (۲۰)

تفسیر:

فرمایا: پھر (یہ کہ) ہو وہ ان لوگوں میں سے جو ایمان لائے اور جنھوں نے ایک دوسرے کو صبر کی وصیت کی اور ایک دوسرے کو رحم کرنے کی وصیت کی، الخ

مؤمنین صالحین کے لیے بشارت اور کفار کے لیے عذاب کی وعید:

یعنی جو لوگ دشوار گزار گھاٹی پر چڑھیں گے اور نفس کے ناجائز تقاضوں سے جنگ اور جہاد کریں، ان کا یہ جہاد اس وقت قابل تحسین اور لائق اجر ہوگا، جب وہ مومن ہوں اور اگر وہ ایمان نہیں لائے تو ان کا یہ سارا جہاد رائیگاں جائے گا۔

حضرت عائشہ (رض) نے کہا : یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! زمانہ جاہلت میں ابن جدعان رشتہ داروں سے نیک سلوک کرتا تھا، کھانا کھلاتا تھا، قیدیوں کو چھڑاتا تھا اور غلاموں کو آزاد کرتا تھا اور اللہ کی راہ میں لوگوں کو اونٹوں پر سوار کرتا تھا، کیا ان اعمال سے اس کو نفع ہوگا؟ آپ نے فرمایا : نہیں، اس نے ایک دن بھی یہ نہیں کہا : اے اللہ! قیامت کے دن میری خطاؤں کو بخش دینا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث ٢١٤ :)

نیز فرمایا : انھوں نے ایک دوسرے کو صبر کی نصیحت کی اور ایک دوسرے کو رحم کی نصیحت کی۔

یعنی وہ ایک دوسرے کو ایمان کی راہ میں مشکلات اور مصائب پر صبر کرنے کی نصیحت کرتے تھے اور ایک دوسرے کو ہر امتحان میں ثابت قدم رہنے کی نصیحت کرتے تھے اور گناہوں سے ہمیشہ اجتناب کرنے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت پر قائم رہنے کی نصیحت کرتے تھے اور وہ ایک دوسرے کو یہ نصیحت کرتے تھے کہ وہ مظلوم اور فقیر پر رحم کریں یا جو شخص برے کام کررہا ہو، اس کو برائی سے روکیں کیونکہ یہ بھی اس کے حق میں رحم کرنا ہے اور یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ ہر شخص دوسرے کو نیکی کا راستہ دکھائے اور اس کو بدی کے راستہ پر چلنے سے روکے۔

اور جو مؤمنین اس دشوار گھاٹی پر چڑھے اور جنہوں نے ہر آزمائش میں صبر کیا اور لوگوں کو نیکی کی تلقین کی، اس گروہ کے سرخیل اکابر صحابہ مثلاً خلفاء راشدین اور ان کے موافقین اور بعد کے اخیار تابعین ہیں۔

بعض مفسرین نے کہا ہے کہ صبر کی وصیت سے مراد اللہ تعالیٰ کی تعظیم ہے اور رحم کی وصیت سے مراد مخلوق پر شفقت ہے اور اسلام کے تمام احکام کا مدار اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور مخلوق کی شفقت پر ہے۔

فرمایا : وہی لوگ دائیں طرف والے (بابرکت) ہیں۔

"اصحاب المیمنۃ" کی تفسیر:

یمین بمعنی دایاں ہاتھ بھی اور دائیں جانب بھی۔ اس لحاظ سے اس کے معنی یہ ہوئے کہ جن لوگوں کو ان کا اعمال نامہ ان کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا اور قیامت کے دن انھیں اللہ تعالیٰ کے دائیں جانب جگہ ملے گی۔ جب رسول اللہ کو شب معراج میں آسمانوں کی سیر کرائی گئی تو آپ نے پہلے آسمان پر سیدنا آدم (علیہ السلام) کو دیکھا کہ وہ جب اپنی دائیں طرف دیکھتے ہیں

تو ہنس دیتے ہیں اور بائیں طرف دیکھتے ہیں تو رو دیتے ہیں۔سیدنا جبرائیل نے آپ کو بتایا کہ سیدنا آدم کی دائیں جانب وہ لوگ تھے جو جنت میں داخل ہونے والے ہیں اور بائیں طرف وہ لوگ تھے جو جہنم میں داخل ہوں گے،اس سے بھی اصحاب الیمین سے مراد اہل جنت ہوئے۔اور اگر یمین کو یمن سے مشتق سمجھا جائے جو برکت اور خوش بختی کے معنوں میں آتا ہے تو اس سے مراد خوش بخت اور خیر و برکت والے اصحاب ہیں اور مطلب دونوں معنوں کے لحاظ سے ایک ہی ہے۔

فرمایا :اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کا کفر کیا، وہی لوگ بائیں طرف والے (منحوس) ہیں۔

اصحاب المشئمہ کی تفسیر؛

شمال بمعنی بایاں ہاتھ بھی، بائیں جانب بھی اور بد بخت بھی۔یعنی وہ لوگ جنہیں ان کا اعمال نامہ بائیں ہاتھ میں ملے گا انھیں اللہ کی بائیں جانب کھڑا کیا جائے گا۔اور یہ بد بخت اہل دوزخ ہوں گے۔جیسا کہ حدیث مذکورہ بالا سے بھی ظاہر ہوتا ہے۔

فرمایا :ان پر (ہر طرف سے) بند کی ہوئی آگ ہوگی۔

اس آیت میں ”مؤصدة“ کافروں کو دوزخ میں ڈال کر دوزخ کے دروازے بند کر دیئے جائیں گے اور کسی دروازے کو کھلا نہیں جائے گا، نہ دوزخ سے ان کا کوئی غم باہر نکلے گا اور نہ باہر سے کوئی خوشی دوزخ کے اندر داخل ہوگی، ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ دوزخ کی آگ ان کا مکمل احاطہ کرلے گی۔

ترکیب نحوی وتحقیق صرفی:

ثُمَّ، حرف عطف (پھر) كَانَ، فعل ناقص ماضی واحد مذکر غائب كَانَ يَكُونُ، مصدر كَونًا، ہونا (وہ ہو) مِنَ الَّذِينَ (مِنْ ۔ الَّذِينَ) مِنْ، حرف جار، سے، الَّذِينَ، مجرور، اسم موصول جمع مذکر، وہ لوگ جو (ان لوگوں میں سے جو) اٰمَنُوا، فعل ماضی جمع مذکر غائب اٰمَنَ يُؤْمِنُ، مصدر اِيْمَانًا، ایمان لانا (وہ ایمان لائے) وَ، حرف عطف (اور) تَوَاصَوْا، فعل ماضی جمع مذکر غائب تَوَاصٰى يَتَوَاصٰى، مصدر تَوَاصِيٌّ، باہم وصیت کرنا، ایک دوسرے کو وصیت کرنا، تلقین کرنا (انہوں نے ایک دوسرے کو وصیت کی) بِالصَّبْرِ (بِ ۔ الصَّبْرِ) بِ، حرف جار، کی، الصَّبْرِ، مجرور، صبر (صبر کی) وَ، حرف عطف (اور) تَوَاصَوْا، فعل ماضی جمع مذکر غائب تَوَاصٰى يَتَوَاصٰى، مصدر تَوَاصِيٌّ، باہم وصیت کرنا، ایک دوسرے کو نصیحت کرنا، تلقین کرنا (انہوں نے ایک دوسرے کو وصیت کی) بِالْمَرْحَمَةِ (بِ ۔ الْمَرْحَمَةِ) بِ، حرف جار، کی، الْمَرْحَمَةِ، مجرور، رَحِمَ يَرْحَمُ، کا مصدر، رحم کرنا، مہربانی کرنا (رحم کرنے کی) اُولٰٓئِكَ، اسم اشارہ جمع مذکر بعید، وہی لوگ، ضرور تاترجمہ (یہی لوگ) اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ (اَصْحٰبُ ۔ الْمَيْمَنَةِ) اَصْحٰبُ، مضاف، والے، ساتھی، اصحاب، واحد، صَاحِبٌ، اَلْمَيْمَنَةِ، مضاف الیہ، دائیں ہاتھ، دائیں سمت (دائیں ہاتھ والے) كَفَرُوا، فعل ماضی جمع مذکر غائب كَفَرَ يَكْفُرُ، مصدر كُفْرًا، کفر کرنا، انکار کرنا بِاٰيٰتِنَا (بِ ۔ اٰيٰتِ ۔ نَا) بِ، حرف جار، کا، اٰيٰتِ، مجرور، مضاف، آیات، واحد، اٰيَةٌ، نَا، مضاف الیہ، ضمیر جمع متکلم، ہماری (ہماری آیات کا) هُمْ، ضمیر جمع مذکر غائب (وہ) اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ۔ اَصْحٰبُ، مضاف، اصحاب، والے، واحد، صَاحِبٌ، اَلْمَشْئَمَةِ، مضاف الیہ، اسم، بائیں ہاتھ، بائیں جانب (بائیں ہاتھ (نحوست) والے) عَلَيْهِمْ (عَلٰى ۔ هِمْ) عَلٰى، حرف جار، پر، هِمْ، مجرور، ضمیر جمع مذکر غائب، نَارٌ مُّؤْصَدَةٌ، نَارٌ، موصوف، آگ، مُؤْصَدَةٌ، صفت، اِيْصَادٌ، مصدر سے اسم مفعول واحد مونث، بند کی ہوئی (بند کی ہوئی آگ)

(الحمد للہ سورہ بلد مکمل ہوگئی)

[سورة الشمس]

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

آیت ۱ تا ۱۰

وَالشَّمۡسِ وَضُحٰهَا (۱) وَالۡقَمَرِ اِذَا تَلٰهَا (۲) وَالنَّهَارِ اِذَا جَلّٰهَا (۳) وَالَّيۡلِ اِذَا يَغۡشٰهَا (۴) وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰهَا (۵) وَالۡاَرۡضِ وَمَا طَحٰهَا (۶) وَنَفۡسٍ وَّمَا سَوّٰهَا (۷) فَاَلۡهَمَهَا فُجُوۡرَهَا وَتَقۡوٰهَا (۸) قَدۡ اَفۡلَحَ مَنۡ زَكّٰهَا (۹) وَقَدۡ خَابَ مَنۡ دَسّٰهَا (۱۰)

ترجمہ:

قسم ہے سورج کی! اور اس کی دھوپ کی! (۱) اور چاند کی جب وہ اس کے پیچھے آئے! (۲) اور دن کی جب وہ اس (سورج) کو ظاہر کر دے! (۳) اور رات کی جب وہ اس (سورج) کو ڈھانپ لے! (۴) اور آسمان کی اور اس ذات کی جس نے اسے بنایا! (۵) اور زمین کی اور اس ذات کی جس نے اسے بچھایا! (۶) اور نفس کی اور اس ذات کی جس نے اسے ٹھیک بنایا! (۷) پھر اس کی نافرمانی اور اس کی پرہیز گاری (کی پہچان) اس کے دل میں ڈال دی۔ (۸) یقیناً وہ کامیاب ہو گیا جس نے اسے پاک کر لیا۔ (۹) اور جس نے اسے خاک میں ملا دیا وہ ناکام ہو گا (۱۰)

کوائف:

اس سورت کا نام سورۃ الشّمس ہے۔ پہلی آیت کریمہ ہی میں شمس کا لفظ موجود ہے۔ جس سے اس کا نام لیا گیا ہے۔ اس سے پہلے پچیس سورتیں نازل ہو چکی تھیں اس کا چھبیسواں نمبر ہے۔ اس کا ایک رکوع اور پندرہ آیتیں ہیں۔

ما قبل سے ربط:

گزشتہ سورت میں انسانی تخلیق کا ذکر کرتے ہوئے یہ فرمایا گیا تھا کہ "وھدیناہ النجدین"۔ یعنی انسان کو دونوں راستے دکھا دیئے خیر کا راستہ بھی اور شر کا بھی ہدایت بھی اور گمراہی بھی اور اس پر تاکید و ترغیب دی گئی کہ انسان سعادت اور نجات کی گھاٹی اختیار کر لے، تو اس مناسبت سے اب اس سورۃ والشّمس میں یہ ظاہر فرمایا جا رہا ہے کہ انسان اپنی فطرت اور جبلت کے لحاظ سے خیر و شر ہر دو کی استعداد رکھتا ہے اور یہ کہ نفس انسانی جب ان دونوں صلاحیتوں کا حامل ہے تو ضروری ہے کہ اس نفس کو عملی راستہ پر ڈالنے اور چلانے والی طاقت یعنی اس کی عقل خیر کی طرف اس کا رخ کرے اس کو ہر گندگی سے پاک رکھتے ہوئے فلاح و سعادت کی منزل تک پہنچ جائے، اس کے برعکس اگر انسان کی قوت عاقلہ گمراہی کی ظلمتوں سے اندھی ہو کر شر کا راستہ اختیار کر لے تو اس کا انجام نفس انسانی کو گندگی میں آلودہ کرنا، اور سعادت و فلاح سے محروم کر کے نفس کو ہلاکت و تباہی میں ڈالنا ہو گا۔

تفسیر:

فرمایا: قسم ہے سورج کی! اور اس کی دھوپ کی، الخ

قسم اور جواب قسم؛

اس سورت کی ابتداء میں اللہ تعالیٰ نے سات چیزوں کی قسم کھائی ہے :(١) سورج (٢) چاند (٣) دن (٤) رات (٥) آسمان (٦) زمین (٧) نفس انسان، اور ان سات چیزوں کی قسم کھا کر یہ فرمایا : جس نے اپنے نفس کو گناہوں سے پاک کرلیا وہ کامیاب ہو گیا اور جس نے اپنے نفس کو گناہوں سے آلودہ کرلیا وہ ناکام ہو گیا، سو یہ اس سورت کی قسم اور جواب قسم کی تفصیل ہے،

اسورج کی تخلیق میں اللہ تعالیٰ کی حکمتیں، برکتیں اور نشانیاں؛

فرمایا : سورج کی قسم! اور اس کی روشنی کی۔

اس آیت میں "ضحیٰ" کا لفظ ہے، مفسرین نے کہا ہے :اس سے مراد سورج کی روشنی اور اس کی حرارت ہے، اللہ تعالیٰ نے سورج میں ایسے اثرات رکھے ہیں، جو اللہ تعالیٰ کی لطیف حکمتوں اور اس کی تدبیر کی باریکیوں اور برکتوں اور اس کی قدرت کی نشانیوں پر دلالت کرتے ہیں۔

سورج میں اللہ تعالیٰ کی تدبیر کے عجیب مصلحت میں سے یہ ہے کہ سورج کا نور سائے کو ختم کر دیتا ہے اور چاند کے نور سے چھپ جاتا ہے اور ستارے نظر نہیں آتے اور ہوا میں سورج کے نور کے چمکیلے ذرات غبار کی صورت میں نظر آتے ہیں، سورج کے وجود میں اللہ تعالیٰ کی توحید پر دلیل ہے کیونکہ سورج کا ایک مخصوص جسم ہے، اور وہ ایک خاص جگہ سے اور خاص وقت میں طلوع ہوتا ہے اور غروب ہوتا ہے اور اس کے اس نظام میں کبھی کوئی تبدیلی نہیں ہوئی، پس ضروری ہوا کہ سورج کو اس مخصوص جسامت میں رکھنے کے لیے اور اس مخصوص نظام کا پابند کرنے کے لیے کوئی خالق ہو اور وہ خالق واجب اور قدیم ہو، ورنہ پھر اس کا بھی کوئی خالق ہوگا اور یہ سلسلہ کہیں ختم نہیں ہوگا اور یہ بھی ضروری ہے کہ وہ خالق واحد ہو، ورنہ اس کے طلوع اور غروب اور اس کی مخصوص حرکت کے نظام میں یکسانیت نہیں ہوگی اور اس کے نظام کی وحدت، اس پر دلیل ہے کہ اس کا ناظم بھی واحد ہے۔

فرمایا :اور چاند کی قسم جب وہ اس کے پیچھے آئے۔

چاند کن چیزوں میں سورج کے تابع ہے؟

اس آیت میں "تلاھا" کا لفظ ہے، "تلا یتلوا" کا معنی ہے :ایک چیز کا دوسری چیز کے تابع ہونا اور چاند، سورج کے حسب ذیل امور میں تابع ہے:

(١) مہینہ کے نصف اول میں سورج کے غروب ہونے کے بعد چاند طلوع ہوتا ہے اور اپنی روشنی میں سورج کے تابع ہوتا ہے۔

(٢) سورج جب غروب ہو جاتا ہے تو پہلی رات کا چاند سورج کے غروب ہونے کے فوراً بعد نظر آتا ہے۔

(۳) چاند کے تابع ہونے کا یہ معنی ہے کہ چاند اپنی روشنی سورج سے حاصل کرتا ہے۔
(٤) چودھویں رات کو جب چاند پور نظر آتا ہے تو اس وقت وہ روشن ہونے میں سورج کے قائم مقام ہوتا ہے۔
(٥) سورج کے جو منافع ذکر کیے گئے ہیں وہ چاند میں بھی موجود ہیں، غذا سورج سے پکتی ہے اور اس میں ذائقہ چاند کی کرنوں سے آتا ہے۔
(٦) سورج اور چاند کے فوائد تمام مخلوق کو حاصل ہوتے ہیں اور یہ اس کی دلیل ہے کہ ان دونوں کا خالق واحد ہے، کیونکہ اگر ان کے خالق متعدد ہوتے تو ان کے فوائد تمام مخلوق کو حاصل نہ ہوتے بلکہ ہر خالق صرف اپنی مخلوق کو ان کے فوائد پہنچاتا۔

فرمایا: اور دن کی قسم! جب وہ سورج کو نمایاں کرے۔

دن کن چیزوں کو ظاہر کرتا ہے:

اس آیت میں "جلاھا" کا لفظ ہے، یہ "تجیلۃ" سے بنا ہے، اس کا معنی کشف اور اظہار ہے، زجاج نے کہا: اس کی ضمیر سورج کی طرف راجع ہے اور اس کا معنی ہے: جب دن نے سورج کو ظاہر کر دیا، دن سورج کی روشنی کو کہتے ہیں پس جب دن زیادہ روشن ہوگا تو سورج زیادہ ظاہر ہوگا کیونکہ اثر کی قوت موثر کی قوت کو ظاہر کرتی ہے، لہٰذا دن سورج کو ظاہر کرتا ہے اور جمہور نے کہا: یہ ضمیر دنیا یا زمین کی طرف راجع ہے، اگرچہ اس کا پہلے ذکر نہیں ہے اور اس کا معنی ہے: دن نے دنیا کو یا زمین کو ظاہر کر دیا۔ (تفسیر کبیر ج ۸ ص ۱۷۵)

امام ابو منصور ماتریدی نے کہا: اس آیت کے کئی محمل ہیں: دن نے دنیا کو ظاہر کر دیا، دن نے زمین کو ظاہر کر دیا، دن نے سورج کو ظاہر کر دیا، رات کی ظلمت کو جن چیزوں کو چھپالیا تھا، دن کے نور نے آنکھوں کے ذریعہ ان چیزوں کو ظاہر کر دیا۔
(تاویلات اہل السنۃ ج ٥ ص ٤٦٣)

فرمایا: اور رات کی قسم! جب وہ اس کو چھپائے۔

رات اور دن کی سلطنت کا سورج اور چاند سے زیادہ ہونا:

اس کا مطلب یہ ہے کہ رات دنیا کو چھپالیتی ہے، یا روئے زمین کو چھپالیتی ہے یا سورج کو چھپالیتی ہے یا اپنی ظلمت سے مخلوق کو آنکھوں سے چھپالیتی ہے، سورج اور چاند کی بہ نسبت رات اور دن کے توارد میں زیادہ سلطنت اور زیادہ تصرف ہے، کیونکہ رات اور دن کے تعاقب اور آنے جانے سے مدتیں پوری ہوتی ہیں اور عمریں تمام ہوتی ہیں اور کوئی شخص اپنے آپ کو ان کی زد سے بچا نہیں سکتا، سورج کی حدت اور تیز روشنی کی زد سے انسان خود کو بچا سکتا ہے کہ وہ ایسے حجاب مین چلا جائے جہاں سے سورج نظر نہ آئے، اسی طرح اگر کسی انسان کو چاند کو روشنی اچھی نہ لگے تو وہ کسی اوٹ میں رہ کر چاند سے چھپ سکتا ہے لیکن دن اور رات کی گردش کی زد سے کوئی شخص بچ نہیں سکتا۔

دن کا فائدہ یہ ہے کہ دن میں جب خوب روشنی پھیل جاتی ہے تو انسان اور حیوان سب اپنے معاش اور روزی کے حصول کے

لیے نکلتے ہیں اور جدو جہد کرتے ہیں اور رات کا فائدہ یہ ہے کہ دن میں کی ہوئی جدو جہد سے اعصاب تھک جاتے ہیں تو رات کی نیند اس تھکاوٹ کو اتارتی ہے۔

الشمس ۵ : میں فرمایا : اور آسمان کی قسم! اور جس نے اس کو بنایا۔

"ومابناھا" میں "ما" سے مراد:

زجاج نے کہا : اس آیت میں لفظ "ما" الذی " کے معنی میں ہے، ہر چند کہ "ما" کی وضع غیر ذوی العقول کے لیے ہے لیکن کبھی اس کا مجازاً استعمال ذوی العقول کے لیے بھی ہوتا ہے، اور ایک قول یہ ہے کہ اس آیت میں "ما"، " من " کے معنی میں ہے اور دونوں تاویلوں کے اعتبار سے یہ قسم اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہے، پہلی تاویل کے اعتبار سے معنی اس طرح ہے، سورج، چاند، دن، رات اور آسمان بنانے والے کی قسم! اور دوسری تاویل کے اعتبار سے معنی اس طرح ہے : اور آسمان کی قسم اور جس نے اس کو بنایا۔ (تاویلات اہل السنۃ ج ۵ ص ٤٦٥)

اس آیت میں لفظ "ما" " من " کے معنی میں ہے، رہا یہ سوال کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں لفظ "ما" کو کیوں استعمال فرمایا اور لفظ " من " کو کیوں استعمال نہیں فرمایا تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر اللہ عزوجل لفظ " من " استعمال فرماتا تو اس سے اللہ تعالیٰ کی ذات مراد ہوتی یعنی آسمان کی قسم اور جس ذات نے آسمان کو بنایا اور لفظ "ما" سے اللہ تعالیٰ کی صفت کی طرف اشارہ ہے، یعنی آسمان کی قسم! اور اس عظیم چیز کی قسم جو اس آسمان کو بنانے پر قادر ہے۔

فرمایا : اور زمین کی قسم اور جس نے اس کو چھپایا۔

اس آیت میں "طحھا" کا لفظ ہے، یہ "الطحو" سے بنا ہے، اور یہ "الدحو" کی مثل ہے، اس کا معنی بھی پھیلانا ہے، جیسے اس آیت میں فرمایا:

وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا۔ (النازعات ۳۰) اور آسمان کو بنانے کے بعد زمین کو پھیلایا۔

یعنی زمین کا مادہ پہلے بنایا، پھر آسمانوں کو بنایا اور ان کو ہموار کیا، اس کے بعد زمین کو پھیلایا۔

فرمایا : اور نفس کی قسم! اور جس نے اس کو درست بنایا۔

نفس انسان کی قسم سے مراد:

اس سے پہلے مفرد چیزوں کی قسم کھائی تھی، جیسے سورج، چاند، آسمان اور زمین اور اب اس چیز کی قسم کھائی جو عناصر اربعہ سے مرکب ہے اور وہ نفس انسان ہے، یہ بھی ہوسکتا ہے کہ نفس سے مراد انسان کا جسم ہو اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ نفس سے مراد نفس ناطقہ یا قوت مدبرہ ہو، اگر اس سے مراد انسان کا جسم ہے تو اس کو درست بنانے سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے اعضاء کو معتدل اور متوسط بنایا اور ہر عضو کو اس کی مناسب جگہ رکھا، مثلاً دماغ جو پورے جسم کا حاکم ہے، اس کو سر میں رکھا، جو جسم میں سب سے اوپر ہے اور دل جس پر حیات کا مدار ہوتا ہے اس کو جسم کے وسط اور سینہ میں رکھا، اور بول و براز کو مثانہ

اور بڑی عزت میں رکھا جو پیٹ کے نچلے حصہ میں ہے اور یہ بہت حکیمانہ تدبر ہے۔
اس آیت میں نفس کو نکرہ ذکر کیا ہے، اس کے دو مطلب ہیں یا تو اس سے نفس کامل مراد ہے یا عام نفس مراد ہے، اگر نفس کامل مراد ہے تو وہ نفس قدسیہ نبویہ ہے، کیونکہ ہر کثرت کسی وحدت کے تابع ہوتی ہے اور وہ فرد واحد ان کثیر کا رئیس ہوتا ہے اور عناصر مرکبہ کے تحت کئی انوار ہیں اور اقسام ہیں اور ان کا رئیس حیوان ہے اور حیوان کا تحت کئی انواع ہیں اور ان کا رئیس انسان ہے اور انسان کے بہت افراد ہیں اور ان کا رئیس نبی ہے اور نبی کے ایک لاکھ چوبیس ہزار افراد ہیں اور ان کے رئیس نبی الانبیاء سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہیں، خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کے مفردات اور عناصر کی قسم کھانے کے بعد مقصود کائنات اور خلاصہ موجودات، فخر آدم وبنی آدم سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی قسم کھائی ہے۔
نفس کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ اس سے عام نفس مراد ہو اور اس سے مراد نفس انسان ہے، کیونکہ تمام نفوس میں انسان ہی اشرف المخلوقات ہے اور نفس انسان کے عموم کی مراد ہونے پر یہ آیت قرینہ ہے:
عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّآ اَحْضَرَتْ۔ (التکویر: ۱۴) اس دن ہر شخص جان لے گا جو کچھ لے کر آیا ہے۔
فرمایا: پھر اس (نفس) کو اس کے برے کام اور ان سے بچنے کا طریقہ سمجھا دیا۔

"الہام" کا معنی:

اس آیت میں "الہام" کا لفظ ہے، اس کا اصل معنی ابلاغ اور پہنچانا ہے، اور عرف میں اس کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ کا کسی چیز کو بندے کے دل میں ڈالنا، یعنی اللہ تعالیٰ نے بندے کے دل میں یہ ڈال دیا کہ فلاں فلاں کام برا ہے اور اس کے دل میں یہ بھی ڈال دیا کہ ان برے کاموں سے بچنے کا طریقہ کیا ہے اور یہی "الفجور" اور "الطغوی" کا معنی ہے اور اس آیت کی نظیر یہ آیت ہے: وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ۔ (البلد: ۱۰) ہم نے اس کو (خیر اور شر کے) دونوں راستے دکھا دیئے۔
حضرت ابن عباس سے مذکورہ بالا آیت کی تفسیر میں منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر نفس میں ایک استعداد رکھی ہے۔ جس کے ذریعہ وہ بھلے برے کی تمیز کرتا ہے۔ جیسا کہ دنیا کی چیزوں کے متعلق عام مشاہدہ ہے کہ بسا اوقات نیم پاگل لوگ بھی اپنے فائدے کے ہر بات سمجھتے ہیں اور ہر فیصلہ اپنے حق میں کرتے ہیں۔ عام انسان کو اللہ تعالیٰ نے یہ الہام فرمایا ہے کہ وہ خیر و شر کو سمجھ سکے تا کہ جبریہ کی طرح بے عقل لوگ یہ اعتراض نہ کر سکیں کہ انسان تو مجبور محض تھا، لہٰذا اس کو کسی گناہ اور جرم پر سزا نہیں ہونی چاہیے۔
ایک صحابی نے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے پوچھا تھا کہ انسان جو عمل کرتے ہیں یہ تقدیر کے طے شدہ فیصلہ کی روشنی میں کرتے ہیں یا یہ ہے کہ جو کچھ یہ کر رہے ہیں وہ اب لکھا جاتا ہے اور پہلے سے کچھ نہیں ہے؟ حضور نے فرمایا تقدیر کے طے شدہ فیصلہ کے مطابق ہی لوگ عمل کرتے ہیں۔ اس نے پھر عرض کیا کہ پھر ہمارے عمل کرنے کا کیا فائدہ؟ (یعنی جو کچھ تقدیر میں لکھا جا چکا ہے، ہونا تو وہی ہے تو پھر ہم عمل کریں یا نہ کریں بظاہر تو اس پر فلاح وخسران موقوف نہیں ہیں)۔

حضور نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جس شخص کو (جنت جہنم میں سے) جس جگہ کے لیے پیدا فرمایا ہے اس کے لیے اس طرف چلنا آسان فرما دیتے ہیں (ابن کثیر)

فرمایا: جس نے اپنے نفس کو گناہوں سے پاک کرلیا وہ کامیاب ہوگیا۔ اور جس نے اپنے نفس کو گناہوں سے آلودہ کرلیا وہ ناکام ہوگیا۔

"تزکیۃ" اور "دساھا" کا معنی:

زکوۃ کا اصل معنی ہے: نمو اور زیادتی، جب کھیت لہلہانے لگتا ہے تو کہتے ہیں: "زکا الزرع" اور زکوۃ کا معنی ہے، تطہیر اور پاک کرنا، سو جو شخص گناہوں سے مجتنب رہا اور اس نے نیک کام کر کے اپنے صغائر معاف کرالیے اور توبہ کر کے اپنے کبائر معاف کرالیے، اس نے اپنے نفس کو پاک کرلیا اور اس کا تزکیہ کرلیا۔

دوسری آیت میں "دساھا" کا لفظ ہے، اس کا معنی ہے: کسی چیز کو دوسری چیز میں چھپانا، کسی چیز کو زمین میں دفن کردینا، چھپانا، گم نام کردینا۔

ان سات قسموں کے بعد جواب قسم میں فرمایا قد فلح من زکھا وقد خاب من دسھا، یعنی بامراد ہوا وہ شخص جس نے اپنے نفس کا تزکیہ کرلیا۔ تزکیہ کے اصلی معنے باطنی پاکی کے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ جس نے اللہ کی اطاعت کر کے اپنے ظاہر و باطن کو پاک کرلیا اور محروم ہوا وہ شخص جس نے اپنے نفس کو گناہوں کی دلدل میں دھنسا دیا لفظ دسی، دس سے مشتق ہے جس کے معنے زمین میں دفن کردینے کے ہیں کما قال تعالیٰ ام یدسہ فی التراب اور بعض مفسرین نے یہاں زکی اور دسی دونوں میں ضمیر فاعل اللہ کی طرف راجع کر کے معنے یہ کئے ہیں کہ بامراد ہوا وہ آدمی جس کو اللہ تعالیٰ نے پاک کردیا، اور نامراد و محروم ہوا وہ جس کو اللہ تعالیٰ نے گناہوں میں دھنسا دیا اس آیت نے کل انسانوں کو دو گروہوں میں تقسیم کردیا، ایک بامراد اور دوسرا نامراد۔

ترکیب نحوی وتحقیق صرفی:

وَالشَّمْسِ (وَ۔ اَلشَّمْسِ) وَ، حرف جار، قسمیہ، قسم، اَلشَّمْسِ، مجرور، مقسم بہ، سورج، (سورج کی قسم) وَ، حرف عطف (اور) ضُحٰیہَا (ضُحٰی۔ ہَا) ضُحٰی، مضاف، دن چڑھے، دھوپ کا پھیلنا، روشن ہونا، دھوپ، ہَا، مضاف الیہ، ضمیر واحد مؤنث غائب، اس کی، ضمیر کا مرجع، اَلشَّمْسِ، ہے، (اس کی دھوپ) وَالْقَمَرِ (وَ۔ اَلْقَمَرِ) وَ، حرف عطف، حرف جار، قسمیہ اور) قسم (، اَلْقَمَرِ، مجرور، مقسم بہ، چاند (اور چاند کی (قسم) اِذَا، ظرف زمان مستقبل بمعنی شرط (جب) تَلٰیہَا (تَلٰی۔ ہَا) تَلٰی، فعل ماضی واحد مذکر غائب تَلٰی یَتْلُوْ، مصدر تِلُوٌّ وَتُلُوٌّ، پیچھے آنا، پیچھے پیچھے چلنا، اِذَا، کی وجہ سے ترجمہ، وہ پیچھے آتا ہے، ہَا، ضمیر واحد مؤنث غائب، اس کے، ضمیر کا مرجع "اَلشَّمْسِ" ہے (وہ اس (سورج) کے پیچھے آتا ہے) وَالنَّہَارِ (وَ۔ اَلنَّہَارِ) وَ، حرف عطف، حرف جار، قسمیہ اور) قسم (، اَلنَّھَارِ، مجرور، مقسم بہ، دن (اور دن کی (قسم)) اِذَا، ظرف زمان مستقبل بمعنی شرط (جب) جَلّٰیہَا (جَلّٰی۔ ہَا) جَلّٰی، فعل ماضی واحد مذکر غائب جَلّٰی یُجَلِّیْ مصدر تَجْلِیَۃٌ، روشن کرنا، ظاہر کرنا، چمکانا، اِذَا، کی وجہ سے ترجمہ، وہ ظاہر کرتا ہے، ہَا، ضمیر واحد مؤنث غائب، اس کو (وہ اس (سورج) کو ظاہر کرتا ہے) وَالَّیْلِ (وَ۔ اَلَّیْلِ) وَ، حرف عطف، حرف جار، قسمیہ اور (قسم)، اَلَّیْلِ، مجرور، مقسم بہ، رات (اور رات کی (قسم)) اِذَا، ظرف زمان مستقبل بمعنی شرط، وقت کو ظاہر کرتا ہے (جب) یَغْشٰیہَا (یَغْشٰی۔ ہَا) یَغْشٰی، فعل مضارع

واحد مذکر غائب غَشِيَ يَغْشٰى، مصدر غَشْيٌ، ڈھانپ لینا، وہ ڈھانپ لیتی ہے، ہَا، ضمیر واحد مؤنث غائب، اس کو، ضمیر کا مرجع الشَّمْسِ ہے (وہ اس (سورج) کو ڈھانپ لیتی ہے) وَالسَّمَآءِ (وَ۔ اَلسَّمَآءِ) وَ، حرف عطف، حرف جار، قسمیہ اور (قسم)، اَلسَّمَآءِ، مجرور، مقسم بہ، آسمان، (اور آسمان کی (قسم)) وَ، حرف عطف (اور) مَا، اسم موصول (اس کی جس نے) بَنٰهَا (بَنٰى۔ہَا) بَنٰى، فعل ماضی واحد مذکر غائب بَنٰى يَبْنِيْ، مصدر بِنَآءٌ، بنانا، اس نے بنایا، ہَا، ضمیر واحد مؤنث غائب، اسے، ضمیر کا مرجع السَّمَآءِ ہے (اس نے اسے بنایا) وَالْاَرْضِ (وَ۔ اَلْاَرْضِ) وَ، حرف عطف، حرف جار، قسمیہ اور (قسم)، اَلْاَرْضِ، مجرور، مقسم بہ، زمین، (اور زمین کی (قسم)) وَ، حرف عطف (اور) مَا، اسم موصول (اس کی جس نے) طَحٰهَا (طَحٰى۔ہَا) طَحٰى، فعل ماضی واحد مذکر غائب طَحٰى يَطْحُوْ، مصدر طَحْوٌ، پھیلانا، بچھانا، اس نے بچھایا، ہَا، ضمیر واحد مؤنث غائب، اسے، ضمیر کا مرجع اَلْاَرْضِ ہے (اس نے اسے بچھایا) وَنَفْسٍ (وَ۔ نَفْسٍ) وَ، حرف عطف، حرف جار، قسمیہ اور (قسم)، نَفْسٍ، مجرور، مقسم بہ، نفس (اور نفس کی (قسم)) وَ، حرف عطف (اور) مَا، اسم موصول (اس کی جس نے) سَوّٰهَا (سَوّٰى۔ہَا) سَوّٰى، فعل ماضی واحد مذکر غائب سَوّٰى يُسَوِّيْ، مصدر تَسْوِيَةٌ، سنوارنا، درست بنانا، مکمل کرنا، ٹھیک کرنا، برابر یا ہموار کرنا، اس نے درست بنایا، ہَا، ضمیر واحد مؤنث غائب، اسے، ضمیر کا مرجع نَفْسٍ ہے (اس نے اسے درست بنایا) فَاَلْهَمَهَا (فَ۔ اَلْهَمَ۔ہَا) فَ، حرف عطف، پھر، اَلْهَمَ، فعل ماضی واحد مذکر غائب اَلْهَمَ يُلْهِمُ، مصدر اِلْهَامٌ، الہام کرنا، دل میں ڈالنا، اس نے دل میں ڈال دی، ہَا، ضمیر واحد مؤنث غائب، اس کے، ضمیر کا مرجع، نَفْسٍ، ہے (پھر اس نے اس کے دل میں ڈال دی) فُجُوْرَهَا (فُجُوْرَ۔ہَا) فُجُوْرَ، مضاف، مصدر ہے، فَجَرَ يَفْجُرُ، کا، نافرمانی کرنا، علی الاعلان گناہ کرنا، روگردانی کرنا، شریعت سے نافرمانی، نافرمانی، ہَا، مضاف الیہ، ضمیر واحد مؤنث غائب، اس کی، ضمیر کا مرجع نَفْسٍ، ہے (اس کی نافرمانی) وَ، حرف عطف (اور) تَقْوٰهَا (تَقْوٰى۔ہَا) تَقْوٰى، مضاف، اِتِّقَاءٌ، مصدر سے اسم ہے، پرہیزگاری، ہَا، مضاف الیہ، ضمیر واحد مؤنث غائب، اس کی، ضمیر کا مرجع، نَفْسٍ، ہے (اس کی پرہیزگاری) قَدْ، حرف تحقیق (یقیناً) اَفْلَحَ، فعل ماضی واحد مذکر غائب اَفْلَحَ يُفْلِحُ، مصدر اِفْلَاحٌ، کامیاب ہونا (وہ کامیاب ہو گیا) مَنْ، اسم موصول (جس نے) زَكّٰهَا (زَكّٰى۔ہَا) زَكّٰى، فعل ماضی واحد مذکر غائب زَكّٰى يُزَكِّيْ، مصدر تَزْكِيَةٌ، پاک کرنا، اس نے پاک کرلیا، ہَا، ضمیر واحد مؤنث غائب، اس کو، ضمیر کا مرجع، نَفْسٍ، ہے (اس نے اس (نفس) کو پاک کرلیا) وَ، حرف عطف (اور) قَدْ، حرف تحقیق (یقیناً) خَابَ، فعل ماضی واحد مذکر غائب خَابَ يَخِيْبُ، مصدر خَيْبَةٌ، مایوس ہونا، نامراد ہونا، ناکام ہونا (وہ ناکام ہو گیا) مَنْ، اسم موصول (جس نے) دَسّٰهَا (دَسّٰى۔ہَا) دَسّٰى، فعل ماضی واحد مذکر غائب دَسّٰى يُدَسِّيْ، مصدر تَدْسِيَةٌ، خاک میں ملا دینا، اس نے خاک میں ملا دیا، ہَا، ضمیر واحد مؤنث غائب، اسے، ضمیر کا مرجع، نَفْسٍ، ہے (اس نے اسے خاک میں ملا دیا)

آیت ۱۱ تا ۱۵

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِطَغْوٰىهَآ (۱۱) اِذِ انْۢبَعَثَ اَشْقٰىهَا (۱۲) فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ نَاقَةَ اللّٰهِ وَسُقْيٰهَا (۱۳) فَكَذَّبُوْهُ فَعَقَرُوْهَا فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ بِذَنْۢبِهِمْ فَسَوّٰىهَا (۱۴) وَلَا يَخَافُ عُقْبٰهَا (۱۵)

ترجمہ:۔

(قوم) ثمود نے اپنی سرکشی کی وجہ سے جھٹلا دیا۔(۱۱) جب اس کا سب سے بڑا بدبخت اٹھا۔(۱۲) تو ان سے اللہ کے رسول نے کہا اللہ کی اونٹنی اور اس کے پینے کی باری (کا خیال رکھو)۔(۱۳) تو انھوں نے اسے جھٹلا دیا، پس اس (اونٹنی) کی کونچیں کاٹ دیں، تو ان کے رب نے انھیں ان کے گناہ کی وجہ سے پیس کر ہلاک کر دیا، پھر اس (بستی) کو برابر کر دیا۔(۱۴) اور وہ اس (سزا) کے انجام سے نہیں ڈرتا۔(۱۵)

تفسیر:

فرمایا: (قوم) ثمود نے اپنی سرکشی کی وجہ سے جھٹلا دیا۔ الخ

قوم ثمود کی طرف حضرت صالح (علیہ السلام) مبعوث فرمائے گئے۔ صالح (علیہ السلام) نے اپنی قوم کو وہی فرمایا جو ان سے پہلے انبیاء کرام فرمایا کرتے تھے۔ حضرت صالح (علیہ السلام) نے اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے ڈرایا اور بار بار سمجھایا کہ میں تمھاری طرف اللہ کا رسول ہوں، اللہ تعالیٰ نے جو امانت میرے ذمہ لگائی ہے اسے نہایت ذمّہ داری اور دیانتداری کے ساتھ تم تک پہنچا رہا ہوں اور تم میری امانت و دیانت سے واقف ہو۔ اس لیے اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور رسول ہونے کی حیثیت سے میری تابعداری کرو، میں اپنی تابعداری اور نبوت کے کام پر تم سے کسی اجر کا طلب گار نہیں ہوں، میرا صلہ میرے رب کے ذمہ ہے۔ میں تمھیں اس بات سے متنبہ کرتا ہوں کہ جس فکر و عمل کو تم اختیار کیے ہوئے ہو اس کا انجام اچھا نہیں ہوگا یہ امن اور سلامتی کا راستہ نہیں اگر تم تائب نہ ہوئے تو یاد رکھو۔ لہلہاتے ہوئے باغ، بہتے ہوئے چشمے، سبز و شاداب کھیتیاں، کھجوروں سے لدے ہوئے باغ، پہاڑوں کو تراش تراش کر بنائے ہوئے محلات تمہیں رب ذوالجلال کے عذاب سے نہیں بچاسکیں گے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ سے ڈر کر میری اطاعت کرو۔ قوم ثمود کو اصحاب الحجر بھی کہا گیا ہے۔

اصحاب الحجر سے مراد وہ قوم اور علاقہ ہے جو مدینہ سے تبوک جاتے ہوئے راستے میں پڑتا ہے یہ علاقہ جغرافیائی اعتبار سے خلیج اربعہ کے مشرق میں اور شہر مدین کے جنوب مشرق میں واقع ہے۔ قوم ثمود ٹیکنالوجی اور تعمیرات کے معاملے میں اس قدر ترقی یافتہ تھی کہ انہوں نے پہاڑوں کو تراش تراش کر مکانات اور محلات تعمیر کرر کھے تھے تا کہ کوئی زلزلہ اور طوفان انہیں نقصان نہ پہنچا سکے۔ حضرت صالح (علیہ السلام) نے قوم کو بار بار سمجھانے کی کوشش کی کہ اے میری قوم! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو اور اخلاقی حدود سے تجاوز نہ کرو، تم اصلاح کرنے کی بجائے زمین پر فساد کرنے والے ہو، قوم نے مثبت جواب دینے کی بجائے کہا کہ اے صالح! تم اس طرح کی باتیں کرتے ہو جس طرح سحر زدہ لوگ کرتے ہیں۔ جس طرح ہم انسان ہیں تو بھی ہمارے جیسا انسان ہے اگر تو دعویٰ نبوت میں سچا ہے تو کوئی معجزہ ہمارے سامنے پیش کر۔ یاد رہے کہ ہمیشہ سے نافرمان لوگوں کا یہی وطیرہ رہا ہے کہ جب بھی کسی پیغمبر اور مصلح نے انھیں سمجھایا تو انھوں نے مصلح پر یہی الزام لگایا اور اعتراض کیا کہ تجھے تو جادو ہو گیا ہے اس لیے دیوانوں جیسی بات کرتا ہے۔ اس کے ساتھ منکرین کا یہ بھی اعتراض ہوتا تھا کہ نبی مافوق الفطرت ہستی کو ہونا چاہیے یہ تو ہماری طرح انسان ہیں۔ قوم ثمود نے حضرت صالح پر یہی الزام لگایا اور ان سے معجزہ کا مطالبہ کیا۔ اہل تفسیر نے لکھا ہے کہ قوم نے حضرت صالح (علیہ السلام) سے یہ معجزہ طلب کیا کہ ہمارے سامنے اس پہاڑ سے ایک اونٹنی نمودار ہو اور اس کے پیچھے اس کا دودھ پیتا بچہ بھی ہونا چاہیے۔ حضرت صالح (علیہ السلام) کی تائید میں اور قوم کے مطالبہ کے عین مطابق اللہ تعالیٰ نے ان کے سامنے ایک پہاڑ سے اونٹنی اور اس کا بچہ نمودار کیا جب اونٹنی اپنے بچہ کے ساتھ قوم کے سامنے آئی تو حضرت صالح (علیہ السلام) نے قوم کو سمجھایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی اونٹنی ہے ایک دن یہ پانی پیا

کرے گی اور دوسرے دن تم اور تمہارے جانور پیئیں گے، خبردار! اسے تکلیف دینے کی نیت سے ہاتھ نہ لگانا اگر تم نے اس کو تکلیف پہنچائی تو اللہ تعالیٰ کا عذاب تمھیں دبوچ لے گا۔ لیکن یہ قوم اس قدر بدبخت ہوگئی کہ ان میں سے جو زیادہ بدبخت تھا وہ تیار ہو گیا اس کا نام قدار بن سالف تھا اسی نے صالح علیہ السلام کی اونٹنی کی کوچیں کاٹی تھیں۔ اسی کے بارے میں فرمان ہے »فَنَادَوْا صَاحِبَهُمْ فَتَعَاطَىٰ فَعَقَرَ« [۱] (۵۴۔القمر:۲۹) ثمودیوں کی آواز پر یہ آ گیا اور اس نے اونٹنی کو مار ڈالا، یہ شخص اس قوم میں ذی عزت تھا شریف تھا ذی نسب تھا قوم کا رئیس اور سردار تھا۔ مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ {رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ اپنے خطبے میں اس اونٹنی کا اور اس کے مار ڈالنے والے کا ذکر کیا اس آیت کی تلاوت کی اور فرمایا کہ جیسے ابوزمعہ تھا اسی جیسا یہ شخص بھی اپنی قوم میں شریف عزیز اور بڑا آدمی تھا}۔ (صحیح بخاری ۴۹۴۲) امام بخاری رحمہ اللہ بھی اسے تفسیر میں اور امام مسلم رحمہ اللہ جہنم کی صفت میں لائے ہیں اور سنن ترمذی، سنن نسائی میں بھی یہ روایت تفسیر میں ہے۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ {رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ میں تجھے دنیا بھر کے بدبخت ترین دو شخص بتاتا ہوں ایک تو احیمر ثمود جس نے اونٹنی کو مار ڈالا اور دوسرا وہ شخص جو تیری پیشانی پر زخم لگائے گا یہاں تک کہ داڑھی خون سے تربتر ہو جائے گی}۔ (مسند احمد ۲۶۳/۴: حسن لغیرہ) اللہ کے رسول صالح علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا تھا کہ "اے قوم اللہ کی اونٹنی کو برائی پہنچانے سے ڈرو، اس کے پانی پینے کے مقرر دن میں ظلم کر کے اسے پانی سے نہ روکو تمہاری اور اس کی باری مقرر ہے"۔ لیکن ان بدبختوں نے پیغمبر علیہ السلام کی نہ مانی جس گناہ کے باعث ان کے دل سخت ہو گئے اور پھر یہ صاف طور پر مقابلہ کے لیے تیار ہو گئے اور اس اونٹنی کی کوچیں (پائے) کاٹ دیں، جسے اللہ تعالیٰ نے بغیر ماں باپ کے پتھر کی ایک چٹان سے پیدا کیا تھا جو صالح علیہ السلام کا معجزہ اور اللہ کی قدرت کی کامل نشانی تھی اللہ بھی ان پر غضبناک ہو گیا اور ہلاکت ڈال دی، اور سب پر بادلوں سے عذاب اترا۔ یہ اس لیے کہ احیمر ثمود کے ہاتھ پر اس کی قوم کے چھوٹے بڑوں نے مرد و عورت نے بیعت کر لی تھی اور سب کے مشورے سے اس نے اس اونٹنی کو کاٹا تھا اس لیے عذاب میں بھی سب پکڑے گئے۔ »وَلَا يَخَافُ« »کو« »فَلَا يَخَافُ« بھی پڑھا گیا ہے، مطلب یہ ہے کہ اللہ کسی کو سزا کرے تو اسے یہ خوف نہیں ہوتا کہ اس کا انجام کیا ہوگا؟ کہیں یہ بگڑ نہ بیٹھیں، یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ اس بدکار، احیمر نے اونٹنی کو مار تو ڈالا لیکن انجام سے نہ ڈرا، مگر پہلا قول ہی اولیٰ ہے» وَاللهُ أَعْلَمُ۔

ترکیب نحوی و تحقیق صرفی:

كَذَّبَتْ، فعل ماضی واحد مؤنث غائب كَذَّبَ يُكَذِّبُ، مصدر تَكْذِيبٌ، جھٹلانا (اس نے جھٹلایا) ثَمُودُ (ثمود) بِطَغْوَاهَآ (بِ۔ طَغْوَىٰ۔ ہا) بِ، حرف جار، سببیہ، کی وجہ سے، طَغْوَىٰ، مجرور، مضاف، طُغْيَانٌ، مصدر سے اسم، سرکشی، ہا، مضاف الیہ، ضمیر واحد مؤنث غائب، اپنی (اپنی سرکشی کی وجہ سے) إِذِ، یہ اصل میں، إِذْ، ہے، زیر اگلے لفظ سے ملانے کیلئے دی گئی ہے، ماضی کے واقعہ سے پہلے آتا ہے، ظرف زمان بمعنی، حِيْنَ (جب) إِذِ انْبَعَثَ، فعل ماضی واحد مذکر غائب اِنْبَعَثَ يَنْبَعِثُ، مصدر اِنْبِعَاثٌ، اٹھ کھڑا ہونا (وہ اٹھا) أَشْقَاهَا (أَشْقَىٰ۔ ہا) أَشْقَىٰ،

مضاف، شَقَاوَۃٌ، سے افعل التفضیل کا صیغہ، سب سے بڑا بدبخت، ہَا، مضاف الیہ، ضمیر واحد مؤنث غائب، اس کا (اس کا سب سے بڑا بدبخت) فَقَالَ (فَ۔قَالَ) فَ، حرف عطف، تو، قَالَ، فعل ماضی واحد مذکر غائب قَالَ یَقُوْلُ، مصدر قَوْلٌ، کہنا، اس نے کہا (تو اس نے کہا) لَہُمْ (لَ۔ہُمْ) لَ، حرف جار بمعنی، مِنْ، سے، ہُمْ، مجرور، ضمیر جمع مذکر غائب ان (ان سے) رَسُوْلُ اللّٰہِ۔ رَسُوْلُ، مضاف، رسول، اَللّٰہِ، مضاف الیہ، اللہ کے (اللہ کے رسول) نَاقَۃَ اللّٰہِ۔ نَاقَۃَ، مضاف، اونٹنی، اَللّٰہِ، مضاف الیہ، اللہ کی (اللہ کی اونٹنی) وَ، حرف عطف (اور) سُقْیٰہَا (سُقْیَا۔ہَا) سُقْیَا، مضاف، سَقْیٌ، مصدر سے اسم، پانی پینے کی باری، ہَا، مضاف الیہ، ضمیر واحد مؤنث غائب، اس کے، ضمیر کا مرجع، نَاقَۃِ، ہے (اس کے پانی پینے کی باری) فَکَذَّبُوْہُ (فَ۔کَذَّبُوْا۔ہُ) فَ، حرف عطف، تو، کَذَّبُوْا، فعل ماضی جمع مذکر غائب کَذَّبَ یُکَذِّبُ، مصدر تَکْذِیْبٌ، جھٹلانا، انہوں نے جھٹلایا، ہُ، ضمیر واحد مذکر غائب، اسے (تو انہوں نے اسے جھٹلایا) فَعَقَرُوْہَا (فَ۔عَقَرُوْا۔ہَا) فَ، حرف عطف، پھر، عَقَرُوْا، فعل ماضی جمع مذکر غائب عَقَرَ یَعْقِرُ، مصدر عَقْرًا، کاٹنا، کونچیں کاٹنا، انہوں نے کونچیں کاٹ دیں، ہَا، ضمیر واحد مؤنث غائب، اس کی، ضمیر کا مرجع، نَاقَۃِ، ہے (پھر انہوں نے اس کی کونچیں کاٹ دیں) فَدَمْدَمَ عَلَیْہِمْ رَبُّہُمْ بِذَنْبِہِمْ فَسَوّٰىہَا ۱۴ •• تو ان کے رب نے ان کے گناہ کے سبب ان پر تباہی ڈالی پھر اس نے انہیں (ہلاک کرکے) برابر کر دیا۔ فَدَمْدَمَ (فَ۔دَمْدَمَ) فَ، حرف عطف، تو، دَمْدَمَ، فعل ماضی واحد مذکر غائب دَمْدَمَ یُدَمْدِمُ، مصدر دَمْدَمَۃٌ، ہلاکت ڈالنا، تباہی ڈالنا، عذاب نازل کرنا، اس نے تباہی ڈالی (تو اس نے تباہی ڈالی) عَلَیْہِمْ (عَلٰی۔ہِمْ) عَلٰی، حرف جار، پر، ہِمْ، مجرور، ضمیر جمع مذکر غائب، ان (ان پر) رَبُّہُمْ (رَبُّ۔ہُمْ) رَبُّ، مضاف، رب، ہُمْ، مضاف الیہ، ضمیر جمع مذکر غائب، ان کے (ان کے رب نے) بِذَنْبِہِمْ (بِ۔ذَنْبِ۔ہِمْ) بِ، حرف جار سببیہ، کے سبب، ذَنْبِ، مجرور، مضاف، گناہ، ہِمْ، مضاف الیہ، ضمیر جمع مذکر غائب، ان کے (ان کے گناہ کے سبب) فَسَوّٰىہَا (فَ۔سَوّٰى۔ہَا) فَ، حرف عطف، پھر، سَوّٰى، فعل ماضی واحد مذکر غائب سَوّٰى یُسَوِّیْ، مصدر تَسْوِیَۃٌ، برابر کرنا، اس نے برابر کر دیا، ہَا، ضمیر واحد مؤنث غائب، اسے، ضمیر کا مرجع قوم، ثَمُوْدُ، ہے، (پھر اس نے انہیں (ہلاک کرکے) برابر کر دیا) وَ، حرف عطف (اور) لَا یَخَافُ، فعل مضارع منفی واحد مذکر غائب خَافَ یَخَافُ، مصدر خَوْفٌ، ڈرنا، خوفزدہ ہونا (وہ نہیں ڈرتا) عُقْبٰہَا (عُقْبٰی۔ہَا) عُقْبٰی، مضاف، انجام، بدلہ، عاقبت، ہَا، مضاف الیہ، ضمیر واحد مؤنث غائب، اس کے، ضمیر کا مرجع قوم ثمود کو سزا دینے کا فعل ہے۔

(الحمد للہ سورہ الشمس مکمل ہو گئی)

[سورۃ اللیل]

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

آیت ۱ تا ۱۱

وَاللَّیْلِ اِذَا یَغْشٰى (۱) وَالنَّہَارِ اِذَا تَجَلّٰى (۲) وَمَا خَلَقَ الذَّکَرَ وَالْاُنْثٰى (۳) اِنَّ سَعْیَکُمْ لَشَتّٰى (۴) فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى (۵) وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى (۶) فَسَنُیَسِّرُہٗ لِلْیُسْرٰى (۷) وَاَمَّا مَنْۢ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰى (۸) وَکَذَّبَ بِالْحُسْنٰى (۹) فَسَنُیَسِّرُہٗ لِلْعُسْرٰى (۱۰) وَمَا یُغْنِیْ عَنْہُ مَالُہٗۤ اِذَا تَرَدّٰى (۱۱)

ترجمہ:

قسم ہے رات کی جب وہ چھا جائے! (۱) اور دن کی جب وہ روشن ہو! (۲) اور اس کی جو اس نے پیدا کیا نر اور

مادہ!(۳) بے شک تمھاری کوشش یقیناً مختلف ہے۔(۴) پس جس کسی نے (اللہ کے لئے مال) دیااور تقوی اختیار کیا(۵) اورسب سے اچھی بات کو دل سے مانا(۶) توہم اس کوآرام کی منزل تک پہنچنے کی تیاری کرادیں گے(۷) اور رہا وہ شخص جس نے بخل کیا اور بے پروا ہوا۔(۸) اور اس نے سب سے اچھی بات کو جھٹلا دیا۔(۹) توہم اس کو تکلیف کی منزل تک پہنچنے کی تیاری کرادیں گے(۱۰) اوراس کا مال اس کے کسی کام نہ آئے گا جب وہ (گڑھے میں) گرے گا۔(۱۱)

کوائف:

اس سورت کا نام سورۃ الیل ہے۔ پہلی آیت کریمہ ہی میں لیل کا لفظ موجود ہے جس سے اس سورت کا نام لیا گیا ہے۔ یہ ابتدائی سورتوں میں سے ہے اس سے پہلے آٹھ سورتیں نازل ہو چکی تھیں۔ نزول کے اعتبار سے اس کا نواں نمبر ہے۔ اس کا ایک رکوع اور اکیس آیات ہیں۔

ماقبل سے ربط:

گزشتہ سورت میں فوز وفلاح اور شقاوت و بدنصیبی کے اسباب پر کلام تھا اور یہ کہ انسانی نفس اگر طہارت وتزکیہ سے آراستہ ہو تو اس پر دنیا کی عزت و سربلندی اور آخرت کی کامیابی نصیب ہوتی ہے اور اگر نفس کو شہوات کی گندگی میں آلودہ کرلیا جائے تو انسانی شرف سے محرومی کے بعد دنیا کی تباہی اور عذاب آخرت میں مبتلا ہونے کے سوا کوئی نتیجہ نہیں ہوتا، اور دنیا میں بڑی سے بڑی طاقتور قومیں اسی شقاوت و بدنصیبی کا شکار ہو کر ہلاک ہوئیں اور تاریخ عالم اس کی گواہی دیتی ہے، تو اب اس سورت میں انسان کی عملی جدوجہد کا تفاوت اور اس کا انقسام الی الخیر والی الشر بیان کیا جارہا ہے اور ساتھ ہی تاریخی حیثیت سے مکارم اخلاق ایمان وتقوی کے ایک عظیم پیکر یعنی سیدنا ابوبکر الصدیق (رض) کی مثال پیش کی جارہی ہے تاکہ دنیا ان کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کرے اور یہ کہ ہر عمل اخلاص سے کرے۔

تفسیر:۔

فرمایا:قسم ہے رات کی جب وہ چھا جائے!(۱) اور دن کی جب وہ روشن ہو!(۲) الخ

رات اور دن کے آنے جانے میں اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کی توحید پر دلائل:

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے رات اور دن اور اپنی تخلیق کی قسم کھا کر یہ بتایا ہے کہ ہر انسان کو دنیا میں کوشش دوسرے سے مختلف ہوتی ہے، اس وجہ سے ہر انسان کا انجام بھی دوسرے سے مختلف ہوتا ہے۔

اللیل ۱ : میں اللہ تعالیٰ نے رات کی قسم کھائی، جس میں ہر جاندار اپنے ٹھکانے پر پہنچ کر آرام کرتا ہے، پھر نینداس کو ڈھانپ لیتی ہے، جس سے اس کے بدن کو راحت پہنچتی ہے اور اللیل ۲ : میں اللہ تعالیٰ نے دن کی قسم کھائی کیونکہ جب دن نکلتا ہے تو اس کی روشنی سے ہر وہ چیز منکشف ہو جاتی ہے جس کو رات کے اندھیرے نے چھپا لیا تھا، اور اس ہیں اور حشرات الارض

اپنے اپنے بلوں سے نکل آتے ہیں، اگر رات ہی مستقل طور پر رہتی تو لوگوں کے لیے معاش کا حصول مشکل ہو جاتا، اور اگر دن ہی مستقل طور پر رہتا تو راحت اور آرام حاصل نہ کر سکتے، اس لیے اللہ تعالیٰ کی مصلحت اور اس کی رحمت کا تقاضا یہ تھا کہ رات کے بعد دن اور دن کے بعد رات کا سلسلہ لگاتار جاری رکھا جائے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان آیتوں میں فرمایا ہے:

وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً (الفرقان ۶۲)

وہی ہے جس نے رات اور دن کو ایک دوسرے کے پیچھے روانہ کیا۔

قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ جَعَلَ اللهُ عَلَيْكُمُ اللَّيْلَ سَرْمَدًا إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ مَنْ إِلَٰهٌ غَيْرُ اللهِ يَأْتِيكُمْ بِضِيَاءٍ أَفَلَا تَسْمَعُونَ. قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ جَعَلَ اللهُ عَلَيْكُمُ النَّهَارَ سَرْمَدًا إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ مَنْ إِلَٰهٌ غَيْرُ اللهِ يَأْتِيكُمْ بِلَيْلٍ تَسْكُنُونَ فِيهِ أَفَلَا تُبْصِرُونَ. (القصص ۷۱-۷۲)

آپ کہیے: تم یہ بتاؤ کہ اگر اللہ تم پر قیامت تک کے لیے رات کو مسلط کر دیتا تو اللہ کے سوا کون معبود ہے جو تمہارے لیے دن کی روشنی لاتا، کیا تم نہیں سنتے۔ آپ کہیے: تم پر (بھی) بتاؤ کہ اگر اللہ تم پر قیامت تک کے لیے دن کو مسلط کر دیتا تو اللہ کے سوا کون معبود ہے جو تمہارے لیے رات کو لاتا، جس میں تم راحت حاصل کرتے، کیا تم دیکھتے نہیں ہو۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اور رات کی قسم جب وہ چھپائے اس کا مفعول نہیں ذکر کیا کہ وہ کس چھپائے، بعض نے کہا: اس سے مراد ہے: وہ سورج کو چھپائے اور بعض نے کہا: اس سے مراد ہے: وہ دن کو چھپائے اور بعض نے کہا: وہ اپنی ظلمت سے ہر چیز کو چھپا لے۔

امام ابو منصور محمد بن محمد ماتریدی سمرقندی حنفی متوفی ۳۳۳ ھ فرماتے ہیں:

رات اور دن جس کا مخلوق پر بار بار آنا جانا ہوتا ہے، ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت اور اپنی توحید پر دو عظیم نشانیاں بنایا ہے، ان کو ہر شخص مانتا ہے، خواہ وہ مومن ہو یا کافر، کسی مذہب کا ماننے والا ہو یا دہریہ ہو۔ (تاویلات اہل السنۃ ج ۵ ص ٤٦٩)

فرمایا: اور اس ذات کی (قسم) جس نے نر اور مادہ کو پیدا کیا ہے۔

نر اور مادہ کو پیدا کرنے میں اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کی توحید کی نشانی:

اس آیت میں تمام مخلوق کی قسم ہے، کیونکہ کوئی مخلوق نر اور مادہ سے خارج نہیں ہے، اور رہے مخنث تو وہ بھی نر کے ساتھ لاحق ہے، یہ اور بات ہے کہ ہمارے دور میں یہ لوگ زنانہ وضع کے ساتھ رہتے ہیں۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی قدرت اور توحید کی یہ نشانی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو ایک مخصوص پانی (منی) سے پیدا کیا ہے اور ہمیشہ سے انسان اسی طرح پیدا ہو رہے ہیں، اگر یہاں متعدد خدا ہوتے تو ضرور ان کے پیدا کرنے کے طریقہ میں اختلاف ہوتا اور جب صدیوں سے انسان اس طریق واحد سے پیدا ہو رہے ہیں تو معلوم ہوا کہ ان کا پیدا کرنے والا بھی واحد ہے۔

فرمایا: بیشک تمہاری کوشش ضرور مختلف ہے۔

تمام لوگوں کے اعمال کا برابر نہ ہونا؛

اس آیت میں جواب قسم مذکور ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے رات، دن اور نر اور مادہ کی قسم کھا کر فرمایا: اس کے بندوں کے اعمال مختلف ہیں۔ اس آیت میں "شتی" کا لفظ ہے، یہ "شتیت" کی جمع ہے، جیسے مریض کی جمع "مرضیٰ" ہے "شتات" کا معنی اباعد اور افتراق ہے، یعنی تمہارے اعمال ایک دوسرے سے بعید اور مختلف ہیں، بعض لوگوں کے اعمال گم راہی ہیں اور بعض لوگوں کے اعمال ہدایت ہیں، بعض لوگوں کے اعمال ان کو جنت تک پہنچاتے ہیں اور بعض لوگوں کے اعمال ان کو دوزخ میں جھونک دیتے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ سب لوگوں کے اعمال ایک جیسے نہیں ہیں، جیسا کہ ان آیات سے بھی معلوم ہوتا ہے:

لَا يَسْتَوِيْٓ اَصْحٰبُ النَّارِ وَاَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ط (الحشر: ۲۰) دوزخ والے اور جنت والے برابر نہیں ہیں۔

افمن کان مومنا کمن کان فاسقا لا یستون۔ (السجدہ: ۱۸) آیا جو شخص مومن ہے وہ فاسق کی مثل ہو سکتا ہے، یہ دونوں برابر نہیں ہیں۔

كَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لا سَوَآءً مَّحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ ط سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ۔ (الجاثیہ: ۲۱)

کیا جو لوگ بدکاری کرتے ہیں ان کا یہ گمان ہے کہ ہم ان کو مؤمنوں اور نیکوکاروں کی مثل کر دیں گے کہ ان کا مرنا اور جینا برابر ہو جائے، یہ لوگ کیسا برا فیصلہ کر رہے ہیں۔

فرمایا؛ پس جس کسی نے (اللہ کے لئے مال) دیا اور تقوی اختیار کیا (۵) اور سب سے اچھی بات کو دل سے مانا (۶) تو ہم اس کو آرام کی منزل تک پہنچنے کی تیاری کرا دیں گے (۷) الخ

ان آیات کا خلاصہ یہ ہے کہ جس نے اللہ کے احکام پر عمل کیا اور اس کی نافرمانی اور ناشکری کرنے سے ڈر کر اس سے بچتا رہا، جو اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان لایا اور شرک اور ناشکری کرنے سے بچتا رہا۔ اور اس نے اللہ تعالیٰ کے وعد اور وعید یعنی ثواب اور عذاب کی خبر کی تصدیق کی۔ تو ہم اس کے لیے احکام شرعیہ پر عمل کرنا آسان کر دیں گے اور اسلام کی حقانیت کے لیے اس کا سینہ کھول دیں گے۔ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان نہیں لایا اور اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ثواب کی خبر سے بے پروا رہا۔ اور اللہ تعالیٰ کے وعد اور وعید کی تکذیب کی۔ تو ہم اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور اس کی مخالفت کو اس شخص کے لیے آسان کر دیں گے۔ حدیث میں ہے:

حضرت علی (رض) بیان کرتے ہیں کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ایک جنازہ میں تھے، آپ ایک تنکے سے زمین کریدنے لگے، پھر فرمایا: تم میں سے ہر شخص کا جنت میں یا دوزخ میں ٹھکانا لکھ دیا گیا ہے، صحابہ نے کہا: یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! کیا ہم اس لکھے ہوئے پر اعتماد نہ کر لیں اور عمل کو چھوڑ دیں؟ آپ نے فرمایا: عمل کرتے رہو، ہر شخص کے لیے اسی عمل کو آسان کر دیا گیا ہے جس کے لیے اس کو پیدا کیا گیا ہے، سو جو شخص اہل سعادت سے ہے، اس کے لیے اہل

سعادت کے اعمال آسان کردیئے جائیں گے اور جو شخص اہل شقاوت سے ہے، اس کے لیے اہل شقاوت کے اعمال آسان کردیئے جائیں گے، پھر آپ نے ان آیات کی تلاوت کی :" فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى۔ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى۔ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى۔"

(اللیل :۷۔۵)

(صحیح البخاری رقم الحدیث ۴۹۴۹ :،صحیح مسلم رقم الحدیث ۱۶۷۸ :)

اللہ کی راہ میں دینے کے مطلب:

فرمایا ہے :پس جس نے (اللہ کی راہ میں) دیا اور اللہ سے ڈر کر گناہوں سے بچتا رہا۔

اللہ کی راہ میں دینے سے مراد یہ ہے کہ اس نے نیکی کے تمام راستوں میں اپنا مال خرچ کیا، مقروض لوگوں کا قرض ادا کیا، غلاموں کو آزاد کیا، جیسے حضرت ابوبکر صدیق (رض) نے بہت گراں قیمت پر حضرت بلال (رض) کو امیہ بن خلف سے خرید کر آزاد کیا، اس کا دوسرا معنی یہ ہے کہ اس نے مال کے حقوق بھی ادا کیے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت اوعبادت کرکے اپنی جان کے حقوق بھی ادا کیے اور فرمایا :وہ اللہ سے ڈر کر گناہوں سے بچتا رہا، یعنی ہر قسم کے صغیرہ اور کبیرہ گناہوں سے اجتناب کرتا رہا۔

فرمایا :اور نیک باتوں کی تصدیق کرتا رہا۔

"حسنیٰ" کے متعدد مصداق:

اس آیت میں "حسنیٰ" کالفظ ہے، اس کا معنی ہے : حسن اور خوبی، اچھائی، عمدگی، نیکی اور سچائی۔

اس آیت میں نیک باتوں کے حسب ذیل محامل ہیں:

(۱) "حسنیٰ" سے مراد" لاالہ الااللہ محمد رسول اللہ " کی تصدیق ہے یعنی جس شخص نے اللہ کی راہ میں خرچ کیا اور توحید اور رسالت کی تصدیق کی کیونکہ کفر کے ساتھ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے اور گناہوں سے بچنے کا آخرت میں کوئی فائدہ نہیں ہے۔

(۲) "حسنیٰ" سے مراد بدنی عبادات اور مالی عبادات کے فرائض ہیں یعنی جس شخص نے بدنی اور مالی عبادات کے فرائض کو ادا کیا اور احکام شرعیہ کی تصدیق کی۔

(۳) "حسنیٰ" سے مراد یہ ہے کہ جو شخص اللہ کی راہ میں مال خرچ کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو مال کا عوض اور بدل عطاء فرماتا ہے، جیسا کہ اس آیت میں ہے:

وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهٗ ج(سبا :۳۹)

اور تم جو کچھ بھی اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہو، اللہ اس کا پورا بدل عطاء فرمائے گا۔

حضرت ابوہریرہ (رض) بیان کرتے ہیں کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا :ہر روز جب بندے صبح کو اٹھتے ہیں تو دو

فرشتے نازل ہوتے ہیں، ان میں سے ایک دعا کرتا ہے : اے اللہ! خرچ کرنے والے کو اس مال کا بدل عطا فرما اور دوسرا دعا کرتا ہے : اے اللہ! بخیل کے مال کو ضائع کردے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث ١٤٤٢ : ، صحیح مسلم رقم الحدیث ١٠١٠ :)

اس کی تائید اس آیت میں ہے:

مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ؕ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ (البقرۃ : ٢٦١)

جو لوگ اپنے اموال کو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں، ان کی مثال اس دانے کی طرح ہے جس نے سات خوشے اگائے اور ہر خوشے میں سو دانے ہوں اور اللہ جسے چاہتا ہے بڑھا چڑھا کر دیتا ہے۔

اور جب کہ اللہ تعالیٰ نے خرچ کرنے والے کو اس کے خرچ کیے ہوئے مال سے زیادہ بدل عطاء فرمایا تو پھر وہ ”حسنیٰ“ ہے۔

(٤) ”حسنیٰ“ سے مراد ثواب ہے اور ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد جنت ہے، ایک قول یہ ہے کہ ”حسنیٰ“ ایسا لفظ ہے جو ہر اچھی خصلت کی گنجائش رکھتا ہے۔

فرمایا : پس عنقریب ہم اس کو آسانی مہیا کریں گے۔

”یسریٰ“ کے مصداق میں متعدد اقوال:

اس آیت میں ”یسریٰ“ کا لفظ ہے، اور اس کا معنی ہے : آسانی اور سہولت اور یہاں ”یسریٰ“ کے مصداق میں حسب ذیل اقوال ہیں:

(١) ہم اس کو نیک اعمال کا طریقہ اور اچھے اور عمدہ اوصاف سے متصف ہونا سہولت سے عطا فرمائیں گے۔

(٢) بعض عبادات کو انجام دینے میں بہت مشکل اور دشواری ہوتی ہے لیکن جب انسان کو یہ یقین ہو کہ یہ عبادات اس کو جنت کی طرف سے لے جائیں گی تو اس کے لیے ان مشکل اور کٹھن عبادات کو انجام دینا آسان ہو جاتا ہے۔

(٣) جب انسان کو مال کی ضرورت ہو اور اس کو مال حرام آسانی سے مثلاً رشوت سے مل رہا ہو تو اس کے لیے اس مال حرام سے دامن کش ہونا بہت مشکل ہوتا ہے، اسی طرح جب اس پر شہوت کا غلبہ ہو اور کوئی عورت اس کو حرام کام پر ترغیب دے رہی ہو تو اس وقت اس حرام کام سے اجتناب کرنا نہایت دشوار ہوتا ہے، اور جب وہ دشمن سے انتقام لینے کے لیے سخت بے چین ہو اور اس کی موت کے گھاٹ اتارنے کا موقع آسانی سے میسر ہو، اس وقت اپنے غیظ وغضب پر قابو رکھنا بہت کٹھن ہوتا ہے، لیکن جس مسلمان کے دل میں خوف خدا اور تقویٰ ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے ان تمام مشکل کاموں کو آسان فرما دیتا ہے۔

فرمایا :اور جس نے بخل کیا اور اللہ سے بے پروا رہا۔ اور نیک باتوں کی تکذیب کی۔ پس عنقریب ہم اس کو دشواری مہیا کریں گے۔

وہ شخص جو اپنے نفس اور مال میں بخل اختیار کرتا ہے اور اللہ کریم سے بے نیازی اختیار کرتا ہے، اور اس کی ہدایات سے غافل ہوتا ہے اور اللہ کے دین اور اس کی دعوت کی تکذیب کرتا ہے، تو وہ اپنے نفس کو انتہائی شر و فساد کے لیے تیار کرتا ہے، اور پرلے درجے کے بگاڑ سے اس کو دوچار کرتا ہے، تو وہ اس بات کے مستحق ہوتا ہے کہ اللہ اس کے لیے ہر چیز مشکل کر دے اور اسے سخت راستوں کی سہولیات فراہم کی جائیں اور اسے توفیق دی جائے کہ وہ ہر قدم پر مشکلات سے دوچار ہو، اس پر آسانیوں کا دروازہ بند کر دیا جائے، اور اسے قدم قدم پر مشکلات درپیش ہوں، جو اسے راہ راست اور صراط مستقیم سے دور ہی لے جائیں۔ اور یہ شخص بدبختی کے راستے پر ہی آگے بڑھے۔ اگرچہ وہ بظاہر یہ محسوس کرے کہ وہ کامیابی کی راہ پر جا رہا ہے۔ حالانکہ وہ تو ٹھوکر کھاتا جاتا ہے اور وہ اپنی ایک ٹھوکر سے بچنے کے لیے دوسری ٹھوکر کھاتا ہے، جس کی وجہ سے وہ سیدھی راہ سے اور دور ہو جاتا ہے تاکہ وہ اللہ کی رضا سے محروم ہو جائے۔ اور جب وہ ٹھوکروں سے بھرے ہوئے اس منحرف راہ پر آگے بڑھتا ہے اور آخر کار ہلاکت کے گڑھے میں گرتا ہے تو اس وقت پھر اس کا مال اسے کوئی فائدہ نہیں دیتا، حالانکہ یہ مال ہی تھا جس نے اسے اللہ سے بے نیاز کر دیا تھا۔ اب یہ مفید نہیں ہے، اور اس کا مال اس کے کس کام آئے گا جبکہ وہ ہلاک ہو جائے۔" کسی کو شر اور فساد کے لیے سہولیات فراہم کرنا اور اسے معصیت کی توفیق دینا دراصل اسے سخت کام اور سخت راستے کی طرف موڑنا ہے۔ اگرچہ ایسا شخص اس دنیا میں کامیاب نظر آئے۔ حقیقت یہ ہے کہ جہنم سے کوئی مشکل منزل اور مشکل جائے قیام نہیں ہے اور العسریٰ سے یہاں مراد جہنم ہی ہے۔

فرمایا :اور جب وہ ہلاکت کے گڑھے میں گرے گا تو اس کا مال اس کے کسی کام نہ آئے گا۔

"تردی" کا معنی اور اس کا مصداق:

اس آیت میں "تردی" کا لفظ ہے، اس کا معنی ہے :پہاڑ سے نیچے گرا، یا گڑھے میں گرا اور خود کو ہلاکت کے لیے پیش کیا۔

ہم نے ذکر کیا ہے کہ "تردی" کا معنی ہے :پہاڑ سے گرنا، اس کی تائید اس آیت سے ہوتی ہے۔

وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيحَةُ (المائدہ :۳) اور جو جانور اونچی جگہ سے گر کر مرا ہو اور جو کسی کے سینگھ مارنے سے مرا ہو۔

مراد یہ ہے کہ اس کو تدفین کے وقت قبر میں گرا دیا گیا ہو یا اس کو جہنم کے گڑھے میں جھونک دیا گیا ہو، گویا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :جب ہم نے کافر کے لیے "العسریٰ" کو مہیا کر دیا اور وہ دوزخ ہے تو پھر وہ مال اس کے کسی کام نہ آئے گا، جس کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے وہ بخل کرتا تھا اور اس مال کو اپنے وارث کے لیے چھوڑتا تھا اور اپنی آخرت کے لیے اس کو نہیں رکھتا تھا، قرآن مجید میں ہے :

وَلَقَدْ جِئْتُمُونَا فُرَادَىٰ كَمَا خَلَقْنَاكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَتَرَكْتُم مَّا خَوَّلْنَاكُمْ وَرَاءَ ظُهُورِكُمْ ج (الانعام ۹۴)

اور تم ہمارے پاس تنہا تنہا آئے ہو، جس طرح ہم نے تم کو پہلی بار پیدا کیا تھا اور جو کچھ ہم نے تم کو دیا تھا اس کو تم اپنے پیچھے چھوڑ آئے ہو۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا ہے کہ انسان اجر آخرت کے لیے جو نیک اعمال آئے بھیجتا ہے وہی اس کو نفع دیتے ہیں مثلاً وہ ایمان لا کر اپنے مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کرے اور اللہ نے اس کے مال میں مسکینوں اور سائلوں کے جو حقوق رکھے ہیں ان کے وہ حقوق ادا کرے، نہ کہ وہ اپنے مال کو بچا بچا کر رکھے اور اپنے ورثاء کے لیے چھوڑ جائے۔

حضرت ابوبکر صدیق (رض) کی فضیلت میں سورۃ اللیل کا نزول:

امام ابو منصور محمد بن محمد ماتریدی سمرقندی حنفی متوفی ۳۳۳ھ لکھتے ہیں:

یہ سورت حضرت ابوبکر صدیق (رض) کی فضیلت میں نازل ہوئی ہے، انھوں نے حضرت بلال (رض) کو امیہ بن خلف اور ابی بن خلف سے ایک چادر اور دس اوقیہ سونے کے عوض خریدا، پھر ان کو اللہ کی راہ میں آزاد کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل کیں:

اور رات کی قسم جب وہ (دن کو) چھپا لے۔ اور دن کی (قسم) جب وہ روشن ہو۔ اور اس ذات کی (قسم) جس نے نر اور مادہ کو پیدا کیا۔ بیشک تمہاری کوشش ضرور مختلف ہے۔ (اللیل ۴ :۔۱) یعنی امیہ بن خلف اور حضرت ابوبکر کی کوشش ضرور مختلف ہے، امیہ اور ابی ایمان لانے والوں کو عذاب دینے کی کوشش کر رہے ہیں اور حضرت ابوبکر ایمان والوں کو عذاب سے نجات دلانے کی کوشش کر رہے ہیں، پھر فرمایا: پس جس نے (اللہ کی راہ میں) دیا اور اللہ سے ڈر کر گناہوں سے بچتا رہا۔ اور نیک باتوں کی تصدیق کرتا رہا۔ پس عنقریب ہم اس کو آسانی (جنت) مہیا کریں گے۔ یعنی حضرت ابوبکر کو جنہوں نے اللہ کی راہ میں اپنا مال خرچ کیا اور حضرت بلال (رض) کو امیہ بن خلف سے مہنگی قیمت پر خرید کر آزاد کیا، ان کو ہم جنت عطاء فرمائیں گے، پھر فرمایا: اور جس نے بخل کیا اور اللہ سے بے پروا رہا۔ اور نیک باتوں کی تکذیب کی۔ پس عنقریب ہم اس کو دشواری (دوزخ) مہیا کریں گے۔ یعنی امیہ بن خلف اور ابی بن خلف کو دوزخ میں جھونک دینگے، یہ تفسیر حضرت ابن مسعود (رض) سے منقول ہے۔ (تاویلات اہل السنۃ ج ۵ ص۲۷۱، مؤسسۃ الرسالۃ، ھ)

ترکیب نحوی و تحقیق صرفی:

وَاللَّيْلِ (وَ۔ اللَّيْلِ) وَ، حرف جار قسمیہ، قسم، اَللَّیْلِ، مجرور، مقسم بہ، رات (رات کی قسم) اِذَا، ظرف زمان مستقبل بمعنی شرط (جب) یَغْشٰی، فعل مضارع واحد مذکر غائب غَشِیَ یَغْشٰی، مصدر غَشْیٌ، چھا جانا، ڈھانپ لینا، (وہ چھا جاتی ہے) وَالنَّهَارِ (وَ۔ اَلنَّهَارِ) وَ، حرف عطف، حرف جار قسمیہ اور (قسم)، اَلنَّهَارِ، مجرور، مقسم بہ، دن (اور دن کی (قسم)) اِذَا، ظرف زمان، مستقبل پر دلالت کرتا ہے، بمعنی شرط (جب) تَجَلّٰی، فعل ماضی واحد مذکر غائب تَجَلّٰی یَتَجَلّٰی، مصدر تَجَلِّیْ، روشن ہونا، اِذَا، کی وجہ سے ترجمہ (وہ روشن ہوتا ہے) وَ، حرف عطف قسمیہ، اس جملہ کا عطف جملہ سابقہ پر ہے (اور) مَا، اسم موصول (اس کی جس نے) خَلَقَ، فعل ماضی واحد مذکر غائب خَلَقَ یَخْلُقُ، مصدر خَلْقًا، پیدا کرنا (اس نے پیدا کیا) اَلذَّكَرَ (نر) وَ،

حرف عطف (اور) اَنٰثٰی (مادہ) اِنَّ، حرف مشبہ بالفعل (بے شک) سَعْیَکُمْ (سَعْیَ۔ کُمْ) سَعْیَ، مضاف، کوشش، کُمْ، مضاف الیہ، ضمیر جمع مذکر حاضر، تمہاری (تمہاری کوشش) لَشَتّٰی (لَ۔ شَتّٰی) لَ، لام تاکید، یقیناً، شَتّٰی، مختلف، جداجدا، طرح طرح (یقیناً مختلف) فَاَمَّا (فَ۔ اَمَّا) فَ، حرف عطف، پھر، اَمَّا، حرف شرط و تفصیل، رہا وہ، مگر، لیکن (پھر رہا وہ) مَنْ، شرطیہ (وہ جس نے) اَعْطٰی، فعل ماضی واحد مذکر غائب اَعْطٰی یُعْطِیْ، مصدر اِعْطَآءٌ، دینا (اس نے دیا) وَ، حرف عطف (اور) اِتَّقٰی، فعل ماضی واحد مذکر غائب اِتَّقٰی یَتَّقِیْ، مصدر اِتِّقَآءٌ، ڈرنا، پرہیزگاری اختیار کرنا (اس نے پرہیزگاری اختیار کی) وَ، حرف عطف (اور) صَدَّقَ، فعل ماضی واحد مذکر غائب صَدَّقَ یُصَدِّقُ، مصدر تَصْدِیْقٌ، تصدیق کرنا، سچ ماننا (اس نے تصدیق کی) بِالْحُسْنٰی (بِ۔ اَلْحُسْنٰی) بِ، حرف جار، کی، اَلْحُسْنٰی، مجرور، حُسْنٌ، مصدر سے افعل التفضیل کا صیغہ، سب سے اچھی بات (سب سے اچھی بات کی) فَسَنُیَسِّرُہٗ (فَ۔ سَ۔ نُیَسِّرُ۔ ہٗ) فَ، حرف عطف جواب شرط، تو، سَ، حرف استقبال، فعل مضارع کو مستقبل کے معنی کیلئے مختص کرتا ہے، عنقریب، نُیَسِّرُ، فعل مضارع جمع متکلم یَسَّرَ یُیَسِّرُ، مصدر تَیْسِیْرٌ، آسان کرنا، سہولت دینا، ہم سہولت دیں گے، ہٗ، ضمیر واحد مذکر غائب، اسے (تو عنقریب ہم اسے سہولت دیں گے) لِلْیُسْرٰی (لِ۔ اَلْیُسْرٰی) لِ، حرف جار، کیلئے، اَلْیُسْرٰی، مجرور، یُسْرٌ، مصدر سے افعل التفضیل کا صیغہ، آسان طریقہ، آسان، شریعت، آسان راستہ (آسان راستہ کیلئے) وَ، حرف عطف (اور) اَمَّا، حرف شرط و تفصیل (رہا، لیکن، مگر، بہرحال) مَنْ، شرطیہ (وہ جس نے) بَخِلَ، فعل ماضی واحد مذکر غائب بَخِلَ یَبْخَلُ، مصدر بُخْلًا، بخل کرنا (اس نے بخل کیا) وَ، حرف عطف (اور) اِسْتَغْنٰی، فعل ماضی واحد مذکر غائب اِسْتَغْنٰی یَسْتَغْنِیْ، مصدر اِسْتِغْنَآءٌ، بے پرواہ رہنا (وہ بے پرواہ رہا) وَ، حرف عطف (اور) کَذَّبَ، فعل ماضی واحد مذکر غائب کَذَّبَ یُکَذِّبُ، مصدر تَکْذِیْبٌ، جھٹلانا (اس نے جھٹلایا) بِالْحُسْنٰی (بِ۔ اَلْحُسْنٰی) بِ، حرف جار، کو، اَلْحُسْنٰی، مجرور، حُسْنٌ، مصدر سے افعل التفضیل کا صیغہ، سب سے اچھی بات، اچھائی، بھلائی (سب سے اچھی بات کو) فَسَنُیَسِّرُہٗ (فَ۔ سَ۔ نُیَسِّرُ۔ ہٗ) فَ، حرف عطف جواب شرط، تو، سَ، حرف استقبال، فعل مضارع کو مستقبل کے معنی کیلئے مختص کرتا ہے، عنقریب، نُیَسِّرُ، فعل مضارع جمع متکلم یَسَّرَ یُیَسِّرُ، مصدر تَیْسِیْرٌ، آسان کرنا سہولت دینا، ہم سہولت دیں گے، ہٗ، ضمیر واحد مذکر غائب، اسے (تو عنقریب ہم اسے سہولت دیں گے) لِلْعُسْرٰی (لِ۔ اَلْعُسْرٰی) لِ، حرف جار، کیلئے، اَلْعُسْرٰی، مجرور، عُسْرٌ، مصدر سے افعل التفضیل واحد مؤنث کا صیغہ، دشواری، سختی، مشکل، مشکل راستہ (مشکل راستے (برائی) کیلئے) وَ، حرف عطف (اور) مَا، نافیہ (نہیں) یُغْنِیْ، فعل مضارع واحد مذکر غائب اَغْنٰی یُغْنِیْ، مصدر اِغْنَآءٌ، کام آنا (وہ کام آئے گا) عَنْہُ (عَنْ۔ ہُ) عَنْ، حرف جار بمعنی، بِاء، کے، ہُ، مجرور، ضمیر واحد مذکر غائب، اس، (اس کے) مَالُہٗ (مَالُ۔ ہٗ) مَالُ، مضاف، مال، ہٗ، مضاف الیہ، ضمیر واحد مذکر غائب، اس کا (اس کا مال) اِذَا، ظرف زمان مستقبل بمعنی شرط (جب) تَرَدّٰی، فعل ماضی واحد مذکر غائب تَرَدّٰی یَتَرَدّٰی، مصدر تَرَدِّیْ، گڑھے میں گرنا، اِذَا، کی وجہ سے ترجمہ (وہ گڑھے میں گرے گا)۔

آیت ۱۲ تا ۲۱

اِنَّ عَلَیْنَا لَلْهُدٰی (۱۲) وَاِنَّ لَنَا لَلْاٰخِرَةَ وَالْاُوْلٰی (۱۳) فَاَنْذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظّٰی (۱۴) لَا یَصْلٰىهَاۤ اِلَّا الْاَشْقَی (۱۵) الَّذِیْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰی (۱۶) وَسَیُجَنَّبُهَا الْاَتْقَی (۱۷) الَّذِیْ یُؤْتِیْ مَالَهٗ یَتَزَكّٰی (۱۸) وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰۤی (۱۹) اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰی (۲۰) وَلَسَوْفَ یَرْضٰی (۲۱)

ترجمہ:

بلاشبہ راہ دکھانا ہمارے ذمہ ہے (۱۲) اور بلاشبہ ہمارے ہی اختیار میں یقیناً آخرت اور دنیا ہے۔ (۱۳) پس میں نے تمھیں ایک ایسی آگ سے ڈرا دیا ہے جو شعلے مارتی ہے۔ (۱۴) جس میں اس بڑے بدبخت کے سوا کوئی داخل نہیں ہوگا۔ (۱۵) جس نے جھٹلایا اور منہ موڑا۔ (۱۶) اور عنقریب اس سے وہ بڑا پرہیزگار دور رکھا جائے گا۔ (۱۷) جو اپنا مال

(اس لیے) دیتا ہے کہ پاک ہوجائے۔(۱۸) حالانکہ اس کے ہاں کسی کا کوئی احسان نہیں ہے کہ اس کا بدلہ دیا جائے۔(۱۹) مگر صرف اپنے پروردگار بزرگ و بلند کی رضا چاہنے کے لیے۔(۲۰) اور یقیناً عنقریب وہ راضی ہوجائے گا۔(۲۱)

تفسیر:

فرمایا: بلا شبہ راہ دکھانا ہمارے ذمہ ہے، الخ

اس آیت کی توجیہات کہ اللہ پر ہدایت دینا واجب ہے:

اس آیت میں یہ الفاظ ہیں :"ان علینا للھدی۔"(اللیل ۱۲ :) اس آیت کا لفظی ترجمہ اس طرح ہے :ہم پر ہدایت دینا واجب ہے کیونکہ "علی" وجوب کے لیے آتا ہے، اور اس سے معتزلہ یہ استدلال کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ پر واجب ہے کہ وہ بندوں کے فائدہ کے لیے کام کرے، اور اس پر واجب ہے کہ جو کام بندوں کے لیے نقصان دہ ہو اس کو نہ کرے، ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ پر کچھ واجب نہیں ہے، بندوں کو ہدایت دینا اور ان کے فائدہ کے کام کرنا اس پر واجب نہیں، یہ محض اس کا لطف و کرم ہے، اسی طرح نیک مؤمنین کو جنت عطاء فرمانا اس کا فضل ہے اور بدکار کافروں کو دوزخ میں جھونکنا اس کا عدل ہے۔ رہا ان کا یہ کہنا کہ لفظ "علی" وجوب کے لیے آتا ہے، تو یہ قاعدہ کلیہ نہیں ہے، قرآن مجید میں بہت مقامات پر "علی" وجوب کے لیے نہیں ہے، مثلاً ان آیات میں:

وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ (المائدہ :۳) اور جو جانور بتوں کے لیے ذبح کیے گئے ہوں۔

وَعَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ (النحل :۹) اور سیدھی راہ پر چلانا اللہ کے ذمہ کرم پر ہے۔

وَلَوْ تَرٰىٓ اِذْ وُقِفُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ ط (الانعام :۳۰) اور کاش آپ دیکھتے جب وہ اپنے رب کے لیے کھڑے ہوں گے۔

لہٰذا اس آیت کا معنی اس طرح ہوگا : بیشک ہماری عبادت کے لیے ضرور بندوں کو ہدایت دینا ہے، یا بیشک سیدھا راستہ دکھانا ضرور ہمارے ذمہ کرم پر ہے یا جو شخص ہم سے ہدایت طلب کرے، اس کو ہدایت دینا ہمارا لطف و کرم ہے، جیسا کہ اس آیت میں فرمایا:

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ط (العنکبوت :۶۹)

اور جو لوگ ہمارے راستہ میں کوشش کرتے ہیں، ہم ضرور ان کو اپنے راستہ کی ہدایت دیتے ہیں۔

فرمایا : بیشک آخرت اور دنیا کے ہم ہی مالک ہیں۔

اللہ کی عبادت پر بتوں کی عبادت کو ترجیح دینے کی مذمت:

جو لوگ اللہ تعالیٰ کی عبادت پر بتوں کی عبادت کو ترجیح دیتے تھے، اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کی مذمت فرمائی ہے کہ تم کو معلوم ہے کہ دنیا اور آخرت ہماری ملک میں ہے اور بتوں کی ملک میں نہیں ہے، پھر تم ان کی عبادت کیوں کرتے ہو، جو دنیا

اور آخرت کے مالک نہیں ہیں، سو اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بتوں کی عبادت کرنے والوں کی مذمت فرمائی ہے۔

اس آیت کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ تم ایمان لا کر اللہ کی راہ میں کیوں خرچ نہیں کرتے اور تم اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے کیوں بخل کرتے ہو اور بے پرواہی برت رہے ہو، حالانکہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے ہی تم کو دنیا اور آخرت میں اس کا نفع ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی دنیا اور آخرت کا مالک ہے۔

فرمایا: پس میں تم کو بھڑکتی ہوئی آگ سے ڈرا چکا ہوں۔

اس آیت میں "تلظی" کا لفظ ہے، اس کا مصدر "تلظی" ہے، اس کا معنی ہے: آگ کی لپیٹیں مارنا، شعلے بلند کرنا اور بھڑکنا۔

اس آیت میں کفار کو بھی ڈرایا گیا ہے اور مؤمنین فساق کو بھی۔

فرمایا: اس میں صرف بڑا بدبخت ہی جھونکا جائے گا۔ جس نے حق کی تکذیب کی اور اس سے پیٹھ پھیری۔

دائمی عذاب پر اہل سنت والجماعت کا موقف:

یہ آیت اہل سنت و جماعت کے مؤقف کے موافق ہے کہ دوزخ میں دائمی عذاب کے لیے کفار ہی کو جھونکا جائے گا اور فساق مؤمنین اور مرتکب کبائر دائمی عذاب کے لیے دوزخ میں نہیں ڈالے جائیں گے اور چونکہ یہ آیت معتزلہ کے مسلک کے خلاف تھی، اس لیے انھوں نے اس آیت کی یہ تاویل کی کہ اس آیت میں تکذیب کی حقیقت مراد نہیں ہے، بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل نہیں کرتے اور جن کاموں سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے، ان کا ارتکاب کرتے ہیں، وہ بھی اللہ تعالیٰ کی عملاً تکذیب کرتے ہیں، لہٰذا جو مؤمنین مرتکبین کبائر ہیں، وہ بھی اللہ تعالیٰ کی تکذیب کرنے والے ہیں اور اس سے روگردانی کرنے والے ہیں، کیونکہ ابتداء میں تو وہ توحید پر ایمان لائے اور بعد میں وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کے مقابلہ میں اپنی خواہشوں پر عمل کرنے لگے، اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل نہ کرنے سے کوئی شخص اللہ تعالیٰ کا مکذب نہیں ہوتا کیونکہ بہت آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے فاسق مومن کو مکذب نہیں قرار دیا بلکہ اس پر مومن کا اطلاق کیا ہے، مثلاً فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى ط (البقرہ: ۱۷۸)

اے ایمان والو! تم پر مقتولین میں قصاص فرض کیا گیا ہے۔

قصاص قاتل پر فرض کیا جاتا ہے اور قاتل مرتکب کبیرہ ہوتا ہے اور اس آیت میں اس پر مومن کا اطلاق فرمایا ہے: لہٰذا واضح ہو گیا کہ مرتکب کبیرہ اللہ تعالیٰ کا مکذب نہیں ہوتا۔

فساق مؤمنین کے متعلق اہل سنت و جماعت کا مؤقف:

جن مؤمنین مرتکبین کبائر کو سخت عذاب سے ڈرایا گیا ہے، مثلاً سود خوروں، زانیوں، یتیم کا مال کھانے والوں، شرابیوں

جھوٹوں اور بے نمازیوں کو، ہم ان کو دی ہوئی وعیدوں کا انکار نہیں کرتے، اگر انھوں نے مرنے سے پہلے توبہ صحیحہ نہیں کی اور گناہوں کی تلافی نہیں کی تو وہ ضرور عذاب کی ان وعیدوں کے مستحق ہیں الایہ کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ان کی شفاعت فرمادیں اور یا اللہ تعالیٰ ان کو اپنے فضل محض سے معاف فرمادے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ان کو آخرت میں عذاب دیا جائے مگر یہ عذاب کفار اور مکذبین کے عذاب سے کم ہوگا، کیفیت میں بھی کم ہوگا اور مقدار میں بھی کم ہوگا، کفار کا عذاب ان کی توہین کے لیے ہوگا اور مؤمنین مرتکبین کبائر کا عذاب تطہیر کے لیے ہوگا۔

فرمایا: اور عنقریب اس دوزخ سے سب سے زیادہ ڈرانے والے کو دور رکھا جائے گا۔ جو اپنا مال اپنے باطن کو پاک کرنے کے لیے دیتا ہے۔

ان آیتوں میں یہ بتایا ہے کہ جو شخص سب سے زیادہ اللہ سے ڈرے، وہ اپنے تقویٰ، اپنے نیک اعمال اور اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے کی وجہ سے دوزخ کے عذاب سے دور رکھا جائے گا۔

کسی کے احسان کا بدلہ دینے کے لیے صدقہ کا جواز اور محض اخلاص سے صدقہ دینے کا افضل ہونا:

فرمایا: اور اس پر کسی کا کوئی (دنیاوی) احسان نہیں جس کا بدلہ دیا جائے۔ مگر اس کا مال دینا صرف اپنے رب اعلیٰ کی رضا جوئی کے لیے ہے۔ اور عنقریب اس کا رب ضرور راضی ہوگا۔

یعنی وہ شخص صرف اللہ کی رضا کے لیے زکوۃ اور صدقات دیتا ہے، کسی کا بدلہ اتارنے کے لیے زکوۃ اور صدقات نہیں دیتا ہے، اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ کسی کی نیکی کا بدلہ دینے کے لیے اس کو زکوۃ اور صدقات دینا جائز نہیں ہے، بلکہ یہ بھی جائز ہے، قرآن مجید میں ہے:

هَلْ جَزَآءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ۔ (الرحمٰن: ٦٠) نیکی کا بدلہ نیکی کے سوا اور کیا ہے۔

لیکن اس سے اعلیٰ مرتبہ یہ ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کسی کے ساتھ نیکی کی جائے اور اس کو صدقہ دیا جائے، اس کے بعد فرمایا: اور عنقریب اس کا رب ضرور راضی ہوگا اور اس کی ایک تفسیر یہ بھی ہے کہ اس شخص کو اس کا رب اتنی جزا دے گا کہ وہ اپنے رب سے راضی ہو جائے گا۔

حضرت ابوبکر کے حضرت بلال اور دیگر چھ غلاموں کو خرید کر آزاد کرنے کے متعلق روایات:

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

قتادہ بیان کرتے ہیں کہ یہ آیت حضرت ابوبکر (رض) کے متعلق نازل ہوئی ہے، انھوں نے محض اللہ کی رضا کے لیے چھ یا سات غلاموں کو آزاد کیا تھا، ان غلاموں کا حضرت ابوبکر پر کوئی احسان نہیں تھا کہ یہ کہا جائے کہ ان کا بدلہ اتارنے کے لیے ان کو حضرت ابوبکر نے خرید کر آزاد کیا تھا، ان کے آزاد کیے ہوئے غلاموں میں حضرت بلال اور حضرت عامر بن فہیرہ تھے۔

(جامع البیان رقم الحدیث ٢٩٠٢٤ :، جزء ٢٠ ص ٢٨٠ دار الفکر، بیروت، ١٤١٥ھ)

امام عبد الرحمن محمد بن ابی حاتم متوفی ٣٢٧ھ روایت کرتے ہیں:

عروہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق (رض) نے سات ایسے غلاموں کو خرید کر آزاد کیا، جنہیں اللہ پر ایمان لانے کی وجہ سے عذاب دیا جارہا تھا، وہ یہ ہیں :(١) حضرت بلال (٢) حضرت عامر بن فہیرہ (٣) حضرت نہیدہ (٤) اور ان کی بیٹی (٥) زنیرہ (٦) ام عیسیٰ (٧) بنو مومل کی باندی اور ان کے غلام خرید کر آزاد کرنے کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ١٠ ص ٣٤٤١ ـ رقم الحدیث ١٩٣٦٧ :، مکتبہ نزار مصطفی، مکہ مکرمہ، ١٢١٧ھ)

اس آیت کا مصداق حضرت ابوبکر ہیں، اس پر امام رازی کا موقف:

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ٦٠٦ھ لکھتے ہیں:

مفسرین کا اس پر اجماع ہے کہ اس آیت کا مصداق حضرت ابوبکر (رض) ہیں، اس پر یہ دلیل ہے کہ قرآن مجید میں ہے:

وَيُؤْتُونَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ۔ (المائدہ :٥٥) اور وہ حالت رکوع میں زکوۃ دیتے ہیں۔

اور اس سورت میں فرمایا ہے:

الْاَتْقَى۔ الَّذِیْ یُؤْتِیْ مَالَهٗ یَتَزَكّٰى۔ (اللیل :١٨۔ ١٧) سب سے زیادہ متقی ہے۔ جو اپنا مال زکوۃ (پاکیزگی) کے لیے خرچ کرتا ہے۔

اس آیت کے مصداق حضرت ابوبکر ہیں اور اس کی تقریر یہ ہے کہ اس "اتقی" سے مراد وہ ہے جو افضل الخلق ہو، اور جب اس طرح ہو تو پھر واجب ہے کہ اس سے مراد حضرت ابوبکر ہیں، ہم نے جو یہ کہا ہے کہ "الاتقی" سے مراد افضل الخلق ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ قرآن میں ہے:

اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ط (الحجرات :١٣)

بے شک اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ مکرم وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہو۔

اس آیت میں "الاتقی" سے مراد حضرت ابوبکر ہیں اور وہی رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے بعد افضل الخلق ہیں۔

(تفسیر کبیر ج ١١ ص ١٨٨، دار احیاء التراث العربی، ١٤١٥ھ)

(ترکیب نحوی و تحقیق صرفی:

اِنَّ، حرف مشبہ بالفعل (بے شک، بلاشبہ) عَلَیْنَا (عَلٰی۔ نَا) عَلٰی، حرف جار، پر، ذمے، نَا، مجرور، ضمیر جمع متکلم، ہمارے (ہمارے ذمے) لَلْھُدٰی (لَ۔ اَلْھُدٰی) لَ، لام تاکید، یقیناً، اَلْھُدٰی، اسم مصدر، ہدایت دینا ہدایت (یقیناً ہدایت دینا ہے) وَ، حرف عطف (اور) اِنَّ، حرف مشبہ بالفعل (بے شک، بلاشبہ) لَنَا (لَ۔ نَا) لَ، حرف جار، برائے ملکیت، کے ہی، نَا، مجرور، ضمیر جمع متکلم، ہم (ہم کے ہی، ہمارے ہی) لَلْاٰخِرَةَ (لَ۔ اَلْاٰخِرَةَ) لَ، لام تاکید، یقیناً، اَلْاٰخِرَةَ، آخرت (یقیناً آخرت) وَ، حرف عطف (اور) اَلْاُوْلٰی (پہلی، اگلی) اَوَّلُ، کی مؤنث، آخرت کے مقابلے میں اس کے استعمال سے مراد عالم دنیا ہے۔ فَاَنْذَرْتُكُمْ (فَ۔ اَنْذَرْتُ۔ كُمْ) فَ، حرف عطف، تو، اَنْذَرْتُ، فعل ماضی واحد متکلم اَنْذَرَ یُنْذِرُ،

مصدر اِنذارٌ، ڈرانا، کُمْ، ضمیر جمع مذکر حاضر، تمہیں (تو میں نے تمہیں ڈرایا ہے) نَارًا (آگ) تَلَظّٰی، اصل میں، تَتَلَظّٰی، تھا، ایک تا تخفیف کیلئے محذوف ہے، فعل مضارع واحد مؤنث غائب تَلَظّٰی یَتَلَظّٰی، مصدر تَلَظِّیٌ، بھڑکنا، شعلے مارنا (وہ شعلے مارتی ہے) لَایَصْلٰیہَآ (لَایَصْلٰی۔ہَا) لَایَصْلٰی، فعل مضارع منفی واحد مذکر غائب صَلِیَ یَصْلٰی، مصدر صُلِیٌّ، داخل ہونا، داخل نہیں ہوگا، ہَا، ضمیر واحد مؤنث غائب، اس، ضمیر کا مرجع، نَارًا، ہے (نہیں داخل ہوگا اس میں) اِلَّا، حرف استثنا (مگر، سوا) اَلْاَشْقَی۔ شَقَاوَۃٌ، مصدر سے افعل التفضیل کا صیغہ (بڑا بدبخت، انتہائی بدبخت) اَلَّذِیْ، اسم موصول واحد مذکر (جس نے) کَذَّبَ، فعل ماضی واحد مذکر غائب کَذَّبَ یُکَذِّبُ، مصدر تکْذِیْبٌ، جھٹلانا (اس نے جھٹلایا) وَ، حرف عطف (اور) تَوَلّٰی، فعل ماضی واحد مذکر غائب تَوَلّٰی یَتَوَلّٰی، مصدر تَوَلِّیٌ، منہ موڑنا، روگردانی کرنا (اس نے روگردانی کی) وَ، حرف عطف (اور) سَیُجَنَّبُہَا (سَ۔یُجَنَّبُ۔ہَا) سَ، حرف استقبال، فعل مضارع کو مستقبل کے معنی کیلئے مختص کرتا ہے، عنقریب، یُجَنَّبُ، فعل مضارع مجہول واحد مذکر غائب جَنَّبَ یُجَنِّبُ، مصدر تَجْنِیْبٌ، دور رکھنا، بچانا، وہ دور رکھا جائے گا، ہَا، ضمیر واحد مؤنث غائب، اس سے، ضمیر کا مرجع، نَارًا، ہے (عنقریب وہ اس سے دور رکھا جائے گا) اَلْاَتْقَی، اصل میں، اَوْقٰی، تھا، واؤ کو تا سے بدل دیا گیا ہے، وَقْیٌ، مصدر سے افعل التفضیل کا صیغہ (بڑا پرہیزگار) اَلَّذِیْ، اسم موصول واحد مذکر (جو) یُؤْتِیْ، فعل مضارع واحد مذکر غائب اٰتٰی یُؤْتِیْ، مصدر اِیْتَآءٌ، دینا (وہ دیتا ہے) مَالَہٗ (مَالَ۔ہٗ) مَالَ، مضاف، مال، ہٗ، مضاف الیہ، ضمیر واحد مذکر غائب، اپنا (اپنا مال) یَتَزَکّٰی، فعل مضارع واحد مذکر غائب تَزَکّٰی یَتَزَکّٰی، مصدر تَزَکِّیٌ، پاک کرنا (وہ پاک ہو جائے) وَ، حرف عطف (اور) مَا، نافیہ (نہیں) لِاَحَدٍ (لِ۔اَحَدٍ) لِ، حرف جار، کا، اَحَدٍ، مجرور، کسی ایک (کسی ایک کا) عِنْدَہٗ (عِنْدَ۔ہٗ) عِنْدَ، مضاف، ظرف مکان، ہاں، پاس، ہٗ، مضاف الیہ، ضمیر واحد مذکر غائب، اس کے، ضمیر کا مرجع مال دینے والا ہے (اس کے ہاں، اس پر) مِنْ نِّعْمَۃٍ (مِنْ۔نِعْمَۃٍ) مِنْ، حرف جار، زائدہ برائے عموم، نِعْمَۃٍ، مجرور (کوئی احسان) تُجْزٰی، فعل مضارع مجہول واحد مؤنث غائب جَزٰی یَجْزِیْ، مصدر جَزَآءٌ، بدلہ دینا (وہ بدلہ دیا جائے) اِلَّا، حرف استثنا (مگر) اِبْتِغَآءَ، مصدر ہے (چاہنا، چاہنے (کیلئے)) وَجْہِ (چہرہ، رضا، خوشنودی) جمع، وُجُوْہٌ، رَبِّہٖ (رَبِّ۔ہٖ) رَبِّ، مضاف، رب، ہٖ، مضاف الیہ، ضمیر واحد مذکر غائب، اپنے (اپنے رب) اَلْاَعْلٰی۔ عُلُوٌّ، مصدر سے افعل التفضیل کا صیغہ (سب سے بلند و برتر، سب سے اعلیٰ) وَ، حرف عطف (اور) لَسَوْفَ (لَ۔سَوْفَ) لَ، لام تاکید، ضرور، یقیناً، سَوْفَ، حرف استقبال، فعل مضارع کو مستقبل کے معنی کیلئے مختص کرتا ہے، عنقریب (یقیناً عنقریب) یَرْضٰی، فعل مضارع واحد مذکر غائب رَضِیَ یَرْضٰی، مصدر رِضْوَانٌ، راضی ہونا (وہ راضی ہو جائے گا) بندہ اللہ کی عطا سے راضی ہوگا اور اللہ بندہ کی وفا سے راضی ہوگا۔

(الحمدللہ سورہ لیل مکمل ہوگئی)

[سورۃ الضحیٰ]

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ

آیت ۱تا۵

وَالضُّحٰى (١) وَاللَّيْلِ إِذَا سَجٰى (٢) مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى (٣) وَلَلْآخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْأُولٰى (٤) وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى (٥)

ترجمہ:

قسم ہے دھوپ چڑھنے کے وقت کی!(۱) اور رات کی جب وہ چھا جائے!(۲) نہ تیرے رب نے تجھے چھوڑا اور نہ وہ ناراض ہوا۔(۳) اور بلاشبہ آپ کے لیے بعد کی حالت پہلی حالت سے بہتر ہے(۴) اور بلاشبہ عنقریب تیرا رب تجھے عطا کرے گا، پس تو راضی ہو جائے گا۔(۵)

کوائف:

اس سورت کا نام سورۃ الضحیٰ ہے۔ ضحیٰ کا لفظ پہلی ہی آیت کریمہ میں موجود ہے جس سے اس سورت کا نام لیا گیا ہے۔ یہ سورت ابتدائی سورتوں میں سے ہے اس سے پہلے دس سورتیں نازل ہو چکی تھیں۔ نزول کے اعتبار سے اس کا گیارھواں نمبر ہے۔ اس کا ایک رکوع اور گیارہ آیتیں ہیں۔

ماقبل سے ربط:

گزشتہ چند سورتوں میں آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی نبوت و رسالت کو ثابت کیا گیا تھا اور ایمان کا دارومدار آخرت پر ایمان یقین کی شکل میں ہے تو اس کے دلائل بھی ذکر فرما دیئے گئے اب اس سورت میں ان خصوصی انعامات کا ذکر ہے جن سے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ذات اقدس کو سرفراز فرمایا گیا اور ان انعامات کے ضمن میں آپ کی رسالت کے دلائل بھی ذکر کر دیئے گئے اور جن خاص کمالات اور اخلاق حسنہ سے پیغمبر کی ذات متصف ہونی چاہیے، ان کو بھی بیان کر دیا گیا،

شان نزول:

اس سورت کی شان نزول یہ ہے کہ یہود نے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے تین چیزوں کا سوال کیا۔ ایک یہ پوچھا کہ روح کی حقیقت کیا ہے۔ ویسئلونک عن الروح۔ یہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے سوال کرتے ہیں روح کے بارے میں کہ روح کی حقیقت کیا ہے؟ دوسرا سوال تھا کہ اصحاب کہف کون لوگ تھے؟ تیسرا سوال تھا کہ ذوالقرنین کون بزرگ تھے؟ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ارشاد فرمایا کہ میں تمہیں کل بتاؤں گا۔ زبان سے ان شاء اللہ کہنا بھول گئے اس بات کا تو کوئی مسلمان تصور بھی نہیں کر سکتا کہ اللہ تعالیٰ کے معصوم پیغمبر اللہ تعالیٰ سے بے پرواہ ہوں۔ لیکن ظاہری

طور پر زبان سے یہ الفاظ نہ کہہ سکے۔
اللہ تعالیٰ کی حکمت اور قدرت کہ کل کا دن آیا تو یہودیوں نے آکر کہا کہ ہمارے سوالات کا جواب دو۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا وحی نازل نہیں ہوئی۔ ایک دن گزرا، دو دن گزرے، تین دن گزرے۔ حافظ ابن کثیر (رح) فرماتے ہیں۔ فتاخر الوحی خمسۃ عشر یوما پندرہ دن وحی نازل نہ ہوئی۔ یہودیوں نے پراپیگنڈا کیا کہ کل کا وعدہ تھا جواب دوں گا ابھی اس کا کل نہیں آیا؟ اس کی بات کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔
آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے سامنے آکر جھگڑے؟ ڈالتے کہ کل نہیں آیا۔ کوئی کہتا اس کا کل قیامت والے دن آئے گا۔ مخالف کو تو بات ملنی چاہیے وہ ان کو مل گئی۔ یہود نے تو اس عنوان کے ساتھ مذاق اڑایا اور قریش مکہ نے کہا کہ اب اس کا رب ناراض ہو گیا ہے اس لیے وحی نہیں آتی۔ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی چچی جس کا نام عورا اور کنیت ام جمیلہ تھی یہ ابولہب کی بیوی اور حضرت ابوسفیان (رض) کی سگی بہن اور حضرت امیر معاویہ (رض) کی پھوپھی تھی۔ یہ خاندان قدرتی طور پر سخت مزاج تھا۔ خاندانی اثرات لوگوں میں ہوتے ہیں۔ اس نے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو آکر کہا کہ وہ تیرا شیطان اب تیرے پاس نہیں آتا وہ تیرا پیچھا چھوڑ گیا ہے قدترک شیطانک بخاری شریف کی روایت ہے حضرت جبرائیل (علیہ السلام) کے متعلق کہتی تھی وہ تجھے چھوڑ گیا ہے۔ عجیب قسم کا منظر تھا۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ سورت نازل فرمائی۔

تفسیر:۔

فرمایا: قسم ہے دھوپ چڑھنے کے وقت کی! الخ

دن اور رات کی قسم کھانے کی توجیہ:

مشرکین کا یہ دعویٰ تھا کہ سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو آپ کے رب نے چھوڑ دیا اور وہ آپ سے بےزار ہو گیا، اب ان پر لازم تا کہ وہ اپنے اس دعویٰ پر گواہ پیش کرتے اور جب وہ اپنے اس دعویٰ پر گواہ نہیں پیش کر سکے تو قاعدہ کے مطابق آپ پر لازم تھا کہ آپ ان کے اس دعویٰ کے انکار پر قسم اٹھاتے، پس قسم آپ پر آئی تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کی جگہ دن اور رات کی قسم کھا کر فرمایا : آپ کے رب نے آپ کو نہ چھوڑا ہے، نہ وہ آپ سے بےزار ہوا ہے، اور یہ واضح فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا اور آپ کا معاملہ واحد ہے، آپ کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے، آپ کی رضا اللہ کی رضا ہے، آپ کی بیعت اللہ کی بیعت ہے، اسی طرح جو قسم آپ پر لازم آتی ہے، وہ اللہ پر قسم ہے، اسی لیے فرمایا : دن کی قسم اور رات کی قسم! آپ کے رب نے آپ کو چھوڑا ہے نہ وہ آپ سے بےزار ہوا ہے۔
نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر جو چند دن وحی نہیں نازل کی گئی تھی، اس کی وجہ یہ تھی کہ ابتداء میں نزول وحی سے آپ گھبرا جاتے تھے اور خوف زدہ ہو جاتے تھے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے چند دن کے لیے آپ سے سلسلہ نزول وحی کو موقوف کر دیا، تاکہ آپ وحی کا انتظار کریں اور آپ کے دل میں اس کا اشتیاق پیدا ہو، حتیٰ کہ جب حضرت جبرائیل آپ پر سورۃ الضحیٰ لے کر

نازل ہوئے تو آپ نے فرمایا، تم اب تک نہیں آئے حتیٰ کہ میں تمہارا مشتاق ہو گیا تھا، حضرت جبرائیل نے کہا : میں آپ سے زیادہ آپ کا مشتاق تھا کیونکہ آپ اللہ عزوجل کے نزدیک بہت مکرم ہیں لیکن میں وحی لانے میں اللہ تعالیٰ کے حکم کا پابند ہوں اور اس کے حکم پر چلتا ہوں۔ (تفسیر مقاتل ج ۳ ص)

والضحیٰ واللیل" (دن اور رات) کی قسم کا مطلب :

اللہ تعالیٰ نے دن اور رات کی جو قسم کھائی ہے، اس میں دن اور رات سے کیا مراد ہے؟ اس میں حسب ذیل اقوال ہیں :

علامہ عبدالکریم بن ھوازن قیشری نیشاپوری لکھتے ہیں :

(۱) اس سے مراد ہے : چاشت کے وقت کی نماز کی قسم یا دن کی اس ساعت کی قسم جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کو کلام سے مشرف کیا تھا۔

امام فخرالدین محمد بن عمر رازی متوفی 606ھ لکھتے ہیں :

(۲) والضحیٰ " سے مراد ہے : آپ کے روشن چہرے کی قسم (اور "واللیل " سے مراد ہے : آپ کی سیاہ زلفوں کی قسم)۔

۳) "والضحیٰ " سے مراد ہے : نزول وحی کے ایام کی قسم اور "واللیل " سے مراد ہے : اس زمانہ کی قسم! جب آپ سے نزول وحی کو روک لیا گیا۔

(۴) "والضحیٰ " سے مراد ہے : ابتداء میں اسلام کے ظہور کی قسم اور "واللیل " سے مراد ہے : قرب قیامت میں اسلام کے خفا کی قسم، جیسا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا، اسلام ابتداء میں اجنبی تھا اور عنقریب اجنبی ہو جائے گا۔ (مسند حمد ج ۴ ص 73)

(۵) "والضحیٰ " سے مراد ہے : آپ کی ظاہر حیات کی قسم جس میں مخلوق نے آپ کا کوئی عیب نہیں دیکھا اور "واللیل "

سے مراد ہے : آپ کی حیات کے باطن کی قسم جس میں عالم الغیب نے آپ کا کوئی عیب نہیں دیکھا۔ (تفسیر کبیر ج ۱۱ ۱۹۲ دار احیاء التراث العربی، بیروت 1415ھ)

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی متوفی 1239ھ لکھتے ہیں :

(۶) "والضحیٰ " سے مراد ہے : آپ کے یوم ولادت کی قسم اور "واللیل " سے مراد ہے : آپ کی شب معراج کی قسم یا آپ کی وفات کی شب کی قسم۔

(۷) "والضحیٰ " سے مراد ہے : آپ کی امت کی خوبیوں کو ظاہر کرنے کی قسم اور "واللیل " سے مراد ہے : آپ کے امت کے عیوب کو چھپانے کی قسم۔

علامہ سید محمود آلوسی متوفی 1270ھ لکھتے ہیں،

(۸) علامہ طیبی قدس سرہ نے کہا ہے : دن اور رات کی قسم اس لیے کھائی ہے کہ ان میں دو نمازیں ہیں، جو آپ کے ساتھ مخصوص ہیں، دن کی نماز کے متعلق آپ نے فرمایا : مجھ کو چاشت کی نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا اور تم کو اس کا حکم نہیں دیا گیا اور رات کی نماز کے متعلق قرآن مجید میں ہے۔

و من الیل فتہجد بہ نافلۃ لک (بنی اسرائیل :۷۹) اور آپ رات کو تہجد کی نماز پڑھیے، وہ خصوصیت سے آپ کے لیے زائد ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ آپ کی نماز چاشت کی قسم اور آپ کی نماز تہجد کی قسم۔

فرمایا : آپ کے رب نے آپ کو نہیں چھوڑا اور نہ وہ بے زار ہوا۔

مذکورہ بالا آیت کی تفسیر شانِ نزول میں دیکھ لی جائے۔

فرمایا : اور بیشک بعد والی ساعت آپ کے لیے پہلی ساعت سے بہتر ہے۔

دن بہ دن نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی عزت اور کرامت کا زیادہ ہونا:

یعنی اللہ تعالیٰ دن بہ دن آپ کی عزت اور وجاہت میں اضافہ فرماتا رہے گا اور فراعنہ وقت اور منکروں اور معاندوں پر آپ کو غلبہ عطا فرماتا رہے گا اور آپ کو بہ کثرت فتوحات عطا فرماتا رہے گا اور آپ کے متبعین اور پیروکار بڑھاتا رہے گا اور آپکے علوم اور معارف اور درجات میں ترقی عطا فرماتا رہے گا اور آپ کا ہر بعد والا زمانہ پہلے زمانہ سے بڑھ چڑھ کر اور افضل اور اعلیٰ ہو گا اور یا اس کا مطلب یہ ہے کہ دنیاوی مہمات کے مقابل ہمیں اخروی درجات کی ترقی میں کوشش کرنا آپ کے زیادہ لائق ہے۔

جب اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا، آپ کے رب نے آپ کو نہیں چھوڑا تو نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو اس سے عزت اور جاہت حاصل ہوئی اور آپ کو اس سے خوشی ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ بتایا کہ یہ مرتبہ اگرچہ عظیم ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے پاس آپ کے لیے آخرت میں اس سے بھی بڑا مرتبہ ہے، نیز اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے آپ سے یہ وعدہ کیا ہے کہ ہر روز ہر ساعت اللہ تعالیٰ آپ کو گزری ہوئی ساعت سے بڑھ کر عزت اور بلندی عطا فرمائے گا، آپ یہ نہ گمان کریں کہ میں آپ سے ناراض ہوں بلکہ میں ہر روز آپ کو پہلے سے زیادہ سعادت اور کرامت عطا فرماؤں گا۔

فرمایا؛ عنقریب آپ کا رب آپ کو اتنا دے گا کہ آپ راضی ہو جائیں،

اس میں حق تعالیٰ نے یہ متعین کر کے نہیں بتلایا کہ کیا دیں گے اس میں اشارہ عمومی کی طرف ہے کہ آپ کی ہر مرغوب چیز آپ کو اتنی دیں گے کہ آپ راضی ہو جائیں۔ آپ کی مرغوب چیزوں میں دین اسلام کی ترقی، دین اسلام کا عام طور پر دنیا میں پھیلنا پھر امت کی ہر ضرورت اور خود آپ کا دشمنوں پر غالب آنا، ان کے ملک میں اللہ کا کلمہ بلند کرنا اور دین حق پھیلانا سب داخل ہیں۔ حدیث میں ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا اذا لا ارضی و واحد من امتی

فی النار یعنی جب یہ بات ہے تو میں اس وقت تک راضی نہ ہوں گا جب تک میری امت میں سے ایک آدمی بھی جہنم میں رہے گا (قرطبی) اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ میری امت کے بارے میں میری شفاعت قبول فرمائیں گے یہاں تک کہ حق تعالیٰ فرمادیں گے رضیت یا محمد، اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اب بھی آپ راضی ہیں، تو میں عرض کروں گا یارب رضیت یعنی اے میرے پروردگار میں راضی ہوں اور صحیح مسلم میں حضرت عمرو بن عاص کی روایت ہے کہ ایک روز رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے وہ آیت تلاوت فرمائی جو حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کے متعلق ہے **فمن تبعنی فانہ منی ومن عصانی فانک غفور رحیم** پھر دوسری آیت تلاوت فرمائی جس میں حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کا قول ہے **ان تعذبھم فانھم عبادک** پھر آپ نے دعا کے لیے دونوں ہاتھ اٹھائے اور گریہ وزاری شروع کی اور بار بار فرماتے تھے **اللھم امتی امتی**، حق تعالیٰ نے جبرائیل امین کو بھیجا کہ آپ سے دریافت کریں کہ آپ کیوں روتے ہیں (اور یہ بھی فرمایا کہ اگرچہ ہمیں سب معلوم ہے) جبرائیل امین آئے اور سوال کیا، آپ نے فرمایا کہ میں اپنی امت کی مغفرت چاہتا ہوں۔ حق تعالیٰ نے جبرائیل امین سے فرمایا کہ پھر جاؤ اور کہہ دو کہ اللہ تعالیٰ آپ سے فرماتے ہیں کہ ہم آپ کو آپ کی امت کے بارے میں راضی کردیں گے اور آپ کو رنجیدہ نہ کریں گے۔

ترکیب نحوی وتحقیق صرفی:

وَالضُّحٰی (وَ۔اَلضُّحٰی) وَ، حرف جار، قسمیہ، قسم ہے، اَلضُّحٰی، مقسم بہ، دن چڑھے، دھوپ کا پھیلنا اور روشن ہونا، وہ وقت جب دھوپ چڑھ جائے، روز روشن (قسم ہے دھوپ چڑھنے کے وقت) وَالَّیْلِ (وَ۔اَلَّیْلِ) وَ، حرف عطف، حرف جار، قسمیہ، اور (قسم)، اَلَّیْلِ، مجرور، مقسم بہ، رات (اور رات کی (قسم)) اِذَا، ظرف زمان بمعنی شرط (جب) سَجٰی، فعل ماضی واحد مذکر غائب سَجٰی یَسْجُوْ، مصدر سَجْوًا، خاموش ہونا، تاریکی میں ڈوب جانا، چھاجانا، اِذَا، کی وجہ سے ترجمہ (وہ چھاجائے) مَا، نافیہ (نہ) وَدَّعَکَ (وَدَّعَ۔کَ) وَدَّعَ، فعل ماضی واحد مذکر غائب وَدَّعَ یُوَدِّعُ، مصدر تَوْدِیْعٌ، چھوڑنا، اس نے چھوڑا، کَ، ضمیر واحد مذکر حاضر، آپ کو (اس نے آپ کو چھوڑا) رَبُّکَ (رَبُّ۔کَ) رَبُّ، مضاف، رب، کَ، مضاف الیہ، ضمیر واحد مذکر حاضر، آپ کے (آپ کے رب نے) وَ، حرف عطف (اور) مَا، نافیہ (نہ) قَلٰی، فعل ماضی واحد مذکر غائب قَلٰی یَقْلُوْ، مصدر قَلْوٌ وَقَلْیًا، ناراض ہونا، بیزار ہونا (وہ ناراض ہوا ہے) وَ، حرف عطف (اور) لَلْاٰخِرَۃُ (لَ۔اَلْاٰخِرَۃُ) لَ، لام تاکید، ضرور یقینا، اَلْاٰخِرَۃُ، آخرت، انجام، پیچھے آنے والی حالت، پچھلی حالت، بعد کی گھڑی (یقیناً بعد کی گھڑی) خَیْرٌ (بہتر) لَکَ (لَ۔کَ) لَ، حرف جار، کیلئے، کَ، مجرور، ضمیر واحد مذکر حاضر، آپ (آپ کیلئے) مِنَ الْاُوْلٰی (مِنَ۔اَلْاُوْلٰی) مِنَ، حرف جار، سے، اَلْاُوْلٰی، مجرور، اَوَّلُ، کا مونث، اگلی، پہلی، آخرت کے مقابلے میں اس کا استعمال عالم دنیا مراد ہوتا ہے، کیونکہ وہ آخرت سے پہلے ہے (پہلی سے) وَ، حرف عطف (اور) لَسَوْفَ (لَ۔سَوْفَ) لَ، لام تاکید، ضرور، یقینا، سَوْفَ، حرف استقبال، عنقریب، (یقیناً عنقریب) یُعْطِیْکَ (یُعْطِیْ۔کَ) یُعْطِیْ، فعل مضارع واحد مذکر غائب اَعْطٰی یُعْطِیْ، مصدر اِعْطَآءٌ، عطا کرنا، دینا، وہ عطا کرے گا، کَ، ضمیر واحد مذکر حاضر، آپ کو (وہ آپ کو عطا کرے گا) رَبُّکَ (رَبُّ۔کَ) رَبُّ، مضاف، رب، پروردگار، کَ، مضاف الیہ، ضمیر واحد مذکر حاضر، آپ کا (آپ کا رب) فَتَرْضٰی (فَ۔تَرْضٰی) فَ، حرف عطف، پس، تَرْضٰی، فعل مضارع واحد مذکر حاضر رَضِیَ یَرْضٰی، مصدر رِضْوَانٌ، راضی ہونا، آپ راضی ہوجائیں گے (پس آپ راضی ہوجائیں گے)

آیت ۶تا۱۱

أَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيمًا فَآوَىٰ (۶) وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَىٰ (۷) وَوَجَدَكَ عَائِلًا فَأَغْنَىٰ (۸) فَأَمَّا الْيَتِيمَ فَلَا تَقْهَرْ (۹) وَأَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْهَرْ (۱۰) وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ (۱۱)

ترجمہ:

کیا اس نے تجھے یتیم نہیں پایا، پس جگہ دی۔(۶) اور اس نے تجھے راستے سے ناواقف پایا تو راستہ دکھا دیا۔(۷) اور اس نے تجھے تنگدست پایا تو غنی کر دیا۔(۸) پس یتیم پر تو بھی سختی نہ کیا کر(۹) اور نہ سوال کرنے والے کو ڈانٹ ڈپٹ کر(۱۰) اور اپنے رب کی نعمتوں کو بیان کرتا رہ۔(۱۱)

تفسیر:۔

فرمایا: کیا اس نے تجھے یتیم نہیں پایا، پس جگہ دی: الخ

رب العلمین کی رحمۃ للعلمین پر نوازشات:

سابقہ انعام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ کیا اللہ نے آپ کو یتیم نہیں پایا تھا۔ پھر اس حالت میں آپ کی پرورش کس طریقہ پر کی۔ آپ کو ٹھکانا دیا۔ باپ کا سایہ ولادت سے پہلے اٹھ چکا تھا۔ چھ سال کی عمر میں والدہ بھی وفات پا گئی۔ پھر اللہ نے قوم کے سردار عبد المطلب کے دل میں آپ کی محبت ڈال دی۔ جس نے آپ کی پرورش نہایت اچھے طریقے پر کی۔ دو سال کے عرصے بعد دادا بھی فوت ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی پرورش کی خدمت آپ کے چچا ابو طالب سے لی۔ وہ آپ کو سفر و حضر میں ساتھ رکھتا تھا۔ تاکہ خدانخواستہ آپ کو کوئی گزند نہ پہنچ جائے۔ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی خاص مہربانی سے ہوا ایک اور بہت بڑی مہربانی اللہ نے یہ کی کہ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ناواقف تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو شریعت اور کتاب کا علم دیا اور منزل مقصود تک پہنچایا۔

فرمایا؛ اور اس نے تجھے راستے سے ناواقف پایا تو راستہ دکھا دیا۔

دلِ بے قرار کو قرار آ گیا:

جب حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جوان ہوئے، قوم کے مشرکانہ اطوار اور بیہودہ رسم و رواج سے سخت بیزار تھے اور قلب میں خدائے واحد کی عبادت کا جذبہ پورے زور کے ساتھ موجزن تھا۔ عشق الٰہی کی آگ سینہ مبارک میں بڑی تیزی سے بھڑک رہی تھی۔ وصول الی اللہ اور ہدایت خلق کی اس اکمل ترین استعداد کا چشمہ جو تمام عالم سے بڑھ کر نفس قدسی میں ودیعت کیا گیا تھا۔ اندر ہی اندر جوش مارتا تھا، لیکن کوئی صاف کھلا ہوا راستہ اور مفصل راستہ اور مفصل دستور العمل بظاہر دکھائی نہ دیتا تھا جس سے اس عرش و کرسی سے زیادہ وسیع قلب کو تسکین ہوتی۔ اسی جوش طلب اور فرط محبت میں آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بے قرار اور سرگرداں پھرتے اور غاروں اور پہاڑوں میں جا کر مالک کو یاد کرتے اور محبوب حقیقی کو پکارتے۔ آخر اللہ تعالیٰ

نے "غارِ حرا" میں فرشتہ کو وحی دے کر بھیجا اور وصول الی اللہ اور اصلاح خلق کی تفصیلی راہیں آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر کھول دیں۔یعنی دین حق نازل فرمایا۔

حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا استغناء:

اس کے بعد اگلے احسان کے متعلق فرمایا **ووجدک عائلا** ابتدائی دور میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو مفلس پایا **فاغنی** پس اس نے مستغنی کر دیا، بے پرواہ کر دیا۔عائل کا معنی، محتاج ہوتا ہے۔یعنی آپ کی مالی حالت کمزور تھی۔عائل کا دوسرا معنی عیالدار بھی ہوتا ہے۔جس کی کفالت میں اہل وعیال زیادہ ہوں اور ضروریات زندگی بخوبی پوری نہ ہوتی ہوں۔حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ابتدائی زندگی احتیاج کی زندگی تھی بچپن میں آپ دادا اور چچا کے زیر کفالت رہے۔ بعد میں آپ نے تجارت شروع کی تو اللہ نے کافی نفع دیا۔اس کے بعد آپ مکہ کی ایک نہایت شریف اور مالدار خاتون حضرت خدیجہ کے مال میں مضاربت کرنے لگے اس سلسلہ میں آپ نے سفر بھی اختیار کیا۔اللہ تعالیٰ نے تجارت میں بڑا نفع دیا۔اس خاتون نے حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے نکاح کرلیا اور اپنا مال و دولت حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خواہش کے مطابق صرف کرنے لگی۔حضرت ابوبکر صدیق نے بھی آپ کی حسب منشا اپنی ساری دولت صرف کر دی۔حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا ارشاد ہے۔**مانفعنی مال احد قط مانفعنی مال ابی بکر** یعنی مجھے کسی کے مال نے اتنا فائدہ نہیں پہنچایا، جتنا حضرت صدیق کے مال نے الغرض! اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے نبی (علیہ السلام)! آپ نادار تھے۔ہم نے آپ کو غنی کر دیا۔

غناء قلب:

اغنیٰ کا عام فہم معنی تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ جیسی بے مثال شخصیت کو وسیع قلب، عطا فرمایا اور آپ کو وہ اخلاق حسنہ عطا کیا کہ جس کی تعریف اس نے خود فرمائی۔ **وانک لعلی خلق عظیم** " یعنی آپ عظیم اخلاق کے حامل ہیں۔دنیا کے سارے خزانے بھی آپ کی قلبی کیفیت اور آپ کے اخلاق سے مطابقت نہیں رکھتے تھے تو غنیٰ کا مطلب صرف یہ نہیں ہے کہ حضرت خدیجہ یا حضرت ابوبکر یا خاندان بنو ہاشم کا مال آپ کے حسب منشا خرچ ہوا۔ بلکہ حقیقی غناء یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو غنائے قلب عطا کر دیا۔حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا ارشاد مبارک ہے **لیس الغنی علی کثرۃ الغرض ولکن الغنی غنی النفس** یعنی حقیقی غناء اس ظاہری مال و اسباب سے حاصل نہیں ہوتا بلکہ اصل غنا ر تو دل کا غناء ہے۔خواہ ظاہری اسباب کم ہی کیوں نہ ہوں۔تو اللہ تعالیٰ نے حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے دل میں بیحد استغناء پیدا کیا گیا تھا۔آپ حقیر چیزوں کی طرف قطعی متوجہ نہیں ہوتے، اسی لیے سعدی صاحب کہتے ہیں۔ ع

تو نگری بدِل است نہ بمال، بزرگی بعقل است نہ بہ سال

تونگری دل کے ساتھ ہوتی ہے نہ کہ مال کے ساتھ بزرگی عقل کے ساتھ ہوتی ہے۔عمر کے ساتھ نہیں کیونکہ بعض اوقات چھوٹی

عمر کے لوگ بھی دانائی کی باتیں کرتے ہیں جب کہ عمر رسیدہ حماقت کر بیٹھتے ہیں۔
الغرض یہ اللہ تعالیٰ کے حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر انعامات تھے کہ آپ یتیم تھے تو اللہ نے ٹھکانا فراہم کیا۔ آپ ناواقف تھے، اللہ کریم نے کتاب وشریعت کے ذریعے علم دیا آپ محتاج تھے اللہ نے مستغنی بنا دیا۔ ان آیات میں انھیں باتوں کا تذکرہ ہے۔
فرمایا: پس یتیم پر تو بھی سختی نہ کیا کر (۹) اور نہ سوال کرنے والے کو ڈانٹ ڈپٹ کر (۱۰) اور اپنے رب کی نعمتوں کو بیان کرتا رہ۔ (۱۱)

تین انعامات اور تین احکامات:

(۱) یتیم کے ساتھ شفقت:

مذکورہ تین احکام کے مقابلے میں اللہ نے حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو تین احکام بھی دیئے ہیں آپ کی یتیمی کا تذکرہ کیا تو اس کے ساتھ پہلا حکم یہ ہو رہا ہے۔ فاما الیتیم فلا تقھر یتیم پر قہر نہ کریں۔ آپ نے خود بحیثیت یتیم جان لیا کہ وہ کس قسم کے سلوک کا مستحق ہوتا ہے لہٰذا اللہ نے آپ کو اور آپ کی وساطت سے ساری امت کو تعلیم دی کہ یتیم کے ساتھ سختی سے پیش نہیں آنا، بلکہ ان کے ساتھ شفقت اور ہمدردی کا سلوک کرنا ہے جب کسی یتیم کو دیکھو تو یاد کرو کہ ہمارے حضور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بھی یتیم تھے آپ نے فرمایا یتیم کے ساتھ مہربانی کیا کرو۔ اس کا اجر یہ ملے گا۔ انا وکافل الیتیم کھاتین میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا قیامت کے دن اکٹھے ہوں گے۔ گویا ایسے شخص کو میرا قرب نصیب ہوگا۔
مسند احمد کی روایت گزشتہ درس میں بیان ہو چکی ہے۔ ایک شخص نے عرض کیا حضور! میں اپنے دل میں سختی پاتا ہوں۔ آپ نے فرمایا یتیم کے سر پر ہاتھ رکھو اور مسکین کو کھانا کھلایا کرو۔ خدا تمہاری سختی دور کر دے گا۔ یتیموں کے مال کی حفاظت کے متعلق سورۃ نساء میں آتا ہے۔ ان الذین یاکلون اموال الیتمیٰ ظلماً انما یاکلون فی بطونھم ناراً جو لوگ یتیموں کا مال دھوکے فریب سے کھاتے ہیں، وہ اپنے پیٹ میں دوزخ کی آگ ڈال رہے ہیں۔ ایسے لوگ عنقریب جہنم کا شکار بنیں گے۔ اسی لیے اللہ نے فرمایا کہ یتیم
کے ساتھ زیادتی نہ کرو، بلکہ ان کی پرورش کرو یتیم سرپرست سے محروم ہوتا ہے اور مسکین بے کس ہوتا ہے۔ ان کی پرورش کرو اس کا ایک فائدہ یہ بھی ہوگا کہ تمہاری جماعت مضبوط ہوگی جن لوگوں کے ساتھ حسن سلوک کرو گے۔ وہ تمہاری جماعت میں شامل ہو جائیں گے۔ جو قوم اپنے کمزور طبقوں کا ہاتھ نہیں پکڑتی ان کی پرورش نہیں کرتی۔ وہ ناکامی کا منہ دیکھتی ہے۔ اسی لیے قرآن پاک میں جگہ جگہ ہے " ات ذا القربیٰ حقه والمسکین " اپنے قرابت داروں اور مسکین کا حق ادا کرو۔

(۲) سائل کے ساتھ حسن سلوک:

اللہ تعالیٰ نے دوسرا حکم یہ ارشاد فرمایا واما السائل فلا تنھر سائل کو مت جھڑکو، سائل سے مراد حقیقی محتاج ہے۔ ان کے متعلق

اللہ کا فرمان ہے کہ فی اموالھم حق معلوم لسآئل والمحروم مال داروں کے مال میں سائل اور محروم کا حق ہے۔انھیں ان کا حق ادا کرو۔ان کے فرضی حقوق بھی ہیں اور مسنونہ اور مستحب بھی۔ان کے تمام حقوق ادا کرو۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ ہر سائل اس کا مصداق نہیں۔ بلکہ وہ حقیقی سائل مراد ہے جو اعانت کا مستحق ہے۔ یہ پیشہ ور بھکاری جو اکڑ کر کھڑا ہو جائے اس کے لیے یہ حکم نہیں ہے ایسے سائل کو ڈانٹ دینا بھی روا ہے۔روح المعانی والے مفسر قرآن لکھتے ہیں کہ نہ ڈانٹنے کا حکم اس سائل کے لیے ہے جو نرمی سے سوال کرتا ہے۔اور واقعی محتاج ہے تم بھی اس سے نرمی سے بات کرو۔ اگر اس کی ضرورت پوری نہیں کر سکتے۔تو اس سے نرمی سے معافی مانگ لو کیونکہ قول معروف و مغفرۃ خیر من صدقۃ یتبعھآ اذی، "جس صدقے کے بعد تکلیف پہنچائی جائے گیا

گالی دی جائے۔ مارا پیٹا جائے یا طعنہ دیا جائے۔اس صدقے کی بجائے اس سے نرمی کی بات زیادہ بہتر ہے۔ یہ سب سائل کے ساتھ حسن سلوک سے متعلق ہیں۔

(۳)انعامات الٰہی کا تذکرہ:

تین انعامات کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ نے تیسرا حکم دیا۔واما بنعمۃ ربک فحدث اپنے رب کی نعمت کو بیان کرو۔یعنی اللہ تعالیٰ نے جو انعام تم پر کیا ہے اس کو بیان کرو۔ اللہ کے احسان کو چھپانا نہیں چاہیے بلکہ ظاہر کرنا چاہیے۔تا کہ اس کے احسانات کا شکر یہ ادا ہو۔اللہ تعالیٰ نے حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر بیشمار احسان کئے ختم نبوت عطا فرمائی جو کہ بہت بڑا احسان ہے۔قرآن پاک جیسی عظیم دولت عنایت کی۔ یہ تحفہ آپ کی وساطت سے ساری امت کو نصیب ہوا۔

نعمت کا اظہار:

بہر حال قرآن پاک اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے۔اللہ تعالیٰ حکم دے رہے ہیں کہ اس کو ظاہر کرو،اس کی تعلیم کو دنیا میں عام کرو۔علاوہ ازیں اگر اللہ تعالیٰ کوئی مادی نعمت بھی عطا کرے،تو اس کے اظہار میں بخل نہیں ہونا چاہیے۔ایک شخص حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وہ پھٹے پرانے کپڑے پہنے ہوئے تھا۔آپ نے دریافت کیا۔ کیا اللہ نے تمہیں مال و وسعت دی ہے۔عرض کیا۔ یا رسول اللہ! اللہ نے مجھے وسعت دی ہے۔میرے پاس اونٹ،بھیڑ،بکریاں اور دیگر جانور ہیں۔زمیں ہے مال و دولت ہے۔غلام ہیں۔آپ نے فرمایا اللہ نے تجھے اتنی نعمتوں سے نوازا ہے۔مگر اس کا اثر تم پر ظاہر نہیں ہو رہا ہے۔تمہاری کپڑوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ تم ایک محتاج آدمی ہو۔کم از کم تمہارے لباس سے تو اللہ کی نعمت کا اثر ظاہر ہونا چاہیے۔

بعض فرماتے ہیں کہ نیکی کے کام کو ظاہر نہیں کرنا چاہیے۔ حالانکہ وہ بھی اللہ کی نعمت ہوتی ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ ایسا اظہار ریا کاری میں شمار نہ ہو جائے۔

بعض دوسرے فرماتے ہیں کہ نیکی کو ظاہر کرنا چاہیے۔تا کہ دوسرے بھی دیکھ کر اس کی اقتدا کر سکیں۔وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے

عطا کردہ انعام کو دوسروں کے سامنے بیان کرنا تحدیث نعمت میں داخل ہے۔

الغرض! اللہ تعالیٰ نے انعامات کا تذکرہ کرنے کے بعد تین حکم دیے کہ کمزور طبقوں کا خیال رکھو، یتیم پر قہر نہ کرو۔ سائل کو جھڑکو مت اور اپنے رب کی نعمت کو بیان کرو اور مخلوق کے سامنے ظاہر کردو۔

ترکیب نحوی وتحقیق صرفی:

اَلَمْ یَجِدْکَ (اَ۔ لَمْ یَجِدْ۔ کَ) اَ، ہمزہ استفہامیہ، کیا، لَمْ یَجِدْ، فعل مضارع منفی واحد مذکر غائب وَجَدَ یَجِدُ، مصدر وِجْدَانًا، پانا، لَمْ، کی وجہ سے ترجمہ، اس نے نہیں پایا، کَ، ضمیر واحد مذکر حاضر، آپ کو (کیا اس نے آپ کو نہیں پایا) یَتِیْمًا (یتیم) فَاٰوٰی (فَ۔ اٰوٰی) فَ، حرف عطف، پھر، اٰوٰی، فعل ماضی واحد مذکر غائب اٰوٰی یُؤْوِیْ، مصدر اِیْوَاءٌ، پناہ دینا، ٹھکانہ دینا، اس نے ٹھکانہ دیا (پھر اس نے ٹھکانہ دیا) وَ، حرف عطف (اور) وَجَدَکَ (وَجَدَ۔ کَ) وَجَدَ، فعل ماضی واحد مذکر غائب وَجَدَ یَجِدُ، مصدر وِجْدَانًا، پانا، اس نے پایا، کَ، ضمیر واحد مذکر حاضر، آپ کو (اس نے آپ کو پایا) ضَآلًّا۔ ضَلَالٌ، مصدر سے اسم فاعل واحد مذکر (راستے سے ناواقف) فَهَدٰی (فَ۔ ہَدٰی) فَ، حرف عطف، تو، ہَدٰی، فعل ماضی واحد مذکر غائب ھَدٰی یَھْدِیْ، مصدر ھِدَایَۃٌ، ہدایت دینا، راستہ دکھانا، اس نے راستہ دکھایا (تو اس نے راستہ دکھایا) وَ، حرف عطف (اور) وَجَدَکَ (وَجَدَ۔ کَ) وَجَدَ، فعل ماضی واحد مذکر غائب وَجَدَ یَجِدُ، مصدر وِجْدَانًا، پانا، اس نے پایا، کَ، ضمیر واحد مذکر حاضر، آپ کو (اس نے آپ کو پایا) عَآئِلًا۔ عَیْلًا، مصدر سے اسم فاعل واحد مذکر (تنگ دست، عیال دار، نادار، حاجت مند) فَاَغْنٰی (فَ۔ اَغْنٰی) فَ، حرف عطف، تو، اَغْنٰی، فعل ماضی واحد مذکر غائب اَغْنٰی یُغْنِیْ، مصدر اِغْنَاءٌ، غنی کرنا، مالدار کرنا (اس نے غنی کردیا) فَاَمَّا الْیَتِیْمَ (فَ۔ اَمَّا۔ اَلْیَتِیْمَ) فَ، حرف عطف، پس، اَمَّا، حرف شرط وتفصیل، رہا، مگر، لیکن، اَلْیَتِیْمَ، یتیم (پس رہا یتیم) فَلَا تَقْهَرْ (فَ۔ لَا تَقْهَرْ) فَ، حرف عطف، تو، لَا تَقْهَرْ، فعل نہی واحد مذکر حاضر قَهَرَ یَقْهَرُ، مصدر قَهْرًا، سختی کرنا، زیادتی کرنا (تو آپ (اس پر) سختی نہ کیجئے) وَاَمَّا السَّآئِلَ۔ وَ، حرف عطف، اور، اَمَّا، حرف شرط وتفصیل، رہا، لیکن، مگر، اَلسَّآئِلَ۔ سُؤَالًا، مصدر سے اسم فاعل واحد مذکر، سوال کرنے والا، مانگنے والا، جمع، اَلسَّآئِلِیْنَ (اور رہا مانگنے والا) فَلَا تَنْهَرْ (فَ، لَا تَنْهَرْ) فَ، حرف عطف، تو، لَا تَنْهَرْ، فعل نہی واحد مذکر حاضر نَهَرَ یَنْهَرُ، مصدر نَهْرًا، نہر کا بہانا، بہنا، پسپا کرنا، جھڑکنا، آپ ست جھڑکیے (تو آپ مت جھڑکیے) وَ، حرف عطف (اور) اَمَّا، حرف شرط وتفصیل (مگر، لیکن، رہا) بِنِعْمَۃِ (بِ۔ نِعْمَۃِ) بِ، حرف جار، کو، نِعْمَۃِ، مجرور، نعمت (نعمت کو) رَبِّکَ (رَبِّ۔ کَ) رَبِّ، مضاف، رب، پروردگار، کَ، مضاف الیہ، ضمیر واحد مذکر حاضر، اپنے (اپنے رب کی) فَحَدِّثْ (فَ۔ حَدِّثْ) فَ، حرف عطف، تو، حَدِّثْ، فعل امر واحد مذکر حاضر حَدَّثَ یُحَدِّثُ، مصدر تَحْدِیْثٌ، بیان کرنا، آپ بیان کریں (پس آپ بیان کریں)

(الحمدللہ سورہ ضحیٰ مکمل ہوگئی)

[سورۃ الانشراح]

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

آیت ا تا ۸

اَلَمۡ نَشۡرَحۡ لَکَ صَدۡرَکَ (۱) وَوَضَعۡنَا عَنۡکَ وِزۡرَکَ (۲) الَّذِیۡۤ اَنۡقَضَ ظَہۡرَکَ (۳) وَرَفَعۡنَا لَکَ ذِکۡرَکَ (۴) فَاِنَّ مَعَ الۡعُسۡرِ یُسۡرًا (۵) اِنَّ مَعَ الۡعُسۡرِ یُسۡرًا (۶) فَاِذَا فَرَغۡتَ فَانۡصَبۡ (۷) وَاِلٰی رَبِّکَ فَارۡغَبۡ (۸)

ترجمہ:

کیا ہم نے تیرے لیے تیرا سینہ نہیں کھول دیا۔(۱) اور ہم نے تجھ سے تیرا بوجھ اتار دیا۔(۲) وہ جس نے تیری پیٹھ توڑ دی۔(۳) اور ہم نے تیرے لیے تیرا ذکر بلند کر دیا۔(۴) پس بے شک ہر مشکل کے ساتھ ایک آسانی ہے۔(۵) بے شک اسی مشکل کے ساتھ ایک اور آسانی ہے۔(۶) تو جب تو فارغ ہو جائے تو محنت کر۔(۷) اور اپنے رب ہی کی طرف پس رغبت کر۔(۸)

کوائف:

اس سورت کا نام الم نشرح ہے۔ پہلی ہی آیت کریمہ میں الم نشرح کا لفظ موجود ہے جس سے یہ نام لیا گیا ہے۔ یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی ہے۔ نزول کے اعتبار سے اس کا بارھواں نمبر ہے۔ سورۃ ضحیٰ اس سے پہلے نازل ہوئی ہے۔ اس کا ایک رکوع اور آٹھ آیتیں ہیں۔

ماقبل سے ربط:

گزشتہ سورت میں آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ذات اقدس پر رب العالمین کی طرف سے فائز کردہ انعامات خاصہ کا ذکر تھا اور اسی کے ضمن میں آپ کے معالی اخلاق اور محاسن اوصاف بھی بیان کر دیئے گئے تھے، اب اس سورت میں مزید ایک انعام شرح صدر کا بیان کیا جا رہا ہے، امور نبوت اور اللہ رب العالمین کے تکوینی امور پر قلب کا اطمینان و انشراح صدر کا بیان کیا جا رہا ہے، امور نبوت اور اللہ رب العالمین کے تکوینی امور پر قلب کا اطمینان و انشراح بہت بڑی نعمت ہے اور اسی پر کمال یقین استقامت اور اخلاص جیسے احوال مرتب ہوتے ہیں، تو اس سورت میں اس انعام کو بیان کرتے ہوئے یہ بشارت سنائی جا رہی ہے کہ مکی زندگی کے احوال اور شدائد و مصائب جو انسان کی ہمت توڑ دیتے ہیں اور واقعی وہ بوجھ افکار آلام کا ایسا ہی ہے کہ اس نے آپ کی کمر بھی شکستہ کر دی تھی تو اللہ تعالیٰ نے یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ اب وہ تمام بوجھ اور شدائد آپ سے دور کر دیئے جائیں گے موجودہ دشواری اور سختی کا دور گذار لیجیے اس کے بعد آسانی اور سہولت ہی سہولت ہوگی، اس وقت اگرچہ مشرکین مکہ آپ کو ہر طرح ستانے پر تلے ہوئے ہیں اور آپ کی تحقیر و توہین میں بھی کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں کر رہے ہیں لیکن اللہ نے یہ فیصلہ بھی کر لیا ہے کہ آپ کا نام اور آپ کا ذکر اونچا اور بلند ہوگا اور ظاہر ہے کہ جس کا نام اونچا ہوگا اس کی

شان کس قدر بلند ہوگی اور اس کا دین کس قدر مقبول و سربلند ہوگا،

تفسیر:۔

فرمایا؛ کیا ہم نے تیرے لیے تیرا سینہ نہیں کھول دیا۔ الخ

شرح صدر کا معنیٰ:

اس سے پہلے صورت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کو غائب کے صیغہ کے ساتھ تعبیر فرمایا تھا، کیا اس نے آپ کو یتیم نہیں پایا، پھر آپ کو ٹھکانا دیا اور اس سورت میں متکلم کے صیغہ کے ساتھ آپ سے خطاب فرمایا ہے : کیا ہم نے آپ کی خاطر آپ کا سینہ کشادہ نہیں کیا۔

اس آیت میں ”نشرح“ کا لفظ ہے، اس کا مصدر ”شرح“ ہے ”شرح“ کا معنی ہے :نرم کرنا، وسیع کرنا اور کھولنا یعنی کیا ہم نے آپ کا سینہ وسیع نہیں کر دیا، یا کیا ہم نے اسلام کے لیے آپ کا سینہ نرم کر دیا۔

کفار کے طعن و تشنیع اور ان کی دل آزار باتوں سے آپ کو رنج ہوتا تھا اور آپ کا سینہ تنگ ہوتا تھا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کا سینہ کھول دیا اور وسیع کر دیا۔

شرح صدر کی تفصیل:

عتبہ بن عبد السلمی نے بیان کیا کہ ایک شخص نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے سوال کیا :یارسول اللہ! آپ کی نبوت کی پہلی نشانی کیا تھی؟ آپ نے فرمایا :میں بنو سعد بن بکر کے ہاں اپنی دایہ کے پاس تھا، میں اور ان کا بیٹا بکریاں چرانے گئے ہم نے اپنے ساتھ ناشتہ نہیں لیا تھا، میں نے کہا :اے بھائی! جاؤ ہماری ماں کے پاس سے ناشتہ لے آؤ، میرا بھائی چلا گیا اور میں بکریوں کے پاس رہا، پھر گدھ کی طرح دو سفید پرندے آئے، ایک نے دوسرے سے کہا : کیا یہ وہی ہے اس نے کہا :ہاں، پھر وہ دونوں میری طرف جھپٹے، ان دونوں مجھے پکڑ کر زمین پر پیٹھ کے بل گرا دیا، پھر انھوں نے میرا سینہ چاک کیا اور میرا دل نکالا اور اس سے دو سیاہ لوتھڑے نکالے پھر ایک نے دوسرے سے کہا :برف کا پانی لاؤ، پھر انھوں نے اس پانی سے میرے پیٹ کو دھویا، پھر کہا، ٹھنڈا پانی لاؤ، پھر ٹھنڈا پانی میرے دل پر چھڑکا، پھر کہا :اس دل کو سیو اور اس پر نبوت کی مہر لگا دو، پھر ایک نے دوسرے سے کہا، ان کو ایک پلڑے میں رکھو اور ان کی امت کو دوسرے پلڑے میں رکھو، پھر میں اپنے اوپر ہزاروں آدمیوں کو دیکھ رہا تھا اور مجھے ڈر تھا کہ ان میں سے بعض مجھ پر گر پڑیں گے، پھر ان میں سے کسی نے کہا، اگر ان کا امت کے ساتھ وزن کیا گیا تو ان کا پلڑا بھاری ہوگا، پھر میں اپنی رضاعی ماں کے پاس گیا اور ان کو اس واقعہ کی خبر دی، ان کو یہ خطرہ ہوا کہ کہیں مجھ پر کوئی مصیبت نہ آجائے گی، انھوں نے کہا، میں تمہیں اللہ کی پناہ میں دیتی ہوں، وہ اپنے اونٹ پر سوار ہوئیں اور مجھے اپنے پیچھے پالان پر بٹھایا، حتیٰ کہ ہم میری والدہ تک پہنچ گئے، میری رضاعی ماں نے کہا : کیا میں نے اپنی امانت ادا کر دی اور اپنے ذمہ کو پورا کر دیا؟ اور وہ واقعہ بیان کیا جو مجھے پیش آیا تھا، میری والدہ اس

سے خوفزدہ نہیں ہوئیں اور فرمایا : میں نے دیکھا تھا کہ مجھ سے ایک نور نکلا تھا جس سے شام کے محلات روشن ہو گئے تھے۔

(مسند احمد ج ٤ ص 184 – 185 طبع قدیم، مسند احمد رقم الحدیث 1181 :،، دلائل النبوۃ للبیہقی ج ٢ ص ٧ مجمع الزوائد رقم الحدیث ١٣٨٤١١، حافظ الہیثمی نے کہا : امام احمد کی سند حسن ہے، البدایہ والنہایہ ج ٢

آپ کا شق صدر کتنی بار ہوا؟

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی 582 ھ اور حافظ محمود بن احمد عینی متوفی 855 ھ لکھتے ہیں :

علامہ کرمانی نے کہا ہے کہ بعض علما نے معراج کی شق صدر کا انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ شق صدر صرف آپ کے بچپن میں (چار یا پانچ سال کی عمر میں) ہوا ہے، جب آپ بنو سعد میں تھے اور یہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ آپ کا شق صدر بعثت (اعلان نبوت) کے وقت بھی ہوا ہے اور معراج کی شب بھی ہوا ہے اور اس کے انکار کی کوئی وجہ نہیں ہے کیونکہ یہ خلاف عادت امور سے ہے اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کے تحت ہے اور اس میں معجزہ کا اظہار ہے اور شق صدر کی حکمتیں حسب ذیل ہیں :

(١) بچپن میں آپ کا شق صدر ہوا تا کہ آپ کی نشو و نما کامل ترین احوال میں ہو اور آپ شیطان سے معصوم رہیں، یہی وجہ ہے کہ صحیح مسلم میں حضرت انس (رض) سے روایت ہے کہ آپ کے سینہ سے جما ہوا خون نکال کر پھینک دیا اور کہا : یہ آپ میں شیطان کا حصہ تھا۔

(٢) بعثت کے وقت آپ کا شق صدر ہوا تا کہ آپ کے قلب میں وہ چیز ڈالی جائے، جس سے آپ کا قلب قوی ہو جائے اور وحی کو قبول کر سکے۔

(٣) معراج کے موقع پر آپ کا شق صدر کیا گیا تا کہ آپ کے قلب میں اللہ تعالیٰ سے مناجات کی صلاحیت حاصل ہو۔

(عمدۃ القاری ج ١٧ ص 30 – 31 فتح الباری ج ٧ ص 604–605)

فرمایا : اور آپ سے (پر مشقت چیزوں کا) بوجھ اتار دیا۔ جس نے آپ کی پشت کو بوجھل کر دیا تھا۔

نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر ” وزر “ کا مطلب :

اس آیت میں ” وزر “ کا لفظ ہے، بعض مفسرین نے اس کا معنی گناہ کیا ہے، چونکہ ” وزر “ کی نسبت نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی طرف ہے، اس لیے اس کا معنی گناہ کرنا صحیح نہیں ہے، سو یہاں اس کا معنی ہے، پر مشقت کاموں کا بوجھ

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی لکھتے ہیں :

عبدالعزیز بن یحییٰ اور ابو عبیدہ نے کہا : اس کا معنی ہے : ہم نے آپ سے نبوت کے بوجھ اور اس کے فرائض کی ادائیگی میں تخفیف کر دی تا کہ فرائض نبوت کو ادا کرنا آپ پر دشوار نہ ہو۔

حضرت عائشہ (رض) فرماتی ہیں کہ میں نے دیکھا کہ سخت سردی کے ایام میں آپ پر وحی نازل ہوتی تو وحی منقطع ہونے کے بعد آپ کی پیشانی سے پسینہ بہ رہا ہوتا تھا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث ٢ : صحیح مسلم رقم الحدیث :)

حضرت عائشہ (رض) کی روایت کردہ طویل حدیث کے آخر میں ہے:

حضرت خدیجہ (رض) آپ کو ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں، ورقہ بن نوفل نے آپ کو تسلی دی اور کہا: آپ کے پاس وہی ناموس آیا ہے جو حضرت موسیٰ کے پاس آیا تھا۔۔ پھر کچھ دنوں بعد ورقہ فوت ہوگئے اور وحی کا آنا رک گیا، حتیٰ کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بہت غم گین ہوئے (امام زہری فرماتے ہیں:) ہمیں جو حدیث پہنچی ہے، اس میں یہ مذکور ہے کہ آپ پر غم کی شدت اتنی زیادہ تھی کہ آپ نے کئی بار خود کو پہاڑ کی چوٹیوں سے گرانے کا ارادہ کیا اور ہر بار جب بھی آپ خود کو پہاڑ کی چوٹی سے گرا دینے کا ارادہ کرتے تو آپ کے سامنے حضرت جبرائیل (علیہ السلام) آجاتے اور کہتے: اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! بیشک آپ رسول برحق ہیں، پھر آپ کا اضطراب ختم ہوجاتا اور آپ کا دل ٹھنڈا ہوجاتا اور آپ واپس چلے جاتے، پھر جب کافی دنوں تک وحی نہ آتی تو پھر آپ اسی طرح پہاڑ پر جاتے اور پہاڑ کی بلندی سے خود کو گرانے کا ارادہ کرتے اور جبرائیل آپ کے سامنے نمودار ہوکر اسی طرح کہتے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث ٦٩٨٢:)

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی 852ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کے آخر میں یہ اضافہ صرف معمر کی روایت میں ہے، امام ابونعیم نے اپنی مستخرج میں شیخ بخاری یحییٰ بن بکیر سے اس حدیث کو اس اضافہ کے بغیر روایت کیا ہے، اسماعیل نے بھی کہا ہے کہ یہ اضافہ صرف معمر کی روایت میں ہے، امام مسلم، امام احمد، امام اسماعیلی اور امام ابونعیم نے اس حدیث کو اس اضافہ کے بغیر روایت کیا ہے اور یہ حدیث بلاغات زہری سے ہے اور متصل نہیں ہے (لہٰذا یہ حدیث منقطع ہے اور چونکہ امام بخاری کے شیخ یحییٰ بن بکیر اور دیگر ائمہ حدیث نے اس حدیث کو اس اضافہ کے بغیر روایت کیا ہے، اس لیءیہ حدیث شاذ ہے اور کیونکہ اس حدیث کا متن رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر موجب طعن ہے، حافظ ابن حجر نے لکھا ہے: اس روایت کا متصل نہ ہونا ہی معتمد ہے۔ (فتح الباری ج ١٤ ص 383، ھ)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں،

(١) ” وزر “ سے مراد یہ ہے کہ آپ کی قوم حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کی سنت کے خلاف جو کام کرتی تھی، آپ ان کاموں کو مکروہ جانتے تھے اور ان کی وجہ سے آپ کی طبیعت پر بوجھ تھا اور آپ خود ان میں تغیر کرنے پر قادر نہ تھے، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

فاتبعوا ملة ابراهيم حنيفاً ط (آل عمران :٩٥) تم لوگ ملت ابراہیم کی پیروی کرو، جو باطل ادیان سے الگ ہیں۔ اور یوں اللہ تعالیٰ نے آپ کی طبیعت کے اس بوجھ کو اتار دیا۔

(٢) نبوت کے فرائض منصبی کا جو آپ پر ثقل تھا، اس بوجھ کو اتار کر آپ کے فرائض منصبی میں تخفیف کر دی۔

(٣) امت کے گناہ بھی آپ کی طبیعت پر بوجھ تھے، اللہ تعالیٰ نے آپ سے شفاعت کا وعدہ فرما کر اور ” **ولسوف يعطيك**

ربک فترضیٰ۔" (الضحیٰ :۵) نازل فرما کر اس بوجھ کو اتار دیا۔

(۴) اگر آپ کے گناہ ہوتے تو ان کے بوجھ سے آپ کی کمر ٹوٹ جاتی، اللہ تعالیٰ نے آپ کو معصوم بنا کر اس بوجھ سے معصوم اور مامون کر دیا۔

۵) اگر یہ سورت ابو طالب کی موت کے بعد نازل ہوئی ہے تو ان کی موت سے جو آپ کو شدید قلق ہوا تھا، اس بوجھ سے مراد وہ قلق ہے اور جب شب معراج سب نبیوں نے آپ کو خوش آمدید کہا اور آپ کی تحسین کی اور آپ کا ذکر بلند فرمایا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کے اس بوجھ کو اتار دیا۔

(تفسیر کبیر ج ۱۱ ص 207۔ھ)

فرمایا: اور ہم نے آپ کی خاطر آپ کا ذکر بلند کر دیا۔

رفع ذکر کی تفصیل:

(۱) آپ کے ذکر کو بلند کرنے کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق پر لازم کر دیا ہے کہ وہ آپ کے اوپر ایمان لائے، حتیٰ کہ کسی شخص کا اللہ پر اور اس کی توحید پر ایمان لانا، اس وقت تک قبول نہیں ہوگا جب تک کہ وہ آپ کے اوپر ایمان نہ لائے اور نہ اس وقت تک اللہ تعالیٰ کی اطاعت مقبول ہوگی، جب تک کہ وہ آپ کی اطاعت نہ کرے، قرآن مجید میں ہے:

من یطع الرسول فقد اطاع اللہ (النساء :۸۰) جس نے رسول کی اطاعت کی پس بیشک اس نے اللہ کی اطاعت کی۔

(۲) آپ کے ذکر کو بلند کرنے کا معنی یہ ہے کہ جب بھی اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے، اس کے ساتھ آپ کا بھی ذکر کیا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ نے اذان میں اقامت میں، نماز میں، تشہد میں، غرض ہر مقام پر اپنے ذکر کے ساتھ آپ کا ذکر رکھا ہے۔

(۳) آپ کے ذکر کو بلند کرنے کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بغیر رسالت اور نبوت کے آپ کا ذکر نہیں کیا، پس فرمایا:" **محمد رسول اللہ**" (الفتح :۲۹) اور فرمایا:" **یایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک**" (المائدہ :۶۷) اور فرمایا:" **یایھا النبی لم یحرم ما احل اللہ لك**" (التحریم :۱) اور اللہ تعالیٰ نے (تاویلات اہل السنۃ ج ۵ ص ۴۸۲ھ)

(۴) علامہ قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

ضحاک نے حضرت ابن عباس (رض) سے روایت کیا ہے کہ اذان، اقامت، تشہد اور جمعہ، عید الفطر، عید الاضحیٰ میں منبروں پر اور ایام تشریق، یوم عرفہ اور رمی جمار کے وقت اور صفا اور مروہ پر، اور خطبہ نکاح میں اور زمین کے مشارق اور مغارب میں جب بھی اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جاتا ہے تو اس کے ساتھ آپ کا بھی ذکر کیا جاتا ہے اور اگر کوئی شخص اللہ عزوجل کی عبادت کرے اور جنت اور دوزخ اور تمام مغیبات کی تصدیق کرے اور یہ شہادت نہ دے کہ سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے رسول ہیں تو اس کی عبادت سے اس کو کوئی فائدہ نہیں ہوگا اور وہ کافر رہے گا۔

اس آیت کی تفسیر میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ ہم نے آپ کے ذکر کو بلند کر دیا اور آپ سے پہلے نازل کی ہوئی کتابوں میں آپ کا

ذکر کیا اور پہلے رسولوں کو آپ کی بشارت دینے کا حکم دیا اور ہر دین پر آپ کے دین کو غالب کر دیا، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ آسمان کے فرشتوں میں آپ کے ذکر کو بلند کیا اور زمین پر مومنین میں آپ کے ذکر کو بلند کیا اور ہم آخرت میں آپ کے ذکر کو بلند کریں گے اور آپ کو مقام محمود اور بلند درجات عطا کریں گے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۲۰ ص ۹٤ھ)

فرمایا؛ پس بیشک ہر مشکل کے ساتھ آسانی ہے۔ بیشک ہر مشکل کے ساتھ آسانی ہے۔ پس جب آپ (تبلیغ سے) فارغ ہوں تو عبادت پر کمر بستہ ہوں۔ اور اپنے رب ہی کی طرف راغب ہوں۔

ایک مشکل کے ساتھ دو آسانیاں:

الانشراح ٥ : اور الانشراح ٦ : میں لفظ "العسر" مکرر ہے اور یہ معرفہ ہے اور لفظ "یسر" بھی مکرر ہے اور یہ نکرہ ہے اور یہ قاعدہ ہے کہ جب معرفہ مکرر ہو تو ثانی اول کا عین ہوتا ہے اور جب نکرہ مکرر ہو تو ثانی اول کا غیر ہوتا ہے یعنی "العسر" ایک ہے اور "یسر" دو ہیں "اور" العسر" کا معنی ہے : مشکل اور "یسر" کا معنی ہے : آسانی، سو ایک مشکل کے ساتھ دو آسانیاں ہیں : پس جب کسی انسان کو اپنی مہم میں مشکلات درپیش ہوں تو اسے گھبرانا نہیں چاہیے اور ان آیتوں میں غور کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر مشکل کے ساتھ دو آسانیاں رکھی ہیں، حدیث میں ہے :

حضرت عمر اور حضرت علی (رض) نے کہا کہ ایک مشکل کبھی دو آسانیوں پر غالب نہیں آسکے گی۔ حافظ ذہبی نے کہا : یہ حدیث صحیح ہے۔

حسن بصری نے اس آیت کی تسیر میں یہ بیان کیا کہ ایک دن نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہنستے ہوئے خوش خوش باہر آئے، آپ نے فرمایا : ایک مشکل دو آسانیوں پر کبھی غالب نہیں آسکتی، پھر آپ نے ان دو آیتوں کی تلاوت فرمائی۔

(المستدرک ج ۲ ص 528 طبع قدیم، المستدرک رقم الحدیث 395: المتکبتہ العربیہ، کنز العمال ج ۲ ص 14)

اس آیت میں دو آسانیوں سے مراد اسلام اور دین ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ایک آسانی سے مراد دنیا کی فتوحات ہوں اور دوسری آسانی سے مراد جنت کی نعمتیں ہوں۔

فرمایا : پس جب آپ (تبلیغ سے) فارغ ہوں تو عبادت پر کمر بستہ ہوں۔

تبلیغ کے بعد اللہ تعالیٰ کی عبادت میں کوشش کرنا:

قتادہ، ضحاک اور مقاتل نے کہا، جب آپ فرض نماز سے فارغ ہوں تو پھر کوشش کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے رغبت کے ساتھ دعا کریں، آپ اللہ تعالیٰ سے رغبت کے ساتھ سوال کریں تو وہ آپ کو عطا فرمائے گا۔

شعبی نے کہا؛ جب آپ نماز میں تشہد پڑھنے سے فارغ ہوں تو پھر اللہ تعالیٰ سے اپنی دنیا اور آخرت کی بہتری کے لیے دعا کریں۔

علی بن طلحہ نے کہا : اپنی فراغت کے اوقات کو اللہ تعالیٰ کی نفلی عبادات کے ساتھ خاص کرلیں۔

ایک قول یہ ہے کہ جب آپ ایک عبادت سے فارغ ہوں تو اس کے متصل دوسری عبادت شروع کردیں، حتیٰ کہ آپ کا کوئی وقت اللہ تعالیٰ کی عبادت سے خالی نہ گزرے۔

مختار یہ ہے کہ جب آپ اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچانے اور کارِ تبلیغ سے فارغ ہوں تو پھر اللہ تعالیٰ کی عبادت پر کمر بستہ ہوں۔

صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سوال کرنے میں رغبت کی جائے:

یعنی صرف اللہ سے اس کے فضل کا سوال کریں اور اسی پر اعتماد رکھیں اور اسی پر توکل کریں، ظاہر ہے کہ سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اللہ سے ہی سوال کرتے تھے اور صرف اللہ پر ہی توکل کرتے تھے، تو آپ کو جو یہ حکم دیا گیا ہے وہ تقریر اور تاکید کے لیے ہے یعنی جس طرف آپ صرف اللہ کی طرف رغبت رکھتے ہیں، اسی طریقہ پر قائم رہیں اور اسی طریقہ کو ہمیشہ برقرارر رکھے ہیں اور یا پھر اس آیت میں بظاہر آپ کو حکم دیا ہے اور اس سے مراد آپ کی امت ہے۔

اور اس آیت میں آپ کی امت کو یہ تعلیم دی گئی ہے اور یہ تلقین کی گئی ہے کہ وہ اپنی ضروریات اور حاجات میں صرف اللہ عزوجل سے سوال کیا کریں اور صرف اس سے گڑ گڑا کر سوال کیا کریں، ہمارے زمانہ میں لوگ اللہ تعالیٰ سے اس قدر گڑ گڑا کر سوال نہیں کرتے تھے، جس قدر مخلوق سے گڑ گڑا کر اور روہانسی آواز بنا کر سوال کرتے ہیں، یا پیروں اور فقیروں کے پاس جا کر سوال کرتے ہیں یا مزارات پر جا کر سجدے کرتے ہیں اور منتیں اور مرادیں مانتے ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف رغبت نہیں کرتے، حالانکہ چاہیے یہ کہ لوگ صرف اللہ تعالیٰ کی طرف رغبت کریں، اسی سے اپنی حاجت طلب کریں۔

ترکیب نحوی وتحقیق صرفی:

اَلَمْ نَشْرَحْ (اَ-لَمْ نَشْرَحْ) اَ، ہمزہ استفہامیہ، کیا، لَمْ نَشْرَحْ، فعل مضارع منفی جحد بلم جمع متکلم شَرَحَ یَشْرَحُ، مصدر شَرْحًا، کھولنا، کھول دینا، لَمْ، کی وجہ سے ترجمہ، ہم نے نہیں کھول دیا (کیا ہم نے نہیں کھول دیا) لَکَ (لَ-کَ) لَ، حرف جار، کیلئے، کَ، مجرور، ضمیر واحد مذکر حاضر، آپ (آپ کیلئے) صَدْرَکَ (صَدْرَ-کَ) صَدْرَ، مضاف، سینہ، کَ، مضاف الیہ، ضمیر واحد مذکر حاضر، آپ کا (آپ کا سینہ) اَلَمْ نَشْرَحْ (اَ-لَمْ نَشْرَحْ) اَ، ہمزہ استفہامیہ، کیا، لَمْ نَشْرَحْ، فعل مضارع منفی جحد بلم جمع متکلم شَرَحَ یَشْرَحُ، مصدر شَرْحًا، کھولنا، کھول دینا، لَمْ، کی وجہ سے ترجمہ، ہم نے نہیں کھول دیا (کیا ہم نے نہیں کھول دیا) لَکَ (لَ-کَ) لَ، حرف جار، کیلئے، کَ، مجرور، ضمیر واحد مذکر حاضر، آپ (آپ کیلئے) صَدْرَکَ (صَدْرَ-کَ) صَدْرَ، مضاف، سینہ، کَ، مضاف الیہ، ضمیر واحد مذکر حاضر، آپ کا (آپ کا سینہ) اَلَّذِیْٓ، اسم موصول واحد مذکر (جس نے) اَنْقَضَ، فعل ماضی واحد مذکر غائب اَنْقَضَ یُنْقِضُ، مصدر اِنْقَاضٌ، توڑنا (اس نے توڑ رکھی تھی) ظَهْرَکَ (ظَهْرَ-کَ) ظَهْرَ، مضاف، کمر، پیٹھ، پشت، کَ، مضاف الیہ، ضمیر واحد مذکر حاضر، آپ کی (آپ کی کمر) وَ، حرف عطف (اور) رَفَعْنَا، فعل ماضی جمع متکلم رَفَعَ یَرْفَعُ، مصدر رَفْعٌ، اٹھانا، بلند کردینا (ہم نے بلند کردیا) لَکَ (لَ-کَ) لَ، حرف جار، کیلئے، کَ، مجرور، ضمیر واحد مذکر حاضر، آپ (آپ کیلئے) ذِکْرَکَ (ذِکْرَ، کَ) ذِکْرَ، مضاف، اسم مصدر، ذکر، کَ، مضاف الیہ، ضمیر واحد مذکر حاضر، آپ کا (آپ کا ذکر) فَاِنَّ (فَ-اِنَّ) فَ، حرف عطف، تو، اِنَّ، حرف مشبہ بالفعل، بے شک، مَعَ الْعُسْرِ (مَعَ-اَلْعُسْرِ) مَعَ، مضاف، ساتھ، اَلْعُسْرِ، مضاف الیہ، اسم مصدر، دشواری، تنگی، سختی، مشکل، یُسْرًا، کی ضد ہے (تنگی کے ساتھ) یُسْرًا، اسم نکرہ (آسانی، سہولت) اِنَّ، حرف مشبہ بالفعل (بے شک) مَعَ الْعُسْرِ (مَعَ الْعُسْرِ) مَعَ، مضاف، ساتھ، اَلْعُسْرِ، مضاف الیہ، مصدر، یُسْرًا کی ضد، تنگی، دشواری، مشکل (تنگی کے ساتھ) یُسْرًا، اسم نکرہ (آسانی، سہولت) آیت کا تکرار

وعدہ کی تاکید کیلئے آیا ہے۔ فَإِذَا (فَ۔إِذَا) فَ، حرف عطف، پس، إِذَا، ظرف زمان مستقبل بمعنی شرط، جب (پس جب) فَرَغْتَ، فعل ماضی واحد مذکر حاضر فَرَغَ یَفْرَغُ یَفْرُغُ، مصدر فُرُوغًا وَفَرَاغًا، فارغ ہونا، فرصت پانا، إِذَا، کی وجہ سے ترجمہ (آپ فارغ ہو جائیں) فَانْصَبْ (فَ۔انْصَبْ) فَ، حرف عطف، تو، اِنْصَبْ، فعل امر واحد مذکر حاضر نَصِبَ یَنْصَبُ، مصدر نَصَبًا، محنت کرنا، آپ محنت کریں (تو آپ (عبادت میں) محنت کریں) وَ، حرف عطف (اور) إِلَىٰ رَبِّكَ (إِلَى۔رَبِّ۔كَ) إِلَىٰ، حرف جار، کی طرف، رَبِّ، مجرور، مضاف، رب، پروردگار، كَ، مضاف الیہ، ضمیر واحد مذکر حاضر، اپنے (اپنے رب کی طرف) فَارْغَبْ (فَ۔ارْغَبْ) فَ، حرف عطف، پس، ارْغَبْ، فعل امر واحد مذکر حاضر رَغِبَ یَرْغَبُ، مصدر رَغْبَةً، رغبت کرنا، متوجہ ہونا، راغب ہونا۔

(الحمدللہ سورہ انشراح مکمل ہوگئی)

[سورۃ التین]

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

آیت ۱ تا ۸

وَالتِّينِ وَالزَّيْتُونِ (۱) وَطُورِ سِينِينَ (۲) وَهَٰذَا الْبَلَدِ الْأَمِينِ (۳) لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ (۴) ثُمَّ رَدَدْنَاهُ أَسْفَلَ سَافِلِينَ (۵) إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَلَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ (۶) فَمَا يُكَذِّبُكَ بَعْدُ بِالدِّينِ (۷) أَلَيْسَ اللَّهُ بِأَحْكَمِ الْحَاكِمِينَ (۸)

ترجمہ:

قسم ہے انجیر کی! اور زیتون کی! (۱) اور طور سینین کی! (۲) اور اس امن والے شہر کی! (۳) بلاشبہ یقیناً ہم نے انسان کو سب سے اچھی بناوٹ میں پیدا کیا ہے۔ (۴) پھر ہم نے اسے تمام نیچوں سے نیچے درجے میں لوٹا دیا (۵) مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور انھوں نے نیک اعمال کیے تو ان کے لیے ختم نہ ہونے والا اجر ہے۔ (۶) پس اس کے بعد کون سی چیز تجھے جزا کے بارے میں جھٹلانے پر آمادہ کرتی ہے؟ (۷) کیا اللہ سب حاکموں سے بڑا حاکم نہیں ہے؟ (۸)

کوائف:

اس سورت کا نام سورۃ التین ہے۔ پہلی ہی آیت کریمہ میں تین کا لفظ موجود ہے۔ جس سے سورت کا نام ماخوذ ہے۔ اس سے پہلے ستائیس سورتیں نازل ہو چکی تھیں۔ نزول کے اعتبار سے اس کا اٹھائیسواں نمبر ہے۔ اس کا ایک رکوع اور آٹھ آیتیں ہیں۔

ماقبل سے ربط:

گزشتہ سورت میں حضور اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو جن خاص انعامات سے نوازا گیا تھا، ان کا ذکر تھا۔
آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے قلب کو وحی الٰہی اور منصب رسالت کی ذمہ داریوں کے ادا کرنے کے لیے کھول دیا اور آپ کے حوصلہ کو اس قدر بلند اور قلب مبارک کو وسیع کر دیا کہ اس میں علوم و معارف اور حقائق و حکم کے سمندر سما گئے، اور

آپ کا نام بلند کر دیا۔ اور شان اس قدر اونچی کہ اس سے بڑھ کر کسی عظمت و بلندی کا تصور نہیں ہوسکتا، اب اس مناسبت سے اس سورت میں انجیر و زیتوں جیسے عظیم المنفعۃ پھلوں اور درختوں اور طور سینین اور بلدۃ الحرام جیسے متبرک اور مقدس مقامات کی قسم کھا کر انسان تخلیق کا ذکر فرمایا اور اس کی زندگی میں واقع ہونے والے تغیرات سے بعد الموت اور مسئلہ مجازات کو ثابت فرمایا گیا،

تفسیر:

فرمایا؛ قسم ہے انجیر کی! اور زیتون کی! (۱) اور طور سینین کی! الخ

"التین" کا معنی اور اس کے طبی فوائد

التین ۱ : میں "تین" اور "زیتون" کے الفاظ ہیں۔ "تین" کا معنی ہے انجیر، انجیر اور زیتن دو مشہور پھل ہیں، انجیر عمدہ اور لذیذ پھل ہے، اس میں فضلہ اور فالتو مادہ نہیں ہوتا، اس میں لطیف غذائیت ہوتی ہے، یہ زود ہضم ہے، نفع آور دوا ہے، طبیعت کو نرم کرتا ہے، بلغم کو تحلیل کرتا ہے، گردوں کو صاف کرتا ہے، مثانہ کی پتھری کو توڑتا ہے، جگر اور تلی کے سدوں کو کھولتا ہے اور بدن کو فربہ کرتا ہے اور حدیث میں ہے یہ بواسیر کو قطع کرتا ہے اور گٹھیا کے درد میں فائدہ پہنچاتا ہے۔
(بیضاوی مع الخفاجی ج ۹ ص ۵۲۱ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۷ھ)

انجیر یونان، ترکی، اسپین اور فرانس میں پیدا ہوتا ہے اور وہیں سے درآمد کیا جاتا ہے۔ انجیر قبض کشاء ہے، انجیر کا دودھ بواسیری مسوں کا علاج ہے، اس کا دودھ مسوں پر لگانے سے معمولی ورم آتا ہے لیکن خود بخود دور ہو جاتا ہے اور مسا جھڑ جاتا ہے۔ بلغم کو پکا کر خ، ارج کرتا ہے، اس کو کھانے سے پیشاب کھل کر آتا ہے، پسینہ آور ہے، اس سے تلی کا ورم اور جگر کی سختی دور ہو جاتی ہے، چونکہ یہ پیشاب آور ہے اس لیے گردہ اور مثانہ کی پتھری بھی نکالتا ہے۔

"زیتون" کا معنی اور اس کے طبی فوائد

زیوتن مشہور پھل ہے، یہ زیادہ تر بحیرہ روم کے ساحلی ملکوں میں پیدا ہوتا ہے، مثلاً یونان، فلسطین اور اسپین وغیرہ، اس کا پھل قدرے کسیلا ہوتا ہے، اس سے تیل نکالا جاتا ہے جس کو روغن زیتون کہتے ہیں، روغن زیوتن جوڑوں کے درد میں مفید ہے، قرآن مجید میں زیتون کے درخت کا ذکر فرمایا ہے:

(المومنون ۲۰ :) اور وہ درخت جو طور سینا پہاڑ سے نکلتا ہے، جو تیل نکالتا ہے اور کھانے والوں کے لیے سالن ہے۔

زیتون کا تیل سالن کے طور پر بھی استعمال ہوتا ہے، سالن پر "صبغ" کا اطلاق فرمایا ہے "صبغ" کا معنی رنگ ہے اور روٹی سالن کے ڈبونے سے رنگین ہو جاتی ہے، طور سینا اور اس کے قرب و جوار کے علاقہ میں عمدہ قسم کا زیتون پیدا ہوا ہے۔

زیوتن کے متعلق حسب ذیل حدیث ہے:

حضرت معاذ بن جبل (رض) بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے:

زیوتن کی مسواک کیا خوب ہے، وہ مبارک درخت کی ہے، وہ بدبو کو زائل کرتی ہے اور منہ کو خوش بودار کرتی ہے، یہ میری مسواک ہے اور مجھ سے پہلے انبیاء کی مسواک ہے۔(المعجم الاوسط رقم الحدیث ٦٨٢ :، حافظ ابن حجر عسقلانی نے کہا، اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔حاشیۃ الکشاف ج ٤ ص773)

"والتین والزیتون" کی تفسیر میں مفسرین کے اقوال:

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی 668ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس (رض) نے فرمایا: "التین" سے مراد حضرت نوح علیہ السلام کی مسجد ہے، جو جودی پر بنی ہوئی تھی، اور زیتون سے مراد مسجد بیت المقدس ہے۔ضحاک نے کہا: "التین" مسجد حرام ہے اور "الزیتون" مسجد اقصیٰ ہے۔ابن زید نے کہا "التین" مسجد دمشق ہے اور "الزیتون" مسجد بیت المقدس ہے،قتادہ نے کہا: "التین" دمشق کا پہاڑ ہے اور "الزیتون' بیت المقدس کا پہاڑ ہے اور محمد بن کعب نے کہا: "التین" اصحاب الکھف کی مسجد ہے اور "الزیتون" مسجد ایلیاء ہے، کعب الاحبار اور عکرمہ نے کہا، "التین" دمشق ہے اور "الزیتون" بیت المقدس ہے، الفرہا نے کہا: "التین" حلوان سے ھمذان تک کے پہاڑ ہیں اور "الزیتون' شام کے پہاڑ ہیں، ان کو طور زینا اور طور تینا کہا جاتا ہے،عکرمہ سے ایک روایت ہے کہ "التین" اور "الزیتون' شام کے دو پہاڑ ہیں۔

زیادہ صحیح یہ ہے کہ "التین" اور "الزیتون' سے مراد انجیر اور زیتون کے درخت ہیں اور ان سے مسجد یا شہر مراد لینا مجاز ہے اور بغیر ضرورت کے قرآن مجید کے الفاظ کو مجاز پر محمول کرنا جائز نہیں ہے۔

فرمایا: اور طور سینین کی۔

"طور سینین" کا مصداق:

مجاہد نے کہا "طور' سے مراد پہاڑ ہے اور "سینین" سریانی زبان کا لفظ ہے، اس کا معنی ہے: مبارک، قتادہ نے کہا: اس کا معنی ہے: خوب صورت اور مبارک، نیز عکرمہ نے کہا: 'طور" وہ پہاڑ ہے جس پر اللہ سبحانہ نے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کو ندا کی تھی۔مقاتل اور کلبی نے کہا: "سینین" ہر اس پہاڑ کو کہتے ہیں جس میں پھل دار درخت ہوں، یہ اہل نبط کی لغت ہے، اللہ تعالیٰ نے طور کی قسم اس لیے کھائی ہے کہ یہ پہاڑ شام میں اور ارض مقدسہ میں ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس جگہ برکت دی ہے، قرآن مجید میں ہے:

المسجد الاقصا الذی برکنا حولہ (بنی اسرائیل :١) وہ مسجد اقصیٰ جس کے اردگرد ہم نے برکت دی ہے۔

فرمایا: اور اس امن والے شہر (مکہ) کی۔

شہر مکہ کی قسم کھانے کی توجیہ:

اس آیت میں مکہ کو "امین' فرمایا ہے، کیونکہ جو جانور یا انسان مکہ میں داخل ہو وہ امن والا ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے دمشق کے پہاڑ کی قسم کھائی کیونکہ وہ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کی پناہ کی جگہ ہے اور بیت المقدس کی قسم کھائی کیونکہ وہ انبیاء (علیہم السلام) کے قیام کی جگہ ہے، کیونکہ وہ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کی پناہ کی جگہ ہے اور بیت المقدس کی قسم کھائی کیونکہ وہ انبیاء علیہم ال سلام کے قیام کی جگہ ہے، کیونکہ اس میں حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کی نشانی ہے اور شہر مکہ کی قسم کھائی کیونکہ وہ حضرت سیدنا محمد علیہ الصلو ۃ السلام کا مولد اور مہبط وحی ہے۔

فرمایا، بیشک ہم نے انسان کو بہترین ساخت میں پیدا کیا۔

"انسان" کے مصداق میں اقوال اور اس کے بہترین حالت میں ہونے کی توجیہ:

ایک قول یہ ہے کہ "انسان" سے مراد کافر ہے، ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد الولید بن المغیر ہ ہے، ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد کلدۃ بن اسید ہے، ان اقوال کی بناء پر یہ آیت ان لوگوں کے متعلق نازل ہوئی ہے، جو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کئے جانے کا انکار کرتے تھے اور ایک قول یہ ہے کہ اس "انسان" سے مراد حضرت آدم (علیہ السلام) اور ان کی اولاد ہے۔

بہترین ساخت سے مراد یہ ہے کہ انس کو معتدل اور سیدھی قامت میں پیدا کیا ہے، کیونکہ دوسرے حیوان جھکے ہوئے ہوتے ہیں اور ان کا چہرہ بھی جھکا ہوا ہوتا ہے، اس کے برعکس انسان کی قامت سیدھی ہوتی ہے، وہ اپنے ہاتھوں سے کھانے کی چیز پکڑ کر منہ میں لے جاتا ہے، منہ کو کھانے کی چیز کی طرف نہیں جھکاتا۔

قاضی ابوبکر بن العربی نے کہا : اللہ تعالیٰ کی کوئی مخلوق انسان سے زیادہ حسین نہیں ہے، اللہ تعالیٰ ن یانسان میں علم، قدرت ارادہ کرنے، باتیں کرنے، سننے، دیکھنے، تدبیر کرنے اور حکمت کی صلاحیت رکھی اور یہ تمام رب تبارک وتعالیٰ کی صفات ہیں، گویا انسان اللہ تعالیٰ کی صفات کا مظہر ہے، حدیث میں ہے، حضرت ابوہریرہ (رض) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا؛ انسان اللہ تعالیٰ کی صفات کا مظہر ہے، حدیث میں ہے : حضرت ابوہریرہ (رض) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا:

ان اللہ خلق آدم علی صورتہ بیشک اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث 627: ، صحیح مسلم رقم الحدیث 2841:)

علماء نے بیان کیا ہے کہ اس حدیث میں صورت بہ معنی صفت ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ صورت کے معروف معنی سے پاک ہے اور کوئی چیز اللہ کی مثل نہیں ہے۔

فرمایا؛ پھر ہم نے اس کو سب سے نچلے طبقہ میں لٹوا دیا۔ سوا ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور انھوں نے نیک اعمال کئے، سو ان کے لیے کبھی ختم نہ ہونے والا اجر ہے۔ سو کون ہے جو اس کے بعد قیامت کے متعلق آپ کی تکذیب کرے۔ کیا اللہ تمام حاکموں سے بڑا حاکم نہیں ہے۔

مومنین کاملین کا ارذل عمر سے محفوظ رہنا:

سب سے نچلے طبقہ میں لوٹانے کا مطلب:

(۱) سب سے نچلے طبقہ سے مراد دوزخ ہے، یعنی کافر کو ہم نے دوزخ میں لوٹا دیا اور مومن کو جنت کی طرف لوٹا دیا جیسا کہ دوسری آیت کے استثناء سے ظاہر ہے۔

(۲) کافر کو ہم نے اس کے اختیار کئے ہوئے سب سے نچلے افعال اور اعمال کی طرف لوٹا دیا، جو شرک اور کفر ہیں اور مومن کو ہم نے اس کے اختیار سے کئے ہوئے سب سے بلند اور بالا اعمال کی طرف لوٹا دیا، جو توحید و رسالت پر ایمان اور اعمال صالحہ ہیں۔

(۳) انسان کو ہم نے ارذل عمر کی طرف لوٹا دیا، جب اس کی قوئی کمزور اور حواس معطل ہو جاتے ہیں۔

فرمایا: سوا ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور انھوں نے نیک اعمال کئے، سو ان کے لیے کبھی ختم نہ ہونے والا اجر ہے۔ یعنی ہر انسان کو ارذل عمر کی طرف لوٹا دیا جاتا ہے، ماسوا مومنین صالحین کے ضحاک نے بیان کیا ہے کہ جب بندہ اپنی جوانی میں زیادہ نمازیں پڑھتا ہے اور زیادہ روزے رکھتا ہے اور زیادہ صدقات کرتا ہے، پھر جب وہ بوڑھا ہو جاتا ہے اور جوانی کی طرح نیک اعمال نہیں کر سکتا تو اللہ تعالیٰ اس کو جوانی کے نیک اعمال کا اجر عطا فرماتا ہے۔

حضرت ابو موسیٰ (رض) بیان کرتے ہیں کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: جب بندہ سفر کرتا ہے یا بیمار پڑ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے اس کی اقامت اور صحت کے ایام کے کئے ہوئے نیک اعمال کا اجر لکھ دیتا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:2996)

عکرمہ نے بیان کیا: جو قرآن مجید کی تلاوت کرتا رہتا ہے، وہ ارذل عمر کی طرف نہیں لوٹے گا (تاہم یہ کلیہ نہیں ہے۔)

حضرت ابن عمر (رض) بیان کرتے ہیں کہ اس کو مبارک ہو جس کی عمر لمبی ہو اور اس کے نیک اعمال زیادہ ہوں۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث:6329، حلیۃ الاولیاء، ج ٦ ص ١١١، مسند احمد ج ٤ ص 188)

فرمایا: سو کون ہے جو اس کے بعد قیامت کے متعلق آپ کی تکذیب کرے۔

یعنی ان دلائل کے ظاہر ہونے کے بعد اے رسول مکرم! آپ کی کون تکذیب کر سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے پانی کی ایک بوند سے تدریجاً مکمل انسان بنا دیا، پھر اس کو جوان مرد بنایا، پھر ادھیڑ عمر تک پہنچایا، پھر تدریجا اس کو کمزور کرتا رہا حتیٰ کہ اسے ناکارہ عمر تک پہنچا دیا اور اس جسمانی تغیر میں اس پر واضح دلیل ہے کہ وہ انسان کو مرنے کے بعد پھر زندہ کرنے اور میدان حشر میں جمع کرنے پر قادر ہے۔

فرمایا کیا اللہ تمام حاکموں سے بڑا حاکم نہیں ہے۔۔

حضرت علی اور حضرت ابن عباس (رض) جب یہ آیت پڑھتے: "الیس اللہ باحکم الحکمین" (التین: ٨) تو

کہتے :" بلی وانا علی ذالك من الشهدين" کیوں نہیں! میں بھی اس پر گواہوں میں سے ہوں۔

حضرت ابوہریرہ (رض) نے کہا جس نے سورۃ التین پڑھی اور یہ آیت پڑھی :" الیس الله باحکم الحکمین " اس کو چاہیے کہ یہ پڑھے :" بلی وانا علی ذالک من الشاھدین "(سنن ترمذی رقم الحدیث ۳۳۴۷ :)

ترکیب نحوی وتحقیق صرفی:

وَالتِّيْنِ (وَ۔ التِّيْنِ) وَ، حرف جار، قسمیہ، قسم، التِّيْنِ، مجرور، مقسم بہ، تین، انجیر (انجیر کی قسم) وَالزَّيْتُوْنِ (وَ۔ الزَّيْتُوْنِ) وَ، حرف عطف، حرف جار، قسمیہ اور (قسم)، الزَّيْتُوْنِ، مقسم بہ، زیتون (اور زیتون کی (قسم)) وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ۔ وَ، حرف عطف، حرف جار، قسمیہ اور (قسم) طُوْرِ سِيْنِيْنَ مقسم بہ، طُوْرِ، مجرور، مضاف، طور، پہاڑ، سِيْنِيْنَ، مضاف الیہ، سیناکے (سیناکے پہاڑ کی قسم، طور سینا کی (قسم)) وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ (وَ، هٰذَا، الْبَلَدِ، الْاَمِيْنِ) وَ، حرف عطف، حرف جار قسمیہ، اور (قسم) هٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ، مقسم بہ، هٰذَا، اسم اشارہ واحد مذکر قریب، یہ، اس، الْبَلَدِ، مشار الیہ، موصوف، مقسم بہ، شہر، مراد مکہ، الْاَمِيْنِ، صفت، اَمْنٌ، مصدر سے اسم فاعل واحد مذکر، امن والا (اور اس امن والے شہر (مکہ) کی (قسم)) لَقَدْ (لَ۔ قَدْ) لَ، لام تاکید، بلاشبہ، قَدْ، حرف تحقیق، یقیناً (بلاشبہ یقیناً) خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ۔ خَلَقْنَا، فعل ماضی جمع متکلم خَلَقَ يَخْلُقُ، مصدر خَلْقًا، پیدا کرنا، ہم نے پیدا کیا، الْاِنْسَانَ، انسان کو (ہم نے انسان کو پیدا کیا) فِيْۤ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ۔ فِيْ، حرف جار، میں، اَحْسَنِ، مجرور، مضاف، حُسْنٌ، مصدر سے افعل التفضیل کا صیغہ، سب سے اچھی، تَقْوِيْمٍ، مضاف الیہ، قَوَّمَ يُقَوِّمُ، کا مصدر ہے، شکل و صورت، بناوٹ، ساخت، (سب سے اچھی شکل و صورت میں) ثُمَّ، حرف عطف (پھر) رَدَدْنٰهُ (رَدَدْنَا۔ هُ) رَدَدْنَا، فعل ماضی جمع متکلم رَدَّ يَرُدُّ، مصدر رَدًّا، لوٹانا، واپس کرنا، ہم نے لوٹا دیا، هُ، ضمیر واحد مذکر غائب، اسے (ہم نے اسے لوٹا دیا) اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ۔ اَسْفَلَ، مضاف، سُفُوْلٌ، مصدر سے افعل التفضیل کا صیغہ، سب سے نیچے، سب سے پست، سٰفِلِيْنَ، مضاف الیہ، سُفُوْلٌ، مصدر سے اسم فاعل جمع مذکر، نیچے ہونے والے، نیچوں میں، واحد، سَافِلٌ (نیچوں میں سب سے نیچے) اِلَّا، حرف استثنا (مگر) الَّذِيْنَ، اسم موصول جمع مذکر (وہ لوگ جو) اٰمَنُوْا، فعل ماضی جمع مذکر غائب اٰمَنَ يُؤْمِنُ، مصدر اِيْمَانًا، ایمان لانا (وہ ایمان لائے) وَ، حرف عطف (اور) عَمِلُوا، فعل ماضی جمع مذکر غائب عَمِلَ يَعْمَلُ، مصدر عَمَلًا، عمل کرنا (انہوں نے عمل کیے) الصّٰلِحٰتِ (نیک، اچھے) واحد، الصَّالِحَةُ، فَلَهُمْ (فَ۔ لَ۔ هُمْ) فَ، حرف عطف، تو، لَ، حرف جار، کیلئے، هُمْ، مجرور، ضمیر جمع مذکر غائب، ان (تو ان کیلئے) اَجْرٌ (اجر، بدلہ، جزا) غَيْرُ مَمْنُوْنٍ۔ غَيْرُ، مضاف، نہ، مَمْنُوْنٍ، مضاف الیہ، مَنٌّ، مصدر سے اسم مفعول واحد مذکر، ختم ہونے والا (نہ ختم ہونے والا) فَمَا (فَ۔ مَا) فَ، حرف عطف، پھر، مَا، استفہامیہ، کون (پھر کون) يُكَذِّبُكَ (يُكَذِّبُ۔ كَ) يُكَذِّبُ، فعل مضارع واحد مذکر غائب كَذَّبَ يُكَذِّبُ، مصدر تَكْذِيْبٌ، جھٹلانا، وہ جھٹلا سکتا ہے، كَ، ضمیر واحد مذکر حاضر، آپ کو (وہ جھٹلا سکتا ہے آپ کو) بَعْدُ ((اس کے) بعد) بِالدِّيْنِ (بِ۔ الدِّيْنِ) بِ، حرف جار، کے معاملہ میں، الدِّيْنِ، مجرور، دین، جزا و سزا (جزا و سزا کے معاملے) اَلَيْسَ اللّٰهُ۔ اَ، ہمزہ استفہامیہ، کیا، لَيْسَ، فعل ناقص واحد مذکر غائب، نہیں ہے، اس کا فعل مضارع اور فعل امر نہیں آتے، اللّٰهُ، خالق کائنات کا ذاتی نام، اللہ (کیا نہیں ہے اللہ) بِاَحْكَمِ الْحٰكِمِيْنَ (بِ۔ اَحْكَمِ۔ اَلْحٰكِمِيْنَ) بِ، حرف جار بمعنی، مِنْ، سے، اَحْكَمِ، مجرور، مضاف، حُكْمٌ، مصدر سے افعل التفضیل کا صیغہ، سب سے بڑا حاکم، اَلْحٰكِمِيْنَ، مضاف الیہ، حُكْمٌ، مصدر سے اسم فاعل جمع مذکر، حاکموں، واحد، اَلْحَاكِمُ (سب حاکموں سے بڑا حاکم)

(الحمدللہ سورہ تین مکمل ہوگئی)

[سورۃ العلق]

آیت ۱تا۵

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ (۱) خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ (۲) اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ (۳) الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ (۴) عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ (۵)

ترجمہ:

اپنے رب کے نام سے پڑھ جس نے پیدا کیا۔(۱) اس نے انسان کوایک جمے ہوئے خون سے پیدا کیا۔(۲) پڑھ اور تیرا رب ہی سب سے زیادہ کرم والا ہے۔(۳) وہ جس نے قلم کے ساتھ سکھایا۔(۴) اس نے انسان کو وہ سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا۔(۵)

کوائف:

اس سورت کا نام سورۃ العلق ہے۔ دوسری آیت کریمہ میں علق کا لفظ موجود ہے جس سے اس کا نام لیا گیا ہے۔ یہ قرآن پاک کی وہ سورت ہے جو سب سے پہلے نازل ہوئی ہے۔ پوری تو نہیں لیکن اس کی پہلی پانچ آیتیں سب سے پہلے نازل ہوئیں۔ تو نزول کے اعتبار سے اس کا پہلا نمبر ہے۔ اس کا ایک رکوع اور انیس آیتیں ہیں۔

ماقبل سے ربط:

گزشتہ سورت میں ارتقائے انسانی کا ذکر تھا، اس کی پستی و بلندی کا ذکر ہوا۔ یہاں پستی و بلندی کا راز بتایا جا رہا ہے، انسانیت کی ترقی کا راز علم میں ہے وہ علم جو انسان کو اللہ سے قریب کرے۔ " **اقرا باسم ربک الذی خلق** "جس کی ابتدا اور " **واسجد واقترب** " جس کی انتہا ہے۔ یہی علم، روح کی غذا ہے۔ اس کا سرچشمہ وحی الٰہی ہے۔

شان نزول:

اس کا شان نزول اس طرح ہے کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نبوت ملنے سے پہلے غار حرا میں بیٹھ کر اللہ اللہ کرتے تھے۔ یہ غار حرا جبل نور کی چوٹی پر آج بھی اصلی شکل میں موجود ہے۔ پہلی کتابوں میں میں جبل نور کا نام فاران تھا۔ یہ کافی دشوار گزار پہاڑ ہے۔ اس پر چڑھنا کافی مشکل ہے۔ ہمت والے لوگ چڑھتے ہیں۔ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کھجوریں، پانی کی صراحی ستو اور خشک جو بھی خوراک اس وقت میسر ہوتی تھی ساتھ لے کر کئی کئی دن اور راتیں وہاں عبادت کیا کرتے تھے، تو حضرت جبرائیل (علیہ السلام) جبل نور پر انسانی شکل میں تشریف لائے۔ ان کے ہاتھ میں ایک ریشمی کپڑا تھا اس پر کچھ لکھا ہوا تھا۔ وہ ٹکڑا آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے سامنے کیا اور اقرا آپ پڑھیں۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ

وسلم) نے فرمایا ما انا بقارء میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ حضرت جبرائیل (علیہ السلام) نے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو سینے کے ساتھ لگا کر زور سے دبایا اور کہا اقرا پڑھو۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے پھر فرمایا ما انا بقاریء میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ تیسری مرتبہ پھر جبرائیل (علیہ السلام) نے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو سینے کے ساتھ لگایا اور کہا اقراء پڑھا اپنے رب کے نام کے ساتھ جس نے پیدا کیا، سے لے کر مالم یعلم تک پہلی وحی نازل ہوئی ہے۔ (بخاری)

تفسیر:۔

فرمایا؛ اپنے رب کے نام سے پڑھ جس نے پیدا کیا، الخ

آغازِ وحی ونزولِ قرآن؛

نبوت سے پہلے حضرت محمد (ﷺ) مکہ کے قریب غار حرا میں تشریف فرما تھے کہ اچانک جبریل امین آئے اور اس نے آپ کے سامنے اس سورت کی ابتدائی پانچ آیتیں تلاوت کیں۔ نبی (ﷺ) نے اس واقعہ کی تفصیل یوں بیان فرمائی ہے۔

(عَنْ عَائِشَةَ (رض) قَالَتْ اَوَّلُ مَا بُدِئَ بِهٖ رَسُوْلُ اللهِ (ﷺ) مِنَ الْوَحْيِ ۔ فَرَجَعَ بِهَا رَسُوْلُ اللهِ (ﷺ) يَرْجُفُ فُؤَادُهٗ فَدَخَلَ عَلٰى خَدِيْجَةَ فَقَالَ زَمِّلُوْنِيْ زَمِّلُوْنِيْ فَزَمَّلُوْهُ حَتّٰى ذَهَبَ عَنْهُ الرَّوْعُ فَقَالَ لِخَدِيْجَةَ وَاَخْبَرَهَا الْخَبَرَ لَقَدْ خَشِيْتُ عَلٰى نَفْسِيْ فَقَالَتْ خَدِيْجَةُ كَلَّا وَاللهِ لَا يُخْزِيْكَ اللهُ اَبَدًا اِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ وَتَصْدُقُ الْحَدِيْثَ وَتَحْمِلُ الْكَلَّ وَتَكْسِبُ الْمَعْدُوْمَ وَتَقْرِي الضَّيْفَ وَتُعِيْنُ عَلٰى نَوَائِبِ الْحَقِّ ثُمَّ انْطَلَقَتْ بِهٖ خَدِيْجَةُ اِلٰى وَرَقَةَ بْنِ نَوْفَلٍ ابْنِ عَمِّ خَدِيْجَةَ فَقَالَتْ لَهٗ يَا ابْنَ عَمِّ اِسْمَعْ مِنِ ابْنِ اَخِيْكَ فَقَالَ لَهٗ وَرَقَةُ يَا ابْنَ اَخِيْ مَاذَا تَرٰى فَاَخْبَرَهٗ رَسُوْلُ اللهِ (ﷺ) خَبَرَ مَا رَاٰى فَقَالَ لَهٗ وَرَقَةُ هٰذَا النَّامُوْسُ الَّذِيْ اَنْزَلَ اللهُ عَلٰى مُوْسٰى يَا لَيْتَنِيْ فِيْهَا جَذَعًا لَيْتَنِيْ اَكُوْنُ حَيًّا اِذْ يُخْرِجُكَ قَوْمُكَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ (ﷺ) اَوَمُخْرِجِيَّ هُمْ قَالَ نَعَمْ لَمْ يَاْتِ رَجُلٌ قَطُّ بِمِثْلِ مَا جِئْتَ بِهٖ اِلَّا عُوْدِيَ وَاِنْ يُّدْرِكْنِيْ يَوْمُكَ اَنْصُرْكَ نَصْرًا مُؤَزَّرًا ثُمَّ لَمْ يَنْشَبْ وَرَقَةُ اَنْ تُوُفِّيَ وَفَتَرَ الْوَحْيُ) (رواہ البخاری :باب کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ (ﷺ))

”حضرت عائشہ (رض) وحی کے بارے اس طرح بیان کرتی ہیں کہ۔۔رسول اللہ (ﷺ) اس وحی کے ساتھ واپس لوٹے تو آپ کا دل گھبرا رہا تھا۔ آپ خدیجہ (رض) کے پاس آئے اور ان سے فرمایا مجھے! کمبل اوڑھا دو۔ انہوں نے آپ کو کپڑا اوڑھا دیا یہاں تک آپ سے خوف کی کیفیت دور ہوگئی۔ آپ نے حضرت خدیجہ (رض) کو سارا ماجرا بیان کیا اور فرمایا : مجھے اپنی جان کا خطرہ ہے، انہوں نے آپ کو تسلی دی کہ ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔ اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی ضائع نہیں ہونے دے گا۔ آپ صلۂ رحمی کرتے ہیں، سچی بات کہتے ہیں، دوسروں کے بوجھ اٹھاتے ہیں، محتاج کی خبر گیری کرتے ہیں‘ مہمان کو کھانا کھلاتے ہیں اور مصیبت زدہ اور ضرورت مند کی مدد کرتے ہیں۔ اس کے بعد خدیجہ (رض) آپ کو ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں، جو حضرت خدیجہ (رض) کے چچا زاد بھائی تھے۔ انہوں نے ورقہ سے کہا، اے میرے چچا کے بیٹے! اپنے بھتیجے کی بات سنیں۔ ورقہ نے آپ سے پوچھا اے میرے بھتیجے! آپ کیا دیکھتے ہیں؟ نبی (ﷺ) نے اسے پورا واقعہ بیان کیا۔ ورقہ نے کہا، یہ تو وہی فرشتہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ (علیہ السلام) کی طرف وحی دے کر بھیجا تھا۔ کاش! میں

تمہارے عہد نبوت میں جوان ہوتا اور کاش! میں اس وقت زندہ ہوتا جب آپ کی قوم آپ کو مکہ سے نکال دے گی۔ نبی (ﷺ) نے پوچھا۔ کیا وہ مجھے نکال دیں گے؟ ورقہ نے کہا، ہاں! کیوں نہیں جب بھی کسی کو رسالت سے نوازا گیا تو اس کے ساتھ دشمنی کی گئی۔ جب لوگ تمہیں نکالیں گے اگر میں اس وقت تک زندہ رہا، تو تمہاری بھرپور مدد کروں گا۔ اس کے بعد ورقہ بن نوفل زیادہ دن زندہ نہیں رہے اور آپ پر وحی کا سلسلہ چند روز کے لیے منقطع رہا، مفسرین نے لکھا ہے کہ اس سورت کی پہلی پانچ آیتیں بالاتفاق پہلی وحی شمار ہوتی ہیں جیسا کہ صحیحین میں حضرت عائشہ (رض) کی روایت سے ثابت ہوتا ہے۔ اس سورۃ کا دوسرا حصہ اس وقت نازل ہوا جب نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے حرم میں نماز پڑھنی شروع کی اور ابوجہل نے ڈرا دھمکا کر آپ کو روکنے کی کوشش کی۔ سورۃ کے آخر میں نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو تسلی دی ہے کہ بلاخوف وخطر نماز پڑھتے رہیے اور ان دھمکیوں کی پرواہ مت کیجئے۔

فرمایا؛ اس نے انسان کو ایک جمے ہوئے خون سے پیدا کیا، الخ

انسان کی پیدائش:

منی کے قطرے کو اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے خون کا لوتھڑا بنا دیتا ہے پھر وہ سخت ہو کر بوٹی بن جاتا ہے پھر اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ سے انسانی ڈھانچہ تیار ہو جاتا ہے، ہاتھ پاؤں وغیرہ۔ پھر چار ماہ بعد اللہ تعالیٰ اس کے بدن میں روح پھونک دیتے ہیں۔ پانچ ماہ بچہ بغیر سانس لیے ماں کے پیٹ میں پرورش پاتا ہے مرتا نہیں۔ مگر وہی بچہ پیٹ سے باہر آنے کے بعد ایسی جگہ رکھ دیا جائے جہاں ہوا نہ ہو تو مر جاتا ہے۔ یہ رب تعالیٰ کی قدرت ہے کہ کم وبیش پانچ ماہ تک ماں کے پیٹ کے میں زندہ رہتا ہے جہاں ہوا کا کوئی راستہ نہیں ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود (رض) بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب نطفہ پر بیالیس راتیں گزر جاتی ہیں تو اللہ تعالیٰ اس کے پاس ایک فرشتہ بھیجتا ہے، پھر اس کی تصویر بناتا ہے اور اس میں اس کی سماعت، اس کی بصارت، اس کی کھال، اس کا گوشت اور اس کی ہڈیاں پیدا فرماتا ہے، پھر فرشتہ پوچھتا ہے: اے میرے رب! یہ مذکر ہے یا مونث! پھر تمہارا رب جو چاہتا ہے فیصلہ فرماتا ہے اور فرشتہ اس کو لکھ دیتا ہے، پھر فرشتہ پوچھتا ہے: اے میرے رب! اس کی زندگی کتنی ہے؟ پس تمہارا رب جو چاہتا ہے فرماتا ہے اور فرشتہ اس کو لکھ دیتا ہے، پھر رفشتہ پوچھتا ہے: اے میرے رب! اس کا رزق کتنا ہے پھر تمہارا رب جو چاہتا ہے وہ فیصلہ فرماتا ہے اور فرشتہ اس کو لکھ دیتا ہے، پھر فرشتہ اس صحیفہ کو لے کر نکل جاتا ہے، پس اللہ کے حکم پر کوئی زیادتی ہوتی ہے نہ کمی۔ (صحیح رقم الحدیث 2645:)

دیگر احادیث میں اس طرح ہے: چالیس دن نطفہ رہتا ہے، پھر چالیس دن کے بعد نطفہ جما ہوا خون بن جاتا ہے، پھر چالیس دن کے بعد گوشت بن جاتا ہے، پھر چالیس دن بعد اس میں روح پھونک دی جاتی ہے، پھر اس میں چار چیزوں کے لکھنے کا حکم دیا جاتا ہے، پھر فرشتہ اس کا رزق، اس کی مدت حیات، اس کا عمل اور اس کا شقی یا سعید ہونا لکھ دیتا ہے۔ الحدیث

(صحیح البخاری رقم الحدیث 6594: صحیح مسلم رقم الحدیث 2643: سنن ابوداؤد رقم الحدیث 4708: سنن ترمذی رقم الحدیث 2137: سنن ابن ماجہ رقم الحدیث 176: السنن الکبری للنسائی رقم الحدیث11246:)

فرمایا؛ وہ جس نے قلم کے ساتھ سکھایا، الخ

لکھنے کی فضیلت اور لکھنے کے متعلق احادیث؛

قلم اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت ہے، اگر قلم نہ ہوتا تو احکام شرعیہ کو لکھ کر محفوظ نہ کیا جاتا اور نہ معاش کے معاملات کو لکھ کر منضبط کیا جاتا، اللہ سبحانہ نے اپنے بندوں پر کرم فرمایا کہ ان کو قلم سے لکھنا سکھایا اور ان کو جہالت کے اندھیروں سے علم کی روشنی میں طرف لایا، اگر قلم نہ ہوتا تو علوم کو مدون نہ کیا جاتا اور حکمتوں کو مقید نہ کیا جاتا، اور نہ اولین اور آخرین کی خبروں کو جمع کیا جاتا اور نہ اللہ تعالیٰ کی نازل کی ہوئی آسمانی کتابوں کو محفوظ کیا جاتا اور نہ ہمارے نبی سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی احادیث اور آثار صحابہ اور اقوال مجتہدین کو مدون اور منضبط کیا جاتا، غرض یہ کہ اگر قلم نہ ہوتا تو دین اور دنیا کے حصول علم کا دروازہ بند رہتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو (رض) بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے جو چیز بھی سنتا تھا، اس کو یاد رکھنے کے لیے لکھ لیا کرتا تھا، قریش نے مجھے اس سے منع کیا اور کہا : تم رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے سے ہر بات سن کر لکھ لیتے ہو اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بشر ہیں، کبھی غصہ میں بات کرتے ہیں اور کبھی خوشی میں بات کرتے ہیں، پھر میں لکھنے سے رک گیا اور میں نے اس واقعہ کا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے ذکر کیا، آپ نے اپنی انگلی سے اپنے منہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا : تم لکھتے رہو، اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے، اس منہ سے حق کے سوا کچھ نہیں نکلتا۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث3646:)

حضرت رافع بن خدیج (رض) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) باہر آئے تو آپ نے فرمایا : میری حدیث بیان کرو اور جس نے مجھ پر جھوٹ باندھا، وہ اپنی جگہ دوزخ میں بنالے، میں نے عرض کیا، یارسول اللہ! ہم آپ سے بہت احادیث سنتے ہیں، پھر ان کو لکھ لیتے ہیں، آپ نے فرمایا : لکھتے رہو، کوئی حرج نہیں ہے۔ (المعجم الکبیر رقم الحدیث 4410: مسند الشامیین رقم الحدیث 227: مجمع الزوائد ج۱ ص151)

حضرت عبداللہ بن عمرو (رض) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس آپ کے اصحاب بیٹھے ہوئے تھے اور میں ان میں سب سے کم عمر تھا، نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا : جس نے مجھ پر عمداً جھوٹ باندھا وہ دوزخ میں اپنے بیٹھنے کی جگہ بنالے، میں نے صحابہ سے کہا : آپ لوگ کیسے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی احادیث بیان کرتے ہیں، حالانکہ آپ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا ارشاد سن چکے ہیں اور آپ لوگ احادیث بیان کرنے میں

منہمک رہتے ہیں تو صحابہ ہنسنے لگے اور کہنے لگے :اے ہمارے بھتیجے ! ہم نے جو کچھ آپ سے سنا ہے، وہ سب ہمارے پاس لکھا ہوا ہے۔(مجمع الزوائد ج ۱ ص152 ،حافظ الہیثمی نے کہا :اس حدیث کی سند میں ایک راوی متروک ہے)

حضرت عبداللہ بن عمرو (رض) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا :علم کو قید کرو، میں نے پوچھا :علم کی قید کیا ہے؟ آپ نے فرمایا : لکھنا۔(المعجم الاوسط رقم الحدیث 852:، حافظ الہیثمی نے کہا :اس کی سند میں ایک راوی عبداللہ بن المؤمل ہے، ابن معین اور ابن حبان نے اس کو ثقہ قرار دیا، اور امام احمد نے لکھا :اس کی احادیث منکر ہیں۔مجمع الزوائد ج ۱ ص152)

ثمامہ بیان کرتے ہیں کہ ہم سے حضرت انس (رض) نے کہا :علم کو لکھ کر قید کرلو۔

حضرت عبادۃ بن ال صامت (رض) بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ بیشک اللہ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا کیا اور اس سے فرمایا : لکھ، اس نے پوچھا : کیا لکھوں؟ فرمایا : تقدیر کو لکھ، جو کچھ ہوچکا ہے اور جو کچھ ابد تک ہونے والا ہے۔(سنن ترمذی رقم الحدیث2155: ،مسند احمد ج ٥ ص317)

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی 668ھ لکھتے ہیں:

اصل میں اقلام تین ہیں :(١) قلم اول وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور اس کو لکھنے کا حکم دیا (٢) قلم ثانی فرشتوں کے اقلام ہیں، وہ قلم اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھ میں رکھ دیئے ہیں، وہ ان قلموں سے تقدیر، مستقبل میں ہونے والے امور اور بندوں کے اعمال لکھتے ہیں (٣) قلم ثالث لوگوں کے قلم ہیں، جو اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھوں میں رکھ دیئے ہیں جن سے وہ اپنی باتیں لکھتے ہیں اور اپنے مقاصد کو تحریر میں لاتے ہیں اور کتابیں اور رسائل لکھتے ہیں۔

فرمایا :انسان کو وہ سکھایا جس کو وہ نہیں جانتا تھا۔

اس آیت میں انسان کے مصداق میں کئی اقوال ہیں :

علامہ الحسین بن مسعود الفراء البغوی متوفی ٥١٦ ھ لکھتے ہیں:

ایک قول یہ ہے کہ اس آیت میں ” انسان “ سے مراد حضرت آدم (علیہ السلام) ہیں کیونکہ ان کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

علم ادم الاسمآء کلھا (البقرۃ :٣١) آدم کو تمام اسماء کا علم دے دیا۔

دوسرا قول یہ ہے کہ اس آیت میں ” انسان “ سے مراد سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہیں کیونکہ آپ کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

وعلمک مالم تکن تعلم (النساء :١١٣) اور اللہ نے آپ کو وہ تمام چیزیں سکھا دیں جن کو آپ نہیں جانتے تھے۔

(معالم التنزیل ج ٥ ص ٢٨١ دار احیاء التراث العربی، بیروت، ١٤٢٠ ھ)

امام عبدالرحمن بن علی بن محمد الجوزی المتوفی ۵۹۷ھ نے لکھا ہے:

"انسان" سے مراد اس آیت میں سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہیں۔ (زادالمسیر ج ۹ ص بیروت)

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی 668ھ نے لکھا ہے: اس آیت میں "انسان" کے متعلق تین قول ہیں:

(۱) "انسان" سے مراد حضرت آدم (علیہ السلام) ہیں (۲) اس سے مراد سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہیں (۳) اس سے مراد عام انسان ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۲۰ ص 106 دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

علامہ سید محمود آلوسی متوفی 1270ھ لکھتے ہیں:

یعنی اللہ تعالیٰ نے انسان کو قلم کے ساتھ اور بغیر قلم کے ایسے امور کلیہ اور جزیہ اور ظاہر اور مخفی سکھا دیئے، جن کا دل میں خطرہ بھی نہیں گزرتا، یہ اللہ تعالیٰ کی کمال قدرت اور کمال کرم ہے اور اس میں یہ خبر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ نبی (علیہ الصلوۃ والسلام) کو ایسے علوم سکھا رہا ہے، جن کا عقلیں احاطہ نہیں کرسکتیں۔ (روح المعانی جز 30 ص 324 دار الفکر، بیروت، 1324ھ)

ترکیب نحوی وتحقیق صرفی:

اِقْرَاْ، فعل امر واحد مذکر حاضر قَرَاَ یَقْرَاُ، مصدر قِرَآءَۃٌ، پڑھنا (آپ پڑھیے) بِاسْمِ (بِ۔اِسْمِ) بِ، حرف جار بمعنی، مِنْ، سے، اِسْمِ، مجرور، اسم، نام (نام سے) رَبِّکَ (رَبِّ۔کَ) رَبِّ، مضاف، رب، پروردگار، کَ، مضاف الیہ، ضمیر واحد مذکر حاضر، اپنے (اپنے رب کے) اَلَّذِیْ، اسم موصول واحد مذکر (جس نے) خَلَقَ، فعل ماضی واحد مذکر غائب خَلَقَ یَخْلُقُ، مصدر خَلْقًا، پیدا کرنا (اس نے پیدا کیا) خَلَقَ، فعل ماضی واحد مذکر غائب خَلَقَ یَخْلُقُ، مصدر خَلْقًا، پیدا کرنا (اس نے پیدا کیا) الْاِنْسَانَ (انسان کو) مِنْ عَلَقٍ۔ مِنْ، حرف جار، سے، عَلَقٍ، مجرور، جمے ہوئے خون، جو منی سے پیدا ہوتا ہے، واحد، عَلَقَۃٌ (جمے ہوئے خون سے) اِقْرَاْ، فعل امر واحد مذکر حاضر قَرَاَ یَقْرَاُ، مصدر قِرَآءَۃٌ، پڑھنا (آپ پڑھیے) وَ، حرف عطف (اور) رَبُّکَ (رَبُّ۔کَ) رَبُّ، مضاف، رب، پروردگار، کَ، مضاف الیہ، ضمیر واحد مذکر حاضر، آپ کا (آپ کا رب) اَلْاَکْرَمُ۔ کَرَمٌ، مصدر سے افعل التفضیل کا صیغہ (سب سے زیادہ کرم والا) اَلَّذِیْ، اسم موصول واحد مذکر (جس نے) عَلَّمَ، فعل ماضی واحد مذکر غائب عَلَّمَ یُعَلِّمُ، مصدر تَعْلِیْمٌ، تعلیم دینا، علم سکھانا (اس نے علم سکھایا) بِالْقَلَمِ (بِ۔اَلْقَلَمِ) بِ، حرف جار، کے ذریعے، اَلْقَلَمِ، مجرور، قلم (قلم کے ذریعے) اَلَّذِیْ، اسم موصول واحد مذکر (جس نے) عَلَّمَ، فعل ماضی واحد مذکر غائب عَلَّمَ یُعَلِّمُ، مصدر تَعْلِیْمٌ، تعلیم دینا، علم سکھانا (اس نے علم سکھایا) بِالْقَلَمِ (بِ۔اَلْقَلَمِ) بِ، حرف جار، کے ذریعے، اَلْقَلَمِ، مجرور، قلم (قلم کے ذریعے)

آیت ۶ تا ۱۴

كَلَّآ إِنَّ الْإِنْسَانَ لَيَطْغَى (۶) أَنْ رَآهُ اسْتَغْنَى (۷) إِنَّ إِلَى رَبِّكَ الرُّجْعَى (۸) أَرَأَيْتَ الَّذِي يَنْهَى (۹) عَبْدًا إِذَا صَلَّى (۱۰) أَرَأَيْتَ إِنْ كَانَ عَلَى الْهُدَى (۱۱) أَوْ أَمَرَ بِالتَّقْوَى (۱۲) أَرَأَيْتَ إِنْ كَذَّبَ وَتَوَلَّى (۱۳) أَلَمْ يَعْلَمْ بِأَنَّ اللَّهَ يَرَى (۱۴)

ترجمہ:

ہرگز نہیں، بے شک انسان یقیناً حد سے نکل جاتا ہے۔ (۶) اس لیے کہ وہ اپنے آپ کو دیکھتا ہے کہ غنی ہوگیا ہے۔ (۷) یقیناً تیرے رب ہی کی طرف لوٹنا ہے۔ (۸) کیا تو نے اس شخص کو دیکھا جو منع کرتا ہے۔ (۹) ایک بندے کو جب وہ نماز پڑھتا ہے۔ (۱۰) کیا تو نے دیکھا اگر وہ ہدایت پر ہو۔ (۱۱) یا اس نے پرہیزگاری کا حکم دیا ہو۔ (۱۲) کیا تو

نے دیکھا اگر اس (منع کرنے والے) نے جھٹلایا اور منہ موڑا۔(۱۳) تو کیا اس نے یہ نہ جانا کہ یقیناً اللہ دیکھ رہا ہے۔(۱۴)

تفسیر:

فرمایا؛ ہرگز نہیں، بے شک انسان یقیناً حد سے نکل جاتا ہے۔الخ

"طغیان" کا معنی:

مفسرین نے کہا : آیت ٦: سے لے کر آخر سورت تک تمام آیات ابوجہل کے متعلق نازل ہوئی ہیں، اس آیت میں " لیطغی " کا لفظ ہے، اس کا مصدر " طغیان " ہے، اس کا معنی ہے :اللہ کی نافرمانی میں حد سے تجاوز کرنا۔

حضرت ابن عباس (رض) نے کہا : جب یہ آیتیں نازل ہوئیں اور مشرکین نے ان کو سنا تو ابوجہل نے آپ کے پاس آکر کہا :اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ کا یہ زعم ہے کہ جو مستغنی ہوتا ہے، وہ سرکشی کرتا ہے تو آپ ہمارے لیے مکہ کے پہاڑوں کو سونا بنا دیں، شاید ہم اس سے کچھ سونا لے لیں، پھر ہم اپنا دین چھوڑ کر آپ کے دین کی پیروی کریں گے، تب آپ کے پاس حضرت جبرائیل (علیہ السلام) آئے اور کہا :اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ ان کو اختیار دیں، اگر یہ چاہیں تو ہم پہاڑ کو سونا بنا دیں اس کے باوجود اگر انھوں نے اسلام قبول نہیں کیا تو ہم ان پر وہ عذاب نازل کریں گے، جو اصحاب مائدہ پر نازل کیا تھا، لیکن رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو علم تھا کہ وہ اس کو قبول نہیں کریں گے، اس لیے آپ نے ان کو ان کے اسی حال پر باقی رکھا۔

فرمایا، اس نے اپنے آپ کو بے نیاز سمجھ لیا ہے۔

یعنی اپنے قبیلہ اور دیگر مددگاروں کے ہونے کی بناء پر اپنے آپ کو بے نیاز سمجھ لیتا ہے اور اس کو جب مل جاتا ہے تو وہ اپنے کھانے، پینے، لباس اور سواریوں میں بہت اضافہ کرتا ہے۔

فرمایا : بیشک آپ کے رب کی طرف ہی لوٹنا ہے۔

یعنی جب ابوجہل آخرت میں پہنچے گا تو اسے اپنے تکبر اور سرکشی کی سزا مل جائے گی۔

ابوجہل کی مذمت:

فرمایا : کیا آپ نے اس کو دیکھا جو منع کرتا ہے۔ہمارے بندہ کو جب وہ نماز پڑھے۔

امام ابوالحق علی بن احمد واحدی متوفی 468ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں، حضرت حضرت ابوہریرہ (رض) بیان بیان کرتے ہیں کہ ابوجہل نے اپنے ساتھیوں سے کہا : کیا میں تمہارے سامنے (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا منہ خاک آلود کروں؟ لوگوں نے کہا :ہاں اس نے کہا :میں قسم کھاتا ہوں کہ اگر میں نے ان کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو میں ان کے گردن کو اپنے پیروں سے روندوں گا، اسے بتایا گیا کہ دیکھو وہ سامنے نماز پڑھ رہے ہیں، وہ آپ کی گردن کو روندنے

کے لیے آگے بڑھا، پھر فوراً الٹے پاؤں لوٹ آیا اور اپنے ہاتھوں سے اپنا بچاؤ کرر ہا تھا، لوگوں نے اس سے پوچھا :اے ابوالحکم! کیا ہوا، کیوں واپس آگ گئے؟ اس نے کہا :میرے اور ان کے درمیان آگ کی خندق ہے اور اس میں ہول ناک چیزیں ہیں، پھر نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا :اگر یہ ذرا بھی میرے قریب آتا تو فرشتے اس پر جھپٹ پڑتے اور اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتے۔

تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل کیں : کیا آپ نے اس کو دیکھا جو منع کرتا ہے۔ ہمارے بندہ کو جب وہ نماز پڑھے۔

(الوسیط ج ٤ ص 529 دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1415ھ)

فرمایا : آپ بتائیں اگر وہ منع کرنے والا ہدایت پر ہوتا۔ یا وہ اللہ سے ڈرنے کا حکم دیتا۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اس کافر سے خطاب فرمایا ہے کہ اے کافر! یہ بتا کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جو نماز پڑھ رہے ہیں ان کا نماز پڑھنا عین ہدایت ہے اور وہ جو دین کی تبلیغ کرر ہے ہیں اور لوگوں کو عذاب سے ڈرا رہے ہیں اور خوف خدا کا حکم دے رہے ہیں اور تو ان کو ان نیک کاموں سے ڈرا رہا ہے۔

فرمایا : آپ بتائیں اگر وہ حق کی تکذیب کرے اور پیٹھ پھیرے۔

یعنی ابوجہل اللہ عزوجل کی کتاب کی تکذیب کرتا ہے اور ایمان لانے سے اعراض کرتا ہے۔

فرمایا؛ تو کیا اس نے یہ نہ جانا کہ یقیناً اللہ دیکھ رہا ہے۔

ابوجہل کے لیے عذاب کی وعید؛

یعنی کیا ابوجہل نے یہ نہیں جانا کہ اللہ اس کو دیکھ رہا ہے، اور اس کو اس کی شرارتوں اور خباثتوں کا علم ہے۔

ترکیب نحوی وتحقیق صرفی؛

كَلَّا، حرف ردع وزجر (ہرگز نہیں) اِنَّ الْاِنْسَانَ۔ اِنَّ، حرف مشبہ بالفعل، بے شک، بلاشبہ، اَلْاِنْسَانَ، انسان (بلاشبہ انسان) لَيَطْغٰى (لَ۔ يَطْغٰى) لَ، لام تاکید، یقیناً، يَطْغٰى، فعل مضارع واحد مذکر غائب طَغٰى يَطْغٰى، مصدر طُغْيَانًا، سرکشی کرنا، وہ سرکشی کرتا (یقیناً وہ سرکشی کرتا ہے) اَنْ، مصدریہ (کہ) رَّاٰهُ (رَاٰ۔ هُ) رَاٰ، فعل ماضی واحد مذکر غائب بمعنی مضارع رَاٰی يَرٰی، مصدر رُؤْيَةٌ، دیکھنا، وہ دیکھتا ہے، هُ، ضمیر واحد مذکر غائب، اپنے آپ کو (وہ اپنے آپ کو دیکھتا ہے) اِسْتَغْنٰى، فعل ماضی واحد مذکر غائب اِسْتَغْنٰى يَسْتَغْنِىْ، مصدر اِسْتِغْنَآءٌ، بے پرواہ ہونا، غنی ہونا (وہ غنی ہو گیا ہے) اِنَّ، حرف مشبہ بالفعل (بے شک، بلاشبہ) اِلٰى رَبِّكَ (اِلٰى۔ رَبِّ۔ كَ) اِلٰى، حرف جار، کی طرف، رَبِّ، مجرور، مضاف، رب، پروردگار، كَ، ضمیر واحد مذکر حاضر، آپ کے (آپ کے رب کی طرف اَلرُّجْعٰى۔ رَجَعَ يَرْجِعُ، کا مصدر ہے (لوٹنا، پھر جانا) اَرَءَيْتَ (اَ۔ رَءَيْتَ) اَ، ہمزہ استفہامیہ، کیا، رَءَيْتَ، فعل ماضی واحد مذکر حاضر رَاٰی يَرٰی، مصدر رُؤْيَةٌ، دیکھنا، تونے دیکھا (کیا تونے دیکھا) اَلَّذِیْ، اسم موصول واحد مذکر (اس کو) جو) مراد ابوجہل ہے۔ يَنْهٰى، فعل مضارع واحد مذکر غائب نَهٰى يَنْهٰى، مصدر نَهْيًا، روکنا، منع کرنا (وہ منع کرتا ہے) عَبْدًا (ایک بندہ) مراد حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہیں، اِذَا، اسم ظرف زمان مستقبل بمعنی شرط (جب) صَلّٰى، فعل ماضی واحد مذکر غائب صَلّٰى يُصَلِّىْ، مصدر تَصْلِيَةٌ، نماز پڑھنا، اِذَا، کی وجہ سے ترجمہ (وہ نماز پڑھتا ہے) اَرَءَيْتَ (اَ۔ رَءَيْتَ) اَ، ہمزہ استفہامیہ، کیا، رَءَيْتَ، فعل ماضی واحد مذکر حاضر رَاٰی يَرٰی، مصدر رُؤْيَةٌ، دیکھنا، تونے دیکھا (کیا تونے دیکھا) اِنْ، شرطیہ (اگر) كَانَ، فعل ناقص ماضی واحد مذکر غائب كَانَ يَكُوْنُ

، مصدر کونًا، ہونا۔ اِنْ، کی وجہ سے ترجمہ (وہ ہو) عَلَى الْهُدٰى (عَلٰی۔ الْهُدٰی) عَلٰی، حرف جار، پر، الْهُدٰی، مجرور، اسم مصدر، ہدایت (ہدایت پر) اَوْ، حرف عطف (یا) اَمَرَ، فعل ماضی واحد مذکر غائب اَمَرَ یَاْمُرُ، مصدر اَمْرًا، حکم دینا۔ اِنْ، کی وجہ سے ترجمہ (وہ حکم دیتا ہو) بِالتَّقْوٰى (بِ۔ التَّقْوٰی) بِ، حرف جار، کا، التَّقْوٰی، مجرور، اِتِّقَاءٌ، مصدر سے اسم ہے، پرہیزگاری، تقوی (پرہیزگاری کا) اَرَءَيْتَ (اَ۔ رَءَيْتَ) اَ، ہمزہ استفہامیہ، کیا، رَءَيْتَ، فعل ماضی واحد مذکر حاضر رَاٰی یَرٰی، مصدر رُؤْیَۃٌ، دیکھنا، تو نے دیکھا (کیا تو نے دیکھا) اِنْ، شرطیہ (اگر) کَذَّبَ، فعل ماضی واحد مذکر غائب کَذَّبَ یُکَذِّبُ، مصدر تکْذِیْبٌ، جھٹلانا۔ اِنْ، کی وجہ سے ترجمہ (وہ جھٹلاتا ہو) وَ، حرف عطف (اور) تَوَلّٰی، فعل ماضی واحد مذکر غائب تَوَلّٰی یَتَوَلّٰی، مصدر تَوَلِّیٌ، منہ پھیرنا، منہ موڑنا۔ اَلَمْ یَعْلَمْ (اَ۔ لَمْ یَعْلَمْ) اَ، ہمزہ استفہامیہ، کیا، لَمْ یَعْلَمْ، فعل مضارع منفی مجزوم محجد بلم واحد مذکر غائب عَلِمَ یَعْلَمُ، مصدر عِلْمًا، جاننا، لَمْ، کی وجہ سے ترجمہ، اس نے نہیں جانا (کیا اس نے نہیں جانا) بِاَنَّ اللّٰهَ (بِ۔ اَنَّ۔ اللّٰہَ) بِ، حرف جار، ترجمہ کی ضرورت نہیں، اَنَّ، مجرور، حرف مشبہ بالفعل، یقینا، اللّٰہَ، خالق کائنات کا ذاتی نام، اللہ (یقینا اللہ) یَرٰی، فعل مضارع واحد مذکر غائب رَاٰی یَرٰی، مصدر رُؤْیَۃٌ، دیکھنا (وہ دیکھ رہا ہے)

آیت ۱۵ تا ۱۹

كَلَّا لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِيَةِ (۱۵) نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ (۱۶) فَلْيَدْعُ نَادِيَهُ (۱۷) سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ (۱۸) كَلَّا لَا تُطِعْهُ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ۩ (۱۹)

ترجمہ:

ہر گز نہیں، یقیناً اگر وہ باز نہ آیا تو ہم ضرور اسے پیشانی کے بالوں کے ساتھ گھسیٹیں گے۔ (۱۵) پیشانی کے ان بالوں کے ساتھ جو جھوٹے ہیں، خطا کار ہیں۔ (۱۶) پس وہ اپنی مجلس کو بلا لے۔ (۱۷) ہم عنقریب جہنم کے فرشتوں کو بلا لیں گے۔ (۱۸) ہر گز نہیں، اس کا کہنا مت مان اور سجدہ کر اور بہت قریب ہو جا۔ (۱۹)

تفسیر:

فرمایا؛ ہر گز نہیں، یقیناً اگر وہ باز نہ آیا تو ہم ضرور اسے پیشانی کے بالوں کے ساتھ گھسیٹیں گے۔

یہ آیت ہر چند کہ ابوجہل کے متعلق نازل ہوئی ہے لیکن یہ تمام لوگوں کے لیے نصیحت ہے اور اس آیت سے ان تمام لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرایا ہے، جو اللہ تعالیٰ کے احکام کو نہیں مانتے اور اس کے سامنے سرکشی کرتے ہیں اور سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو ایذاء پہنچاتے ہیں۔

اس آیت میں "لنسفعا" کا لفظ ہے "سفع" کا معنی ہے: کسی چیز کو پکڑ کر سختی سے کھینچنا اور "ناصیۃ" کا معنی ہے: پیشانی کے اوپر سر کے بال۔

فرمایا: اسے چاہیے کہ اپنے ہم مجلس مددگاروں کو بلائے ہم بھی عنقریب دوزخ کے مقرر کردہ فرشتوں کو بلائیں گے۔

حضرت ابن عباس (رض) بیان کرتے ہیں کہ ابوجہل نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس سے گزرا، اس وقت آپ مقام ابراہیم کے پاس نماز پڑھ رہے تھے، ابوجہل کہنے لگا: یا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کیا میں نے آپ کو نماز پڑھنے سے منع نہیں کیا؟ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اس کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرایا تو ابوجہل کہنے لگا: اے محمد! آپ مجھے کس

چیز سے ڈرا رہے ہیں؟ اللہ کی قسم! اس وادی کے اکثر لوگ میری مجلس میں بیٹھنے والے ہیں، تب اللہ سبحانہ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں کہ تم اپنی مجلس کے مددگاروں کو بلاؤ، ہم دوزخ کے فرشتوں کو بلائیں گے۔

سجدہ سے اللہ سبحانہ کے قرب کا حصول:

فرمایا: ہرگز نہیں، آپ اس کی کوئی بات نہ مانیں، آپ سجدہ کریں اور زیادہ قریب ہوں۔

یعنی ابوجہل جو آپ کو نماز پڑھنے سے منع کر رہا ہے، آپ ہرگز اس کی کوئی بات نہ مانیں، آپ اللہ کے لیے نماز پڑھتے رہیں اور اس کی اطاعت اور عبادت کر کے اس کا قرب حاصل کریں، ایک قول یہ ہے کہ جب آپ سجدہ کریں تو اللہ سے دعا کر کے اس کا قرب حاصل کریں۔

حضرت ابوہریرہ (رض) بیان بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا، بندہ کا اپنے رب کے ساتھ سب سے زیادہ قرب اور سب سے زیادہ محبت اس وقت ہوتی ہے، جب اس کی پیشانی زمین پر اللہ کے لیے سجدہ ریز ہوتی ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث ٤٨٢ :)

عبارت کا خلاصہ ہے: اللہ سبحانہ کے سامنے ذلت اختیار کرنا اور غایت تذلل سجدہ میں ہے کیونکہ انسان سجدہ میں اپنے مشرف ترین عضو کو اللہ کے سامنے خاک پر رکھ دیتا ہے۔

نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: رکوع میں رب کی تعظیم کرو اور رہا سجود تو اس میں دعا کی خوب کوشش کرو کیونکہ اس میں تمہاری دعا کا قبول ہونا متوقع ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث 479: سنن ابوداؤد رقم الحدیث 867:)

زید بن اسلم نے اس آیت کی تفسیر میں کہا: اے محمد! آپ نماز سے اللہ کا قرب حاصل کرتے رہیں اور اے ابوجہل! تو دوزخ کے قریب ہوتا رہ۔

حضرت ابوہریرہ (رض) بیان نے کہا: میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ " اذا السماء انشقت ' (الانشاق ١ :) میں سجدہ کیا اور " اقرا باسم ربک الذی خلق " (العلق ١ :) میں سجدہ کیا۔ (صحیح رقم الحدیث 578: سنن ترمذی رقم الحدیث 573:) اور یہ حدیث نص صریح ہے کہ اس آیت میں سجدہ سے مراد سجدہ تلاوت ہے۔

ترکیب نحوی وتحقیق صرفی:

کَلَّا، حرف ردع و زجر (ہرگز نہیں) لَئِنۡ (لَ۔ اِنۡ) لَ، لام تاکید، یقینا، اِنۡ، شرطیہ، اگر (یقینا اگر) لَمۡ یَنۡتَہِ، فعل مضارع منفی جحد بلم واحد مذکر غائب اِنۡتَھٰی یَنۡتَھِیۡ، مصدر اِنۡتِھَآءٌ، باز آنا، اِنۡ، کی وجہ سے ترجمہ (وہ باز نہ آئے گا) لَنَسۡفَعًۢا بِالنَّاصِیَۃِ ۱۵۰۰ یقینا ہم پیشانی کے بالوں سے پکڑ کر ضرور گھسیٹیں گے۔ لَنَسۡفَعًا، فعل مضارع لام تاکید بانون تاکید خفیفہ جمع متکلم، یہ اصل میں، لَنَسۡفَعَنۡ، تھا، نون خفیفہ کو ساکن تنوین سے لکھا گیا ہے، سَفَعَ یَسۡفَعُ، مصدر سَفۡعًا، جسم کے کسی عضو کو پکڑ کر گھسیٹنا (یقینا ہم ضرور پکڑ کر گھسیٹیں گے) بِالنَّاصِیَۃِ (بِ۔ اَلنَّاصِیَۃِ) بِ، حرف جار، کو، اَلنَّاصِیَۃِ، مجرور، اسم معرفہ، پیشانی کے بال، پیشانی، جمع، نَوَاصِیۡ (پیشانی کے بالوں سے) نَاصِیَۃٍ کَاذِبَۃٍ خَاطِئَۃٍ۔ نَاصِیَۃٍ، اسم مفرد، پیشانی، پیشانی کے بال، جمع، نَوَاصِیۡ، کَاذِبَۃٍ، صفت اول، کِذۡبٌ، مصدر سے اسم فاعل واحد مؤنث، جھوٹی، خَاطِئَۃٍ، صفت ثانی، خَطَآءٌ، مصدر سے

اسم فاعل واحد مؤنث، خطاکار، ((وہ) پیشانی (جو) جھوٹی، خطاکار ہے) فَلْيَدْعُ (فَ۔لْ۔يَدْعُ) فَ، حرف عطف، پس، لْ، لام امر، چاہیے کہ، يَدْعُ، فعل مضارع واحد مذکر غائب دَعَا يَدْعُوْا، مصدر دُعَآءً وَّدَعْوَةً، بلانا، پکارنا، وہ بلائے (پس چاہیے کہ وہ بلائے) نَادِيَهٗ (نَادِيَ۔هٗ) نَادِيَ، مضاف، مجلس، هٗ، مضاف الیہ، ضمیر واحد مذکر غائب، اپنی (اپنی مجلس کو) سَنَدْعُ (سَ۔نَدْعُ) سَ، حرف استقبال، عنقریب، فعل مضارع کو مستقبل کے معنی کیلئے مختص کرتا ہے، نَدْعُ، فعل مضارع جمع متکلم دَعَا يَدْعُوْا، مصدر دُعَآءً وَّدَعْوَةً، بلانا، پکارنا، ہم بلائیں گے (عنقریب ہم بلائیں گے) اَلزَّبَانِيَةَ۔زِبْنِيٌّ، مصدر سے ماخوذ (دوزخ کے فرشتے) واحد، زِبْنِيٌّ، كَلَّا، حرف ردع وزجر (ہرگز نہیں) لَا تُطِعْهُ (لَا تُطِعْ۔هُ) لَا تُطِعْ، فعل نہی واحد مذکر حاضر اَطَاعَ يُطِيْعُ، مصدر اِطَاعَةً، اطاعت کرنا، تابعداری کرنا، کہنا ماننا، آپ کہا نہ مانیں، هُ، ضمیر واحد مذکر غائب، اس کا (آپ اس کا کہا نہ مانیں) وَ، حرف عطف (اور) اُسْجُدْ، فعل امر واحد مذکر حاضر سَجَدَ يَسْجُدُ، مصدر سُجُوْدًا، سجدہ کرنا (آپ سجدہ کریں) وَ، حرف عطف (اور) اِقْتَرِبْ، فعل امر واحد مذکر حاضر اِقْتَرَبَ يَقْتَرِبُ، مصدر اِقْتِرَابًا، نزدیک ہونا، قریب ہونا، قرب حاصل کرنا (آپ قرب حاصل کریں)

(الحمدللہ سورہ علق مکمل ہوگئی)

[سورۃ القدر]

آیت ۱ تا ۵

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

إِنَّآ أَنْزَلْنَاهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ (۱) وَمَآ أَدْرَاكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ (۲) لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ (۳) تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا بِإِذْنِ رَبِّهِمْ مِّنْ كُلِّ أَمْرٍ (۴) سَلٰمٌ هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ (۵)

ترجمہ:

یقیناً ہم نے اس (قرآن) کو شب قدر میں نازل کیا (۱) اور آپ کو کیا معلوم کہ شب قدر کیا ہے؟ (۲) قدر کی رات ہزار مہینے سے بہتر ہے۔ (۳) اس رات میں فرشتے اور جبریل روح الامین اپنے رب کے حکم سے ہر حکم لیکر اترتے ہیں (۴) وہ رات فجر طلوع ہونے تک سراسر سلامتی ہے۔ (۵)

کوائف:

اس سورۃ کا نام سورۃ القدر ہے۔ اس کی پہلی آیت میں قدر کا لفظ مذکور ہے۔ جس سے اس سورۃ کا نام ماخوذ ہے۔ یہ سورۃ پانچ آیات پر مشتمل ہے

ماقبل سے ربط:

گزشتہ سورۃ اقرا میں آغاز اور ابتداء بعثت کا ذکر تھا، اب اس سورت میں نزول قرآن کا زمانہ اور شب قدر کی فضیلت بیان کی

جاری ہے جس میں اللہ رب العزت نے قرآن جیسی نعمت اور عظیم کتاب ہدایت نازل فرمائی۔
یا یہ کہہ دیجئے کہ گزشتہ سورت میں انسان پر عنایات والطاف خداوندی کا ذکر تھا اور اس کی ترقیات کا، اب اس مناسبت سے انسانی سعادت اور فوز وفلاح کی اصل اساس کتاب الٰہی اور قرآن حکیم کا نزول بیان کیا جارہا ہے کہ وہ شب قدر میں ہوا، جس میں عقائد، عبادات، معاملات، تہذیب نفس، اور سیاست مدینہ کے جملہ اصول واحکام موجود ہیں اور پھر یہ کہ انسان حصول سعادت میں جدوجہد کا محتاج ہے اور عملی زندگی ہی اس کو فلاح وسعادت کی منزل تک پہنچاتی ہے امم سابقہ طویل طویل مدتوں تک، عبادات شاقہ کر کے بارگاہ رب العزت میں جو تقرب حاصل کرتی تھیں وہ اس امت کے لیے ایک رات کی چند گھڑیوں میں ہی مقدر فرمادیا۔ (معارف کاندھلوی)

شان نزول:

اس سورت کا شان نزول اس طرح تفسیروں میں بیان ہوا ہے کہ ایک موقع پر آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اطلاع ملی کہ میری امت کے اکثر افراد کی عمریں ساٹھ سے ستر سال کے درمیان ہوں گی۔ ستر سے زائد عمر والے کم لوگ ہوں گے۔ یہ سبق صحابہ کرام (رض) کو یاد تھا۔
پھر ایک موقع پر آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے بنی اسرائیل کے ایک مجاہد اور عابد کا ذکر کیا کہ بنی اسرائیل میں ایک مجاہد تھا کہ جس کا معمول تھا کہ رات کو تہجد پڑھتا اور دن کو اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرتا اور دوپہر کو تھوڑا سا سوتا تھا، آرام کرتا تاھ۔ یہ عمل اس نے چوراسی سال کیا۔ چوراسی سال کے تقریباً ایک ہزار مہینے بنتے ہیں۔ صحابہ کرام (رض) نے جب یہ بات سنی تو پریشان ہوگئے، سب غمگین ہوگئے اور سر جھکا لیے۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کیا ہوا ہے؟ ایک واقعہ سن کر غمگین ہوگئے ہو؟ کہنے لگے حضرت! آپ نے ایک موقع پر فرمایا تھا کہ میری امت کے اکثر افراد کی عمریں ساٹھ ستر سال کے درمیان ہوں گی۔ اور آج آپ نے فرمایا ہے کہ بنی اسرائیل کے ایک عابد نے چوراسی سال اس طرح گزارے کہ رات کو تہجد اور دن کو جہاد۔ ہماری تو عمریں ہی چوراسی سال نہیں ساٹھ سے ستر سال کے درمیان ہوں گی۔ پھر ان میں سے نابالغی کا وقت بھی گزر جاتا ہے۔
نابالغی کے زمانے میں آدمی جو عبادت کرتا ہے اس کا ثواب اس کے والدین کو ملے گا۔ اگر نابالغی میں عبادت نہیں کرتا تو اس پر شرعاً کوئی گرفت نہیں ہے۔ مگر عادت پڑے گی۔ اگر بچپن میں عبادت نہیں کرے گا تو عادت نہیں پڑے گی۔ اس لیے حدیث پاک میں حکم آیا ہے کہ سات سال کے بچوں کو نماز کا حکم دو اور دس کے ہوجائیں اور نہ پڑھیں تو ان کو مارو۔ اور بالغ ہونے کی کوئی مدت مقرر نہیں ہے آب وہوا، خوراک، ماحول، صحت، ان چیزوں پر موقوف ہے۔ اگر لڑکے لڑکی کے بالغ ہونے کی کوئی علامت ظاہر نہ ہو تو پندرہ سال کی عمر میں لازماً بالغ ہوجائے گا۔ اس سے پہلے تیرہ سال یا چودہ سال کی عمر میں بالغ ہوجائے تو ہوسکتا ہے۔

توخیر صحابہ کرام (رض) نے کہا حضرت ہماری تو عمریں ساٹھ سے ستر کے درمیان رہیں گی ان میں کچھ زمانہ نابالغی کا بھی ہے تو وہ بنی اسرائیل کا مجاہد تو نمبر لے گیا، اس کا درجہ تو بڑھ گیا اس لیے ہم پریشان ہوئے ہیں۔ تو اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ سورت نازل فرمائی۔ اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے تمہیں ایک رات ایسی دی ہے کہ جو ہزار مہینے یعنی چوراسی سال کی عبادت سے بہتر ہے۔ (ذخیرۃ الجنان)

تفسیر:

فرمایا: یقیناً ہم نے اس (قرآن) کو شب قدر میں نازل کیا: الخ

"لیلۃ القدر" میں قرآن مجید کا آسمان دنیا کی طرف نازل ہونا:

"انزلناہ" کی ضمیر قرآن مجید کی طرف راجع ہے، ہر چند کہ اس سورت میں اس سے پہلے قرآن مجید کا ذکر نہیں ہے، کیونکہ قرآن مجید کا معنی ہر پڑھنے والے کو معلوم ہے اور اس کا ذکر اس کے ذہن میں مرتکز ہے، درج ذیل آیات میں قرآن مجید کے نزول کا ذکر ہے:

(البقرہ ۱۸۵:) رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن کو نازل کیا گیا۔

(الدخان ۳:۔۱) حامیم۔ کتاب مبین کی قسم۔ ہم نے اس کتاب کو برکت والی رات میں نازل کیا ہے۔

اس آیت میں "لیلہ مبارکتہ" سے مراد "لیلہ القدر" ہے۔ شعبی نے کہا: اس آیت کا معنی یہ ہے کہ ہم نے قرآن مجید کو نازل کرنے کی ابتداء "لیلہ القدر" میں کی ہے، ایک قول یہ ہے کہ حضرت جبرائیل (علیہ السلام) امین (علیہ السلام) نے پورے قرآن مجید کو لیلتہ القدر میں لوح محفوظ سے آسمان دنیا کی طرف بیت العزۃ میں نازل کیا، پھر حضرت حضرت جبرائیل (علیہ السلام) اس قرآن کو تھوڑا تھوڑا کر کے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر نازل کرتے رہے اور یہ مدت تئیس (۲۳) سال ہے۔

صحیح یہی ہے کہ قرآن مجید لوح محفوظ سے آسمان دنیا کی طرف مکمل نازل ہوا، پھر امر اور نہی اور حلال اور حرام اور مواعظ اور قصص اور لوگوں کے سوالات کے جوابات میں حسب ضرورت سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر تئیس (۲۳) سال تک تھوڑا تھوڑا کر کے حضرت جبرائیل کے واسطے سے نازل ہوتا رہا۔

امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی 235ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس (رض) بیان کرتے ہیں کہ پورا قرآن ساتویں آسمان سے آسمان دنیا کی طرف رمضان میں نازل ہوا، پھر اللہ تعالیٰ جس چیز کو نازل فرمانا چاہتا، نازل فرما دیتا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ٦ ص ٤٤ ۃ رقم الحدیث 30178: دار الکتب)

ابوقلابہ بیان کرتے ہیں کہ آسمانی کتابیں چوبیس رمضان کو نازل ہوئی ہیں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث 30180:)

ابوالعالیہ سے روایت کرتے ہیں کہ صحیفے یکم رمضان کی شب میں نازل ہوئے اور زبور چھ رمضان کو نازل ہوئی اور انجیل اٹھارہ رمضان کو نازل ہوئی اور قرآن چوبیس رمضان کو نازل ہوا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث 30182:)

ابوقلابہ بیان کرتے ہیں کہ توراۃ اس دن نازل ہوئی جب رمضان میں چھ دن رہتے تھے اور قرآن چوبیس رمضان کو نازل ہوا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث 30179:)

بعض مقامات اور بعض اوقات میں عبادت کے اجر میں اضافہ؛

اس رات میں جو فضیلت رکھی گئی ہے، ہم کو معلوم نہیں کہ وہ اس رات میں عبادت کی وجہ سے فضیلت ہے یا اس رات میں فرشتوں کے نزول کی وجہ سے فضیلت ہے، یا اس رات میں طلوع فجر تک سلامتی کے نزول کی وجہ سے فضیلت ہے یا اس رات میں قرآن مجید کے نزول کی ابتداء کی وجہ سے فضیلت ہے یا فی نفسہ اس رات میں فضیلت رکھی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے بعض مقامات پر عبادت کرنے کی فضیلت رکھی ہے، نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: مسجد حرام میں ایک نماز پڑھنا دوسری جگہ ایک لاکھ نمازیں پڑھنے کے برابر ہے اور میری مسجد، مسجد نبوی میں ایک نماز پڑھنا، دوسری جگہ سوا مسجد حرام کے ایک ہزار نمازیں پڑھنے کے برابر ہے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث 1406:) ان مقامات اور جگہوں کو عبادات کے لیے خاص کرلیا گیا اور ان مقامات پر عبادات کرنے کے ثواب کو بڑھا دیا گیا، اسی طرح بعض اوقات کو بھی عبادات کے لیے خاص کرلیا گیا اور ان اوقات میں عبادات کے اجر وثواب کو بڑھا دیا گیا، جیسے رمضان کے مہینہ میں نوافل کا ثواب فرائض کے برابر ہے اور فرائض کے ثواب کو ستر درجہ بڑھا دیا گیا، اسی طرح لیلۃ القدر کی عبادت کو ہزار ماہ کی عبادت سے زیادہ کردیا گیا۔

لیلۃ القدر میں "قدر" کے معانی؛

اس رات کو لیلۃ القدر اس لیے فرمایا ہے کہ "قدر" کا معنی تقدیر ہے: "**خلق کل شیء فقدرہ تقدیراً**۔" **(الفرقان :۲)**

اس نے ہر چیز کو پیدا کیا اور اس کا مناسب اندازہ کیا اس رات میں اللہ تعالیٰ آئندہ سال کے لیے جو امور چاہتا ہے وہ مقدر فرما دیتا کہ اس سال میں کتنے لوگوں پر موت آئے گی، کتنے لوگ پیدا ہوں گے اور لوگوں کو کتنا رزق دیا جائے گا، پھر یہ امور اس جہان کی تدبیر کرنے والے فرشتوں کو سونپ دیئے جاتے ہیں اور وہ چار فرشتے ہیں: اسرافیل، میکائیل، عزرائیل اور جبرائیل (علیہم السلام) حضرت ابن عباس (رض) نے فرمایا: لوح محفوظ سے لکھ دیا جاتا ہے کہ اس سال کتنا رزق دیا جائے گا اور کتنی بارشیں ہوں گی، کتنے لوگ زندہ رہیں گے اور کتنے مرجائیں گے، عکرمہ نے کہا: لیلۃ القدر میں بیت اللہ کا حج کرنے والوں کے نام اور ان کے آباء کے نام لکھ دیئے جاتے ہیں، ان میں سے کسی نام کی کمی کی جاتی ہے اور نہ کسی نام کا اضافہ کیا جاتا ہے۔

حضرت ابن عباس (رض) سے یہ بھی روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نصف شعبان کی شب میں مستقبل میں ہونے والے امور کے متعلق فیصلے فرماتا ہے اوران فیصلوں کو ان فرشتوں کے حوالے کردیتا ہے جوان کو نافذ کرتے ہیں۔

اس رات کو لیلتہ القدر فرمانے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ "قدر" کا معنی عظمت اور شرف ہے" **وما قدروالله حق قدره (الانعام ۹۱ :)** انھوں نے اللہ کی ایسی قدر نہیں کی جیسی قدر کرنی چاہیے تھی، جیسے کہتے ہیں کہ فلاں آدمی کی بہت قدر و منزلت ہے، زہری نے کہا :اس رات میں عبادت کرنے کی بہت قدر و منزلت ہے اور اس کا بہت زیادہ اجر وثواب ہے، ابو وراق نے کہا : جس شخص کی کوئی قدر و منزلت نہ ہو، جب وہ اس رات کو عبادت کرتا ہے تو وہ بہت قدر اور عظمت والا ہوجاتا ہے اور ایک قول یہ ہے کہ اس رات کو لیلتہ القدر اس لیے فرمایا ہے کہ اس رات میں بہت قدر و منزلت والی کتاب، بہت عظیم الشان رسول پر، بہت عظمت والی امت کے لیے نازل کی گئی ہے اور ایک قول یہ ہے کہ اس رات کو لیلتہ القدر اس لیے فرمایا ہے کہ اس رات میں بہت قدر و منزلت والے فرشتے نازل ہوتے ہیں او ایک قول یہ ہے کہ اس رات میں اللہ تعالیٰ بہت خیر اور برکت اور مغفرت نازل فرماتا ہے، سہل نے کہا :اس رات کو لیلتہ القدر فرمانے کی وجہ یہ ہے کہ اس رات میں اللہ تعالیٰ نے مومنین کے لیے رحمت کو مقدر کردیا ہے۔

خلیل نے کہا، "قدر" کا معنی تنگی بھی ہے، جیسا قرآن مجید کی اس آیت میں ہے:

ومن قدر علیه رزقه (الطلاق :) جس شخص پر اس کا رزق تنگ کردیا گیا۔ اس رات میں اتنی کثرت سے فرشتے نازل ہوتے ہیں کہ زمین ان سے تنگ ہوجاتی ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۲۰ ص ۱۱٦ دارالفکر، بیروت، ۱٤۱۵ھ)

فرمایا اور آپ کیا سمجھے کہ شب قدر کیا ہے؟۔ شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔

ہمارے نبی سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو لیلتہ القدر کی تعیین کا علم تھا یا نہیں؟

امام بخاری فرماتے ہیں کہ امام ابن عینیہ نے کہا : قرآن مجید کی جس آیت میں کسی چیز کے متعلق فرمایا :" **ومآ ادرٰک** "اس کا اللہ تعالیٰ نے آپ کو علم دے دیا ہے اور جس کے متعلق فرمایا ہے :" **وما یدریک** "اس کا علم آپ کو نہیں دیا۔ (صحیح البخاری)

ابوسلمہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوسعید خدری (رض) سے لیلتہ القدر کے متعلق سوال کیا، جو میرے دوست تھے، انھوں نے کہا : ہم نے رمضان کے متوسط عشرہ میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ اعتکاف کیا، آپ بیس رمضان کی صبح کو باہر آئے اور آپ نے ہمیں خطبہ دیا اور آپ نے فرمایا : مجھے لیلتہ القدر دکھائی گی تھی، پھر بھلا دی گئی، اب تم اس کو آخری عشرہ کی طاق راتوں میں تلاش کرو، میں نے خواب میں دیکھا کہ میں پانی اور مٹی میں سجدہ کررہا ہوں، پس جس نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ اعتکاف کیا تھا وہ لوٹ جائے، ہم لوٹ گئے اور ہم آسمان میں کوئی بادل نہیں دیکھتے تھے، پھر اچانک بادل آیا اور بارش ہوئی اور مسجد کی چھت ٹپکنے لگی اور اس کی چھت میں کھجور کی شاخیں تھیں، اور نماز کی

اقامت کہی گئی، پھر میں نے دیکھا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پانی اور مٹی میں سجدہ کر رہے تھے، حتیٰ کہ میں نے آپ کی پیشانی پر مٹی کا نشان دیکھا۔
(صحیح البخاری)

حضرت عبادہ بن الصامت (رض) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہمیں لیلتہ القدر کی خبر دینے کے لیے باہر آئے اس وقت دو مسلمان آپس میں لڑ پڑے، آپ نے فرمایا : میں تمہیں لیلتہ القدر کی خبر دینے کے لیے آیا تھا، پس فلاں اور فلاں آپس میں لڑ پڑے تو لیلتہ القدر کی تعیین اٹھالی گی اور ہوسکتا ہے کہ یہ تمہارے لیے بہتر ہ، پس تم اس کو انتیسویں شب، ستائیسویں شب اور پچیسویں شب میں تلاش کرو۔ (صحیح البخاری)

لیلتہ القدر کو مخفی رکھنے کی حکمت؛

شب قدر کی تعیین کے علم کو اٹھانے کی حکمت یہ تھی کہ اللہ کے بندے لیلتہ القدر کی تلاش میں رمضان کے آخری عشرہ کی ہر طاق رات جاگ کر عبادت میں گزاریں کیونکہ اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں کا عبادت میں جاگنا پسند ہے۔

اور تاکہ کوئی عادی مجرم اس رات کو بھی گناہوں میں گزار دے تو اس کے نامہ اعمال میں یہ نہ لکھا جائے کہ اس نے اس عظیم رات کی دانستہ بے توقیری کی ہے۔

فرمایا؛ قدر کی رات ہزار مہینے سے بہتر ہے۔

لیلتہ القدر کے فضیلت؛

امام مالک بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے معتمد اہل علم سے سنا ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو سابقہ امتوں کی عمریں دکھائی گئیں تو آپ نے اپنی امت کی عمروں کو کم سمجھا اور یہ کہ وہ اتنے عمل نہیں کرسکیں گے جتنے لمبی عمر والے لوگ کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو لیلتہ القدر عطا کی، جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ (موطاء امام مالک رقم الحدیث 721: باب الیلتہ القدر)

مجاہد بیان کرتے ہیں کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے بنی اسرائیل کے ایک شخص کا ذکر کیا، جو اللہ کی راہ میں ایک ہزار سال ہتھیار پہنے رہا، مسلمانوں کو اس پر بہت تعجب ہوا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں : ” انا انزلنہ فی لیلہ القدر۔ وما ادرک مالیلتہ القدر۔ لیلہ القدر خیر من الف شھر۔ “ (القدر ٣ :۔١) (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث 19424:، تفسیر ابن کثیر ج ٤ ص 593)

امام ویلمی نے حضرت انس (رض) سے روایت کیا ہے کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا : اللہ تعالیٰ نے میری امت کو لیلتہ القدر عطا کی ہے اور اس سے پہلی امتوں کو عطا نہیں کی۔ (الدر المنثور ج ٨ ص ٥٢٢ دار احیاء التراث العربی، بیروت، ١٤١٥ ھ)

حضرت ابوہریرہ (رض) بیان بیان کرتے ہیں کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا : جس نے ایمان کی حالت میں ثواب کی نیت سے روزے رکھے، اللہ تعالیٰ اس کے گزشتہ گناہوں کو معاف فرما دیتا ہے اور جس نے ایمان کی حالت میں ثواب کی نیت سے لیلۃ القدر میں قیام کیا تو اللہ سبحانہ اس کے گزشتہ گناہوں کو معاف فرما دیتا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث 2014 : سنن نسائی رقم الحدیث 2206: مسند احمد ج ۲ ص ۵۰۳)

فرمایا؛ اس میں فرشتے اور روح اپنے رب کے حکم سے ہر امر کے متعلق اترتے ہیں۔ الخ

فرشتوں کے نزول کی تفصیل؛

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ ھ فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے : اس رات میں فرشتے نازل ہوتے ہیں، اس آیت کے ظاہر کا تقاضا یہ ہے کہ تمام فرشتے نازل ہوتے ہیں، بعض مفسرین نے کہا : وہ آسمان دنیا پر نازل ہوتے ہیں، لیکن اکثر مفسرین کا مختار یہ ہے کہ وہ زمین پر نازل ہوتے ہیں، کیونکہ بہت احادیث میں یہ وارد ہے کہ تمام ایام میں فرشتے مجالس ذکر میں حاضر ہوتے ہیں، پس جب عام ایام میں فرشتے زمین پر نازل ہوتے ہیں تو اس عظیم الشان رات میں تو فرشتے بہ طریق اولیٰ زمین پر نازل ہوں گے پھر اس میں اختلاف ہے کہ فرشتے کس لیے زمین پر نازل ہوتے ہیں اور اس میں حسب ذیل اقوال ہیں:

(۱) بعض نے کہا : فرشتے اس لیے نازل ہوتے ہیں کہ بشر کی عبادت اور اطاعت میں اس کی کوشش کو دیکھیں۔

(۲) فرشتوں نے کہا تھا:

وما نتنزل الا بامر ربك (مریم : ۶۴) ہم صرف آپ کے رب کے کم سے نازل ہوتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس رات اللہ تعالیٰ ان کو زمین پر نازل ہونے کا حکم دیتا ہے۔

(۳) اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے کہ آخرت میں اہل جنت کے پاس فرشتے نازل ہوں گے :

یدخلون علیھم من کل باب. سلم علیکم (الرعد : ۲۳۔۲۴)

فرشتے ان کے پاس ہر دروازے سے آئیں گے۔ اور کہیں گے : تم پر سلام ہو۔

اللہ تعالیٰ نے لیلۃ القدر میں فرشتوں کو نازل ہونے کا حکم دے کر یہ ظاہر فرمایا کہ آخرت کی عزت افزائی تو الگ رہی، اگر تم دنیا میں بھی میری عبادت میں مشغول رہو گے تو یہاں بھی اس رات میں فرشتے تمہاری زیارت کے لیے آئیں گے۔ روایت ہے کہ حضرت علی (رض) نے فرمایا : فرشتے اس رات کو اس لیے نازل ہوتے ہیں کہ ہم پر سلام پڑھیں اور ہماری شفاعت کریں، سو جس کو ان کا سلام پہنچے گا اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔ (تفسیر کبیر ج ۱۱ ص ۲۳۳، دار احیاء التراث العربی، بیروت ۱۴۱۵ھ)

روح کے مصداق میں اقوال مفسرین؛

روح کے متعلق حسب ذیل اقوال امام رازی نے ذکر کئے ہیں:

(۱) روح بہت بڑا فرشتہ ہے، وہ اتنا بڑا ہے کہ تمام آسمان اور زمینیں اس کے سامنے ایک لقمہ کی طرح ہیں۔

(۲) روح سے مراد مخصوص فرشتوں کی ایک جماعت ہے، جس کو عام فرشتے صرف لیلۃ القدر کو ہی دیکھ سکتے ہیں۔

(۳) وہ اللہ کی ایک خاص مخلوق ہے جو نہ فرشتوں کی جنس سے ہے، نہ انسانوں کی جنس سے ہے، ہوسکتا ہے وہ اہل جنت کے خادم ہوں۔

(٤) اس سے مراد خاص رحمت ہے، کیونکہ رحمت کو بھی روح فرمایا ہے : قرآن مجید میں ہے : یوسف ۸۷ :) اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو۔

(٥) اس سے مراد بہت بزرگ اور مکرم فرشتہ ہے۔

(٦) ابونجیح نے کہا : اس سے مراد کراماً کاتبین ہیں، جو مومن کے نیک کام لکھتے ہیں اور برے کاموں کے ترک کرنے کو لکھتے ہیں۔

(۷) زیادہ صحیح یہ ہے کہ روح سے مراد حضرت جبرائیل (علیہ السلام) ہیں، ان کی خصوصیت کی وجہ سے ان کو عام فرشتوں سے الگ ذکر کیا ہے۔ (تفسیر کبیر ج۱۱ ص ٤ ۲۳ دار احیاء التراث العربی، بیروت ١٤١٥ھ)

من کل امر سے مراد؛

یعنی سال بھر میں جو کام ہوتا ہے اس رات اللہ تعالیٰ اس کا فیصلہ کرتا ہے اور فرشتے اور روح اس کے مطابق عمل درآمد کرتے ہیں جیسا کہ سورۃ دخان میں لیلہ مبارکہ کے ذکر کے بعد فرمایا فیھا یفرق کل امر حکیم امرا من عندنا اس میں ہمارے حکم کے مطابق ہر حکمت والے کام کا انتظام کیا جاتا ہے۔

فرمایا؛ وہ رات فجر طلوع ہونے تک سراسر سلامتی ہے۔

سراسر سلامتی کا مطلب؛

(۱) اس میں شر نہیں یا اس معنی میں سلامتی والی ہے کہ مومن اس رات کو شیطان کے شر سے محفوظ رہتے ہیں

(۲) جو فرشتے نازل ہوتے ہیں وہ ساری رات اللہ کی عبادت کرنے والوں کے لیے امن وسلامتی کی دعائیں کرتے رہتے ہیں

(۳) ایک مطلب یہ ہے کہ اس رات میں جتنے بھی فیصلے کیے جاتے ہیں وہ سب خیر وسلامتی پر مبنی ہوتے ہیں، حتیٰ کہ اگر کسی فرد کی ہلاکت یا کسی قوم کی تباہی کے متعلق فیصلہ کیا جائے تو وہ بھی اہل زمیں کی خیر وسلامتی پر مبنی ہوگا۔

ترکیب نحوی وتحقیق صرفی:

اِنَّآ(اِنَّ ۔ نَا) اِنَّ، حرف مشبہ بالفعل، بے شک، نَا، ضمیر جمع متکلم، اَنْزَلْنٰهُ (اَنْزَلْنَا۔ هُ) اَنْزَلْنَا، فعل ماضی جمع متکلم اَنْزَلَ یُنْزِلُ، مصدر اِنْزَالًا، اتارنا، نازل کرنا، ہم نے نازل کیا ہے، هُ، ضمیر واحد مذکر غائب، اس کو، ضمیر کا مرجع، اَلْقُرْاٰن، ہے (ہم نے اس (قرآن) کو نازل کیا ہے) فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ (فِیْ ۔ لَیْلَةِ۔ اَلْقَدْرِ) فِیْ، حرف جار، میں، لَیْلَةِ، مجرور، مضاف، رات، شب، اَلْقَدْرِ، مضاف الیہ، مصدر ہے بمعنی قدرت، عزت، شرف و منزلت، قدر کی (قدر کی رات میں، شب قدر میں) وَمَا۔ وَ، حرف عطف، اور، مَا، استفہامیہ بمعنی، اَیُّ شَیْءٍ، کس چیز (اور کس چیز) اَدْرٰىكَ (اَدْرٰى۔ كَ) اَدْرٰى، فعل ماضی واحد مذکر غائب اَدْرٰى یُدْرِیْ، مصدر اِدْرَآءٌ، جاننا، معلوم کروانا، آگاہ کرنا، خبر دینا، اس نے معلوم کروایا، كَ، ضمیر واحد مذکر حاضر، آپ کو (اس نے آپ کو معلوم کروایا)، استفہامیہ (کیا) لَیْلَةُ الْقَدْرِ (لَیْلَةُ۔ اَلْقَدْرِ) لَیْلَةِ، مضاف، رات، شب، اَلْقَدْرِ، مضاف الیہ، مصدر ہے، قدرت، اندازہ کرنا، عزت، شرف و منزلت، قدر کی (قدر کی رات، شب قدر) لَیْلَةُ الْقَدْرِ لَیْلَةِ، مضاف، رات، شب، اَلْقَدْرِ، مضاف الیہ، مصدر ہے، قدرت، اندازہ کرنا، عزت، شرف و منزلت، قدر کی (قدر کی رات، شب قدر) خَیْرٌ (بہتر، اچھا) مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ۔ مِنْ، حرف جار، سے، اَلْفِ، مجرور، مضاف، ایک ہزار، شَهْرٍ، مضاف الیہ، مہینہ، جمع، شُهُوْرٌ (ایک ہزار مہینوں سے) تَنَزَّلُ، اصل میں، تَتَنَزَّلُ، تھا، ایک "تا" تخفیف کیلئے حذف کر دی گئی ہے، فعل مضارع واحد مؤنث غائب تَنَزَّلَ یَتَنَزَّلُ، مصدر تَنَزُّلٌ، اترنا، اَلْمَلٰٓئِكَةُ، فرشتے، جمع کا صیغہ ہے، اس لیے ترجمہ (وہ اترتے ہیں) ہوگا۔ اَلْمَلٰٓئِكَةُ (فرشتے) واحد، اَلْمَلَكُ، وَ، حرف عطف (اور) اَلرُّوْحُ، حضرت جبرائیل (علیہ السلام) کو کہا جاتا ہے (روح الامین) فِیْهَا (فِیْ ۔ هَا) فِیْ، حرف جار، میں، هَا، مجرور، ضمیر واحد مؤنث غائب، اس، ضمیر کا مرجع، لَیْلَةُ الْقَدْرِ، ہے (اس میں) بِاِذْنِ (بِ ۔ اِذْنِ) بِ، حرف جار بمعنی، مِنْ، سے، اِذْنِ، مجرور، حکم (حکم سے) رَبِّهِمْ (رَبِّ ۔ هِمْ) رَبِّ، مضاف، رب، پروردگار، هِمْ، مضاف الیہ، ضمیر جمع مذکر غائب، اپنے (اپنے رب کے) مِنْ كُلِّ اَمْرٍ۔ مِنْ، حرف جار بمعنی، بَاء، کے ساتھ، كُلِّ، مجرور، مضاف، ہر، اَمْرٍ، مضاف الیہ، مصدر ہے، کام، معاملہ، حالت، حکم، امر کا لفظ تمام اقوال و افعال کیلئے عام ہے (ہر امر کے ساتھ) مراد ہر اس کام کی غرض سے جو اس رات سے اگلے سال تک کیلئے ہوتا ہے۔ سَلٰمٌ۔ سَلِمَ یَسْلَمُ، کا مصدر (سلامتی، امان، سلام) هِیَ، ضمیر واحد مؤنث غائب (وہ) حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ (حَتّٰى۔ مَطْلَعِ۔ اَلْفَجْرِ) حَتّٰى، حرف جار، تک، یہاں تک کہ، مَطْلَعِ، مجرور، مضاف، مصدر میمی، طلوع ہونا، طلوع، اَلْفَجْرِ، مضاف الیہ، اسم فعل و مصدر، فجر کے، وقت فجر، صبح کی روشنی (فجر کے طلوع ہونے تک)۔

(الحمدللہ سورہ قدر مکمل ہوگئی)

[سورۃ البینۃ]

آیت ۱ تا ۵

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

لَمۡ يَكُنِ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا مِنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ وَالۡمُشۡرِكِيۡنَ مُنۡفَكِّيۡنَ حَتّٰى تَاۡتِيَهُمُ الۡبَيِّنَةُ (۱) رَسُوۡلٌ مِّنَ اللّٰهِ يَتۡلُوۡا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً (۲) فِيۡهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ (۳) وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡكِتٰبَ اِلَّا مِنۡۢ بَعۡدِ مَا جَآءَتۡهُمُ الۡبَيِّنَةُ (۴) وَمَاۤ اُمِرُوۡۤا اِلَّا لِيَعۡبُدُوا اللّٰهَ مُخۡلِصِيۡنَ لَهُ الدِّيۡنَ حُنَفَآءَ وَيُقِيۡمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤۡتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِيۡنُ الۡقَيِّمَةِ (۵)

ترجمہ:۔

وہ لوگ جنھوں نے اہل کتاب اور مشرکین میں سے کفر کیا، باز آنے والے نہ تھے، یہاں تک کہ ان کے پاس کھلی دلیل آئے۔(۱) اللہ کی طرف سے ایک رسول، جو پاک صحیفے پڑھ کر سنائے۔(۲) جن میں لکھے ہوئے مضبوط احکام ہوں۔(۳) اور وہ لوگ جنھیں کتاب دی گئی، جدا جدا نہیں ہوئے مگر اس کے بعد کہ ان کے پاس کھلی دلیل آگئی۔(۴) اور انھیں اس کے سوا حکم نہیں دیا گیا کہ وہ اللہ کی عبادت کریں، اس حال میں کہ اس کے لیے دین کو خالص کرنے والے، ایک طرف ہونے والے ہوں اور نماز قائم کریں اور زکوۃ دیں اور یہی مضبوط ملت کا دین ہے۔(۵)

کوائف:

اس سورت کا نام ہے سورۃ البینہ۔ یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ نزول کے اعتبار سے اس کا سواں نمبر ہے۔ اس سے پہلے ننانویں سورتیں نازل ہو چکی تھیں۔ اس کا ایک رکوع اور آٹھ آیتیں ہیں۔

ماقبل سے ربط:

گزشتہ سورت القدر میں شب قدر کی عظمت وفضیلت کا ذکر تھا، اس مناسبت سے اب اس سورت میں قبولیت عبادت کی اساس بیان کی جارہی ہے کہ وہ بندہ کا اخلاص اور قلب کی طہارت ہے اور اسی کو نام حنیفیت ہے حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کا شعار تھا، نیز یہ کہ سورۃ قدر میں لیلہ القدر کی فضیلت بیان کی گئی تھی تو اب اس سورت میں سعادت وشقاوت کے اصول بیان کئے گئے تا کہ ایمان وکفر اور ہدایت وگمراہی میں کسی کو التباس نہ رہے۔

تفسیر:۔

فرمایا؛ وہ لوگ جنھوں نے اہل کتاب اور مشرکین میں سے کفر کیا، باز آنے والے نہ تھے، یہاں تک کہ ان کے پاس کھلی دلیل آئے۔الخ

ان آیات کی مفسرین نے کئی تقریریں کی ہیں۔

امام ابو منصور محمد بن محمد ماتریدی سمرقندی حنفی متوفی ۳۳۳ھ لکھتے ہیں:

البینہ ۱ : میں اہل کتاب سے پہلے ”من“ تبعیضیہ کا ذکر ہے اور مشرکین سے پہلے نہیں ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اہل کتاب کے متعدد فرقے تھے، ان میں سے بعض کافر تھے اور بعض کافر نہیں تھے اور مشرکین تمام کے تمام کافر تھے۔

اہل کتاب میں سے بعض وہ تھے، جو ہمارے نبی سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی بعثت سے پہلے آپ پر ایمان رکھتے تھے اور جب آپ مبعوث ہو گئے تو پھر بھی وہ آپ پر ایمان لے آئے اور بعض وہ تھے جو آپ کی بعثت کے بعد آپ پر ایمان نہیں لائے اور بعض وہ تھے جو پہلے بھی کافر تھے اور بعد میں بھی کافر رہے اور جب ان کے متعدد فرقے تھے تو اہل کتاب سے پہلے ”من“ تبعیضیہ کا ذکر کیا یعنی اہل کتاب میں سے وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور رہے مشرکین تو ان کی ایک ہی قسم تھی اور وہ سب کافر تھے۔

اس آیت میں ”بینۃ“ کی ایک تفسیر یہ ہے کہ اس سے مراد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہیں، جیسا کہ البینہ ۲ : میں فرمایا: وہ اللہ کی طرف سے رسول ہیں جو پاک صحیفوں کی تلاوت کرتے ہیں، اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو ”بینۃ“ اس لیے فرمایا ہے کہ حق اور باطل کو آپ نے ہی بیان فرمایا ہے اور دنیا اور آخرت کی ہر اہم چیز آپ نے بیان فرمائی اور اپنی نبوت اور اسلام کی صداقت پر آپ نے ہی معجزات پیش کیے، سب سے بڑا معجزہ قرآن کریم ہے، اس کو بھی آپ نے پڑھ کر سنایا، سو اللہ تعالیٰ کی توحید اور آپ کی نبوت پر حجت قاطعہ اور واضح دلیل آپ کی ذات گرامی ہے، اس لیے ان دونوں آیتوں کا معنی یہ ہے کہ اہل کتاب میں سے جن بعض لوگوں نے کفر کیا، وہ اور مشرکین اپنے دین کو چھوڑنے والے نہیں ہیں، حتیٰ کہ ان کے پاس رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آجائیں اور آپ ان پر قرآن مجید کی تلاوت کریں، جس میں معتدل احکام ہیں اور اہل کتاب میں اسی وقت تفرقہ ہوا، جب آپ مبعوث ہو گئے، ان میں سے بعض آپ پر ایمان لے آئے اور ان میں سے بعض نے عناداً آپ کا انکار کیا اور کافر ہو گئے۔

البینہ ۱ : کا دوسرا محمل یہ ہے کہ اہل کتاب میں سے بعض کفار اور مشرکین دنیا سے اس وقت تک نکلنے والے نہیں ہیں، جب تک کہ ان کے پاس واضح دلیل نہ آجائے اور واضح دلیل سے مراد یہ ہے کہ موت کے وقت ان کو عذاب کے فرشتے دکھائے جائیں گے اور وہ عذاب کا مشاہدہ کر لیں گے اور اس وقت دنیا سے نکل جائیں گے۔

البینہ ۲ : میں پہلی تقریر کے مطابق حجت واضحہ کا بیان ہے کہ وہ اللہ کی طرف سے رسول ہیں، اور دوسری تقریر کے مطابق جب حجت واضحہ سے مراد عذاب کے فرشتے ہوں تو پھر یہاں سے نیا کلام شروع ہو رہا ہے یعنی وہ اللہ کے رسول ہیں جو پاک صحیفوں کی تلاوت کرتے ہیں، پاک صحیفوں سے مراد قرآن مجید ہے، قرآن مجید ہر چند کہ ایک صحیفہ ہے لیکن اس کو تعظیماً جمع کے مطہرہ فرمایا اور تیسری وجہ یہ ہے کہ قرآن مجید کا ذکر کتب سابقہ میں بھی تھا، جیسا کہ فرمایا:

(الشعراء ۱۹۶ :) کتب سابقہ میں بھی اس قرآن کا ذکر ہے۔ کتب سابقہ میں بھی اس قرآن کا ذکر ہے۔

(الاعلیٰ 18 :- 19) یہ نصیحت پہلے صحیفوں میں بھی ہے۔ ابراہیم اور موسیٰ کے صحیفوں میں۔

ان آیتوں میں یہ بتایا ہے کہ قرآن مجید میں سابقہ صحائف میں ہے اور سابقہ صحائف قرآن مجید میں ہیں، پس جب آپ نے قرآن مجید کی تلاوت کی تو گویا سابقہ صحائف کی تلاوت کی۔

البینہ ۳ : میں فرمایا :ان میں معتدل احکام ہیں۔

اس آیت میں ''قیمۃ'' کا لفظ ہے ''قیمۃ'' کا معنی ہے : صادقہ، صواب پر مبنی، درست، معاش اور معاد کو درست کرنے والی، مراد یہ ہے کہ سابقہ آسمانی کتابیں درست اور مستقیم تھیں، انسان کی زندگی کی اصلاح کرنے والی تھیں اور قرآن مجید ان سابقہ کتابوں کے عقائد اور صنحاح پر مشتمل ہے، یعنی اس کتاب میں بہت احکام شرعیہ ہیں جو معتدل ہیں اور حکمت کے موافق ہیں۔

البینہ ٤ : میں فرمایا :اہل کتاب میں اسی وقت تفرقہ ہوا، جب ان کے پاس واضح دلیل آچکی تھی۔ اس آیت کے دو مطلب ہیں:

(۱) بعض اہل کتاب نے سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی نبوت میں اس وقت اختلاف کیا، جب ان کے نزدیک دلیل سے آپ کی نبوت ثابت ہوگئی، حالانکہ اس سے پہلے وہ اس پر متفق تھے کہ آخری نبی کا ظہور ہونے والا ہے اور ان کے وسیلہ سے اپنے دشمنوں کے خلاف فتح کی دعائیں کیا کرتے تھے، ان کا خیال تھا کہ وہ نبی بنو اسرائیل سے مبعوث ہوں گے، لیکن جب وہ نبی بنو اسماعیل سے مبعوث ہوئے تو ضد، عناد اور تعصب کی وجہ سے انھوں نے آپ کی نبوت کا انکار کردیا۔

(۲) جس چیز میں انھوں نے اختلاف کیا، وہ یہ ہے کہ ہر شخص کی خلقت میں اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی ربوبیت کی نشانیاں ہیں، اگر وہ ان نشانیوں میں غور و فکر کرتے تو ان کو معلوم ہو جاتا کہ اللہ تعالیٰ واحد ہے، اس جگہ ''البینۃ'' سے مراد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہیں یا قرآن مجید یا انسان کی نفس خلقت ہے۔ (تاویلات اہل السنۃ ج ۵ ص 499 - 500 موسسۃ الرسالۃ ناشرون ۱٤۲۵ھ)

البینہ ۱۱ : اور البینہ ٤ : میں تعارض کے امام رازی کی طرف سے جوابات:

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی شافعی متوفی ٦٠٦ھ نے ان آیات کی تقریر اس طرح کی ہے:

البینہ ۱ : کا خلاصہ یہ ہے کہ جن لوگوں نے کفر کیا ہے، وہ اپنے کفر کو اس وقت تک چھوڑنے والے نہیں ہیں جب تک کہ ان کے پاس حجت واضحہ نہ آجائے اور حجت واضح سے مراد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہیں، یعنی جب سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مبعوث ہو جائیں گے تو وہ اپنے کفر کو چھوڑ دیں گے۔

البینہ ٤ : کا خلاصہ یہ ہے کہ جب سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مبعوث ہو گیئے تو ان کا کفر زیادہ ہو گیا اور ان دونوں آیتوں میں تعارض ہے صاحب کشاف نے اس اشکال کا یہ جواب دیا ہے کہ کفار کے دو فریق تھے، اہل کتاب اور بت پرست، سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے مبعوث ہونے سے پہلے اہل کتاب یہ کہتے تھے کہ ہم اپنے دین کو ترک نہیں

کریں گے حتیٰ کہ وہ نبی مبعوث ہوجائیں، جن کا ہم سے وعدہ کیا گیا ہے اور یہ وعدہ توراۃ اور انجیل میں لکھا ہوا ہے اور جو نبی مبعوث ہونے والے تھے وہ سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہیں، پھر اللہ تعالیٰ نے ان سے یہ حکایت کی کہ جب وہ رسول آگئے تو انھوں نے حق کو قبول نہیں کیا اور وہ اپنے کفر پر برقرار رہے، اس کی نظیر یہ ہے کہ ایک تنگ دست شخص بدکار ہو، اس سے کوئی دوسرا شخص کہے: تم بدکاری چھوڑ دو، تو وہ کہے: اگر مجھے اللہ تعالیٰ نے مال دیا تو میں بدکاری چھوڑ دوں گا، پھر جب اللہ تعالیٰ نے اسے مال دے دیا تو اس نے پھر بھی بدکاری نہیں چھوڑی، خلاصہ یہ ہے کہ البینہ ۱ میں جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اہل کتاب اپنے کفر کو اس وقت تک چھوڑنے والے نہیں ہیں جب تک کہ وہ آخری نبی مبعوث نہ ہوجائیں، اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کے قول کی حکایت کی ہے اور البینہ ٤ : کا خلاصہ یہ ہے کہ واقع میں اہل کتاب نے اس رسول کے آنے کے بعد بھی اپنے کفر کو نہیں چھوڑا، سو البینہ ۱ : میں اہل کتاب کے قول کی حکایت ہے اور البینہ ٤ : میں واقع کی حکایت ہے، سو ان دونوں آیتوں میں کوئی تعارض نہیں ہے۔

امام رازی نے ایک جواب یہ دیا ہے کہ "منفکین" کا یہ معنی نہیں ہے کہ وہ اپنے دین اور اپنے کفر کو ترک کردیں گے بلکہ اس سے مراد ہے: سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے فضائل اور مناقب کو ترک کرنا، اور البینہ ۱ : کا معنی یہ ہے کہ یہ کفار سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا فاضل اور مناقب کے ساتھ ذکر اس وقت تک ترک نہیں کریں گے، جب تک حجت واضحہ نہ آجائے یعنی پہلے اہل کتاب اور مشرکین آپ کا ذکر فضائل اور مناقب کے ساتھ کرتے تھے، لیکن جب آپ مبعوث ہوگئے تو انھوں نے عناد کی وجہ سے آپ کے فضائل کا ذکر کرنا ترک کردیا۔

امام رازی نے یہ بھی جواب یہ ہے کہ البینہ ۱ : میں اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ اہل کتاب اور مشرکین کا مجموعہ اپنے کفر کو ترک نہیں کرے گا، حتیٰ کہ حجت واضح آجائے یعنی رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مبعوث ہوجائیں اور البینہ ٤ : میں یہ بتایا ہے کہ آپ کے مبعوث ہونے کے بعد یہ مجموعہ اپنے کفر پر قائم نہیں رہا بلکہ ان میں سے بعض ایمان لے آئے اور بعض اپنے کفر پر قائم رہے اور ان کا تفرقہ ظاہر ہوگیا۔

فرمایا: اور انھیں اس کے سوا حکم نہیں دیا گیا کہ وہ اللہ کی عبادت کریں، اس حال میں کہ اس کے لیے دین کو خالص کرنے والے، ایک طرف ہونے والے ہوں اور نماز قائم کریں اور زکوۃ دیں اور یہی مضبوط ملت کا دین ہے۔

اخلاص کی اہمیت:

یعنی ان کفار کو توراۃ اور انجیل میں یہی حکم دیا گیا تھا کہ وہ اللہ کو واحد مانیں اور اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں، جیسا کہ ان آیات میں فرمایا ہے:

(الذاریات ٥٦ :) اور میں نے جن اور انس کو صرف اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں۔

للہ الدین الخالص (الزمر ٣ :) اللہ ہی کے لیے دین خالص ہے۔

(الزمر ۱۱ :) آپ کہیے کہ مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں اخلصا کے ساتھ اطاعت کرتے ہوئے اللہ کی عبادت کروں۔

"حنفاء" کا معنی:

اس آیت میں "حنفاء" فرمایا ہے "حنفاء" کا معنی ہے : مائل ہوتے ہوئے، یعنی تمام ادیان اور مذاہب سے انحراف کرتے ہوئے دین اسلام کی طرف مائل ہوتے ہوئے، حضرت ابن عباس (رض) نے فرمایا : یعنی حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کے دین پر سعید بن جبیر نے کہا : حنیف کا معنی ہے جو شخص ختنہ کرے اور حج کرے، اہل لغت نے کہا : جو شخص اسلام کی طرف منال ہ۔

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ٦٠٦ ھ نے "حنفاء" کی تفسیر میں کہا : مجاہد نے کہا : "حنفاء" کا معنی ہے : حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کے دین کی اتباع کرتے ہوئے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے :

(النحل ١٢٣ :) پھر ہم نے آپ کی طرف یہ وحی کی کہ آپ ابراہیم حنیف کی ملت کی پیروی کریں، اور وہ مشرکین میں سے نہ تھے۔

گویا اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ تم لوگوں کے مزاج میں تقلید کرنے کا عنصر ہے، سو اگر تم نے تقلید کرنی ہے تو حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کی کرو، جن کے متعلق تمام اہل مذاہب کا اجماع ہے کہ وہ ان کے اصحاب نیک اور پاکیزہ تھے، قرآن مجید میں ہے :

(الممتحنہ ٤ :) تمہارے لیے ابراہیم اور ان کے اصحاب میں بہترین نمونہ تھا۔

سو اگر تمہیں کسی کی پیروی کرنے کا شوق ہے تو حضرت ابراہیم کی پیروی کرو، جنہوں نے تمام بتوں سے بیزاری کا اظہار کیا ہے، بتوں سے بیزاری کی پاداش میں انھیں آگ میں ڈالا گیا اور وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر اپنے بیٹے کو قربان کرنے کے لیے تیار ہوئے اور جب انھوں نے اللہ تعالیٰ کی یہ تسبیح سنی "سبوح قدوس" تو وہ ان کو بہت اچھی لگی اور اس کو دوبارہ سننے کے لیے انھوں نے اپنا تمام مال اللہ کی اہ میں دے دیا، خلاصہ یہ ہے کہ انھوں نے اللہ کی رضا میں اپنی جان، اپنی اولاد اور اپنے مال کو خرچ کردیا، سو تم اگر عبادت کرنا چاہتے ہو تو حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کی طرح عبادت کرو، اور اگر تم پوری طرح حضرت ابراہیم کی پیروی نہیں کرسکتے تو ان کے فرزند حضرت اسماعیل (علیہ السلام) کی پیروی کرو، جنہوں نے کم سنی میں اللہ کی رضا اور اپنے والد کے حکم کی اطاعت میں سر تسلیم خم کردیا اور اپنی گردن چھری کے نیچے رکھ دی اور تم اس مرد کامل کی اتباع بھی نہ کرسکو تو حضرت اسماعیل (علیہ السلام) کی والدہ کی اتباع کرو، انھوں نے کس طرح اپنے غم اور غصہ کے گھونٹ پیئے، اپنے بچہ کی ولادت کی مشقت اور تکلیف برداشت کی، پھر جب حضرت ابراہیم خلیل اللہ ان کو مکہ کی بے آب و گیاہ زمین میں اکیلا چھوڑ کر جانے لگے اور اشارہ سے بتایا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ایسا کر رہے ہیں تو وہ اس پر رضائی ہوگئیں اور اس مصیبت پر صبر کرلیا، غرض حضرت ابراہیم (علیہ السلام) ان کے فرزند حضرت اسماعیل (علیہ السلام) اور ان کی اہلیہ حضرت

باجرسب کے سب تسلیم ورضا کے پیکر تھے اور ان سب کی زندگیوں میں ہمارے عمل کے لیے بہترین نمونہ ہے۔

اخلاص اور عبادت کا معنی:

اس آیت میں ''مخلصین'' کا لفظ ہے، اس کا مصدر ''اخلاص'' ہے اس کا معنی یہ ہے کہ انسان جو نیک کام کرے، اس کا باعث اس فعل کی نیکی ہو اور جو فرض یا واجب ادا کرے، اس کا باعث اس فعل کی فرضیت یا وجوب ہو، وہ محض اپنے رب کی رضا کے لیے اس فعل کو کرے، نہ وہ فعل کسی کو دکھانا مقصود ہو نہ کسی کو سنانا مقصود ہو، اصل مقصود بالذات اللہ عزوجل کی رضا ہو، جنت کا حصول بھی بالتبع مطلوب ہو اور دوزخ سے نجات بھی بالتبع مطلوب ہو۔ توراۃ میں لکھا ہوا ہے، جس فعل سے میری رضا کا ارادہ کیا گیا وہ فعل کم بھی ہو تو اللہ کے نزدیک بہت ہے اور جس فعل سے میری رضا کا ارادہ نہیں کیا گیا وہ فعل اگر بہت بھی ہو تو میرے نزدیک کم ہے۔

اگر کوئی شخص اپنے والد کی خوشی کے لیے کوئی عبادت کرے یا اپنی اولاد کی خوشی کے لیے کوئی عبادت کرے تو اس میں اخلاص نہیں ہے، اس طرح اگر اپنی خواہش کو پورا کرنے کے لیے کوئی عبادت کرے تو اس میں اخلاص کہاں سے ہوگا۔

بعض مفسرین نے ''مخلصین'' کی تفسیر میں کہا: وہ عبدات کا اقرار کرتے ہوئے نیک کام کریں اور بعض مفسرین نے کہا وہ اپنے دلوں سے بادت میں اللہ کی رضا کا ارادہ کریں، زجاج نے کہا: وہ صرف اللہ وحدہ، کی عبادت کریں، کسی اور کو اس میں شریک نہ کریں اور اس پر قرآن مجید کی یہ آیت دلیل ہے:

(التوبہ ۲۱:) اور ان کو صرف یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ ایک معبود کی عبادت کریں۔

عبادت کا معنی تذلل ہے اور اصطلاح شروع میں اس کا معنی ہے: اللہ کے لیے انتہائی تعظیم اور اپنی انتہائی عاجزی اور تذلل سے کی ہوئی اطاعت، جس سے اللہ کے کسی حکم پر عمل ہو، بچہ کی نماز کو عبادت نہیں کہتے کیونکہ وہ اللہ کی عظمت کو نہیں جانتا، اس لیے اس کے فعل میں انتہائی تعظیم ہوگی، اسی طرح یہودی کی نماز بھی عیادت نہیں ہوگی کیونکہ اس میں انتہائی تعظیم تو ہے لیکن اس کی نماز اللہ کا حکم نہیں ہے، کیونکہ اسلام کے علاوہ باقی تمام شرائع منسوخ ہو چکی ہیں، اسی طرح جو لوگ جلدی جلدی نماز پڑھتے ہیں اور پوری طرح رکوع اور سجود نہیں کرتے، ان کی نماز بھی عبادت نہیں ہے کیونکہ ان کی نماز میں نہ انتہائی تعظیم ہے اور نہ اس طرح نماز پڑھنے کا حکم ہے۔

ترکیب نحوی وتحقیق صرفی:

لَمْ يَكُنِ، فعل ناقص مضارع منفی جحد بلم واحد مذکر غائب كَانَ يَكُوْنُ، مصدر كَوْنًا، ہونا، لَمْ، کی وجہ سے ترجمہ (وہ نہیں تھا) اَلَّذِيْنَ، اسم موصول جمع مذکر (وہ لوگ جنہوں نے) كَفَرُوْا، فعل ماضی جمع مذکر غائب كَفَرَ يَكْفُرُ، مصدر كُفْرًا نًا وَّكُفُرًا، کفر کرنا، مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ (مِنْ ۔ اَهْلِ ۔ الْكِتٰبِ) مِنْ، حرف جار، سے، اَهْلِ، مجرور، مضاف، اہل، والے، اَلْكِتٰبِ، مضاف الیہ، کتاب، (اہل کتاب میں سے) وَ، حرف عطف (اور) اَلْمُشْرِكِيْنَ۔ اِشْرَاكٌ، مصدر سے اسم فاعل جمع مذکر (شرک کرنے والے، مشرکین) واحد، اَلْمُشْرِكُ، مُنْفَكِّيْنَ ۔ اِنْفِكَاكٌ، مصدر سے اسم فاعل جمع مذکر

(باز آنے والے) واحد، مُنْفَكٌّ، حَتّٰى، حرف غایت (یہاں تک کہ) تَاْتِيَهُمُ (تَاْتِيَ۔ هُمُ) تَاْتِيَ، فعل مضارع واحد مونث غائب اَتٰى يَاْتِيْ، مصدر اِتْيَانٌ، آجانا، وہ آجاتی، هُمُ، ضمیر جمع مذکر غائب، ان کے (وہ ان کے پاس آجاتی) الْبَيِّنَةُ (واضح دلیل) رَسُوْلٌ (ایک رسول) مِّنَ اللّٰهِ (مِنَ۔ اللّٰهِ) مِنَ، حرف جار بمعنی، اِلٰی، کی طرف سے، اللّٰهِ، مجرور، خالق کائنات کا ذاتی نام، اللہ (اللہ کی طرف سے) يَتْلُوْا، فعل مضارع واحد مذکر غائب تَلَا يَتْلُوْا، مصدر تِلَاوَةٌ، تلاوت کرنا، پڑھ کر سنانا (وہ پڑھ کر سناتا) صُحُفًا مُّطَهَّرَةً۔ صُحُفًا، موصوف، جمع مکسر، صحیفے، واحد، صَحِيْفَةٌ، مُطَهَّرَةً، صفت، تَطْهِيْرَةٌ، مصدر سے اسم مفعول واحد مونث، پاکیزہ (پاکیزہ صحیفے) فِيْهَا (فِيْ۔ هَا) فِيْ، حرف جار، میں، هَا، مجرور، ضمیر واحد مونث غائب، اس، ضمیر کا مرجع، صُحُفًا مُّطَهَّرَةً، ہے (ان میں) كُتُبٌ قَيِّمَةٌ، كُتُبٌ، موصوف جمع مکسر، کتابیں، لکھی ہوئی تحریریں، لکھے ہوئے احکام، واحد، كِتٰبٌ، قَيِّمَةٌ، صفت، صیغہ صفت مرفوع مونث، درست، سچی، مضبوط، مستحکم (لکھے ہوئے مضبوط احکام) وَ، حرف عطف (اور) مَا، نافیہ (نہیں) تَفَرَّقَ، فعل ماضی واحد مذکر غائب تَفَرَّقَ يَتَفَرَّقُ، مصدر تَفَرُّقٌ، جدا جدا ہونا، پھوٹ پڑنا، ٹولیوں میں بٹنا (وہ جدا جدا ہوئے) الَّذِيْنَ، اسم موصول جمع مذکر (وہ لوگ جو) اُوْتُوا، فعل ماضی مجہول جمع مذکر غائب اُتِيَ يُؤْتِيْ، مصدر اِيْتَاءٌ، دینا (وہ دیئے گئے) الْكِتٰبَ (کتاب) اِلَّا، حرف استثنا (مگر، سوائے) مِنْ بَعْدِ مَا (مِنْ۔ بَعْدِ۔ مَا) مِنْ، حرف جار، ترجمہ کی ضرورت نہیں، بَعْدِ، مجرور، بعد، مَا، مصدریہ، کہ (اس کے بعد کہ) جَآءَتْهُمُ (جَآءَتْ۔ هُمُ) جَآءَتْ، فعل ماضی واحد مونث غائب جَآءَ يَجِيْٓءُ، مصدر مَجِيْٓءٌ، آنا، وہ آئی، هُمُ، ضمیر جمع مذکر غائب، ان کے (وہ ان کے پاس آئی) الْبَيِّنَةُ، فاعل (واضح دلیل) وَ، حرف عطف (اور) مَا، نافیہ (نہیں) اُمِرُوْٓا، فعل ماضی مجہول جمع مذکر غائب اَمَرَ يَاْمُرُ، مصدر اَمْرًا، حکم دینا (وہ حکم دیئے گئے) اِلَّا، حرف استثنا (مگر، سوائے) لِيَعْبُدُوا (لِ۔ يَعْبُدُوْا) لِ، لام تعلیل، یہ کہ، يَعْبُدُوْا، فعل مضارع جمع مذکر غائب عَبَدَ يَعْبُدُ، مصدر عِبَادَةٌ، عبادت کرنا، وہ عبادت کریں (یہ کہ وہ عبادت کریں) اللّٰهَ (اللہ کی) مُخْلِصِيْنَ۔ اِخْلَاصٌ، مصدر سے اسم فاعل جمع مذکر (خالص کرنے والے) واحد، مُخْلِصٌ، لَهُ (لَ۔ هُ) لَ، حرف جار، کیلئے، هُ، مجرور، ضمیر واحد مذکر غائب، اس (اس کیلئے) الدِّيْنَ (دین کو) حُنَفَآءَ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ ۝۵ یکسو ہوں اور وہ نماز قائم کریں اور وہ زکوۃ ادا کریں اور یہی درست دین ہے۔ حُنَفَآءَ۔ حُنَفَا، مصدر سے اسم فاعل جمع مذکر (اللہ کی طرف ہونے والے، سب جھوٹے مذہبوں سے بیزار، سب سے کٹ کر اللہ کی طرف ہو جانے والے، یکسو) واحد، حَنِيْفٌ، وَ، حرف عطف (اور) يُقِيْمُوْا، فعل مضارع جمع مذکر غائب اَقَامَ يُقِيْمُ، مصدر اِقَامَةٌ، قائم کرنا (وہ قائم کریں) الصَّلٰوةَ (نماز کو) وَ، حرف عطف (اور) يُؤْتُوْا، فعل مضارع جمع مذکر غائب اٰتٰى يُؤْتِيْ، مصدر اِيْتَاءٌ، دینا، ادا کرنا (وہ ادا کریں) الزَّكٰوةَ (زکوۃ) وَ، حرف عطف (اور) ذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ (ذٰلِكَ۔ دِيْنُ۔ الْقَيِّمَةِ) ذٰلِكَ، اسم اشارہ واحد مذکر بعید، اصل ترجمہ "وہ" یا "وہی" ہے، ضرورتاً ترجمہ "یہی" کیا جاتا ہے، دِيْنُ، مشار الیہ، مضاف، دین، الْقَيِّمَةِ، مضاف الیہ، درست، مضبوط، سچا، مستحکم (یہی درست دین ہے)

آیت ۶ تا ۸

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا اُولٰٓئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ (۶) اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ (۷) جَزَآؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهٗ (۸)

ترجمہ:

بے شک وہ لوگ جنھوں نے اہل کتاب اور مشرکین میں سے کفر کیا، جہنم کی آگ میں ہوں گے، اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں، یہی لوگ مخلوق میں سب سے برے ہیں۔ (۶) بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے اور انھوں نے نیک اعمال کیے، وہی

مخلوق میں سب سے بہتر ہیں۔(۷)ان کا بدلہ ان کے رب کے ہاں ہمیشہ رہنے کے باغات ہیں، جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہیں، وہ ان میں ہمیشہ رہنے والے ہیں ہمیشہ۔ اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اس سے راضی ہو گئے۔ یہ اس شخص کے لیے ہے جو اپنے رب سے ڈر گیا۔(۸)

تفسیر:

فرمایا: بے شک وہ لوگ جنھوں نے اہل کتاب اور مشرکین میں سے کفر کیا، جہنم کی آگ میں ہوں گے، اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں، یہی لوگ مخلوق میں سب سے برے ہیں۔ الخ

کفار اہل کتاب کے عذاب کو مشرکین کے عذاب پر مقدم کرنے کی توجیہ

البینہ ٦ : میں کفار کے عذاب کا ذکر فرمایا ہے اور البینہ ۸ :-۷ میں مومنین کے اجر و ثواب کا ذکر فرمایا ہے، پہلے کفار کے عذاب اور پھر مومنین کے اجر و ثواب کا ذکر فرمایا تا کہ مومنین اللہ کے عذاب کے ڈر سے گناہوں کو ترک کرتے رہیں، کفار کی وعید میں دو چیزوں کا ذکر فرمایا ہے :ایک یہ کہ وہ دوزخ میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور دوسری چیز یہ ہے کہ وہ تمام خلوق میں بدترین ہیں۔

اگر کوئی شخص ساری عمر نماز نہ پڑھے تو اس کی تکفیر نہیں کی جائے گی لیکن اگر کوئی شخص نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ایک بال کی بھی توہین کرے تو اس کی تکفیر کر دی جائے گی، اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو اپنی عبادات اتنی عزیز نہیں ہیں جتنی نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی عزت اور حرمت عزیز ہے اور اہل کتاب میں سے کفار اللہ تعالیٰ کو تو مانتے تھے اور اس کی عبادت بھی کرتے تھے لیکن نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی بے توقیری کرتے تھے اور مشرکین اللہ تعالیٰ کو نہیں مانتے تھے اور فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں قرار دے کر اللہ تعالیٰ کی بے توقیری کرتے تھے اور ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے پہلے ان کفار کا عذاب بیان فرمایا جو نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی بے توقیری کرتے تھے، پھر ان کا عذاب بیان فرمایا جو شرک کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کی بے توقیری کرتے تھے اور اس سے یہ ظاہر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ موجب غضب یہ چیز ہے کہ اس کے رسول کی بے توقیری کی جائے، اس لیے اہل کتاب مین فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ موجب غضب یہ چیز ہے کہ اس کے رسول کی بے توقیری کی جائے، اس لیے اہل کتاب میں سے کفار کے عذاب کو پہلے بیان فرمایا اور مشرکین کے عذاب کو بعد میں بیان فرمایا۔

مومنین صالحین کی فرشتوں پر فضیلت کے دلائل:

البینہ ۷ : میں فرمایا : بیشک جو لوگ ایمان لائی اور انھوں نے نیک اعمال کئے، وہ تمام مخلوق میں بہترین ہیں۔

اس آیت سے علماء اہل سنت نے یہ استدلال کیا ہے کہ مومنین صالحین ملائکہ سے افضل ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے : جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک اعمال کئے، وہ تمام مخلوق میں بہتر ہیں اور تمام مخلوق میں ملائکہ بھی داخل ہیں، لہٰذا

مومنین صالحین ملائکہ سے افضل ہیں، تاہم اس میں تفصیل یہ ہے کہ رسل بشر، رسل ملائکہ سے افضل ہیں اور رسل ملائکہ عام مومنین صالحین سے افضل ہیں اور عام مومنین صالحین عام ملائکہ سے افضل ہیں،

اہل سنت و جماعت کے موقف پر اس حدیث سے استدلا کیا جاتا ہے:

امام عبدالرحمن بن محمد بن ادریس ابن ابی حاتم رازی متوفی 327ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ (رض) بیان کرتے ہیں کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا : فرشتوں کا اللہ کے نزدیک جو مرتبہ ہے، کیا تم اس پر تعجب کرتے ہو، اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے، قیامت کے دن بندہ مومن کا جو اللہ کے نزدیک مرتبہ ہوگا، وہ فرشتوں کے مرتبہ سے ضرور بہت زیادہ عظیم ہوگا اور تم چاہو تو اس آیت کو پڑھو:

(البینہ ۷ :) بیشک جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک اعمال کئے، وہ تمام مخلوق میں بہتر ہیں۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث ۱۹٤۳۲ : روح المعانی)

اس کے علاوہ درج ذیل حدیث ہے : مخلوق میں سب سے زیادہ کون مکرم ہے آپ نے فرمایا : اے عائشہ! کیا تم یہ آیت نہیں پڑھتیں ؟ ” ان الذین امنوا و عملوا الصلحت اولئك هم خيرا البرية۔ “ (البینہ : ۷) (الدرا المنثور ج ۸ ص 538، روح المعانی جز 30 ص،

فرمایا : ان کی جزا ان کے رب پاس ہے، جو دائمی جنتیں ہیں، جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں، وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے والے ہیں، اللہ ان سے راضی ہوگیا اور وہ اللہ سے راضی ہوگئے، یہ (جزائ) اس کے لیے ہے جو اپنے رب سے ڈرتا رہا۔

مومنین صالحین کو جزا میں دائمی جنت عطا کرنے ایک توجیہ:

مومنین صالحین کی یہ نیت ہوتی ہے کہ وہ جب تک زندہ رہیں گے، اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان رکھیں گے اور ہمیشہ ہمیشہ اعمال صالحہ کرتے رہیں گے اور اگر وہ دوام اور خلود کی زندگی پاتے تو وہ ائما ایمان پر قائم رہتے اور اعمال صالحہ کرتے رہتے، ان کی اس نیت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ان کو جنت میں دوام اور خلود عطا فرمائے گا۔

اس آیت میں فرمایا ہے کہ مومنین صالحین کی جزا دائمی جنتیں ہیں، اس سے متبادر یہ ہوتا ہے کہ ان کو جنت ان کے نیک اعمال کی وجہ سے ملے گی جبکہ قرآن مجید میں یہ بھی ہے کہ مومنین جنت میں داخل ہونے کے بعد کہیں گے:

(فاطر ۳۵ :) جس نے اپنے فضل سے ہم کو ہمیشگی کے مقام میں داخل کردیا۔

پس ان دونوں آیتوں میں تعارض ہے، البینہ ۸ : سے معلوم ہوتا ہے کہ مومنیں صالحین کو جنت ان کے اعمال کی وجہ سے ملے گی اور فاطر ۳۵ : سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو جنت اللہ سبحانہ کے فضل کی وجہ سے ملے گی، اس کا جواب یہ ہے کہ جنت ملنے کے دو سبب ہیں : حقیقی اور ظاہری، حقیقی سبب اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اور ظاہری سبب مومنین صالحین کے نیک اعمال ہیں، فاطر ۳۵ : حقیقی سبب کا ذکر ہے اور البینہ ۸ : میں ظاہری سبب کا ذکر ہے، اس لیے ان دونوں آیتوں میں کوئی تعارض

نہیں ہے۔

مومنین صالحین اور مومنین تائبین کو ایک سے زائد جنتیں عطا فرمانے کی تحقیق:

اس آیت میں فرمایا ہے کہ مومنین صالحین کی جزاء دائمی جنات ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ مومنین صالحین کو ایک سے زائد جنتیں ملیں گی، قرآن مجید میں ہے:

ولمن خاف مقام ربہ جنتن۔(الرحمٰن ٤٦) جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا اس کے لیے دو جنتیں ہیں۔ نیز فرمایا:

ومن دونهما جنتن۔ (الرحمٰن ۶۲) اور ان دو جنتوں کے علاوہ اور دو جنتیں ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ مومنین صالحین کے لیے چار جنتیں ہیں، امام رازی نے فرمایا: اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان کی چار پلکیں ہیں اور جب وہ خوف خدا سے روتا ہے تو ان چار پلکوں سے آنسو گرتے ہیں تو اس کی جزا میں اللہ تعالیٰ اس کو چار جنتیں عطا فرماتا ہے، الرحمٰن ٢٦ : میں خوف خدا کا ذکر مقدم ہے اور البینہ ٨ : میں خوف خدا کا ذکر موخر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: یہ (جزا) ان کے لیے ہے جو اپنے رب سے ڈرتے رہے، اس کا معنی یہ ہے کہ یہ چار جنتیں اور اللہ تعالیٰ کی رضا ان مومنین صالحین کے لیے جو اپنی زندگی کی ابتداء اور انتہاء میں یعنی پوری زندگی میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہے۔

اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی صورت یہ ہے کہ جب انسان کو اس کا نفس یا شیطان کسی گناہ پر ابھارے تو اسے خدا یاد آجائے اور وہ خوف خدا سے اس گناہ سے باز آجائے، جیسا کہ اس آیت میں ہے:

(الاعراف ٢٠١ :) بیشک جو لوگ خدا سے ڈرتے ہیں جب شیطان ان کے دلوں میں برے کام کا خیال ڈالتا ہے تو وہ خدا کو یاد کرتے ہیں، سو اچانک ان کی آنکھیں کھلی جاتی ہیں۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ پھر تو چار جنتیں ان مومنین صالحین کو ملیں گی، جو گناہ کرنے سے پہلے اللہ سے ڈریں اور گناہ نہ کریں اور جو لوگ شامت نفس یا اغواء شیطان سے گناہ کر گزریں، ان کا کیا انجام ہوگا، اس کا جواب یہ ہے کہ جو مومنین گناہ کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور اس کے عذاب سے ڈر کر توبہ کرلیں اور اپنے گناہ پر اصرار نہ کریں، ان کا بھی اللہ سبحانہ سے ڈرنے والاوں میں شمار ہوگا، قرآن مجید میں ہے:

(آل عمران ١٣٦ :۔ ١٣٥) رب کی طرف سے مغفرت ہے اور وہ جنتیں ہیں جن کے نیچے سے دریا جاری ہیں، وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اور نیکی کرنے والوں کا کیا خوب اجر ہے۔ ان آیتوں سے معلوم ہوا کہ جو مومنین گناہ کرنے کے بعد اللہ سے ڈر کر فوراً توبہ کرلیں تو اللہ تعالیٰ ان کو بھی کئی جنتیں عطا فرمائے گا۔

اللہ تعالیٰ کے خوف سے رونے کی فضیلت:

تاہم مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے خوف سے رویا کریں، اگر از خود رونا نہ آئے تو رونے کی کوشش کریں، اس کا

طریقہ ی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اپنے اوپر انعامات اور احسانات کو یاد کریں، پھر اپنے گناہوں کے متعلق سوچیں اور اپنے دل میں نادم ہوں، پھر ندامت کے غلبہ سے آنکھوں میں آنسو لائیں، حدیث میں ہے:

حضرت ابوہریرہ (رض) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: وہ شخص دوزخ میں داخل نہیں ہوگا، جو اللہ کے خوف سے رویا ہوحتیٰ کہ دودھ تھن میں لوٹ جائے اور اللہ کی راہ میں پڑنے والا غبار اور دوزخ کا دھواں جمع نہیں ہوگا۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث ١٦٣٣ :) (سنن ترمذی رقم الحدیث ٣١٠٧ : سنن ابن ماجہ رقم الحدیث ٣١٤٤ : مسند احمد ج ٢ ص ٥٠٥)

حضرت ابن عباس (رض) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: دو آنکھوں کو دوزخ کی آگ نہیں چھوئے گی، ایک وہ آنکھ جو اللہ کے خوف سے روئی ہو اور دوسری وہ جس نے اللہ کے راستہ میں پہرہ دیتے ہوئے رات گزاری ہو۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث ١٦٣٩ :)

اللہ تعالیٰ کا راضی ہونا جنت عطا کرنے سے بڑا انعام ہے:

نیز مومنین صالحین کے متعلق فرمایا: اللہ ان سے رضائی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے۔

مومنین صالحین کو پہلے یہ انعام عطا فرمایا کہ ان کو دائمی جنتیں عطا کیں، اس کے بعد اس سے بڑا انعم یہ فرمایا کہ اللہ ان سے راضی ہو گیا اور یہ اللہ تعالیٰ کا مومنین پر سب سے بڑا انعام ہے، حدیث میں ہے:

حضرت ابوسعید خدری (رض) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اہل جنت سے فرمائے گا، اے اہل جنت!، وہ کہیں گے: اے ہمارے رب! ہم حاضر ہیں اور تیری اطاعت کے لیے تایر ہیں، ہر قسم کی خیر تیرے ہاتھوں میں ہے، اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا تم راضی ہو گئے؟ وہ کہیں گے کہ ہمیں کیا ہا کہ ہم تجھ سے راضی نہ ہوں، اے ہمارے رب! تو نے ہمیں وہ کچھ عطا فرمایا ہے، جو اپنی مخلقو میں سے کسی کو نہیں عطا کیا، اللہ عزوجل فرمائے گا: کیا میں تم کو اس سے زیادہ افضل چیز نہ عطا کروں؟ وہ کہیں گے: اے ہمارے رب! اس سے افضل چیز اور کیا ہو سکتی ہے؟ اللہ سبحانہ فرمائے گا: میں تم پر اپنی رضا حلال کرتا ہوں، میں اس کے بعد تم سے کبھی ناراض نہیں ہوں گا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث : ٦٥٤٩ صحیح مسلم رقم الحدیث ٢٨٢٩ : (سنن ترمذی رقم الحدیث ٢٥٥٥ :، السنن، الکبری للنسائی رقم الحدیث ٧٧٤٩ :)

اللہ تعالیٰ کی رضا اور بندوں کی رضا کا مطلب:

اللہ تعالیٰ کے بندوں سے راضی ہنے اور بندوں کے اللہ سے راضی ہونے کے حسب ذیل محامل ہیں:

(١) اللہ تعالیٰ کے راضی ہونے کا معنی یہ ہے کہ بندوں نے دنیا میں جو نیک کام کئے اور اللہ سبحانہ کے احکام کی اطاعت کی، اللہ تعالیٰ ان کے اعمال سے راضی ہوگا۔ اور بندوں کے راضی ہونے کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کو جو نیک اعمال کی توفیق دی اور آخرت میں جو ان پر انعام اور اکرام کیا، بندے اس سے خوش ہو گئے۔

(۲) اللہ کے راضی ہونے کا معنی یہ ہے کہ بندوں نے اپنی نجات کے لیے جو نیک کام کئے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کو قبول فرمایا اور اس پر ان کو ثواب عطا فرمایا اور اللہ تعالیٰ کا یہ بھی ان پر انعام ہے کہ اس نے یہ فرمایا ہے کہ وہ ان سے راضی ہو گیا۔ اگر اللہ ان کو معاف فرما دیتا اور ان سے درگزر فرماتا تو یہ بھی اس کا کرم تھا اور اس کا کرم بالائے کرم یہ ہے کہ وہ ان سے راضی ہو گیا۔ بندے اس سے راضی ہو گئے یعنی اس کے فضل اور اس کے لطف سے خوش ہو گئے، اللہ تعالیٰ نے دنیا میں پر مشقت کاموں کا مکلف کیا اور ان پر آفات اور مصائب ڈالے، اس کے مقابلہ میں جب آخرت میں انھوں نے اللہ تعالیٰ کا انعام اور اکرام دیکھا تو دنیا کی تمام سختایں ان پر آسان ہو گئیں۔

(۳) اللہ تعالیٰ ان سے رضائی ہو گیا یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کی مدح فرمائی اور نیک کاموں پر ان کی تحسین کی۔

بندے اللہ تعالیٰ سے راضی ہو گئے، یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کو جوان کے اعمال کی جزاء عطا فرمائی، اس پر شکر ادا کیا۔ رضا کا معنی ہے :اللہ تعالیٰ کی قضاء پر دل کا خوش ہونا اور قلم تقدیر پر دل کا مطمئن ہونا۔

بندہ جسم اور روح کا مجموعہ ہے، جسم کی جنت، جنت الفردوس اور جنت عدن ہے اور روح کی جنت اس کے رب کی رضا ہے، بندہ پر ابتدائی انعام جنت ہے اور انتہائی انعام اس کے رب کی رضا ہے، پہلے اللہ کے راضی ہنے کا ذکر فرمایا، پھر بندے کے راضی ہونے کا ذکر فرمایا کیونکہ خالق کا ذکر بندوں کے ذکر پر مقدم ہے۔

اللہ تعالیٰ کے خوف کی دو تفسیریں؛

اس کے بعد فرمایا :یہ (جزا) اس کے لیے ہے جو اپنے رب سے ڈرتا رہا۔

بعض مفسرین نے کہا، اس کا معنی یہ ہے کہ جب ان کے دل میں کسی گناہ کا خیلا آئے تو وہ اللہ کے خوف سے اس گناہ سے باز رہتے ہیں اور بعض عارفین نے کہا، جب وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں، پھر بھی اللہ سبحانہ کے خوف سے لرزہ براندام ہوتے ہیں، پتا نہیں ہماری یہ اطاعت اور عبادت قبول ہو گی یا نہیں، قرآن مجید میں ہے :

(المومنون ٦٠ :) وہ لوگ جو اللہ کی راہ میں دیتے ہیں جو کچھ دیتے ہیں اور ان کے دل خوف زدہ رہتے ہیں (کیا پتا یہ عمل قبول ہو یا نہ ہو)۔

نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی زوجہ حضرت عائشہ (رض) بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے اس آیت کے متعلق سوال کیا :یارسول اللہ! آیا یہ ڈرنے والے وہ لوگ ہیں، جو شراب پیتے ہیں اور چوری کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا : نہیں! اے صدیق کیب یٹی! یہ وہ لوگ ہیں جو روزہ رکھتے ہیں، نماز پڑھتے ہیں اور صدقہ کرتے ہیں اور وہ اس سے ڈرتے رہتے ہیں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کے نیک اعمال قبول نہ کئے جائیں، یہ وہ لوگ ہیں جو نیک کاموں میں جلدی کرتے ہیں۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث ٣١٧٥ : سنن ابن ماجہ رقم الحدیث ٤١٩٨ :، مسند احمد ج ٥ ص ١٥٩) اس آیت کے ساتھ جب درج ذیل آیت ملائی جائے تو اس میں علم اور علماء کی فضیلت پر دلیل ہے۔

(فاطر ۲۸ :)اللہ کے بندوں میں سے صرف علماء اس سے ڈرتے رہتے ہیں۔

اور جو اللہ سے ڈرتے رہتے ہیں، ان کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے :۔"رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ ۔"(البینہ ۸ :)۔

کوئی مسلمان اپنے نجات یافتہ اور جنتی ہونے کا دعویٰ نہ کرے؛

یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ کوئی مسلمان کبھی بھی اس مرتبہ پر نہیں پہنچتا کہ وہ اللہ سبحانہ کی گرفت اور اس کے عذاب سے بے خوف ہوجائے اور اس کو یہ علم ہو کہ وہ اہل جنت سے ہے، ماسوا انبیاء (علیہم السلام) کے کیونکہ ان کو یقین ہوتا ہے کہ وہ اہل جنت سے ہیں، اس کے باوجود وہ تمام مسلمانوں سے زیادہ اللہ سے ڈرتے ہیں، حدیث میں ہے :رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا:

ان اتقاکم واعلمکم باللہ انا (بے شک مجھے تم سب سے زیادہ اللہ کا علم ہے اور میں تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرتا ہوں۔(صحیح البخاری رقم الحدیث ۲۰ :سنن نسائی رقم الحدیث ۳۲۱۶ :)

واللہ انی لارجوان کون اخشاکم للہ واعلمکم بما اتقی (صحیح مسلم رقم الحدیث ۱۱۰ :)اللہ کی قسم! مجھے امید ہے کہ میں تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں اور تم سب سے زیادہ تقویٰ کا علم رکھنے والا ہے۔(تفسیر کبیر ج ۱۱ ص 252 دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱٤۱۵ھ)

اس مسئلہ میں یہ حدیث بہت واضح ہے :

خارجہ بن زید بن ثابت بیان کرتے ہیں کہ ام العلاء انصاریہ کہتی ہیں کہ جب مہاجرین کو تقسیم کیا گیا تو ہمارے حصہ میں حضرت عثمان بن مظعون آئے ،ہم نے ان کو اپنے گھر میں ٹھہرایا، وہ بیمار ہوگئے اور اس بیماری میں فوت ہوگئے، ان کو غسل دیا گیا اور کفن پہنایا گیا، رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آئے تو میں نے حضرت عثمان بن مظعون کے متعلق کہا، میں شہادت دیتی ہوں کہ اللہ نے تمہارا اکرام کیا ہے تو نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا : تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ اللہ نے ان کا اکرام کیا ہے؟ میں نے کہا :یارسول اللہ! آپ پر میرا باپ فدا ہو، پھر اللہ کس کا اکرام کرے گا؟ آپ نے فرمایا: ان کے اوپر تو موت آچکی ہے اور مجھے ان کے لیے خیر کی امید ہے اور اللہ کی قسم! میں از خود نہیں جانتا حالانکہ میں اللہ کا رسول ہوں کہ میرے ساتھ کیا کیا جائے گا، حضرت ام العلاء کہتی ہیں کہ اللہ کی قسم! میں نے پھر کبھی کسی کی ایسی تعریف نہیں کی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث ۱۳٤۳ :مسند احمد ج ٦ ص ٤۳٦)

سو کسی مسلمان کا خود کو جنتی کہنا جائز نہیں ہے۔

آپ کو از خود اپنا حال معلوم نہیں تھا، تاہم اللہ تعالیٰ کے بتلانے سے آپ کو معلوم ہوگیا کہ آپ کو مقام محمود پر فائز کیا جائے گا اور شفاعت کبریٰ عطا کی جائے گی۔

ترکیب نحوی وتحقیق صرفی:

اِنَّ، حرف مشبہ بالفعل (بے شک) اَلَّذِیْنَ، اسم موصول جمع مذکر (وہ لوگ جنہوں نے) کَفَرُوْا، فعل ماضی جمع مذکر غائب کَفَرَ یَکْفُرُ، مصدر کُفْرًا، کفر کرنا (انہوں نے کفر کیا) مِنْ اَهْلِ الْکِتٰبِ (مِنْ ـ اَهْلِ ـ اَلْکِتٰبِ) مِنْ، حرف جار، سے، اَهْلِ، مجرور، مضاف، اہل، والے، اَلْکِتٰبِ، مضاف الیہ، کتاب، (اہل کتاب میں سے) وَ، حرف عطف (اور) اَلْمُشْرِکِیْنَ ـ اِشْرَاکٌ، مصدر سے اسم فاعل جمع مذکر (شرک کرنے والے، مشرکین) واحد، اَلْمُشْرِکُ، فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ ـ فِیْ، حرف جار، میں، نَارِ، مجرور، مضاف، آگ، جَهَنَّمَ، مضاف الیہ، جہنم کی (جہنم کی آگ میں) خٰلِدِیْنَ ـ خُلُوْدٌ، مصدر سے اسم فاعل جمع مذکر (ہمیشہ رہنے والے) واحد، خَالِدٌ، فِیْهَا (فِیْ ـ هَا) فِیْ، حرف جار، میں، هَا، مجرور، ضمیر واحد مؤنث غائب، اس، ضمیر کا مرجع نَارِ ہے (اس میں) اُولٰٓئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِیَّةِ ۞٦ وہ لوگ ہی بدترین مخلوق ہیں، اُولٰٓئِكَ، اسم اشارہ جمع بعید (وہ لوگ) هُمْ، ضمیر جمع مذکر غائب (وہی) شَرُّ الْبَرِیَّةِ (شَرُّ ـ اَلْبَرِیَّةِ) شَرُّ، مضاف، بدترین، اَلْبَرِیَّةِ، مضاف الیہ، بَرْءٌ، مصدر سے اسم مفعول واحد مؤنث، خلقت مخلوق، خلق (بدترین مخلوق) اِنَّ، حرف مشبہ بالفعل (بے شک) اَلَّذِیْنَ، اسم موصول جمع مذکر (وہ لوگ جو) اٰمَنُوْا، فعل ماضی جمع مذکر غائب اٰمَنَ یُؤْمِنُ، مصدر اِیْمَانًا، ایمان لانا (وہ ایمان لائے) وَ، حرف عطف (اور) عَمِلُوْا، فعل ماضی جمع مذکر غائب عَمِلَ یَعْمَلُ، مصدر عَمَلًا، عمل کرنا (انہوں نے عمل کیے) اَلصّٰلِحٰتِ ـ صَلَاحًا، مصدر سے اسم فاعل جمع مؤنث (نیک) واحد، اَلصَّالِحَةُ، اُولٰٓئِكَ، اسم اشارہ جمع بعید (وہ لوگ) هُمْ، ضمیر جمع مذکر غائب (وہی) خَیْرُ الْبَرِیَّةِ (خَیْرُ ـ اَلْبَرِیَّةِ) خَیْرُ، مضاف، بہترین، اَلْبَرِیَّةِ، مضاف الیہ، بَرْءٌ، مصدر سے جس کے معنی عدم سے وجود میں لانے کے ہیں۔ اسم مفعول واحد مؤنث، خلقت مخلوق، خلق (بہترین مخلوق) جَزَآؤُهُمْ (جَزَآؤُ ـ هُمْ) جَزَآؤُ، مضاف، جزا، بدلہ، صلہ، هُمْ، مضاف الیہ، ضمیر جمع مذکر غائب، ان کا، (ان کا صلہ) عِنْدَ (پاس، ہاں، نزدیک) رَبِّهِمْ (رَبِّ ـ هِمْ) رَبِّ، مضاف، رب، پروردگار، هِمْ، مضاف الیہ ضمیر جمع مذکر غائب، ان کے (ان کے رب) جَنّٰتُ عَدْنٍ ـ جَنّٰتُ، مضاف، جنتیں، باغات، واحد، جَنَّةٌ، عَدْنٍ، مضاف الیہ، مصدر، رہنا، بسنا، دائمی، رہنے بسنے، ہمیشہ رہنے کے، دائمی قیام کے، دائمی رہائش کے (دائمی قیام کے باغات) تَجْرِیْ، فعل مضارع واحد مؤنث غائب جَرٰی یَجْرِیْ، مصدر جَرْیًا وَّجَرَیَانًا، بہنا (وہ بہتی) مِنْ تَحْتِهَا (مِنْ ـ تَحْتِ ـ هَا) مِنْ، حرف جار، سے، تَحْتِ، مجرور، مضاف، نیچے، هَا، مضاف الیہ، ضمیر واحد مؤنث غائب، اس کے، ضمیر کا مرجع "جَنّٰتِ" ہے (ان کے نیچے سے) اَلْاَنْهٰرُ (نہریں) واحد، نَهْرٌ، خٰلِدِیْنَ ـ خُلُوْدٌ، مصدر سے اسم فاعل جمع مذکر (ہمیشہ رہنے والے) واحد، خَالِدٌ، فِیْهَآ (فِیْ ـ هَا) فِیْ، حرف جار، میں، هَا، مجرور، ضمیر واحد مؤنث غائب، اس، ضمیر کا مرجع "جَنّٰتِ" ہے (ان میں) اَبَدًا، ہمیشہ زمانہ مستقبل غیر محدود۔ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ اللہ ان سے راضی ہوگیا اور وہ اس سے راضی ہوگئے۔ رَضِیَ اللّٰهُ (رَضِیَ ـ اَللّٰهُ) رَضِیَ، فعل ماضی واحد مذکر غائب رَضِیَ یَرْضٰی، مصدر رِضْوَانٌ وَّرِضًا، راضی ہونا، وہ راضی ہوگیا، اَللّٰهُ، فاعل، اللہ (اللہ راضی ہوگیا) عَنْهُمْ (عَنْ ـ هُمْ) عَنْ، حرف جار، سے، هُمْ، مجرور، ضمیر جمع مذکر غائب، ان (ان سے) وَ، حرف عطف (اور) رَضُوْا، فعل ماضی جمع مذکر غائب رَضِیَ یَرْضٰی، مصدر رِضْوَانٌ وَّرِضًا، راضی ہونا، (وہ راضی ہوگئے) عَنْهُ (عَنْ ـ هُ) عَنْ، حرف جار، سے، هُ، مجرور، ضمیر واحد مذکر غائب، اس، ضمیر کا مرجع اَللّٰهُ، ہے (اس سے) ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِیَ رَبَّهٗ (رح) ۞٨ یہ (مقام) اس کیلئے ہے جو اپنے رب سے ڈر گیا۔ ذٰلِكَ، اسم اشارہ واحد مذکر بعید، اصل ترجمہ، وہ، ہے، ضرورتاً ترجمہ (یہ) کیا جاتا ہے۔ لِمَنْ (لِ ـ مَنْ) لِ، حرف جار، کیلئے، مَنْ، مجرور، اسم موصول، جو (اس کیلئے جو) خَشِیَ، فعل ماضی واحد مذکر غائب خَشِیَ یَخْشٰی، مصدر خَشْیٌ وَّخَشْیَةٌ، ڈرنا، خوفزدہ ہونا (وہ ڈر گیا) رَبَّهٗ (رَبَّ ـ هٗ) رَبَّ، مضاف، رب، پروردگار، هٗ، مضاف الیہ، ضمیر واحد مذکر غائب، اپنے (اپنے رب سے)۔

(الحمدللہ سورہ بینہ مکمل ہوگئی)

[سورۃ الزلزلۃ]

آیت ۱ تا ۸

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

إِذَا زُلْزِلَتِ الْأَرْضُ زِلْزَالَهَا (۱) وَأَخْرَجَتِ الْأَرْضُ أَثْقَالَهَا (۲) وَقَالَ الْإِنسَانُ مَا لَهَا (۳) يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ أَخْبَارَهَا (۴) بِأَنَّ رَبَّكَ أَوْحَىٰ لَهَا (۵) يَوْمَئِذٍ يَصْدُرُ النَّاسُ أَشْتَاتًا لِّيُرَوْا أَعْمَالَهُمْ (۶) فَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ (۷) وَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ (۸)

ترجمہ؛

جب زمین سخت ہلادی جائے گی، اس کا سخت ہلایا جانا۔(۱) اور زمین اپنا بوجھ نکال باہر کرے گی۔(۲) اور انسان کہنے لگے گا اسے کیا ہو گیا ہے۔(۳) اس دن (زمین) اپنی سب خبریں بیان کردے گی (۴) اس لئے کہ تیرے رب نے اسے حکم دیا ہوگا۔(۵) اس دن لوگ الگ الگ ہو کر واپس لوٹیں گے، تا کہ انھیں ان کے اعمال دکھائے جائیں۔(۶) تو جو شخص ایک ذرہ برابر نیکی کرے گا اسے دیکھ لے گا۔(۷) اور جو شخص ایک ذرہ برابر برائی کرے گا اسے دیکھ لے گا۔(۸)

کوائف؛

اس سورت کا نام سورۃ الزلزال ہے۔ زلزال کا لفظ پہلی آیت کریمہ ہی میں موجود ہے۔ جس سے یہ نام لیا گیا ہے۔ یہ سورت مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی ہے۔ نزول کے اعتبار سے اس کا اسی نمبر ہے۔ اس سے پہلے اناسی سورتیں نازل ہو چکی تھیں۔ اس کا ایک رکوع اور آٹھ آیتیں ہیں

ماقبل سے ربط؛

گزشتہ سورت کا مضمون اہل سعادت وشقاوت کے اعمال وافعال اور ان کے انجام پر مشتمل تھا اور اصول سعادت اور حق تعالیٰ کے انعامات کے استحقاق کی بنیاد یہ بیان کی گئی تھی کہ وہ خشیت خداوندی ہے اور (آیت) ـــ" ذلک لمن خشی ربہ ـــ" فرما کر اس حقیقت کو واضح کردیا گیا تھا، اب اس سورت میں سعادت وشقاوت کے ثمرات مرتب ہونے کا وقت بتایا جارہا ہے کہ وہ قیامت ہے اور قیامت کا قائم ہونا، نظام عالم کا درہم برہم ہو جانا ہے اور وہی دن زندگی کے اعمال کا محاسبہ کرتا رہے اور اللہ رب العزت کی بارگاہ میں حاضری سے ڈرتا ہے کس طرح میں احکم الحاکمین کے روبرو کھڑا ہوں گا

تفسیر؛

فرمایا؛ جب زمین سخت ہلادی جائے گی، اس کا سخت ہلایا جانا، الخ

زلزلہ کا لغوی اور عرفی معنیٰ؛

زلزلہ کا معنیٰ ہے : بھونچال، ہلا ڈالنا ـــ" زلزال ـــ" کا معنیٰ ہے، بہت زور سے جھڑ جھڑانا، لرزا دینا، ہلا ڈالنا، امام راغب

اصفہانی متوفی ۵۰۲ ھ نے لکھا ہے، اس میں تکرار حروف تکرار معنی کے لیے ہے یعنی بار بار جھڑجھڑانا اور ہلا ڈالنا۔(المفردات ج۱ص 283 مکتبہ نزار مصطفیٰ، مکہ مکرمہ، 1418ھ)

زمین پر زلزلہ کی کیفیت:

حضرت ابن عباس (رض) نے فرمایا، جس وقت حضرت اسرافیل پہلی بار صور میں پھنکیں گے، اس وقت زمین میں زبردست زلزلہ آئے گا، جس سے ہر چیز تہس نہس اور الٹ پلٹ ہو جائے گی۔

امام ابومنصور ماتریدی حنفی متوفی ۳۳۳ ھ نے کہا ہے :اس آیت میں ایک سوال کا جواب ہے، سوال یہ ہے کہ لوگوں نے کہا: جس قیامت سے ہمیں ڈرایا جارہا ہے وہ کب آئے گی؟ اس کے جواب مین فرمایا : جب زمین پوری شدت سے ہلا دی جائے گی اور اونچے اونچے پہاڑ زمین بوس ہو جائیں گے اور زمین کہیں بھی اونچی نہیں رہے گی، قرآن مجید میں ہے:

(طٰہٰ 106:-107) پس وہ زمین کو بالکل ہموار صاف میدان کردے گا۔ جس میں (اے مخاطب!) نہ تو کوئی کجی دیکھے گا نہ اونچ نیچ۔

زمین کا اپنا بوجھ باہر نکالنا:

فرمایا :اور زمین اپنا تمام بوجھ باہر نکال دے گی۔ اس کی تفسیر میں یہ آیتیں ہیں:

(الانشقاق ٤ :۔۳) اور جب زمین پھیلا دی جائے گی۔ اور اس کے اندر جو کچھ ہے، اس کو باہر نکال دے گی اور خالی رہ جائے گی۔

زمین میں جو سر بلند پہاڑ ہیں، ان سب کو ریزہ ریزہ کر کے زمین کو صاف اور ہموار کردیا جائے گا اور اس میں کوئی اونچ نیچ نہیں رہے گی، زمیں میں جو مردے دفن ہیں، وہ سب آزاد ہو کر باہر نکل آئیں گے اور زمین میں جو خزانے ہیں، ان کو باہر نکال کر خالی ہو جائے گی۔

حضرت ابوہریرہ (رض) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا :سونے چاندی کے ستونوں کی مثل زمین اپنے جگر کے ٹکڑے اگل دے گی، قاتل ان کو دیکھ کر کہے گا :ان ہی کی وجہ سے میں نے قتل کیا تھا، رشتے توڑنے والا کہے گا :ان ہی کی وجہ سے میں نے رشتے توڑے تھے، چور ان کو دیکھ کر کہے گا :ان ہی کی وجہ سے میرا ہاتھ کاٹا گیا تھا، پھر سب اس مال کو چھوڑ دیں گے اور کوئی اس میں سے کچھ نہیں لے گا۔(صحیح مسلم رقم الحدیث ۱۰۱۳ :(سنن ترمذی رقم الحدیث ۲۲۰۸ :)

فرمایا :اور انسان کہے گا :اسے کیا ہوا؟۔

ایک قول یہ ہے کہ جب پہلے صور میں پھونکا جائے اور تمام زمین میں زبردست زلزلہ آئے گا تو ہر انسان خواہ وہ مومن ہو یا کافر، وہ زمیں کو لزرتے ہوئے دیکھ کر یہ کہے گا :اس زمین کو کیا ہوا، یہ کیوں لرز رہی ہے دوسرا قول یہ ہے کہ اس آیت میں انسان

سے مراد کافر ہے کیونکہ مومن کوتو پہلے سے معلوم تھا کہ قیامت کے وقت زلزلہ آئے گا۔

فرمایا :اس دن زمین اپنی تمام خبریں بیان کردے گی۔

زمین کے خبر دینے کی کیفیت؛

یعنی زمین کے اوپر جونیک یا بد اعمال کئے گئے ہیں، وہ ان سب کا بیان کردے گی، حدیث میں ہے:

حضرت ابوہریرہ (رض) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اس آیت کو تلاوت کرنے کے بعد فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ زمین کیا خرب دے گی؟ صحابہ نے کہا، اللہ اور اس کے رسول کو ہی زیادہ علم ہے، آپ نے فرمایا: اس کی خبر یہ ہے کہ وہ ہر بندے اور بندی کے متعلق یہ بتائے گی کہ اس نے فلاں دن زمین کی پشت پر یہ کام کیا تھا اور فلاں دن یہ کام کیا تھا۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث ٢٤٢٩ :)

علامہ ابوالحسن علی بن محمد الماوردی المتوفی ٤٥٠ ھ نے کہا : زمین کے خبر دینے میں تین قول ہیں:

(١) اللہ تعالیٰ زمین کو حیوان ناطق بنادے گا، پھر وہ کلام کرے گی (٢) اللہ تعالیٰ اس میں کلام پیدا کردے گا (٣) اس سے جو چیز صادر ہوگی وہ کلام کے قائم مقام ہوگی۔ (النکت والعیون ج ٦ ص 320 دار الکتب العلمیہ، بیروت)

فرمایا؛ یعنی زمین جو خبریں دے گی، وہ اللہ کے حکم سے دے گی، ایک قول یہ ہے کہ زمین میں جو زلزلہ آئے گا اور زمین اپنا بوجھ نکالے گی اور زمین جو خبر دے گی کہ اس کی پشت پر فلاں فلاں نیکی کی گئی ہے اور فلاں فلاں برائی کی گئی، یہ تمام امور اللہ تعالیٰ کے حکم سے واقع ہوں گے۔

فرمایا :اس دن لوگ مختلف احوال میں لوٹیں گے تاکہ انھیں ان کے اعمال دکھادیئے جائیں۔

یعنی حساب کے بعد دائیں ہاتھ والے جنت کی طرف روانہ ہوں گے اور بائیں ہاتھ والے دوزخ کی طرف روانہ ہوں گے، ایک قول یہ ہے کہ وہ حساب سے فارغ ہونے کے بعد واپس لوٹیں گے، حدیث میں ہے:

حضرت ابوہریرہ (رض) بیان کرتے ہیں کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: قیامت کے دن ہر شخص اپنے آپ کو ملامت کررہا ہوگا، جو نیکوکار ہوگا، وہ یہ کہے گا: میں نے زیادہ نیکیاں کیوں نہیں کیں اور جو اس کے علاوہ ہوگا، وہ کہے گا: میں نے گناہوں کو ترک کیوں نہیں کیا۔ (فردوس الاخبار رقم الحدیث 6501:)

ایک قول یہ ہے کہ جس وقت لوگ قبروں سے نکلیں گے تو ان کو حساب کی جگہ پر لایا جائے گا تاکہ وہ اپنے صحائف اعمال میں اپنے اعمال لکھے ہوئے دیکھ لیں اور اپنے اعمال کی جزا دیکھ لیں اور وہ حساب کی جگہ سے مختلف ٹولیوں میں روانہ ہوں گے۔

فرمایا: سو جو ذرہ برابر نیکی کرے گا، وہ اس کا صلہ دیکھے گا۔ اور جو ذرہ برابر برائی کرے گا وہ اس کا عذاب دیکھے گا۔

مومن اور کافر کے اعمال کے بدلہ کا ضابطہ؛

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی 668ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس (رض) فرماتے ہیں : کفارین سے جوشخص بھی ذرہ کے برابر کوئی نیک کام کرے گا، اس کواس کی نیکی کا اجر دنیامین ہی دے دیا جائے گااور اس کو آخرت میں کوئی اجر نہیں ملے گااور اگر کوئی کافر کوئی برا کام کرے گا تو آخرت میں اس کوشرک کی سزا کے علاوہ وہ اس برائی کی سزا بھی دی جائے گی اور مومنین میں سے جوشخص بھی ایک ذرہ کے برابر کوئی برائی کریگااس کوسزانہیں دی جائے گی اوراس کی برائی سے درگزر کرلیا جائے گااور اگر مومن نے ذرہ برابر کوئی نیکی کی تواس کوقبول کرلیا جائے گااوراس کا آخرت میں اجرزیادہ کردیا جائے گا۔

بعض احادیث مین ہے کہ ذرہ کا کوئی وزن نہیں ہے، اس لیے کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ابن آدم کے کسی عمل سے غافل نہیں ہے،خواہ وہ عمل صغیرہ ہویا کبیرہ، جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

(النساء،٤٠ :) بیشک اللہ ذرہ برابر بھی کسی پر ظلم نہیں کرتا۔

بعض اہل لغت نے کہا ہے کہ آدمی زمین پر ہاتھ رکھ کر اٹھائے تواس کے ہاتھ پر جو خاک لگی ہو وہ ذرہ ہے،حضرت ابن عباس (رض) کا بھی یہی قول ہے۔

محمد بن کعب القرظی نے کہا ہے کہ کافر جو ذرہ برابر بھی نیکی کرے گا، اس کا ثواب اس کو دنیا مین اس کے نفس، اس کے مال، اس کے اہل اوراس کی اولاد میں دے دیا جائے گا، حتیٰ کہ جب وہ دنیا سے جائے گا تو اللہ سبحانہ کے پاس اس کی کوئی نیکی نہیں ہوگی اور مومن نے دنیا میں ذرہ برابر جو برائی کی ہوگی، اس کی سزا اس کو دنیا میں ملے گی۔ اس کے نفس، اس کے مال، اس کے اہل اوراس کی اولاد میں اس کوسزا دے دی جائے گی حتیٰ کہ جب وہ دنیا سے جائے گا تو اللہ سبحانہ کے پاس اس کی کوئی برائی نہیں ہوگی۔

حضرت انس (رض) بیان کرتے ہیں : یہ آیت نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر اس وقت نازل ہوئی، جب حضرت ابوبکر کھانا کھارہے تھے، وہ کھانے سے رک گئے اور کہنے لگے : یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کیا ہم کوہمارے اچھے اور برے عملوں کا بدلہ ملے گا؟ آپ نے فرمایا : تم جوناگوار چیزیں دیکھتے ہو وہ تمہاری ذرہ برابر برائی کا بدلہ ہے اورتمہاری ذرہ برابر نیکی کوآخرت کے لیے ذخیرہ کرلیا جاتا ہے حتیٰ کہ قیامت کے دن تم کواس کا بدلہ دیا جائے گا۔ (جامع البیان رقم الحدیث : ٢٩٢٢٢ مجمع الزوائدج ٧ ص ١٤٢)

قرآن مجید میں ہے: (الشوریٰ،٣٠ :) تم کو جوبھی مصیبت پہنچتی ہے، وہ تمہارے کرتوتوں کی وجہ سے ہے اور بہت سے گناہ تو وہ معاف فرمادیتا ہے۔

المطلب بن حنطب بیان کرتے ہیں کہ ایک اعرابی نے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو یہ آیت تلاوت کرتے ہوئے سنا، اس نے کہا : یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کیا ایک ذرہ کے برابر بھی؟ آپ نے فرمایا : ہاں۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ٢٠ ص 135 – 136 دار الفکر بیروت 1415ھ)

ترکیب نحوی وتحقیق صرفی:

اِذَا، ظرف زمان، مستقبل پر دلالت کرتا ہے، بمعنی شرط (جب) زُلْزِلَتِ، اصل میں، زُلْزِلَتْ، ہے، تا، کوزیر اگلے لفظ سے ملانے کیلئے دی گئی ہے، فعل ماضی مجہول واحد مؤنث غائب زَلْزَلَ یُزَلْزِلُ، مصدر زَلْزَلَۃً وَزِلْزَالاً، ہلا دینا، اِذَا، کی وجہ سے ترجمہ (وہ ہلادی جائے گی) اَلْاَرْضُ (زمین) زِلْزَالَہَا (زِلْزَالَ۔ہَا) زِلْزَالَ، مضاف، مصدر، سخت ہلایا جانا، زلزلہ، بھونچال، ہَا، مضاف الیہ، ضمیر واحد مؤنث غائب، اس کا، اپنے، ضمیر کا مرجع "اَلْاَرْضُ" ہے (اس کا سخت ہلایا جانا) وَ، حرف عطف (اور) اَخْرَجَتِ الْاَرْضُ (اَخْرَجَتِ۔اَلْاَرْضُ) اَخْرَجَتِ، اصل میں، اَخْرَجَتْ، ہے، تا، کوزیر اگلے لفظ سے ملانے کیلئے دی گئی ہے، فعل ماضی واحد مؤنث غائب اَخْرَجَ یُخْرِجُ، مصدر اِخْرَاجًا، باہر نکال دینا، اِذَا، کی وجہ سے ترجمہ، وہ باہر نکال دے گی، اَلْاَرْضُ، فاعل ہے، زمین (زمین باہر نکال دے گی) اَثْقَالَہَا (اَثْقَالَ۔ہَا) اَثْقَالَ، مضاف، بوجھ، واحد، ثِقْلٌ، ہَا، مضاف الیہ، ضمیر واحد مؤنث غائب، اپنے، ضمیر کا مرجع، اَلْاَرْضُ، ہے (اپنے بوجھ) وَ، حرف عطف (اور) قَالَ الْاِنْسَانُ (قَالَ۔اَلْاِنْسَانُ) قَالَ، فعل ماضی واحد مذکر غائب قَالَ یَقُوْلُ، مصدر قَوْلًا، کہنا، اِذَا، کا معطوف ہونے کی وجہ سے ترجمہ، وہ کہے گا، اَلْاِنْسَانُ، فاعل، انسان (انسان کہے گا) مَا، استفہامیہ (کیا) لَہَا (لَ۔ہَا) لَ، حرف جار، کو، ہَا، مجرور، ضمیر واحد مؤنث غائب، اس، ضمیر کا مرجع "اَلْاَرْضُ" ہے (اس کو) یَوْمَئِذٍ (یَوْمَ۔اِذٍ) یَوْمَ، مضاف، ظرف، دن، اِذٍ، مضاف الیہ، اس (اس دن) تُحَدِّثُ، فعل مضارع واحد مؤنث غائب حَدَّثَ یُحَدِّثُ، مصدر تَحْدِیْثًا، بیان کرنا (وہ بیان کرے گی) اَخْبَارَہَا (اَخْبَارَ۔ہَا) اَخْبَارَ، مضاف، خبریں، واحد، خَبَرٌ، ہَا، مضاف الیہ، ضمیر واحد مؤنث غائب، اپنی ضمیر کا مرجع، اَلْاَرْضُ، ہے (اپنی خبریں) یعنی انسان جو کچھ زمین پر کرتا رہا۔ بِاَنَّ (بِ۔اَنَّ) بِ، حرف جار، سببیہ، اس وجہ سے، اَنَّ، مجرور، حرف مشبہ بالفعل، بے شک (اس وجہ سے کہ بے شک) رَبَّکَ (رَبَّ۔کَ) رَبَّ، مضاف، رب، پروردگار، کَ، مضاف الیہ، ضمیر واحد مذکر حاضر، آپ کے (آپ کے رب نے) اَوْحٰی، فعل ماضی واحد مذکر غائب اَوْحٰی یُوْحِیْ، مصدر اِیْحَآءً، وحی کرنا، حکم دینا، ترجمہ بحوالہ قیامت (اس نے وحی کی ہوگی) لَہَا (لَ۔ہَا) لَ، حرف جار، کو، ہَا، مجرور، ضمیر واحد مؤنث غائب، اس، ضمیر کا مرجع "اَلْاَرْضُ" ہے (اس کو) یَوْمَئِذٍ (یَوْمَ۔اِذٍ) یَوْمَ، مضاف، ظرف، دن، اِذٍ، مضاف الیہ، اس (اس دن) یَصْدُرُ النَّاسُ (یَصْدُرُ۔اَلنَّاسُ) یَصْدُرُ، فعل مضارع واحد مذکر غائب صَدَرَ یَصْدُرُ، مصدر صَدْرًا، نکل جانا، آگے آنا، واپس لوٹنا، پانی پی کر لوٹنا، وہ واپس لوٹے گا، اَلنَّاسُ، اسم جمع، لوگ (لوگ واپس لوٹیں گے) اَشْتَاتًا (جدا جدا، الگ الگ) واحد، شَتٌّ وَشَتِیْتٌ لِّیُرَوْا اَعْمَالَہُمْ ○۶ تاکہ انہیں ان کے اعمال دکھائے جائیں۔لِیُرَوْا (لِ۔یُرَوْا) لِ، لام تعلیل ناصبہ، تاکہ، یُرَوْا، فعل مضارع مجہول جمع مذکر غائب رَاٰی۔یُرٰی، مصدر رُؤْیَۃً، دیکھنا، انہیں دکھائے جائیں (تاکہ انہیں دکھائے جائیں) اَعْمَالَہُمْ (اَعْمَالَ۔ہُمْ) اَعْمَالَ، مضاف، اعمال، واحد، عَمَلٌ، ہُمْ، مضاف الیہ، ضمیر جمع مذکر غائب، ان کے (ان کے اعمال) فَمَنْ (فَ۔مَنْ) فَ، حرف عطف، پس، مَنْ، شرطیہ، جو (پس جو) یَّعْمَلْ، فعل مضارع واحد مذکر غائب عَمِلَ یَعْمَلُ، مصدر عَمَلًا، عمل کرنا (وہ عمل کرے گا) مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ۔مِثْقَالَ، مضاف، اسم مفرد، برابر، ہم وزن، جمع، مَثَاقِیْلُ، ذَرَّۃٍ، مضاف الیہ، ایک ذرہ کے (ایک ذرہ کے برابر) خَیْرًا (بہتر، اچھا، نیکی، نیک کام، بھلائی) جو چیز سب کو پسند ہو وہ خیر ہے۔یَّرَہٗ (یَرَ۔ہٗ) یَرَ، فعل مضارع واحد مذکر غائب رَاٰی یَرٰی، مصدر رُؤْیَۃً، دیکھنا، وہ دیکھ لے گا، ہٗ، ضمیر واحد مذکر غائب، اسے (وہ اسے دیکھ لے گا) وَمَنْ (وَ۔مَنْ) وَ، حرف عطف، اور، مَنْ، شرطیہ، جو (اور جو) یَّعْمَلْ، فعل مضارع واحد مذکر غائب عَمِلَ یَعْمَلُ، مصدر عَمَلًا، عمل کرنا (وہ عمل کرے گا) مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ۔مِثْقَالَ، مضاف، اسم مفرد، برابر، ہم وزن، جمع، مَثَاقِیْلُ، ذَرَّۃٍ، مضاف الیہ، ایک ذرہ کے (ایک ذرہ کے برابر) شَرًّا (برائی، شر، برا) جس سے سب کو نفرت ہو۔یَّرَہٗ (یَرَ۔ہٗ) یَرَ، فعل مضارع واحد مذکر غائب رَاٰی یَرٰی، مصدر رُؤْیَۃً، دیکھنا، وہ دیکھ لے گا، ہٗ، ضمیر واحد مذکر غائب، اسے (وہ اسے دیکھ لے گا)۔

(الحمدللہ سورہ زلزال مکمل ہوگئی)

[سورۃ العادیات]

آیت ا تا ۵

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَالۡعٰدِیٰتِ ضَبۡحًا ﴿۱﴾ فَالۡمُوۡرِیٰتِ قَدۡحًا ﴿۲﴾ فَالۡمُغِیۡرٰتِ صُبۡحًا ﴿۳﴾ فَاَثَرۡنَ بِہٖ نَقۡعًا ﴿۴﴾ فَوَسَطۡنَ بِہٖ جَمۡعًا ﴿۵﴾

ترجمہ:

قسم ہے ان (گھوڑوں) کی جو پیٹ اور سینے سے آواز نکالتے ہوئے دوڑنے والے ہیں!(۱) پھر جو سم (ٹاپ) مار کر چنگاریاں نکالنے والے ہیں!(۲) پھر جو صبح کے وقت حملہ کرنے والے ہیں!(۳) پھر اس کے ساتھ غبار اڑاتے ہیں۔(۴) پھر اسی کے ساتھ فوجوں کے درمیان گھس جاتے ہیں۔(۵)

کوائف:

اس سورت کا نام سورۃ العادیات ہے۔ عادیات کا لفظ پہلی ہی آیت کریمہ میں موجود ہے۔ جس سے اس سورت کا نام لیا گیا ہے۔ یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی، تاہم حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت قتادہ اور امام مالک سے منقول ہے کہ یہ مدنی سورۃ ہے۔ اس کا ایک رکوع اور گیارہ آیتیں ہیں۔

ماقبل سے ربط:

سابقہ سورۃ زلزال میں انسان کے جزائے عمل کا ذکر تھا کہ جزائے عمل کا واقع ہونا لازم ہے۔ اس سے پہلی سورۃ البینۃ میں اسلامی تعلیمات کا خلاصہ ہے۔ انسان کو اللہ کی عبادت کرنی چاہیے اور حنیف بن کر رہنا چاہیے۔ بدنی اور مالی عبادات یعنی مال اور زکوۃ پر کاربند ہونا چاہیے۔ خدا کا خوف ہر وقت دل میں جاگزیں ہونا چاہیے۔

اس سورۃ مبارکہ میں ان بیماریوں کا ذکر ہے جو کہ مذکورہ بالا پروگرام پر عمل درآمد میں مانع بنتی ہیں۔ ان میں سے ایک بیماری ناشکر گزاری ہے اور دوسری مال کی شدید محبت مقصد یہ ہے کہ ان دو بیماریوں کا علاج کرنا چاہیے۔ تاکہ قرآن پاک کے پروگرام پر عملدرآمد میں موجود رکاوٹ کو دور کیا جاسکے۔

شان نزول:

بعض روایات میں آتا ہے کہ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ایک موقع پر صحابہ کی ایک جماعت کو بنی کنانہ کے کافروں کا مقابلہ کرنے کے لیے بھیجا۔ بنی کنانہ کے کفار بڑے سخت لوگ تھے آپ نے لشکر کو بعض خصوصی ہدایات دیں کہ یہاں سے فلاں تاریخ کو روانہ ہونا اور فلاں تاریخ تک منزل مقصود تک پہنچ جانا۔ اس روزرات کے آخری حصے میں یعنی علی الصبح دشمن پر حملہ کرنا اور پھر فلاں تاریخ کو واپس آجانا۔ جب صحابہ کرام کی جماعت سفر پر روانہ ہوگئی، تو راستے میں ایک ندی میں سیلاب آیا ہوا تھا۔ لہذا انھیں ایک دن وہیں رکنا پڑا، دوسرے روز جب ندی کا پانی اترا تو صحابہ آگے روانہ ہوگئے۔ حضور (صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم) کے ارشاد کے مطابق دشمن پر حملہ کیا اور پھر واپس روانہ ہو گئے۔ چونکہ واپسی میں ایک دن کی تاخیر ہو گئی اور صحابہ مقررہ تاریخ پر نہ پہنچ سکے تو منافقین نے پراپیگنڈا شروع کر دیا کہ مسلمان اس مہم میں مارے گئے ہیں۔ چنانچہ مسلمانوں میں پریشانی کا پیدا ہونا ایک فطری امر تھا۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ سورۃ عادیات نازل فرما کر مسلمانوں کو تسلی دی۔(معالم العرفان)

تفسیر:

فرمایا؛قسم ہے ان (گھوڑوں) کی جو پیٹ اور سینے سے آواز نکالتے ہوئے دوڑنے والے ہیں !الخ

"العادیات ضبحا" کا معنی

"عادیات" کا لفظی معنی ہے : دوڑنے والا یں، اس سے مراد تیز رفتار گھوڑے یا اونٹنیاں ہیں "عادیات" "عادیۃ" کی جمع ہے اور "عدو" سے مشتق ہے، جس کا معنی دوڑنا ہے، یہ اصل میں "عادوات" تھا واؤ کو ماقبل مکسور ہونے کی وجہ سے یا سے بدل دیا تو "عادیات" ہو گیا، جیسے "غزو" سے "غازیات" ہو گیا۔

حضرت ابن عباس (رض) عطاء مجاہد، عکرمہ، حسن بصری، قتادہ اور مقاتل وغیرہم کا قول ہے کہ یہ مجاہدین کے گھوڑوں کی صفت ہے اور حضرت علی اور حضرت ابن مسعود (رض) کا قول ہے کہ اس سے مراد اونٹ ہیں، محمد بن کعب اور سدی کا بھی یہی قول ہے۔

حضرت ابن عباس (رض) فرماتے ہیں کہ میں حجر اسود کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ایک شخص نے مجھ سے "العدیت ضبحا" کے متعلق سوال کیا، میں نے کہا، اس سے مراد وہ گھوڑے ہیں جو اللہ کی راہ میں بہت تیز دوڑتے ہیں اور سر شام اس وقت واپس آتے ہیں جب لوگ کھانے کے لیے آگ جلاتے ہیں، وہ شخص میرے پاس سے ہو کر حضرت علی (رض) کے پاس گیا، اس نے حضرت علی سے بھی یہی سوال کیا اور آپ کو حضرت ابن عباس کا جواب بھی بتایا، آپ نے بتایا : جاؤ حضرت ابن عباس کو میرے پاس لے آؤ، پھر حضرت علی نے حضرت ابن عباس سے فرمایا : تم لوگوں کو ایسی بات کیوں بتاتے ہو جس کا تمہیں علم نہیں ہے اللہ کی قسم ! اسلام کا سب سے پہلا غزوہ، غزوہ بدر تھا، اس وقت ہمارے پاس صرف دو گھوڑے تھے، ایک حضرت زبیر بن العوام (رض) کے پاس تھا اور دوسرا حضرت مقدار دبن الاسود کے پاس تھا، اس صورت میں "العدیت ضبحا" کو گھوڑوں پر محمول کرنا کس طرح صحیح ہوگا، لہذا اس سے مراد وہ اونٹنیاں ہیں جو عرفات سے مزدلفہ تک دوڑتی ہیں، پھر جب لوگ مزدلفہ میں ٹھہرتے ہیں تو وہ آگ جلاتے ہیں اور "فالمغیرت صبحاً" (العدیت :و) سے مراد وہ اونٹنیاں ہیں جو صبح کو مزدلفہ سے منیٰ کی طرف دوڑتی ہیں اور فاثرن بہ نقعاً" (العدیث ٤ :) سے مراد وہ غبار ہے جو ان اونٹنیوں کے قدموں تلے روندنے سے اٹھتا ہے۔

امام ابن جریر نے کہا، پھر حضرت ابن عباس نے اپنے قول سے رجوع کر کے حضرت علی کے قول کی طرف رجوع کر لیا، اور

امام ابن ابی حاتم نے ابراہیم نخعی سے روایت کیا ہے کہ جب حضرت علی نے یہ فرمایا کہ غزوہ بدر میں دو سے زیادہ گھوڑے نہ تھے تو حضرت ابن عباس نے فرمایا :اس سے مراد گھوڑوں پر سواروں کا ایک خاص دستہ ہے، جو کسی جنگی مہم پر روانہ کیا گیا تھا، شعبی نے نقل کیا ہے کہ حضرت ابن عباس نے یہ بھی فرمایا تھا کہ اس میں غبار اڑنے کا ذکر ہے اور غبار گھوڑوں کے دوڑنے سے ہی اڑتا ہے، نیز امام عبدالرزاق نے کہا ہے کہ اس میں ان کے ہانپنے کا ذکر ہے اور چوپایوں میں سے سوائے کتے اور گھوڑے کے اور کوئی جانور نہیں ہانپتا۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے۔

امام ابن جریر نے حضرت ابن عباس کے قول کو راجح قرار دیا ہے کیونکہ "ضبحا" کا معنی ہے :ہانپنا اور چوپایوں میں سے کتوں اور گھوڑوں کے سوا اور کوئی جانور نہیں ہانپتا۔ (جامع البیان جز 30 ص 345 – 348 ملخصات تفسیر امام ابن ابی حاتم ج 10 ص 3457 ملخصاً تفسیر امام عبدالرزاق ج ۲ ص 317 – 318 ملخصاً فتح الباری ج ۹ ص 750 – 751)

"الموریات قدحاً" کا معنی:

"الموریات" جمع مونث اسم فاعل ہے، اس کا مصدر "ایراء" ہے، اس کا معنی ہے : آگ روشن کرنے والے، عکرمہ نے کہا :اس سے مراد مجاہدین کے وہ گھوڑے ہیں جو پتھریلی زمین پر چلتے ہیں تو ان کے سموں کی رگڑ سے آگ کی چنگاریاں نکلتی ہیں، قتادہ نے کہا، اس سے مراد وہ گھوڑے ہیں جن کے سواروں کے دلوں میں عداوت کی آگ بھڑکتی ہے، سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس (رض) سے روایت کیا ہے، اس سے مراد سواروں کا وہ دستہ ہے جو دن بھر جہاد کرنے کے بعد شام کو واپس آ کر کھانا پکانے کے لیے آگ جلاتا ہے۔

"قدحاً" کا معنی ہے : چقماق کو مار کر آگ نکالنا، پتھر پر پتھر یا لوہے کو مار کر آگ نکالنا اور اس سے مراد ہے گھوڑوں کا نعل دار سموں کو پتھریلی زمین پر مارنا "قدح فیہ" کا معنی ہے : کسی چیز میں نکتہ چینی کرنا۔ (جامع البیان جز 30 ص 348 – 349 معالم التنزیل ج ۵ ص 295)

"المغیرات صبحاً" کا معنی:

"المغیرات" جمع مونث اسم فاعل ہے، اس کا مصدر "اغارۃ" ہے، اس کا معنی ہے :مال غنیمت لوٹنے والے، چھاپہ مارنے والے، اکثر مفسرین نے کہا، اس سے مراد ہے : گھوڑوں پر سواروں کے دستے جو صبح کے وقت دشمنوں پر حملہ کرتے ہیں۔

علامہ القرطبی نے کہا :اس سے مراد اونٹوں کی وہ جماعتیں ہیں جو اپنے سواروں کو لے کر قربانی کے دن صبح کے وقت منیٰ کی طرف تیز تیز جاتی ہیں اور سنت یہی ہے کہ صبح سے پہلے روانہ نہ ہوا جائے، اور "اغارۃ" کا معنی ہے، بہت تیزی سے روانہ ہونا۔ (معالم التنزیل ج ۵ ص 296، دار احیاء التراث العربی، بیروت 1420 ھ)

"فاثرن بہ نقعاً" اور "فوسطن بہ جمعاً" کا معنی

"اثرن" جمع مونث، غائب کا صیغہ ہے، اس کا مصدر "اثارۃ" ہے، اس کا معنی ہے :برانگیختہ کرنا اور گرد و غبار اڑانا
"نقعا" کا معنی ہے، تنگ، کنوئیں میں جمع شدہ پانی اور گرد و غبار۔
عکرمہ سے اس کا معنی پوچھا گیا تو انھوں نے کہا : گھوڑوں کے دوڑنے سے گرد و غبار اڑا۔ (جامع البیان رقم الحدیث 29268:، دارالفکر بیروت، 1415ھ)
"فوسطن بہ جمعا" کا معنی ہے :جماعت میں گھس گئے، بیچ میں آ گئے یعنی مجاہدین اپنے گھوڑوں کے ساتھ دشمن کی فوجوں میں گھس گئے۔ (جامع البیان جز ۳۰ ص352، معالم التنزیل ج ۵ ص296)

ترکیب نحوی وتحقیق صرفی:

وَالْعٰدِیٰتِ (وَ۔ الْعٰدِیٰتِ) وَ، حرف جار، قسمیہ، قسم ہے، الْعٰدِیٰتِ، مجرور، مقسم بہ، عَدْوٌ، مصدر سے اسم فاعل کا صیغہ جمع مؤنث، تیز دوڑنے والے (گھوڑے یا گھوڑیاں) واحد، عَادِیَۃٌ، اصل میں، عَادِوَۃٌ، ہے واؤ کو ما قبل مکسور ہونے کی وجہ سے یا سے بدل دیا (قسم ہے تیز دوڑنے والے (گھوڑوں) کی) ضَبْحًا، مصدر ہے، اسم فاعل کی تاکید کیلئے ہے، گھوڑوں کے دوڑنے کے سبب ہانپنے کو کہتے ہیں، (ہانپنا، ہانپتے ہوئے) فَالْمُوْرِیٰتِ (فَ۔ اَلْمُوْرِیٰتِ) فَ، حرف عطف، پھر، اَلْمُوْرِیٰتِ۔ اِیْرَآءٌ، مصدر سے اسم فاعل جمع مؤنث آگ روشن کرنے والے یا کرنے والیاں، مراد وہ گھوڑے جو پتھریلی زمین پر چلتے ہیں تو ان کے سموں سے آگ کی چنگاریاں نکلتی ہیں (چنگاریاں نکالنے والے) واحد، مُوْرِیَۃٌ، قَدْحًا، مصدر ہے، چقماق کو مار کر آگ نکالنا، پتھر پر پتھر مار کر یا لوہے کو مار کر آگ نکالنا، یہاں مراد گھوڑوں کا نعل دار ٹاپوں کو پتھریلی زمین پر مار کر آگ نکالنا ہے (سم مار کر) فَالْمُغِیْرٰتِ (فَ۔ اَلْمُغِیْرٰتِ) فَ، حرف عطف، پھر، اَلْمُغِیْرٰتِ۔ اِغَارَۃٌ، مصدر سے اسم فاعل جمع مؤنث ٹوٹ پڑنے والے، چھاپہ مارنے والے، حملہ کرنے والے (پھر حملہ کرنے والوں کی) صُبْحًا، ظرف زمان (بوقت صبح، صبح کے وقت) فَاَثَرْنَ (فَ۔ اَثَرْنَ) فَ، حرف عطف، پھر، اَثَرْنَ، فعل ماضی جمع مؤنث غائب اَثَرَ یُثِیْرُ، مصدر اَثْرٌ او اِثَارَۃٌ، اٹھانا، اڑانا، ترجمہ بمعنی مضارع، وہ اڑاتے ہیں (پھر وہ اڑاتے ہیں) بِہٖ (بِ۔ ہٖ) بِ، حرف جار بمعنی، عَلٰی، پر، سے، ہٖ، مجرور، ضمیر واحد مذکر غائب، اس (اس (موقع) پر) نَقْعًا، اسم منصوب (خاک، غبار) فَوَسَطْنَ (فَ۔ وَسَطْنَ) فَ، حرف عطف، پھر، وَسَطْنَ، فعل ماضی جمع مؤنث غائب وَسَطَ یَسِطُ، مصدر وَسْطًا، درمیان میں ہونا، درمیان میں گھس جانا، ترجمہ بمعنی مضارع، وہ درمیان میں جا گھستے ہیں (پھر وہ درمیان میں جا گھستے ہیں) بِہٖ (بِ۔ ہٖ) بِ، حرف جار بمعنی، فِیْ، میں، ہٖ، مجرور، ضمیر واحد مذکر غائب، اس (اس (حالت) میں) جَمْعًا، مصدر ہے (جماعت، فوج، لشکر)۔

آیت ۶ تا ۱۱

اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّہٖ لَکَنُوْدٌ (۶) وَاِنَّہٗ عَلٰی ذٰلِکَ لَشَہِیْدٌ (۷) وَاِنَّہٗ لِحُبِّ الْخَیْرِ لَشَدِیْدٌ (۸) اَفَلَا یَعْلَمُ اِذَا بُعْثِرَ مَا فِی الْقُبُوْرِ (۹) وَحُصِّلَ مَا فِی الصُّدُوْرِ (۱۰) اِنَّ رَبَّہُمْ بِہِمْ یَوْمَئِذٍ لَّخَبِیْرٌ (۱۱)

ترجمہ:

یقیناً انسان اپنے رب کا ناشکرا ہے۔ (۶) اور یقیناً وہ خود بھی اس پر گواہ ہے۔ (۷) یہ مال کی محبت میں بھی بڑا سخت ہے (۸) تو کیا وہ نہیں جانتا جب قبروں میں جو کچھ ہے باہر نکال پھینکا جائے گا۔ (۹) اور جو کچھ سینوں میں ہے ظاہر کر دیا جائے

گا۔(۱۰) بے شک ان کا رب اس دن ان کے متعلق یقیناً خوب خبر رکھنے والا ہے۔(۱۱)

تفسیر:

فرمایا: یقیناً انسان اپنے رب کا ناشکرا ہے۔الخ

"الکنود" کا معنی اور انسان کا اپنے "الکنود" ہونے پر گواہ ہونا:

سابقہ پانچ آیتوں میں جو قسم کھائی تھی، العدیث ٦ : میں اس کا جواب ہے، اس آیت میں "لکنود" کا لفظ ہے، اس آیت کا معنی ہے : بیشک انسان اپنے رب کا ضرور ناشکرا ہے۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا :انسان طبعی طور پر ناشکرا ہے اور "لکنود" کا معنی ہے : "لکفور" یعنی وہ اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا نہیں کرتا، حسن بصری نے کہا :انسان مصائب کا ذکر کرتا ہے اور نعمتوں کو بھول جاتا ہے۔

حکیم ترمذی نے حضرت ابو امامہ باہلی (رض) سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا : "الکنود" وہ شخص ہے جو خود کھاتا ہے اور اپنے رفقاء کو نہیں کھلاتا۔(المعجم الکبیر رقم الحدیث 7778:)

حضرت ابن عباس (رض) نے بیان کیا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا :سنو! کیا میں تم میں سب سے برے شخص کے بارے میں نہ بتاؤں، صحابہ نے کہا : کیوں نہیں، یارسول اللہ! فرمایا :جو عطیہ کو صرف اپنے پاس رکھے اور اپنے خادم کو مارے۔(نوادر الاصول ص 267)

نیز حضرت ابن عباس (رض) نے فرمایا : کندہ اور حضر موت کی لغت میں "الکنود" کا معنی ہے :نافرمان اور ربیعہ اور مضر کی لغت میں اس کا معنی ہے : "الکفور" یعنی بہت ناشکرا اور کنانہ کی لغت میں اس کا معنی ہے، بہت بخیل، نیز حضرت ابن عباس (رض) نے فرمایا :اس آیت میں اس سے مراد کافر ہے۔

ابوبکر الواسطی نے کہا : "الکنود" وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو اس کی نافرمانی میں خرچ کرے اور ابوبکر الوراق نے کہا : "الکنود" وہ شخص ہے جو سمجھتا ہے کہ اس کو نعمت اس کی اور اس کے دوستوں کی وجہ سے ملی ہے، امام ترمذی نے کہا : "کنود" وہ شخص ہے جو نعمت کو دیکھے اور نعمت دینے والے کو نہ دیکھے "ھلوع" اور "کنود" وہ شخص ہے جس پر مصیبت آئے تو گھبرا جائے اور راحت آئے تو ناشکری کرے، ایک قول یہ ہے کہ وہ کینہ رکھنے والا اور حسد کرنے والا ہے، ایک قول ہے کہ وہ تقدیر سے جاہل ہے اور حکمت میں ہے :جو تقدیر سے جاہل ہے، اس نے اپنی عزت کا پردہ چاک کر دیا۔

علامہ قرطبی فرماتے ہیں :ان تمام اقوال کا خلاصہ یہ ہے کہ "الکنود" ناشکرا اور منکر ہے اور نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اس کی تفسیر صفات مذمومہ غیر محمودہ کے ساتھ کی ہے۔(الجامع لاحکام القرآن جز ۲۰ ص 142 – 143 دار الفکر بیروت، ١٤١٥ھ)

فرمایا :اور بیشک وہ اس پر ضرور گواہ ہے۔

حضرت ابن عباس اور مجاہد وغیرہ نے فرمایا :انسان اپنے نفس اور اپنے اعمال پر خواہ گواہ ہے۔

اس کا ایک مطلب یہ ہے کہ انسان اپنے ناشکرے ہونے پر خود گواہ ہے، کیونکہ یہ چیز بالکل ظاہر ہے اور انسان اس کا انکار نہیں کرسکتا یا اس لیے کہ آخرت میں وہ خود اپنے گناہوں کا اعترافکر لے گا۔

اس کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ناشکرے ہونے پر گواہ ہے اور یہ معنی راجح ہے کیونکہ اس کی ضمیر"لربہ" کی طرف راجع ہے اور اس کا ذکر انسان کی بہ نسبت قریب ہے، اس آیت میں انسان کو اس کے معاصی پر زجر و توبیخ کی گئی ہے، کیونکہ آخرت میں اس کے اعمال کا شمار کیا جائے گا۔

فرمایا :اور بیشک وہ مال کی محبت میں بہت سخت ہے۔

مال کی محبت کے متعلق احادیث:

اس آیت میں "الخیر" کا لفظ ہے، یعنی وہ خیر کی محبت میں بہت سخت ہے اور قرآن مجید میں "خیر" کے لفظ سے مال کا بھی ارادہ کیا گیا ہے، جیسا کہ حسب ذیل آیات میں ہے :

(البقرہ 180:) جب تم میں سے کسی پر موت کا وقت آئے، سو اگر اس نے مال چھوڑا ہو تو اس پر وصیت کو فرض کر دیا گیا ہے۔

واذا مسہ الخیر منوعاً۔ (اور جب اس کو مال ملتا ہے تو وہ بخل کرنے والا ہے۔)

اس کی وجہ یہ ہے کہ لوگ اپنے عرف میں مال کو خیر قرار دیتے ہیں، اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے عرف کے موافق فرمایا کہ انسان خیر کی یعنی مال کی محبت میں شدید ہے اور شدید سے مراد بخیل ہے۔

انسان کو مال سے جس قدر محبت ہے، اس کا ذکر ان حدیثوں میں ہے :

حضرت ابن (رض) بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے :اگر ابن آدم کے پاس مال کی دو وادیاں ہوں تو وہ تیسری وادی کو طلب کرے گا اور ابن آدم کے پیٹ کو صرف مٹی ہی بھر سکتی ہے اور جو شخص توبہ کرے، اللہ تعالیٰ اس کی توبہ کو قبول فرماتا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث 6436:، صحیح مسلم رقم الحدیث 1049:، مسند حمد ج٦ ص 55 ج٣ ص 247)

حضرت انس (رض) بیان کرتے ہیں کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس بحرین کا مال آیا، آپ نے فرمایا :اس کو مسجد میں پھیلا دو اور نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس جو اموال آتے تھے ان میں یہ مال سب سے زیادہ تھا، نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نماز پڑھنے گئے اور اس مال کی طرف کوئی توجہ نہیں کی، نماز پڑھانے کے بعد آپ اس مال کے پاس بیٹھ گئے، پھر آپ جس شخص کو بھی دیکھتے، اس کو اس مال سے عطا کرتے، اس وقت آپ کے پاس حضرت عباس (رض)

آئے، پھر انھوں نے کہا: یارسول اللہ! مجھے مال عطا کیجیے کیونکہ میں نے اپنا فدیہ بھی دیا تھا اور عقیل کا فدیہ بھی دیا تھا، آپ نے ان سے فرمایا: آپ اس میں سے مال لے لیں، انھوں نے اپنے کپڑے میں مال ڈالنا شروع کیا اور اس مال کی چوٹی بنا دی اور اس کو اٹھا نہ سکے، انھوں نے کہا: یارسول اللہ کسی کو حکم دیں کہ وہ اس مال کو اٹھا کر میرے اوپر رکھ دے، آپ نے فرمایا: نہیں! آپ خود اٹھائیں، انھوں نے کہا: اچھا تو پھر آپ اٹھا کر رکھ دیں، آپ نے فرمایا: نہیں، انھوں نے اس گٹھڑی سے مال کم کیا لیکن پھر اس کی چوٹی بن گئی، انھوں نے کہا: یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کسی کو کہیے کہ اس کو اٹھا کر مجھ پر رکھ دے، آپ نے فرمایا: نہیں، انھوں نے کہا، پھر آپ خود اٹھا کر رکھ دیں، آپ نے فرمایا نہیں: آپ خود اٹھائیں، انھوں نے اس میں سے مال کم کیا، پھر اس کو اٹھا کر اپنے کندھے پر رکھ لیا، پھر چلے گئے پھر رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی نظر ان کا تعاقب کرتی رہی، حتیٰ کہ وہ نظر سے اوجھل ہو گئے، رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو ان کی حرص پر تعجب ہو رہا تھا، رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) وہاں سے اس وقت اٹھے، جب وہاں پر ایک درہم بھی باقی نہیں رہا تھا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث٤٢١ :)

مال کی محبت کے اثرات؛

مفسرین نے اس آیت کی حسب ذیل تفسیریں کی ہیں:

(١) انسان مال کی محبت کی وجہ سے بخیل اور ممسک ہو گیا ہے۔

(٢) انسان مال کی محبت میں اور دنیا کو طلب کرنے اور دنیا کو دین پر ترجیح دینے میں بہت شدید اوقوی ہے اور اللہ تعالیٰ کی محبت میں اور اس کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے میں بہت خفیف اور ضعیف ہے۔

(و) اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے سے اس کا دل بہت تنگ ہوتا ہے اور منقبض ہوتا ہے۔

بخیل کی مذمت میں احادیث

حضرت ابوہریرہ (رض) بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: بخیل اور خرچ کرنے والے کی مثال ان دو آدمیوں کی طرح ہے، جنہوں نے لوہے کے دو کوٹ پہنے ہوئے ہوں، جو ان کے پستانوں سے ان کے گلوں تک ہوں، رہا خرچ کرنے والا تو وہ جوں جوں خرچ کرتا ہے، اس کے لوہے کے کڑے ڈھیلے ہوتے جاتے ہیں اور اس کے جسم سے ان کڑوں کے نشان مٹتے جاتے ہیں اور بخیل جب بھی خرچ کرنے کا ارادہ کرے تو لوہے کا ہر کڑا اس کے جسم کے ساتھ اور چمٹتا جاتا ہے، وہ اس کوٹ کو کشادہ کرنا چاہتا ہے مگر وہ کشادہ نہیں ہوتا۔ (صحیح البخاری
)

حضرت ابوہریرہ (رض) بیان کرتے ہیں کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ہر روز جب بندے صبح کو اٹھتے ہیں تو وہ فرشتے نازل ہوتے ہیں، ایک فرشتہ دعا کرتا ہے، اے اللہ! خرچ کرنے والے کو (خرچ کئے ہوئے) مال کا بدل عطا فرما اور

دوسرا فرشتہ دعا کرتا ہے :اے اللہ! بخیل کے مال کو ضائع کردے۔(صحیح البخاری رقم الحدیث ۱٤٤۲ :(سنن ترمذی رقم الحدیث ۹۱۷۸ :)

فرمایا : کیاوہ نہیں جانتا کہ جو قبروں میں ہیں وہ اٹھالیے جائیں گے۔

"بعثر" کا معنی

اس آیت میں "بعثر" کالفظ ہے،اس کامصدر "بعثرۃ" ہے،اس کامعنی ہے : کسی چیز کوالٹ پلٹ کرنا "بعثر" کامعنی ہے وہ اٹھایایاوہ کریداگیا،وہ الٹ پلٹ کیاگیا۔قرآن مجید میں ہے:واذاالقبوربعثرت۔(الانفطار ٤ :)

فرمایا :اورسینوں کی باتوں کوظاہرکردیاجائے گا۔

دنیامیں اکثراوقات انسان کاظاہراس کے باطن کے خلاف ہوتاہے،لیکن قیامت کے دن اس کے سینے کی تمام چھپی ہوئی باتیں اوراس کے پردے چاک کردیئے جائیں گے۔

ظاہری اعضاء کے مقابلہ میں دل کے افعال کامعیار ہونا:

ظاہری اعضاءدل کے افعال کے تابع ہیں کیونکہ اس کے دل میں پہلے کسی کام کاشوق ہوتاہے، پھراس کام کی تحریک پیدا ہوتی ہے، پھر وہ اس کاارادہ کرتاہے، پھراس کے بعدظاہری اعضاءحرکت میں آتے ہیں، اس لیےاللہ تعالیٰ نے مذمت اورمدح میں دل کے افعال کواصل قراردیاہے۔مذمت کے اعتبارسے یہ آیت ہے:

اثم قلبہ(البقرہ ۲۸۳ :)اس کاگناہ گارہے۔

اورمدح کے اعتبارسے یہ آیت ہے:

وجلت قلوبھم(الانفال ۲ :)ان کے دل اللہ سے خوف زدہ ہیں۔

نیزاس آیت میں سینوں کاذکرفرمایاہےاورمراداس سےول ہیں،اس کی وجہ ظاہرہے کہ دل سینوں میں ہیں۔

فرمایا : بیشک ان کارب اس دن ان کی ضرورخبررکھنےالاہے۔

اللہ تعالیٰ کاعلم ابدی وازلی ہے:

اللہ تعالیٰ لوگوں کی خبررکھنے والاہے،اس کایہ معنی نہیں ہے کہ اس کوازخودخبرنہیں ہے،اللہ تعالیٰ کاعلم توازلی اورابدی ہےاور انسان کےصحائف اعمال میں جوکچھ فرشتے لکھتے ہیں،وہ انسان پرحجت قائم کرنے کے لیے ہے۔اوراس دن کی تخصیص اس لیے ہے کہ اس دن اللہ تعالیٰ کے سواکسی کاحکم جاری نہیں ہوگااوراس دن کسی کے علم کااظہارنہیں ہوگا، گویااس دن وہی عالم ہوگااوراس کےسوااورکوئی عالم نہیں ہوگا۔

ترکیب نحوی وتحقیق صرفی:

اِنَّ، حرف مشبہ بالفعل (بے شک) اَلْاِنْسَانَ (انسان) لِرَبِّہٖ (لِ۔رَبِّ۔ہٖ) لِ، حرف جار، کا، رَبِّ، مجرور، مضاف، رب، پروردگار، ہٖ، مضاف الیہ، ضمیر واحد مذکر غائب، اپنے (اپنے رب کا) لَکَنُوْدٌ (لَ۔کَنُوْدٌ) لَ، لام تاکید یقیناً، کَنُوْدٌ، کُنُوْدٌ، مصدر سے صفت مشبہ، بڑا ناشکرا (یقیناً بڑا ناشکرا) یہ آیت جواب قسم ہے۔ وَ، حرف عطف (اور) اِنَّہٗ (اِنَّ۔ہٗ) اِنَّ، حرف مشبہ بالفعل، بے شک، ہٗ، ضمیر واحد مذکر غائب، وہ (بے شک وہ) عَلٰی ذٰلِکَ۔ عَلٰی، حرف جار، پر، ذٰلِکَ، مجرور، اسم اشارہ واحد مذکر بعید، اس (اس پر) لَشَہِیْدٌ (لَ۔شَہِیْدٌ) لَ، لام تاکید، یقیناً، شَہِیْدٌ۔ شَہَادَۃٌ وَّشُھُوْدًا، مصدر سے اسم فاعل واحد مذکر، گواہ، شاہد، موجود، حاضر رہے (یقیناً گواہ) وَ، حرف عطف (اور) اِنَّہٗ (اِنَّ۔ہٗ) اِنَّ، حرف مشبہ بالفعل، بے شک، ہٗ، ضمیر واحد مذکر غائب، وہ (بے شک وہ) لِحُبِّ الْخَیْرِ (لِ۔حُبِّ۔اَلْخَیْرِ) لِ، حرف جار بمعنی فِیْ، میں، حُبِّ، مجرور، مضاف، محبت، اَلْخَیْرِ، مضاف الیہ، یہاں معنی مال ہے، مال کی (مال کی محبت میں) لَشَدِیْدٌ (لَ، شَدِیْدٌ) لَ، لام تاکید، یقیناً شَدِیْدٌ، شَدٌّ مصدر سے صفت مشبہ، بہت سخت (یقیناً بہت سخت) اَفَلَا یَعْلَمُ (اَ۔فَ۔لَا یَعْلَمُ) اَ، ہمزہ استفہامیہ، کیا، فَ، حرف عطف، تو، لَا یَعْلَمُ، فعل مضارع منفی واحد مذکر غائب عَلِمَ یَعْلَمُ، مصدر عِلْمًا، جاننا، وہ نہیں جانتا (تو کیا وہ نہیں جانتا) اِذَا، ظرف زمان، مستقبل پر دلالت کرتا ہے، بمعنی شرط (جب) بُعْثِرَ، فعل ماضی مجہول واحد مذکر غائب بَعْثَرَ یُبَعْثِرُ، مصدر بَعْثَرَۃٌ، اکھیڑنا، الٹ پلٹ کرنا، باہر نکال لینا، اِذَا، کی وجہ سے ترجمہ (وہ باہر نکال لیا جائے گا) مَا، اسم موصول (جو) فِی الْقُبُوْرِ (فِیْ۔ اَلْقُبُوْرِ) فِیْ، حرف جار، میں، اَلْقُبُوْرِ، مجرور، قبروں، واحد، اَلْقَبْرُ (قبروں میں) وَ، حرف عطف (اور) حُصِّلَ، فعل ماضی مجہول واحد مذکر غائب حَصَّلَ یُحَصِّلُ، مصدر تَحْصِیْلٌ، حاصل کرنا، سامنے پیش کرنا، ظاہر کرنا، اِذَا، کا معطوف ہونے کی وجہ سے ترجمہ (وہ ظاہر کردیا جائے گا) مَا، اسم موصول (جو) فِی الصُّدُوْرِ (فِیْ ۔ اَلصُّدُوْرِ) فِیْ، حرف جار، میں، اَلصُّدُوْرِ، مجرور، سینوں، واحد، صَدْرٌ (سینوں میں) اِنَّ، حرف مشبہ بالفعل (بے شک) رَبَّہُمْ (رَبَّ۔ہُمْ) رَبَّ، مضاف، رب، پروردگار، ہُمْ، مضاف الیہ، ضمیر جمع مذکر غائب، ان کا (ان کا رب) بِہِمْ (بِ۔ہِمْ) بِ، حرف جار، کے متعلق، ہِمْ، مجرور، ضمیر جمع مذکر غائب، ان (ان کے متعلق) یَوْمَئِذٍ (یَوْمَ۔اِذٍ) یَوْمَ، مضاف، ظرف، دن، اِذٍ، مضاف الیہ، اس (اس دن) لَخَبِیْرٌ (لَ۔ خَبِیْرٌ) لَ، لام تاکید، یقیناً، خَبِیْرٌ، اللہ کا صفاتی نام، خُبْرٌ، مصدر سے صفت مشبہ، خوب خبر رکھنے والا (یقیناً خوب خبر رکھنے والا)۔

(الحمدللہ سورہ عادیات مکمل ہوگئی)

[سورۃ القارعۃ]

آیت ۱ تا ۵

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡقَارِعَۃُ (۱) مَا الۡقَارِعَۃُ (۲) وَمَاۤ اَدۡرٰىکَ مَا الۡقَارِعَۃُ (۳) یَوۡمَ یَکُوۡنُ النَّاسُ کَالۡفَرَاشِ الۡمَبۡثُوۡثِ (۴) وَتَکُوۡنُ الۡجِبَالُ کَالۡعِہۡنِ الۡمَنۡفُوۡشِ (۵)

ترجمہ:

وہ (دلوں کو) دہلا دینے والا واقعہ (۱) کیا ہے وہ دلوں کو دہلا دینے والا واقعہ؟ (۲) اور تم کیا جانو کہ کیا ہے وہ (دلوں کو) دہلا دینے والا واقعہ؟ (۳) جس دن ہو جائیں گے لوگ بکھرے ہوئے (پتنگوں اور) پروانوں کی طرح (۴) اور ہو جائیں گے پہاڑ رنگ برنگی دھنکی ہوئی اون کی طرح (۵)

کوائف:

قرآن کریم میں قیامت کے بہت سے نام آئے ہیں۔ قیامت، آخرت، الطامہ، آزفہ، غاشیہ، الحاقہ۔ ان ناموں میں سے ایک قارعہ بھی ہے۔ اس سورت کا نام بھی قارعہ ہے۔ یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی ہے۔ نازل ہونے کے اعتبار سے اس کا تیسواں 30 نمبر ہے۔ اس سے پہلے انتیس سورتیں نازل ہو چکی تھی۔

ماقبل سے ربط:

گزشتہ سورت میں انسانی فطرت میں رچی ہوئی تین بنیادی خرابیوں کا بیان تھا، ناشکری مال و دولت کا حرص اور غفلت و لاپرواہی از منعم و مالک حقیقی، اب اس سورت میں روز محشر برپا ہونے والے ہول ناک واقعات کا ذکر ہے تا کہ انسان اپنی غفلت سے باز آئے، اپنے رب کی نعمتوں کا شکر گزار ہو اور اس مرض سے بچے جو تمام تر خرابیوں کی جڑ ہے یعنی حرص ولالچ ۔

تفسیر:

فرمایا؛ وہ (دلوں کو) دہلا دینے والا واقعہ، الخ

"القارعۃ" کا معنی ہے :

اس کا عرفی معنی ہے :اچانک آنے والی مصیبت، اور بہت بڑا حادثہ، قیامت بھی اچانک آنے والی مصیبت اور بہت بڑا حادثہ ہے، قرآن مجید میں ہے:

ولایزال الذین کفروا تصیبھم بما صنعوا قارعۃ (الرعد ۱ :و) کفار کے کرتوں کے سبب ہمیشہ ان پر کوئی نا کہانی مصیبت آتی رہے گی۔

"القارعۃ" قیامت کے ناموں میں سے ایک نام ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ جب قیامت کے دن صور میں پھونکا جائے گا

تو ایک زبردست چنگھاڑ کی آواز آئے گی، جس سے تمام لوگ دہل کر مرجائیں گے، دوسری وجہ یہ ہے کہ جب قیامت آئے گی تو سورج، چاند ستارے اور پہاڑ وغیرہ پھٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہوجائیں گے اور اس سے بہت گرج دار آواز پیدا ہوگی، اس وجہ سے قیامت کو ''القارعۃ'' فرمایا تیسری وجہ یہ ہے کہ قیامت کے دن جب آسمان پھٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہوجائے گا اور سورج اور چاند کو لپیٹ دیا جائے گا اور ستارے جھڑ جائیں گے اور پہاڑ دھنکی ہوئی رنگ برنگی، اون کی طرح ریزہ ریزہ ہو کر اڑ رہے ہیں گے تو لوگ مارے خوف اور دہشت کے دہل رہے ہوں گے، چوتھی وجہ یہ ہے کہ قیامت اپنے ہول ناک امور سے اللہ کے دشمنوں اور کفار کے دلوں کو ضرب شدید سے کھٹکھٹا رہی ہوگی۔

نیز فرمایا، آپ کیا سمجھے کہ نا کہانی مصیبت کیا ہے :اس کا معنی ہے :اس کی حقیقت کا آپ کو از خود علم نہیں ہے کیونکہ اس کی شدت اور ہول ناکی کی طرف کسی کی رسائی نہیں ہے، کسی کی عقل وہاں تک پہنچ سکتی ہے نہ وہم پہنچ سکتا ہ، دوسری وجہ یہ ہے کہ قیامت کے دن جو دہشت ناک امور واقع ہوں گے، ان کا علم سوا اللہ تعالیٰ کی خبر دینے کے اور کسی ذریعہ سے نہیں ہوسکتا۔

فرمایا: (یہ وہ دن ہے) جس دن تمام لوگ منتشر پروانوں کی طرح ہوجائیں گے۔

قیامت کے دن لوگوں کے احوال:

پروانے از قبیل حشرات الارض ہیں، یہ شمع، لیمپ یا بلب وغیرہ کسی روشن چیز پر گرتے ہیں اور مرتے ہیں، مطلب یہ ہے کہ جس طرح پروانے متفرق اور منتشر ہوتے ہیں، اسی طرح اس دن لوگ بھی حیران اور پریشان ادھر ادھر بھاگ رہے ہوں گے اور تشبیہ اس چیز میں ہے کہ اس دن لوگ روشنی پر گرنے والے پروانوں کیطرح حیران اور مضطراب ہوں گے، قتادہ نے کہا: پروانوں کے ساتھ تشبیہ کثرت اور انتشار میں ہے اور ضعف اور ذلت میں ہے اور کسی مربوط نظام کے بغیر ادھر ادھر بھاگنے میں ہے۔

قیامت کے دن پہاڑوں کے احوال:

فرمایا: اور پہاڑ دھنی ہوئی رنگ برنگی اون کی طرح ہوجائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ پہاڑ مختلف رنگوں کے ہیں:

(فاطر ۲۷ :) اور پہاڑوں کے مختلف حصے ہیں، سفید اور سرخ، ان کے رنگ مختلف ہیں اور بہت گہرے سایہ۔

قیامت کے کھٹکھٹانے سے جو مہیب آواز پیدا ہوگی، اس کے اثر سے سر بہ فلک پہاڑ بھی ریزہ ریزہ ہو کر غبار کی طرح ہوجائیں گے تو سوچنا چاہیے کہ اس دل دہلانے والی آواز کو سن کر انسان کا حال ہوگا۔

قیامت کے دن پہاڑوں میں جو تغیرات ہوں گے، اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ان کے حسب ذیل احوال بیان فرمائے ہیں:

(ۃ) ایک حال یہ ہے کہ پہاڑوں کے ٹکڑے ٹکڑے ہوجائیں گے:

(الحاقۃ ٤ : ۃ) اور زمینوں کو اپہاڑوں کو اٹھالیا جائے گا اور ایک ضرب میں ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جائیں گے۔

(۲) پہاڑ قیامت کے دن بادلوں کی طرح اڑ رہے ہوں گے:

النمل ۸۸ :)(اے مخاطب!)تم پہاڑوں کو دیکھ کر اپنی جگہ جما ہوا خیال کرتے ہو، حالانکہ (قیامت کے دن) وہ بادلوں کی طرح اڑ رہے ہوں گے۔

(۳) قیامت کے دن پہاڑ ریت کے ٹیلوں کی طرح ہوجائیں گے:

(الزمل ١٤ :) قیامت کے دن زمینیں اور پہاڑ تھرائیں گے اور پہاڑ ریت کے ٹیلے ہوجائیں گے۔

(٤) قیامت کے دن پہاڑ دھنکی ہوئی رنگ برنگی اون کی طرح ہوجائیں گے، جیسا کہ القارعۃ ٥ : میں ہے۔

(٥) قیامت کے دن پہاڑ فریب نظر ہوجائیں گے۔

وسیرت الجبال فکانت سراباً۔(النباء ۲۰ :)اور پہاڑ چلائے جائیں گے پھر وہ سراب (فریب نظر) ہوجائیں گے۔

ترکیب نحوی وتحقیق صرفی:

اَلْقَارِعَۃُ۔ قَرْعٌ، مصدر سے اسم فاعل واحد مؤنث (کھڑکھڑا دینے والی، کھٹکھٹانے والی، سخت مصیبت، حادثہ، قیامت) جمع، قَارِعَاتٌ، مَا الْقَارِعَۃُ (مَا۔ اَلْقَارِعَۃُ) مَا، استفہامیہ، کیا، اَلْقَارِعَۃُ۔ قَرْعٌ، مصدر سے اسم فاعل واحد مؤنث، کھڑکھڑا دینے والی، سخت مصیبت، عظیم، حادثہ، قیامت، جمع، قَارِعَاتٌ (کیا ہے کھڑکھڑا دینے والی) وَ، حرف عطف (اور) مَا، استفہامیہ بمعنی، اَیُّ شَیْءٍ (کس چیز) اَدْرٰیکَ (اَدْرٰی۔ کَ) اَدْرٰی، فعل ماضی واحد مذکر غائب اَدْرٰی یُدْرِیْ، مصدر اِدْرَآءٌ، جاننا، معلوم کروانا، آگاہ کرنا، خبر دینا، اس نے معلوم کروایا، کَ، ضمیر واحد مذکر حاضر، آپ کو (اس نے آپ کو معلوم کروایا) مَا، استفہامیہ (کیا) اَلْقَارِعَۃُ (کھڑکھڑا دینے والی، ساعتِ قیامت) یَوْمَ، ظرف زمان ((اس) دن) یَکُوْنُ، فعل ناقص مضارع واحد مذکر غائب کَانَ یَکُوْنُ، مصدر کَوْنًا، ہونا (وہ ہوگا) اَلنَّاسُ، فاعل (لوگ) کَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ (کَ۔ اَلْفَرَاشِ۔ اَلْمَبْثُوْثِ) کَ، حرف تشبیہ و حرف جار، مانند، کی طرح، جیسا، اَلْفَرَاشِ، مجرور، موصوف، پروانوں، پتنگوں، واحد، اَلْفَرَاشَۃُ، اَلْمَبْثُوْثِ، صفت، بَثٌّ، مصدر سے اسم مفعول واحد مذکر، بکھرے ہوئے (بکھرے ہوئے پروانوں کی طرح) وَ، حرف عطف (اور) تَکُوْنُ الْجِبَالُ (تَکُوْنُ۔ اَلْجِبَالُ) تَکُوْنُ، فعل ناقص مضارع واحد مؤنث غائب کَانَ یَکُوْنُ، مصدر کَوْنًا، ہونا، وہ ہوگا، اَلْجِبَالُ، جمع مکسر، پہاڑ، واحد، اَلْجَبَلُ (پہاڑ ہوں گے) کَالْعِہْنِ الْمَنْفُوْشِ (کَ۔ اَلْعِہْنِ۔ اَلْمَنْفُوْشِ) کَ، حرف تشبیہ و حرف جار، مانند، کی طرح، جیسا، اَلْعِہْنِ، مجرور، موصوف، رنگین اون، جمع، عُھُوْنٌ، اَلْمَنْفُوْشِ، صفت، نَفْشٌ، مصدر سے اسم مفعول کا صیغہ واحد مذکر، دھنکی ہوئی (دھنکی ہوئی رنگین اون کی طرح)

آیت ۶ تا ۱۱

فَأَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ (٦) فَهُوَ فِي عِيشَةٍ رَاضِيَةٍ (٧) وَأَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ (٨) فَأُمُّهُ هَاوِيَةٌ (٩) وَمَا أَدْرَاكَ مَا هِيَهْ (١٠) نَارٌ حَامِيَةٌ (١١)

ترجمہ:

پھر جس کے (نیک اعمال کے) پلڑے بھاری ہوں گے (٦) تو وہ من پسند زندگی میں ہوگا۔ (٧) اور جس کے (نیک اعمال) کے پلڑے ہلکے ہوں گے (٨) تو اس کا ٹھکانا ہاویہ ہوگا (٩) اور تم کیا جانو کہ کیا چیز ہے وہ (ہاویہ)؟ (١٠) وہ ایک بڑی ہی ہولناک دہکتی (بھڑکتی) آگ ہوگی (١١)

تفسیر؛

فرمایا؛ پھر جس کے (نیک اعمال کے) پلڑے بھاری ہوں گے، الخ

مومنین اور کفار کے اعمال کے وزن کی کیفیت؛

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی فرماتے ہیں؛

فراء نے کہا: اس آیت میں "موازین" کا لفظ ہے اور یہ "موزون" کی جمع ہے اور اس سے مراد وہ عمل ہے جس کی اللہ سبحانہ کے نزدیک کوئی اہمیت ہو، دوسرا قول یہ ہے کہ "موازین" "میزان" کی جمع ہے، حضرت ابن عباس (رض) نے فرمایا: میزان کی ایک ڈنڈی ہے اور اس میں دو پلڑے ہیں، اس میں صرف اعمال کا وزن کیا جائے گا، مومن مطیع کی نیکیوں کو حسین صورت میں لایا جائے گا اور جب اس کی نیکیوں کا پلڑا برائیوں کے پلڑے پر راجح ہو گا تو اس کے لیے جنت ہے، اور کافر کی برائیوں کو بہت قبیح صورت میں لایا جائے گا، پھر اس کی نیکیوں کا پلڑا ہلکا رہ جائے گا، پھر وہ دوزخ میں داخل ہو گا۔

حسن بصری نے کہا: میزان کے دو پلڑے ہیں، ان کی صفت نہیں کی جا سکتی، متکلمین نے کہا: صرف نیکیوں اور برائیوں کا وزن نہیں کیا جا سکتا، بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ جن صحیفوں میں ان کے اعمال لکھے ہوئے ہیں، ان کا وزن کیا جائے گا یا نور کو نیکیوں کی علامت اور ظلمت کو برائیوں کی علامت قرار دیا جائے گا یا نیکیوں کے صحیفوں کو حسین صورتوں سے بدل دیا جائے گا اور برائیوں کے صحیفوں کو قبیح صورتوں سے بدل دیا جائے گا، پھر جب ان کا وزن کیا جائے گا تو ان کا ہلکا اور بھاری ہونا ظاہر ہو جائے گا اور اس وزن کا فائدہ یہ ہے کہ نیکیوں والا مومن سر محشر مسرور اور سرخرو ہو گا اور برائیوں والا کافر سر محشر ذلیل اور رسوا ہو گا۔ (تفسیر کبیر ج ۱۱ ص 268 دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

فرمایا: پس جس (کی نیکی) کے پلڑے بھاری ہوں گے۔ تو وہ پسندیدہ زندگی میں ہو گا۔

یعنی وہ ایسی زندگی ہو گی جس سے زندگی گزارنے والا راضی ہو گا۔

فرمایا: اور جس کی (نیکی کے) پلڑے ہلکے ہوں گے۔ تو اس کا ٹھکانا ھاویہ ہو گا۔

ھاویہ کے معانی؛

یعنی جس کی نیکیاں کم ہوں گی اور اس کی برائیاں زیادہ ہوں گی، اس کا ٹھکانا ھاویہ ہو گا، ھاویہ کے معانی حسب ذیل ہیں:

(۱) ھاویہ دوزخ کے اسماء میں سے ایک اسم ہے، یہ دوزخ کا گہرا گڑھا ہے، جس میں اہل دوزخ کو ڈال دیا جائے گا، اس آیت میں "ام" کا لفظ ہے، جس سے مراد ٹھکانا ہے کیونکہ ماں کی گود اس کے بچوں کا ٹھکانا ہوتی ہے۔

(۲) ھاویہ سے مراد دوزخ کی جڑ ہے کیونکہ اہل دوزخ کو منہ کے بل دوزخ میں جھونک دیا جائے گا۔

فرمایا: اور آپ کیا سمجھے کہ ھاویہ کیا ہے؟۔ وہ سخت دہکتی ہوئی آگ (کا بہت نیچا گڑھا) ہے۔

اس کا معنی یہ ہے کہ ھاویہ اتنی سخت گرم ہے کہ اس کے مقابلہ میں باقی دوزخ گرم معلوم نہیں ہوگی۔

ترکیب نحوی وتحقیق صرفی:

فَاَمَّا (فَ۔ اَمَّا) فَ، حرف عطف، پس، اَمَّا، حرف شرط و تفصیل، رہا، مگر، لیکن (پس لیکن) مَنْ، شرطیہ (وہ جس کا) ثَقُلَتْ، فعل ماضی واحد مؤنث غائب ثَقُلَ یَثْقُلُ، مصدر ثِقَلًا، بھاری ہونا، وزنی ہونا (وہ بھاری ہوگیا) مَوَازِیْنُہٗ (مَوَازِیْنُ ۔ ہٗ) مَوَازِیْنُ، مضاف، میزان، پلڑے، واحد، مِیْزَانٌ، ہٗ، مضاف الیہ، ضمیر واحد مذکر غائب، اس کے (اس کے پلڑے) فَھُوَ (فَ۔ ھُوَ) فَ، حرف عطف، تو، ھُوَ، ضمیر منفصلہ واحد مذکر غائب، وہ (تو وہ) فِیْ عِیْشَۃٍ رَّاضِیَۃٍ۔ فِیْ، حرف جار، میں، عِیْشَۃٍ، مجرور، موصوف، عَاشَ یَعِیْشُ، کا مصدر ہے، زندگی، عیش، گزران، رَاضِیَۃٍ، صفت، رِضًی، مصدر سے اسم فاعل واحد مؤنث بمعنی پسند کرنے والی، پسندیدہ، دل پسند، خوشی، خوشگوار (پسندیدہ زندگی میں) وَ، حرف عطف (اور) اَمَّا، حرف شرط و تفصیل (رہا، مگر، لیکن) مَنْ، شرطیہ اسم موصول (وہ جس کے) خَفَّتْ، فعل ماضی واحد مؤنث غائب خَفَّ یَخِفُّ، مصدر خَفًّا وَخِفَّۃٌ، ہلکا ہونا، کم ہونا (وہ ہلکا ہوگیا) مَوَازِیْنُہٗ (مَوَازِیْنُ ۔ ہٗ) مَوَازِیْنُ، مضاف، میزان، پلڑے، واحد، مِیْزَانٌ، ہٗ، مضاف الیہ، ضمیر واحد مذکر غائب، اس کے (اس کے پلڑے) فَاُمُّہٗ (فَ۔ اُمُّ ۔ ہٗ) فَ، حرف عطف، تو، اُمُّ، مضاف، ماں ٹھکانہ، ہٗ، مضاف الیہ، ضمیر واحد مذکر غائب، اس کا (تو اس کا ٹھکانہ) ہَاوِیَۃٌ (ہاویہ) دوزخ میں ایک درجہ کا نام ہے۔ یہ ایک نہایت ہی گہرا گڑھا ہے۔ وَ، حرف عطف (اور) مَا، استفہامیہ بمعنی، اَیُّ شَیْءٍ (کس چیز) اَدْرٰیکَ (اَدْرٰی۔ کَ) اَدْرٰی، فعل ماضی واحد مذکر غائب اَدْرٰی یُدْرِیْ، مصدر اِدْرَآءٌ، جاننا، معلوم کروانا، آگاہ کرنا، خبر دینا، اس نے معلوم کروایا، کَ، ضمیر واحد مذکر حاضر، آپ کو (اس نے معلوم کروایا آپ کو) مَا، استفہامیہ (کیا) ہِیَہْ۔ ہِیَ، ضمیر واحد مؤنث غائب (وہ، اور) ہْ، ساکنہ سکتہ ہے۔ نَارٌ حَامِیَۃٌ۔ نَارٌ، موصوف، آگ، حَامِیَۃٌ، صفت، حَمْیٌ، مصدر سے بمعنی دہکنے اور گرم ہونے کے ہیں، اسم فاعل کا صیغہ واحد مؤنث، دہکتی ہوئی، جلتی ہوئی (دہکتی ہوئی آگ)۔

(الحمدللہ سورہ قارعہ مکمل ہوگئی)

[سورۃ التکاثر]

آیت: ۱تا۸

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْھٰکُمُ التَّکَاثُرُ (۱) حَتّٰی زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ (۲) کَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ (۳) ثُمَّ کَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ (۴) کَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْیَقِیْنِ (۵) لَتَرَوُنَّ الْجَحِیْمَ (۶) ثُمَّ لَتَرَوُنَّھَا عَیْنَ الْیَقِیْنِ (۷) ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ یَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِیْمِ (۸)

ترجمہ:

ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر (دنیا کا عیش) حاصل کرنے کی ہوس نے تمہیں غلفت میں ڈال رکھا ہے۔ (۱) یہاں تک کہ تم (اسی تگ و دو میں) جا پہنچے قبروں تک (۲) ہرگز نہیں عنقریب تم لوگوں کو خود معلوم ہوجائے گا (۳) پھر (سن لو!) ہرگز نہیں عنقریب تم لوگوں کو خود معلوم ہوجائے گا (۴) ہرگز نہیں! اگر تم یقینی علم کے ساتھ یہ بات جانتے ہوتے (تو ایسا نہ کرتے) (۵) تم یقینا دیکھ کر رہو گے دوزخ کو (۶) پھر یقین جانو کہ تم اسے بالکل یقین کے ساتھ دیکھ لو گے۔ (۷) پھر تم سے اس دن نعمتوں کے بارے میں پوچھا جائے گا (کہ ان کا کیا حق ادا کیا) (۸)

کوائف؛

اس سورت کا نام سورۃ التکاثر ہے۔ پہلی ہی آیت کریمہ میں تکاثر کا لفظ موجود ہے جس سے اس کا نام لیا گیا ہے۔ یہ سورت سولہویں نمبر پر نازل ہوئی ہے۔ اس سے پہلے پندرہ سورتیں نازل ہو چکی تھیں۔ یہ سورت بھی مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی ہے۔ اس کا ایک رکوع اور آٹھ آیتیں ہیں۔

ماقبل سے ربط؛

سورۃ القارعہ میں انسان کو قیامت پر پیش آنے والے ہول ناک حوادث سے آگاہ وخبردار کیا گیا تھا، اب اس سورت میں جو اسباب غفلت ہیں ان سے باخبر کیا جارہا ہے کہ مال و دولت کی حرص انسان کو آخرت سے غافل اور دور کرنے والی چیز ہے، اسی مال واولاد پر تفاخر وغرور بھی کوئی اچھی بات نہیں، انسان کو چاہیے ان فتنوں میں مبتلا ہو کر اپنے اصل مقصد یعنی فکر آخرت کو فراموش نہ کرے۔

شان نزول :

مکہ مکرمہ میں دو برادریاں تھیں۔ بنو عبد مناف اور بنو سہم۔ یہ آپس میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے کہ ایک برادری نے کہا ہم زیادہ ہیں۔ دوسروں نے کہا ہم زیادہ ہیں۔ اس پر اختلاف ہو گیا۔ سمجھ دار آدمیوں نے کہا کہ جھگڑا نہ کرو ایک شہر میں رہنے والے ہو مردم شماری کرلو۔ مردم شماری کی گئی تو بنو عبد مناف کے افراد بڑھ گئے۔ انھوں نے نعرے بازی کی، خوشی منائی کہ ہم زیادہ ہیں۔ بنو سہم کو بڑا صدمہ ہوا کہ ہم تھوڑے نکلے۔ بنو سہم نے کہا کہ قبروں کو بھی شمار کرو۔ چنانچہ قبرستان گئے تو بنو سہم کے مردے زیادہ نکلے۔ انھوں نے وہاں نعرے بازی کی، خوشی منائی کہ ہم زیادہ ہیں۔ تو فرمایا۔ تمھیں غفلت میں ڈال دیا کثرت نے یہاں تک کہ تم نے قبروں کی زیارت کی یعنی مردوں کو بھی مردم شماری میں شامل کیا۔ (ذخیرۃ الجنان)

تفسیر؛

فرمایا؛ ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر (دنیا کا عیش) حاصل کرنے کی ہوس نے تمھیں غلفت میں ڈال رکھا ہے۔ الخ

مال کی محبت؛

انسان کو فرائض منصبی سے غافل کرنے والی چیزوں میں مال کی محبت، سرفہرست ہے یہاں پر اس بات کو تکاثر کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے الھکم التکاثر تم کو کثرت کی طلب نے غفلت میں ڈال رکھا ہے حتی زرتم المقابر یہاں تک کہ تم قبروں کی زیارت کرو یعنی مر کر قبروں میں پہنچ جاؤ تکاثر میں مال، اولاد، دنیا کا ساز و سامان اور جماعت سب کچھ شامل ہے۔ مطلب یہ ہے کہ لوگ دنیا کے مال و دولت جمع کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔ مگر اپنے حقیقی مقاصد یعنی اپنے مالک کی خوشنودی اور آخرت کی کامیابی کی طرف کوئی دھیان نہیں دیتے ان کو یہی دھن لگی رہتی ہے کہ جس طرح بھی ممکن ہو مال و دولت حاصل ہو، خاندان بڑا ہو، جتھا اور جماعت غالب آئے۔ فرمایا تم انھیں چیزوں کی طلب اور حرص میں مبتلا رہتے ہو اور یہی وہ چیز ہے۔

جوتمہیں فرائض منصبی سے غافل بناتی ہے۔ یہاں تک کہ تم مر کر قبروں میں پہنچ جاتے ہو۔
حضور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا ارشاد گرامی ہے۔ یقول ابن آدم مالی مالی یعنی اے آدم کے بیٹے میرا مال، میرا مال ہی کہتے رہتے ہو۔ حالانکہ تمہارا مال وہ ہے جو مت نے کھا کر ختم کر دیا یا پہن کر بوسیدہ کر دیا۔ یا اپنے ہاتھ سے صدقہ کر کے آگے بھیج دیا۔ اس کے علاوہ جو کچھ بھی فھو ذاھب وتارکہ تم اسے چھوڑ کر جانے والے ہو۔ مسلم ص 407 / ج ۲، ترمذی ص 339

ایسے مال کے وارث کوئی اور ہوں گے۔ آج تم جس مال کے لیے تگ ودو کر رہے ہو اور میرا مال میرا کہتے ہو، وہ تمہارا نہیں تم اسے کام وہی آئے گا جو تم نے کھالیا پہن لیا یا آگے بھیج دیا۔ یہ مکان، جائیداد، کوٹھی، باغ موٹر تمہارے نہیں ہیں۔

میت کے تین ساتھی:

حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا جب انسان مرجاتا ہے، تو تین چیزیں اس کے ساتھ جاتی ہیں اہلہ، ومالہ، وعملہ یعنی اس کا مال، اہل وعیال اور عمل مردے کو دفن کے بعد دو چیزیں واپس آجاتی ہیں اور صرف ایک چیز اس کے ساتھ رہتی ہے۔ فرمایا مال اور اہل واپس آجاتے ہیں اور عمل اس کے ساتھ رہتا ہے (مسلم، ج، ۲) مال اور اہل جن کی فکر میں انسان زندگی بھر ڈوبا رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ ہی نہیں کرتا، نہ اس کی ذات کی طرف، نہ صفات کی طرف، نہ احکام کی طرف، نہ افعال اور نہ اس کے دین کی طرف وہی مال اور اولاد اسے قبر میں چھوڑ کر واپس چلی آتی ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ مال ودولت کی بہتات نے تمہیں غفلت میں ڈال رکھا ہے۔ یہاں تک کہ موت آجاتی ہے اور انسان قبروں میں پہنچ جاتے ہیں۔
یہ لوگ قبروں میں پہنچ کر نہایت ہی افسوس اور ندامت کا اظہار کریں گے مگر وہاں ان کا افسوس کچھ فائدہ نہیں دے گا۔ کاش کہ وہ اس دنیا میں اپنے حقوق وفرائض کو سمجھتے اللہ کی طرف رجوع کرتے، اس کے احکام کی پیروی کرتے، مال میں اس قدر منہمک نہ ہوجاتے تو آج انھیں حسرت ویاس کا سامنا نہ کرنا پڑتا۔

علم الیقین:

فرمایا؛ کلا سوف تعلمون بس مرنے کی دیر ہے۔ تمہیں عنقریب معلوم ہوجائے گا کہ تم نے بہت غلط کام کیا۔ تاکیداً دوبارہ فرمایا ثم کلا سوف تعلمون تم بہت جلد جان لو گے کلا لو تعلمون علم الیقین اگر تم یقینی علم کے ساتھ جانتے کہ جزائے عمل ضرور واقع ہوگا اور اس کے مطابق اپنا عمل جاری رکھتے تو آگے چل کر کوئی دشواری لاحق نہ ہوتی۔ اس چیز کو بار بار سمجھایا گیا ہے کہ انسان کا مکلف ہونا جزائے عمل کے لیے متلوم ہے جس طرح پیدائش کے ساتھ موت لازم ہے۔ اسی طرح جزائے عمل بھی الزام ہے۔ اگر انسان غور وفکر کرتا تو اسے ضرور یقینی علم حاصل ہوجاتا۔ مگر افسوس کہ انسان اس طرف توجہ نہیں کرتا۔
فرمایا؛ لترون الجحیم تمہیں یقین اس وقت آئے گا، جب جہنم کو اپنی آنکھوں سے دیکھو گے۔ حالانکہ یہ یقین تمہیں اس دنیا میں ہونا چاہیے تاکہ تمہیں خوف پیدا ہو اور تمہیں معلوم ہو کہ ”فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ ومن یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ“ اگر

انسان غور کرے تو اسے جنت اور جہنم اسی دنیا میں نظر آجاتے ہیں۔ بشرطیکہ تم یقین کے ساتھ جانتے۔ اصل بات یہ ہے کہ تم یقین سے محروم ہو، اسی لیے تم غفلت میں پڑے ہوتے ہو۔ جب جہنم سامنے نظر آئے گی، اس وقت تمہیں یقین آئے گا۔ اس وقت تم یقین کی آنکھ سے دیکھو گے اور افسوس کا اظہار کرو گے کہ ہم کس گمراہی میں مبتلا تھے۔ ثم لترونھا عین الیقین۔ ''پھر البتہ تم اس کو یقین کی آنکھ سے دیکھو گے۔

انعامات الٰہی کے متعلق سوال:

فرمایا: ثم لتسئلن یومئذ عن النعیم پھر تم سے اس دن پوچھا جائے گا۔ کہ میرے عطا کردہ انعامات کی تم نے کیا قدردانی کی تھی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا سلسلہ بڑا وسیع ہے، ترمذی شریف کی روایت میں آتا ہے حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا، کہ قیامت کے دن اللہ کے بندوں کو کھڑا کیا جائے گا۔ پھر ان سے چار باتوں کا سوال کئے بغیر ان کے قدم نہیں اٹھنے دیں گے۔ عن عمرہ اللہ تعالیٰ عمر کے متعلق سوال کریں گے فی ما افناہ اسے کس چیز میں فنا کیا۔ عمر جیسی عظیم نعمت کو کیسے بسر کیا اور عن جسمہ فیما ابلاہ پھر جسم کے متعلق سوال ہوگا۔ وعن علمہ کہ علم کے مطابق میں نے کیا کام کیا اور چوتھا سوال مال کے متعلق ہوگا۔ من این اکتسبہ وفیما انفقہ یعنی مال کہاں سے کمایا تھا اور کہاں خرچ کیا تھا یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا واضح حکم ہے ''ولا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل'' ایک دوسرے کا مال باطل طریقے سے مت کھاؤ نیز یہ بھی کہ ''ولا تبذر تبذیرا فضول خرچی مت کرو۔ ''ولا تسرفوا، انہ لا یحب المسرفین'' اللہ تعالیٰ فضول خرچی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ جس طرح ناجائز طریقے سے کمانا حرام ہے اسی طرح حرام جگہ پر خرچ کرنا بھی وبال ہے۔ الغرض اللہ تعالیٰ کی مادی نعمتوں کے متعلق یہ سوال ہوں گے، اسی لیے فرمایا ثم لتسئلن یومئذ عن النعیم

صحت اور فراغت:

امام جعفر صادق کی تفسیر کے مطابق ہر مادی نعمت کے متعلق سوال ہوگا ترمذی شریف کی روایت میں ہے۔ نعمتان مغبون فیھما کثیر من الناس دو چیزیں ایسی ہیں جن میں اکثر لوگ نقصان اٹھاتے ہیں۔ وہ دو چیزیں کون سی ہیں۔ الصحۃ والفراغ ایک تندرستی اور دوسری فراغت۔ انسان صحت وتندرستی کی حالت میں فضول کاموں میں لگا رہتا ہے۔ اچھے کام نہیں کرتا۔ مگر جب صحت جواب دے دیتی ہے۔ تو افسوس کا اظہار کرتا ہے۔ مگر اس وقت کا افسوس کرنا کسی کام نہیں آتا۔ اسی طرح جب آدمی کو فراغت میسر ہوتی ہے، وہ اس سے فائدہ اٹھا کر اچھے کام نہیں کر پاتا، مگر جب مشغول ہو جاتا تو پھر اچھے کام کرنے کا موقع نہیں ملتا۔ اسی لیے فرمایا کہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی دو بڑی نعمتیں یعنی صحت اور فراغت میسر آتی ہیں۔ مگر ان سے بروقت فائدہ نہ اٹھا کر نقصان میں رہتے ہیں۔

کوئی نعمت حقیر نہیں::

صحابہ کرام بیان کرتے ہیں کہ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہر نعمت کی تعظیم کرتے تھے اگرچہ وہ چھوٹی سے چھوٹی کیوں نہ ہو

لہذا کسی نعمت کو حقیر نہیں سمجھنا چاہیے۔ بلکہ قدر کرنا چاہیے اور اس کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ نعمت کو صحیح مقام پر خرچ کرنے سے شکر یہ ادا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو بیشمار نعمتیں عطا کی ہیں۔ جنہیں وہ شمار نہیں کرسکتا۔ ” وان تعدوا نعمت اللہ لاتحصوھا ان الانسان لظلوم کفار “ انسان تو ایک بال کا حق ادا نہیں کرسکتا خواہ ساری عمر بڑی سے بڑی عبادت کرتا رہے۔

قرآن اور حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ذات مبارکہ:

اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں میں سے دو بڑی عظیم نعمتیں ہیں۔ امام جعفر صادق فرماتے ہیں کہ ان میں سے ایک قرآن ہے اور دوسری حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ذات مبارکہ ان دونوں نعمتوں کے متعلق بھی قیامت کو سوال ہوگا۔ تو نے قرآن پاک کے پروگرام کو مانا یا نہیں۔ اگر مانا تو اس کے مطابق عقیدہ درست کیا؟ اور اس پر عمل کیا؟ اسی طرح حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ذات مبارکہ پر ایمان لائے یا نہیں؟ اور پھر آپ کا اتباع کیا یا نہیں۔۔ خود حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کہ میرے بارے میں تم سے سوال ہوگا کہ اللہ کے پیغمبر پہنچایا یا نہیں۔ صحابہ کرام نے عرض کیا حضور! بلغت وادیت ونصیحت حضرت! آپ نے خدا کا پیغام پہنچایا۔ امانت ادا کردی، نصیحت کا حق بھی ادا کردیا۔ (روح المعانی ؛ ج ۱۵)

کھجور اور پانی:

ایک دفعہ حضور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ابوالہیثم بن التیہان کے باغ میں تشریف لے گئے آپ کے ساتھ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر بھی تھے۔ ابوالہیثم کہیں دور پانی لینے گیا ہوا تھا۔ اس کی بیوی گھر میں موجود تھی۔ آپ کے دریافت کرنے پر اس عورت نے بتایا کہ اس کا خاوند پانی لینے کے لیے گیا ہوا ہے۔ اتنے میں وہ بھی پانی کا مشکیزہ اٹھائے آ گیا۔ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو دیکھ کر بڑا خوش ہوا کہ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) غیر متوقع طور پر اس کے گھر تشریف لائے اس شخص نے اپنے باغیچے میں مہمانوں کے لیے چٹائی بچھائی، پھر کھجوروں کا خوشہ توڑ کر لایا اور پیش کیا۔ آپ سب نے اس میں سے پکی پکی کھجوریں تناول فرمائیں، اور میٹھا پانی نوش فرمایا۔ اس کے بعد حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ناصحانہ انداز میں فرمایا ھذا والذین نفسی بیدہ من النعیم الذی تسائلون عنہ یہ وہ نعمتیں ہیں۔ جن کے بارے میں قیامت کو سوال ہوگا۔ رطب طیب وماء بارد یعنی یہ پاکیزہ کھجوریں اور ٹھنڈا پانی اللہ تعالیٰ کے انعام ہیں۔ (معالم العرفان)

ترکیب نحوی وتحقیق صرفی:

اَلْهٰكُمُ (اَلْهٰی۔ کُمْ) اَلْهٰی، فعل ماضی واحد مذکر غائب اَلْهٰی یُلْهِیْ، مصدر اِلْهَآءٌ، غافل کرنا، غفلت کرنا، غافل کردیا، کُمْ، ضمیر جمع مذکر حاضر، تمہیں (تمہیں غافل کردیا) اَلتَّكَاثُرُ، بروزن تفاعل مصدر ہے، ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کیلئے مزید طلبی وسعی، ایک دوسرے سے زیادہ حاصل کرنے کی ہوس، حَتّٰی، حرف غایت اور انتہا کیلئے (یہاں تک کہ زُرْتُمْ، اصل میں، زُرْتُمْ، تھا، وصل کیلئے، م، کو پیش دیا گیا ہے، فعل ماضی جمع مذکر حاضر زَارَ یَزُوْرُ، مصدر زِیَارَةٌ، زیارت کرنا، ملاقات کرنا، جاپہنچنا، جادیکھنا (تم جاپہنچے) اَلْمَقَابِرَ (قبروں) واحد، اَلْمَقْبَرَةُ، کَلَّا، حرف ردع وزجر (ہرگز نہیں) سَوْفَ، حرف استقبال (عنقریب) فعل مضارع کے معنی کو مستقبل کے معنی کیلئے مختص کرتا ہے۔ تَعْلَمُوْنَ، فعل مضارع جمع مذکر حاضر عَلِمَ یَعْلَمُ مصدر عِلْمًا جاننا (تم جان لوگے) ثُمَّ، حرف عطف (پھر) کَلَّا، حرف ردع و زجر (ہرگز نہیں) سَوْفَ، حرف استقبال

(عنقریب) فعل مضارع کے معنی کو مستقبل کے معنی کیلئے مختص کرتا ہے۔ تَعْلَمُوْنَ، فعل مضارع جمع مذکر حاضر عَلِمَ یَعْلَمُ، مصدر عِلْمًا، جاننا (تم جان لوگے) کَلَّا، حرف ردع وزجر (ہر گز نہیں) لَوْ، شرطیہ (اگر) تَعْلَمُوْنَ، فعل مضارع جمع مذکر حاضر عَلِمَ یَعْلَمُ، مصدر عِلْمًا، جاننا (تم جان لیتے) عِلْمَ الْیَقِیْنِ (عِلْمَ۔ اَلْیَقِیْنِ) عِلْمَ، مضاف، مصدر، جاننا، علم، اَلْیَقِیْنِ، مضاف الیہ، یقین کا، یقینی (یقینی علم، یقین کا جاننا) لَتَرَوُنَّ (لَ۔ تَرَوُنَّ) لَ، لام تاکید، یقینا، تَرَوُنَّ، فعل مضارع موکد بانون تاکید ثقیلہ جمع مذکر حاضر رَاٰی یَرٰی، مصدر رُؤْیَۃٌ، دیکھنا، تم ضرور دیکھ لوگے (یقیناً تم ضرور دیکھ لوگے) اَلْجَحِیْمَ (جہنم) ثُمَّ، حرف عطف (پھر) لَتَرَوُنَّھَا (لَ۔ تَرَوُنَّ۔ ہَا) لَ، لام تاکید، یقینا، تَرَوُنَّ، فعل مضارع موکد بانون تاکید ثقیلہ جمع مذکر حاضر رَاٰی یَرٰی، مصدر رُؤْیَۃٌ، دیکھنا، تم ضرور دیکھ لوگے، ھَا، ضمیر واحد مونث غائب، اسے، ضمیر کا مرجع، اَلْجَحِیْمَ، ہے (یقیناً تم ضرور اسے دیکھ لوگے) عَیْنَ الْیَقِیْنِ (عَیْنَ۔ اَلْیَقِیْنِ) عَیْنَ، مضاف، آنکھ، جمع، عُیُوْنٌ، اَلْیَقِیْنِ، مضاف الیہ، یقین کی (یقین کی آنکھ) ثُمَّ، حرف عطف (پھر) لَتُسْئَلُنَّ (لَ۔ تُسْئَلُنَّ) لَ، لام تاکید، یقینا، تُسْئَلُنَّ، فعل مضارع مجہول موکد بانون تاکید ثقیلہ جمع مذکر حاضر سَاَلَ یَسْئَلُ، مصدر سُؤَالًا، سوال کرنا، پوچھنا، تم ضرور پوچھے جاؤگے (یقیناً تم ضرور پوچھے جاؤگے) یَوْمَئِذٍ (یَوْمَ۔ اِذٍ) یَوْمَ، مضاف، ظرف، دن، اِذٍ، مضاف الیہ، اس (اس دن) عَنِ النَّعِیْمِ (عَنِ۔ اَلنَّعِیْمِ) عَنْ، حرف جار، کے بارے میں، اَلنَّعِیْمِ، مجرور، اسم معرفہ، نعمت، راحت، عیش (نعمت کے بارے میں)۔

(الحمدللہ سورہ تکاثر مکمل ہوگئی)

[سورۃ العصر]

آیت ۱تا۳

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَالْعَصْرِ (۱) اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ (۲) اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ (۳)

ترجمہ:

قسم ہے زمانے کی (۱) انسان درحقیقت بڑے گھاٹے میں ہے۔ (۲) سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائیں اور نیک عمل کریں اور ایک دوسرے کو حق بات کی نصیحت کریں، اور ایک دوسرے کو صبر کی نصیحت کریں۔ (۳)

کوائف:

اس سورت کا نام سورۃ العصر ہے۔ پہلی آیت کریمہ ہی میں عصر کا لفظ موجود ہے۔ جس سے اس کا نام لیا گیا ہے۔ یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی ہے۔ اس سے پہلے بارہ سورتیں نازل ہو چکی تھیں۔ اس کا تیرھواں نمبر ہے۔ اس کا ایک رکوع اور تین آیات ہیں۔

ماقبل سے ربط:

سابق سورۃ میں ان لوگوں کو تنبیہ فرمائی گئی ہے جو ساری عمر اسی دنیا کے مال ومتاع جمع کرنے کی فکر میں گنوا بیٹھتے ہیں یہاں تک کہ موت کی گھڑی آجاتی ہے اور انھیں یہ سوچنے کی فرصت کبھی نہیں ملتی کہ یہ عمر عزیز اللہ تعالیٰ نے انھیں کس مقصد بلند کی خاطر عطا فرمائی اور وہ اس کو کس بوالہوسی و بے حاصلی میں برباد کر بیٹھے۔ اگر وہ جانتے کہ ایک دن تمام نعمتوں کی طرح زندگی کی

عظیم نعمت سے متعلق بھی ان سے سوال ہوگا کہ اس کو انھوں نے کس کام میں صرف کیا تو وہ ہرگز یہ حماقت نہ کرتے کہ جس چیز سے وہ ابدی بادشاہی حاصل کر سکتے تھے اس کو دنیا کے خزف ریزے جمع کرنے اور اپنے لیے ابدی لعنت کا سامان کرنے پر قربان کر دیتے۔ اب اس سورۃ میں بتایا ہے کہ زندگی کی اصل قدر و قیمت کیا ہے؟ کیا چیز اس کو ابدی فلاح کی ضامن بناتی ہے اور کیا چیز اس کو دائمی خسران میں تبدیل کر دیتی ہے؟ کس طرح انسان اس کو اپنے لیے رحمت بنا سکتا ہے اور کس طرح یہ آپ سے آپ اس کے لیے نقمت اور عذاب بن جاتی ہے اگر وہ اس کو رحمت بنانے کی کوشش نہ کرے۔

تفسیر:

فرمایا: قسم ہے زمانے کی، الخ

زمانہ کی قسم کھانے کی وجہ

(۱) زمانہ بہت عجیب وغریب چیزوں پر مشتمل ہوتا ہے، اس میں خشوی اور غم کا، اور صحت اور بیماری کا خوش حالی اور تنگ دستی کا ظہور ہوتا ہے، عقل حیران ہے کہ زمانہ کو موجود کہے یا معدوم کہے، معدوم اس لیے نہیں کہہ سکتی کہ زمانہ سال، مہینہ، ہفتہ، دن اور گھنٹوں پر مشتمل ہوتا ہے اور زمانہ کم اور زیادہ ہوتا ہے اور جو چیز اس طرح ہو وہ معدوم نہیں ہو کتی اور موجود اس لیے نہیں کہہ سکتی کہ زمانہ یا ماضی ہے یا مستقبل، ماضی گزر چکا ہے وہ موجود نہیں ہے اور مستقبل ابھی آیا نہیں وہ بھی موجود نہیں ہے اور رہا حاضر تو وہ نا قابل تقسیم ہے۔

(۲) انسان ساری زندگی گناہ کرتا رہے اور عمر کے آخری لحہ میں توبہ کر لے تو اس کو جنت مل جائے گی، جس میں وہ ابدالاباد تک رہے گا، تو انسان کی پوری زندگی کا وہی قیمتی لحہ ہے اور اس سے پہلے کی زندگی کو انسان محض ضائع کرتا رہا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

(الفرقان ٦٢ :) اور اسی نے رات اور دن کو ایک دوسرے کے پیچھے آنے والا بنایا اس کے لیے جو نصیحت حاصل کرنے یا شکر ادا کرنے کا ارادہ کرتا ہو۔

(۳) لوگوں کی عادت ہے کہ ان پر جو مصائب آتے ہیں یا ان کو جو نقصان ہتوے ہیں وہ ان کو زمانہ کی طرف منسوب کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے زمانہ کی قسم کھا کر یہ ظاہر فرمایا کہ زمانہ تو اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے، اس میں کوئی عیب نہیں ہے، عیب تو انسان میں ہے، وہ اپنے کرتوتوں اور بداعمالیوں کی وجہ سے نقصان اٹھاتا ہے اور اس نقصان کی نسبت زمانہ کی طرف کر دیتا ہے۔

(٤) زمانہ کے گزرنے سے انسان کی عمر کم ہوتی رہتی ہے، اگر وہ اس زمان ہمیں نیک کام نہیں کرے گا تو اس کو سراسر نقصان ہوگا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے زمانہ کی قسم کھا کر فرمایا : بیشک ہر انسان ضرور نقصان میں ہے۔ سوان لوگوں کے جو ایمان لائے اور انھوں نے نیک کام کئے۔

"العصر" کی تفسیر میں اقوال

روایت ہے کہ "العصر" سے مراد دہر اور زمانہ ہے، ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد ہے :ربِ عصر کی قسم ہے، ابن کیسان نے کہا، اس سے مراد دن اور رات ہے، حسن بصری نے کہا :اس سے مراد زوال شمس سے لے کر غروب شمس تک کا وقت ہے،

قتادہ نے کہا، اس سے مراد دن کی ساعات میں سے آخری ساعت ہے، مقاتل نے کہا، اس سے مراد عصر کی نماز ہے کیونکہ وہ صلوۃ وسطی ہے۔(معالم التنزیل ج ۵ ص 302 دار احیاء التراث العربی، بیروت، 1420ھ)

والعصر" سے مراد عصر کی نماز ہے، اس کی مفسرین نے حسب ذیل وجوہ ذکر کی ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ نے عصر کی نماز کی قسم کھا کر اس پر تنبیہ کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک عصر کی نماز میں بہت فضیلت ہے، اسی لیے قرآن مجید میں ارشاد ہے :"حافظوا علی الصلوت والصلوۃ الوسطی"(البقرہ 238:) تمام نمازوں کی حفاظت کرو، خصوصاً درمیانی نماز کی۔

(۲) رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے بھی عصر کی نماز کی بہت فضیلت اور اہمیت بیان فرمائی ہے:

حضرت ابن عمر (رض) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا :جس شخص کی عصر کی نماز فوت ہوگئی گویا اس کے اہل اور اس کا مال ہلاک ہوگیا۔(صحیح البخاری رقم الحدیث ۵۵۲ : صحیح مسلم رقم الحدیث ۶۲۶ :۶۸۵)

حضرت بریدہ نے ایک ابر آلود دن میں فرمایا :عصر کی نماز جلدی پڑھ لو، کیونکہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا ہے : جس نے عصر کی نماز کو ترک کردیا اس کا عمل ضائع ہوگیا۔(صحیح البخاری رقم الحدیث 553:، مسند احمد ج ۵ ص 349-350)

حضرت جریر (رض) بیان کرتے ہیں کہ ہم نے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ تھے، آپ نے چاند کی طرف دیکھ کر فرمایا :تم عنقریب اپنے رب کو اس طرح دیکھو گے، جس طرح چاند کو دیکھ رہے ہو، تم کو اسے دیکھنے سے کوئی تکلیف نہیں ہوگی، اگر تم سے ہو سکے تو طلوع شمس اور غروبِ شمس سے پہلے کی نمازوں میں کوتاہی نہ کرو، یہ نمازیں تم سے قضا نہ ہو جائیں۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث ۵۵٤ : صحیح مسلم رقم الحدیث ۶۳۳ :،(سنن ترمذی رقم الحدیث ٤٧٢٩ :)

حضرت ابوہریرہ (رض) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا :تمہارے پاس رات کے فرشتے اور دن کے فرشتے باری باری آتے ہیں اور وہ فجر کی نماز میں اور عصر کی نماز میں جمع ہوتے ہیں، پھر جو فرشتے تمہارے پاس رات میں تھے وہ اوپر جاتے ہیں ان سے ان کا رب سوال کرتا ہے حالانکہ وہ ان سے زیادہ جاننے والا ہے، وہ فرماتا ہے :تم نے میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑا؟ وہ کہتے ہیں :جب ہم نے ان کو چھوڑا تو وہ نماز پڑھ رہے تھے اور جب ہم ان کے پاس آئے تھے اس وقت بھی وہ نماز پڑھ رہے تھے۔(صحیح البخاری رقم الحدیث ۵۵۵ : صحیح مسلم رقم الحدیث ۶۳۲ :،

(سنن ترمذی رقم الحدیث ٤٨٧ :۔٤٨٦)

(٣) عصر کے وقت نماز پڑھنا نفس پر بہت بھاری ہوتا ہے کیونکہ اس وقت کاروباری لوگ اپنے کاروبار میں مشغول ہوتے ہیں اور جو عبادت بھاری ہو، اس کو ادا کرنے کا بہت ثواب ہوتا ہے۔

(٤) عصر کی نماز کے بعد دن کی عبادت ختم ہو جاتی ہے، سو اس وقت نماز پڑھنا مرتے وقت توبہ کرنے کے مشابہ ہے۔

(٥) عصر کا قوت اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت مقدس ہے، اس وقت جھوٹ بول کر سودا بیچنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک سخت ناراضگی کا موجب ہے، حدیث میں ہے:

حضرت ابوہریرہ (رض) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا : تین آدمیوں کی طرف قیامت کے دن اللہ تعالیٰ نظر رحمت نہیں فرمائے گا اور نہ ان کے باطن کو پاک کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا : ایک وہ شخص جس کے پاس راستہ کا فالتو پانی ہو اور وہ اپنے پڑوسی کو دینے سے منع کرے، دوسرا وہ شخص جو کسی حاکم سے دنیاوی غرض کی خاطر بیعت کرے، اگر وہ اس کو دنیا میں سے کچھ دے تو وہ اس سے راضی ہو اور اگر وہ اس کو نہ دے تو اس سے ناراض ہو اور تیسرا وہ شخص ہے جو عصر کے بعد سودا فروخت کرے اور کہے :اللہ کی قسم! جس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے، مجھے یہ چیز اتنے اتنے کی ملی ہے اور اس کی خریدار تصدیق کر دے اور اس نے جھوٹی قسم کھائی ہو، پھر آپ نے یہ آیت پڑھی:

(آل عمران ٧٧ :) بیشک جو لوگ اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کو تھوڑی قیمت کے عوض بیچ دیتے ہیں، ان کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے، اللہ ان سے کلام نہیں کرے گا اور نہ قیامت کے دن ان کی طرف نظر (رحمت) فرمائے گا اور نہ ان کے باطن کو صاف کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔

(تفسیر کبیر ج ١١ ص ٢٧٩ دار احیاء التراث العربی، بیروت، ١٤١٥ ھ)

فرمایا : بیشک ہر انسان ضرور نقصان میں ہے۔

تمام انسانوں کا خسارے میں مبتلا ہونا:

اس آیت میں "الانسان" پر الف لام کے دو مطلب ہیں : ایک یہ کہ یہ الف لام استغراق کے لیے ہے جیسا کہ حضرت علی (رض) نے اس کی تفسیر میں فرمایا : بیشک ابن آدم ہلاکت اور نقصان میں ہے۔ (جامع البیان جز ٣٠ ص 371)

دوسرا یہ ہے کہ یہ الف لام عہد کا ہے اور مراد کفار ہیں۔

امام ابو اسحٰق احمد بن ابراہیم الثعلبی متوفی ٤٢٧ ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابی بن کعب (رض) بیان کرتے ہیں : میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے سامنے اس سورت کو پڑھا اور آپ سے عرض کیا : یا رسول اللہ! آپ پر میرے باپ اور ماں فدا ہوں، اس آیت کی کیا تفسیر ہے؟ آپ نے فرمایا : "والعصر" سے مراد ہے دن کا آخری حصہ "ان الانسان لفی خسر" سے مراد ہے : ابوجہل بن ہشام "الا الذین

امنوا " سے مراد ہے : ابوبکر صدیق اور " عملوا الصلحت " سے مراد ہے : عمر بن خطاب " وتواصوا بالحق " سے مراد ہے : عثمان بن عفان " وتواصوا بالصبر " سے مراد ہے : علی بن ابی طالب۔

امام ثعلبی نے حضرت عبداللہ بن عباس (رض) سے بھی بعینہ یہی تفسیر نقل کی ہے۔ (الکشف والبیان ج ۱۰ ص 284، دار احیاء التراث العربی، بیروت ۱۴۲۲ھ)

امام الحسن بن مسعود بغوی متوفی ۵۱۶ نے لکھا ہے : اس آیت میں " الانسان " سے مراد کافر ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اس کے بعد مومنین کا استثناء فرمایا ہے، فرمایا ہے : بیشک انسان خسارہ میں ہے، اور خسارہ کا معنی ہے : انسان کا اصل مال ضائع ہوجائے یعنی انسان خود بھی ہلاک ہوجائے اور اس کی تمام عمر گناہوں میں ضائع ہوجائے۔ (معالم التنزیل ج ۵ ص 302 دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۰ھ)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ فرماتے ہیں:

انسان خسارہ سے الگ نہیں ہوسکتا، کیونکہ خسارہ کا معنی ہے : اصل مال کا ضائع ہوجانا اور انسان کا اصل مال اس کی عمر ہے اور وہ بہت کم اپنی عمر کے ضائع ہونے سے بچ سکتا ہے کیونکہ انسان کے اوپر جو ساعت بھی گزر رہی ہے، اس میں اگر وہ گناہوں میں مصروف ہے تو اس کے نقصان میں کوئی شک نہیں ہے اور اگر اس کی وہ ساعت مباح کاموں میں گزر رہی ہے، پھر بھی اس کا نقصان اس لحاظ سے ہے کہ اس کو ان کاموں پر ثواب نہیں ملا، اور اگر اس کی وہ ساعت اطاعت اور عبادت میں گزر رہی تو وہ جس کیفیت سے عبادت کر رہا ہے، اس سے عمدہ اور اعلیٰ کیفیت سے بھی عبادت کرنا ممکن ہے کیونکہ خشوع اور خضوع
رہی تو وہ جس کیفیت سے عبادت کر رہا ہے، اس سے عمدہ اور اعلیٰ کیفیت سے بھی عبادت کرنا ممکن ہے کیونکہ خشوع اور خضوع
کے درجات غیر متناہی ہیں اور اللہ تعالیٰ کے جلال اور قہر کے مراتب بھی غیر متناہی ہیں تو انسان کو اللہ تعالیٰ کی جس قدر زیادہ کے درجات غیر متناہی ہیں اور اللہ تعالیٰ کے جلال اور قہر کے مراتب بھی غیر متناہی ہیں تو انسان کو اللہ تعالیٰ کی جس قدر زیادہ معرفت ہوگی، اس کو اللہ تعالیٰ کا اتنا زیادہ خوف ہوگا اور جتنا زیادہ خوف ہوگا، وہ اتنی زیادہ تعظیم سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے گا اور اعلیٰ عبادت کو ترک کرنا اور ادنیٰ عبادت کو اختیار کرنا یہ بھی ایک قسم کا نقصان ہے، پس واضح ہوگیا کہ ہر انسان کسی نہ کسی قسم کے خسارے اور نقصان میں مبتلا ہے۔

اس آیت میں تنبیہ کی گئی ہے کہ ہر انسان اصل میں خسارے اور نقصان میں مبتلا ہے، کیونکہ انسان کی سعادت اس میں ہے کہ وہ آخرت سے محبت رکھے اور دنیا سے اعراض کرے اور وہ اسباب جو آخرت کے داعی اور محرک ہیں، وہ مستور اور غیر ظاہر ہیں اور وہ اسباب جو دنیا کی محبت کے داعی ہیں، وہ ظاہر ہیں، وہ انسان کے حواس خمسہ اور شہوت اور غضب ہیں، اس وجہ سے زیادہ لوگ دنیا کی محبت اور اس کو طلب کرنے میں مستغرق ہیں، اس لیے سب لوگ خسارے اور نقصان میں ہیں سوائے مومنین صالحین کے۔ (تفسیر کبیر ج ۱۱ ص ۲۸۰ دار احیاء التراث الربی بیروت ۱۴۱۵ھ)

فرمایا : سوا ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور انھوں نے نیک کام کئے اور انھوں نے ایک دوسرے کو دین حق کی وصیت کی اور ایک دور سے کو صبر کی نصیحت کی۔

اس آیت کا معنی ہے :

سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی توحید کی تصدیق کی اور اس کی اطاعت اور عبادت کا اقرار کیا اور نیک اعمال کئے یعنی فرائض اور واجبات کو ادا کیا اور سنن اور مستحباب پر کاربندر ہے اور معاصی کا ارتکاب نہیں کیا اور گناہ کبیرہ اور صغیرہ سے مجتنب رہے اور دوسروں کو بھی کتاب اللہ کے احکام پر عمل کرنے کا حکم دیتے رہے اور صبر کرنے کی تلقین کرتے رہے۔

"وتواصوا بالحق" کی تفسیر میں تین قول ہیں ;

(۱) یحییٰ بن سلام نے کہا : وہ دوسروں کو بھی توحید پر ایمان لانے کی تلقین کرتے رہے، (۲) قتادہ نے کہا : وہ قران کے احکام پر عمل کرنے کی نصیحت کرتے رہے، (۳) سدی نے کہا : وہ اللہ کی اطاعت اور عبادت کی تلقین کرتے رہے۔

"وتواصوا بالصبر" کی تفسیر میں بھی تین قول ہیں :

(۱) قتادہ نے کہا : وہ اللہ کی فرمان برداری کی نصیحت کرتے رہے، (۲) ہشام بن حسان نے کہا : وہ اللہ کے مقرر کئے ہوئے فرائض پر عمل کرنے کی تائید کرتے رہے (۳) اور ایک قول یہ ہے کہ وہ حرام کام کرنے کی خواہش پر صبر کرنے اور شہوت اور غضب کے تقاضوں پر صبر کرنے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت کی مشقت پر صبر کرنے کی تلقین کرتے رہے۔ (النکت والعیون ج ٦ ص ٣٣٤، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

دعوتِ تبلیغ کی اہمیت؛

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے : تمام لوگ خسارے میں ہیں، سوا ان کے جو چار چیزوں سے متصف ہوں : ایمان اعمال صالحہ، لوگوں کو اطاعت اور عبادت کی وصیت کرنا اور لوگوں کو صبر کی تلقین کرنا، اس سے معلوم ہوا کہ انسان کے لیے یہ کافی نہیں ہے کہ وہ ایمان لائے اور اعمال صالحہ کرے بلکہ اس کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ دوسروں کو نیکی کا حکم دے اور ان کو برائی سے روکے، جیسا کہ اس آیت میں فرمایا ہے:

(آل عمران ١١٠ :) تم بہترین امت ہو، ان سب امتوں سے جن کو لوگوں کے لیے ظاہر کیا گیا ہے، تم نیک کاموں کا حکم دیتے ہو اور برے کاموں سے روکتے ہو اور اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو۔

ترکیب نحوی وتحقیق صرفی؛

وَالْعَصْرِ (وَ۔اَلْعَصْرِ) وَ، حرف جار، قسمیہ، قسم، اَلْعَصْرِ، مجرور، مقسم بہ، زمانہ، دن کی آخری گھڑی، زوال سے غروب آفتاب تک کا وقت (زمانہ کی قسم) اِنَّ الْاِنْسَانَ (اِنَّ۔اَلْاِنْسَانَ) اِنَّ، حرف مشبہ بالفعل، بے شک، اَلْاِنْسَانَ، اِنَّ، کا اسم منصوب، انسان، (بے شک انسان) لَفِیْ خُسْرٍ (لَ۔فِیْ۔خُسْرٍ) لَ، لام تاکید، یقیناً، فِیْ، حرف جار، میں، خُسْرٍ، مجرور، مصدر بمعنی، اصل پونجی کا ضائع ہوجانا، گھاٹا، نقصان، خسارہ (یقیناً خسارے میں)

اِلَّا، حرف استثنا (مگر، سوائے) اَلَّذِیْنَ ، اسم موصول جمع مذکر (ان لوگوں کے جو) اٰمَنُوْا، فعل ماضی جمع مذکر غائب اٰمَنَ یُؤْمِنُ ، مصدر اِیْمَانًا، ایمان لانا (وہ ایمان لائے) وَ، حرف عطف (اور) عَمِلُوْا، فعل ماضی جمع مذکر غائب عَمِلَ یَعْمَلُ ، مصدر عَمَلًا، عمل کرنا (انہوں نے عمل کیے) اَلصّٰلِحٰتِ۔ صَلَاحٌ، مصدر سے اسم فاعل جمع مؤنث (نیک، اچھے) واحد، اَلصَّالِحَۃُ، وَ، حرف عطف (اور) تَوَاصَوْا، فعل ماضی جمع مذکر غائب تَوَاصٰی یَتَوَاصٰی، مصدر تَوَاصِیٌ، ایک دوسرے کو وصیت یا تلقین کرنا (انہوں نے ایک دوسرے کو وصیت (تلقین) کی) بِالْحَقِّ (بِ۔ اَلْحَقِّ) بِ ، حرف جار، کی، اَلْحَقِّ، مجرور، حق (حق کی) وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ (رح) ۰۰۳ اور انہوں نے ایک دوسرے کو صبر کی وصیت (تلقین) کی۔وَ، حرف عطف (اور) تَوَاصَوْا، فعل ماضی جمع مذکر غائب تَوَاصٰی یَتَوَاصٰی، مصدر تَوَاصِیٌ،ایک دوسرے کو وصیت کرنا، ایک دوسرے کو تلقین کرنا (انہوں نے ایک دوسرے کو وصیت (تلقین) کی) بِالصَّبْرِ (بِ۔اَلصَّبْرِ) بِ، حرف جار، کی، اَلصَّبْرِ، مجرور، صبر (صبر کی)۔

(الحمدللہ سورہ عصر مکمل ہوگئی)

[سورۃ الھمزۃ]

آیت ۱تا۹

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ (۱) الَّذِيْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ (۲) يَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗۤ اَخْلَدَهٗ (۳) كَلَّا لَيُنْۢبَذَنَّ فِي الْحُطَمَةِ (۴) وَمَاۤ اَدْرٰىكَ مَا الْحُطَمَةُ (۵) نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ (۶) الَّتِيْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْـِٕدَةِ (۷) اِنَّهَا عَلَيْهِمْ مُّؤْصَدَةٌ (۸) فِيْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ (۹)

ترجمہ:

بڑی خرابی ہے اس شخص کی جو پیٹھ پیچھے دوسروں پر عیب لگانے والا (اور) منہ پر طعنے دینے کا عادی ہو(۱) جس نے مال جمع کیا اور اسے گن گن کر رکھا۔(۲) وہ سمجھتا ہے کہ اس کا مال اسے ہمیشہ رکھے گا(۳) ہرگز نہیں! اس کو تو ایسی جگہ میں پھینکا جائے گا جو چورا چورا کرنے والی ہے۔(۴) اور تمہیں کیا معلوم وہ چورا چورا کرنے والی چیز کیا ہے؟(۵) وہ اللہ کی آگ ہے جسے خوب بھڑکا کر رکھا گیا ہے(۶) جو دلوں تک جا چڑھے گی۔(۷) بیشک وہ آگ ان پر بند کردی جائے گی(۸) اس حالت میں کہ وہ اونچے اونچے ستونوں میں جکڑے ہوئے ہوں گے(۹)

کوائف:

اس سورت کا نام سورۃ الھمزہ ہے۔ پہلی ہی آیت کریمہ میں ھمزہ کا لفظ موجود ہے۔جس سے سورت کا نام لیا گیا ہے۔ یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی ہے۔اس سے پہلے اکتیس سورتیں نازل ہوچکی تھیں۔اس کا نزول کے اعتبار سے بتیسواں نمبر ہے۔ اس کا ایک رکوع اور نو آیتیں ہیں۔

ماقبل سے ربط؛

گزشتہ سورۃ والعصر میں انسان کو اسے ایسے اصول کی ہدایت فرمائی گئی جن کے ذریعہ وہ اپنی زندگی کو ضائع ہونے سے بچا سکے اور انسانی حیات جس فوز وفلاح کے لیے عطا کی گئی اس کو حاصل کرنے خسران ومحرومی سے محفوظ رہے، اب اس سورت میں ان بعض ناپاک اور بیہودہ خصلتوں کا بیان ہے جن سے انسان اپنی انسانیت ہی کو برباد کرڈالتا ہے وہ طعن وتشنیع جیسی مذموم خصلتوں، لوگوں میں عیب تلاش کرنا، ان پر طنز کرنا ان کی تحقیر وتذلیل کے در پے ہوجانا ہے ان مذموم خصلتوں کا حامل انسان اپنی انسانیت ہی برباد کرتا ہے تو پہلے عمر ضائع کرنے پر وعید تھی اور اس سے تحفظ کے اصول اربعہ کا بیان تھا، تو اب اصل انسانیت ہی کو تباہ کرنے والی خصلتوں کا بیان ہے تاکہ انسان ایسے ناپاک خصلتوں سے بچنے کی کوشش کرے، پھر یہ فرمایا جارہا ہے کہ جہاں ایک طرف ان خصائل سے انسانیت کو گندگی سے آلودہ کرنا لازم آتا ہے اسی طرح مال کی محبت اور اس پر فریفتہ ہوجانا بھی انسانیت کو تباہ کرنے والی خصلت ہے مال ودولت کی حرص انسان کو ہر خیر وفلاح سے محروم کرنے والی چیز ہے اور ساتھ ہی معاشرہ میں ہر نوع کی خرابی پیدا کرنے کا باعث ہے، اور ظاہر ہے کہ یہ ناپاک خصائل ان معاصی اور گناہوں کا موجب ہیں جو حقوق العباد سے تعلق رکھتے ہیں گناہوں میں حقوق اللہ کا برباد کرنا بھی بیشک بڑا گناہ ہے لیکن ان کی معافی کا امکان ہے، اس کے برعکس حقوق العباد کی معافی ممکن نہیں، ان خصلتوں سے انسان جماعتوں اور قوموں میں تفرقہ ڈالتا ہے جو بدترین جرم ہے، غیبت جیسی بدترین خصلت کا مرتکب ہوتا ہے جس کو قرآن کریم نے اپنے مردہ بھائی کے گوشت کھانے کے برابر قرار دیا، اور زنا سے بھی زنا سے بھی زیادہ قبیح فرمایا، تو ان عادات وخصائل سے انسان کی دنائت وذلت کی کوئی حد باقی نہیں رہتی تو ان پر وعید فرمائی گئی ہے اور آخرت کے عذاب کا بھی ذکر فرمایا گیا تاکہ انسان ان باتوں سے پرہیز کرے،

شانِ نزول؛

امام الحسین بن مسعود الفراء البغوی المتوفی ۵۱۶ ھ لکھتے ہیں:

اس میں مفسرین کا اختلاف ہے کہ اس سورت میں طعنہ زن اور عیب جو کے لیے جو وعید ذکر کی گئی ہے وہ ہر طعنہ زن اور عیب جو کے لیے ہے، یا مخصوص طعنہ دینے والوں کے لیے ہے، محققین نے کہا: یہ وعید ہر طعنہ زن عیب جو کے لیے ہے، کیونکہ کسی آیت کے سبب کی خصوصیت عام حکم سے مانع نہیں ہوتی۔

دوسرے علماء نے کہا ہے: یہ وعید اخنس بن شریق کے متعلق نازل ہوئی ہے، جو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو بالخصوص طعنے دیتا تھا اور آپ کی عیب جوئی کرتا تھا اور دیگر لوگوں کی بالعموم عیب جوئی کرتا تھا اور انھیں طعنے دیتا تھا، اور امام محمد بن اسحاق نے کہا: ہم ہمیشہ سے یہ سنتے رہے ہیں کہ سورۃ الھمزۃ امیہ بن خلف جمحی کے متعلق نازل ہوئی ہے۔

مقاتل نے کہا: یہ سورت الولید بن المغیرہ کے متعلق نازل ہوئی ہے، جو پس پشت آپ کے عیب نکالتا تھا اور آپ کے منہ

پر آپ کو طعنے دیتا تھا۔(تفسیر مقاتل بن سلیمان ج ۳ ص ۵۱۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۱۴ھ)
مجاہد نے کہا: یہ آیت ہر اس شخص کے متعلق عام ہے، جس میں یہ وصف پایا جائے۔(معالم التنزیل ج ۵ ص ۳۰۳ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۰ھ)

تفسیر:

فرمایا؛ بڑی خرابی ہے اس شخص کی جو پیٹھ پیچھے دوسروں پر عیب لگانے والا، الخ

"الھمزۃ" اور "اللمزۃ" کے معانی:

حضرت ابن عباس (رض) نے فرمایا: ان دونوں لفظوں کا معنی ہے: چغلی کھانے والے اور دوستوں کے درمیان فساد ڈالنے والے اور بے عیب لوگوں میں عیب تلاش کرنے والے۔
حضرت اسماء بنت یزید بیان کرتی ہیں کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: کیا میں تم کو ان لوگوں کی خبر نہ دوں جو تم میں سب سے اچھے ہیں؟ مسلمانوں نے کہا: کیوں نہیں، یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں جب ان کو دیکھا جائے تو اللہ تعالیٰ کی یاد آجائے، پھر فرمایا: کیا میں تم کو ان لوگوں کی خبر نہ دوں جو تم میں سب سے برے ہیں؟ یہ وہ لوگ ہیں جو چغلی کھاتے ہیں اور دوستوں کے درمیان پھوٹ اور فساد ڈالتے ہیں اور جو لوگ عیب سے بری ہوں ان میں عیب نکالتے ہیں۔
(مسند احمد ج ٦ ص ٤٥٩ مجمع الزوائد ج ٨ ص ٩٣)
اور حضرت ابن عباس سے ایک روایت یہ ہے کہ "ھمزۃ" چغل خور ہے اور "لمزۃ" عیب نکالنے والا ہے اور ابو العالیہ، انسان کے پس پشت اس کی برائی بیان کرے۔(الجامع لاحکام القرآن جز ٢٠ ص ١٦٤ دار الفکر بیروت ١٤١٥ھ)
فرمایا: جس نے مال جمع کیا اور اس کو گن گن کر رکھا۔
ضحاک نے کہا: وہ مال اس لیے گن گن کر جمع کر کے رکھتا ہے تاکہ اس کی اولاد اس مال کی وارث ہو جائے اور اس سے مقصود ان لوگوں کی مذمت کرنا ہے، جو اللہ کی راہ میں مال خرچ نہیں کرتے اور اس کو بچا بچا کر رکھتے ہیں۔
فرمایا: وہ گمان کرتا ہے کہ اس کا مال اس کو ہمیشہ (زندہ) رکھے گا۔
سدی نے کہا: اس کا معنی ہے: وہ گمان کرتا ہے کہ وہ ہمیشہ زندہ رہے گا اور اس کو کبھی موت نہیں آئے گی اور یہ مال اس کے کام آتا رہے گا۔
فرمایا؛ ہر گز نہیں! اس کو تو ایسی جگہ میں پھینکا جائے گا جو چورا چورا کرنے والی ہے۔ الخ

"الحطمۃ" کا معنی:

الھمزۃ ٤: میں "الحطمۃ" کا لفظ ہے، جس کا ترجمہ ہم نے چورا چورا کرنے والی کیا ہے۔
کتب لغت میں اس کے یہ معنی مذکور ہیں: ریزہ ریزہ چورا چورا جو چیز ٹوٹ پھوٹ کر چورا چورا ہو جائے یہ "حطم" سے

بنا ہے، جس کا معنی ہے : کسی چیز کو توڑنا اور کوٹنا "الحطمۃ" دوزخ کے ایک بقہ کا نام ہے۔ (القاموس المحیط ص)

اس آیت میں فرمایا ہے : ہرگز نہیں! اس میں اس کافر کے گمان کا رد فرمایا ہے یعنی نہ وہ خود دنیا میں ہمیشہ رہے گا نہ اس کا جمع کیا ہوا مال باقی رہے گا اور اس کو رسوا کرتے ہوئے "الحطمۃ" میں جھونک دیا جائے گا "الحطمۃ" دوزخ کی آگ کا وہ طبقہ ہے جہاں اس کو توڑ پھوڑ کر پیس ڈالا جائے گا، اس طبقہ کو "احطمۃ" اس لیے فرمایا ہے کہ اس میں جو کچھ بھی ڈالا جائے وہ اس کو توڑ پھوڑ کر چورا چورا کر دیتا ہے۔

فرمایا : اور آپ کیا سمجھے کہ چورا چورا کر دینے والی (آگ) کیا ہے؟۔

یہ "الحطمۃ" کی اہمیت بیان کرنے کے لیے اس طرح فرمایا ہے : مقاتل نے کہا : یہ دوزخ کا وہ طبقہ ہے جو ہڈیوں کو توڑ رہے گا اور گوشت کو کھا جائے گا، طعنہ زن اور عیب جو کہ اس طبقہ میں اس لیے ڈالا جائے گا کہ وہ بھی غیبت کر کے لوگوں کا گوشت کھا جاتا تھا، اس لیے اس کو "حطمۃ" میں ڈالا جائے گا، جو اس کی ڈیاں توڑ کر اس کا گوشت کھا جائے گی۔

فرمایا : وہ اللہ کی بھڑکائی ہوئی (آگ) ہے۔

دوزخ کی آگ کی شدت؛

یعنی یہ وہ آگ ہے جو کبھی سرد نہیں ہوتی۔ یہ دنیا کی جلائی ہوئی آگ کی طرح نہیں ہے، جو بالاخر بجھ جاتی ہے، اس کو اللہ تعالیٰ کے حکم سے جلایا گیا ہے، حدیث میں ہے :

حضرت ابوہریرہ (رض) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا : تمہاری آگ جہنم کی آگ کا سترواں حصہ ہے، کہا گیا : یارسول اللہ! یہ آگ بھی کافی تھی، آپ نے فرمایا : جہنم کی آگ تمہاری آگ پر انہتر درجہ زیادہ ہے۔ الحدیث (صحیح البخاری رقم الحدیث ٣٢٦٥ : صحیح مسلم رقم الحدیث ٢٨٤٣٨٤٧ :)

حضرت ابوہریرہ (رض) بیان کرتے ہیں کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا : ایک ہزار سال تک دوزخ کی آگ کو بھڑکایا گیا، حتیٰ کہ وہ سرخ ہوگئی، اس کو پھر ایک ہزار سال تک بھڑکایا گیا حتیٰ کہ وہ سفید ہوگئی، اس کو پھر ایک ہزار سال تک بھڑکایا گیا

حتیٰ کہ وہ سیاہ ہوگئی، پس وہ سیاہ اندھیری ہے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث ٢٥٩٠ : سنن ابن ماجہ رقم الحدیث ٤٣٢٠ :)

حضرت ابوہریرہ (رض) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا : دوزخ میں صرف شقی داخل ہوگا، پوچھا گیا : یارسول اللہ! شقی کون ہے؟ فرمایا : جو اللہ (کی رضا) کے لیے کوئی طاعت نہ کرے اور اللہ (کے خوف سے) کوئی گناہ ترک نہ کرے۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث ٤٢٩٨ : مسند احمد ج ٢ ص ٣٤٩)

فرمایا؛ جو دلوں تک جا چڑھے گی۔

کفار کے عذاب کی کیفیت:

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ دوزخ کی آگ کافروں کے پیٹ میں داخل ہوگی، پھر ان کے سینہ تک پہنچ جائے گی، پھر ان نے دل پر چڑھ جائے گی اور انسان کے جسم میں دل سے زیادہ لطیف اور کوئی چیز نہیں ہے اور تھوڑی سی اذیت بھی دل میں بہت تکلیف ہوتی ہے، پس اس وقت کافر کا کیا حال ہوگا جب اس کو دوزخ میں جھونکا جائے گا، پھر دوزخ کی آگ اس کے دل پر چڑھ جائے گی، دل کا ذکر خصوصیت سے اس لیے فرمایا ہے کہ شرک، کفر، تمام عقائد خبیثہ اور تمام بری نیات کافر کے دل میں ہوتی ہیں۔

فرمایا: وہ (آگ) ان پر ہر طرف سے بند کی ہوئی ہوگی۔

ان کو دوزخ میں پھینک دیا جائے گا، یعنی دوزخ میں کوئی بہت گہری جگہ ہے جیسے کوئی اندھا کنواں ہو اور اس میں کافروں کو جھونک دیا جائے گا، اور اس جگہ سے نکلنے کا کوئی دروازہ ہوگا لیکن وہ دروازہ ان پر بند کر دیا جائے گا، اس سے ان کی حسرت اور ناامیدی میں اور اضافہ ہوگا۔

جب کسی دروازے کے کواڑوں کو زور سے بند کر دیا جائے اور اس میں کنڈی لگا کر قفل لگا دیا جائے اور ان بند دروازوں کے کھلنے کی بظاہر کوئی صورت نہ ہو تو عرب کہتے ہیں: "اصدت الباب" اس سے "موصدۃ" بنا ہے، گویا ان کافروں کو حطمہ نامی ایک دوزخ کے طبقہ میں ڈال دیا جائے گا اور اس طبقہ کے دروازوں کو مضبوطی سے بند کر دیا جائے اگ، ان کو کوئی کھول نہیں سکے گا اور اس دردناک عذاب سے نجات کی ان کے لیے کوئی صورت نہیں ہوگی۔

فرمایا: لمبے لمبے ستونوں میں۔

اس آیت میں "عمد" کا لفظ ہے، یہ "عمود" کی جمع ہے، اس کا معنی ستون ہے اور "مدۃ" کا لفظ ہے، اس کا معنی ہے: طویل لمبے یعنی آگ کے شعلے لمبے لمبے ستونوں کی طرح بلند ہوں گے، نہ وہ بجھیں گے نہ ان کی ایذا رسانی میں کوئی کمی ہوگی۔

اس کا ایک معنی یہ ہے کہ ان لمبے لمبے ستونوں سے "حطمۃ" کے دروازوں کو بند کر دیا جائے گا اور یہ آگ کے لمبے لمبے ستون اس قدر زیادہ ہوں گے کہ گویا وہی بند دروازہ ہیں۔ اس کا دوسرا معنی یہ ہے کہ "حطمۃ" کو ان پر اس حال میں بند کر دیا جائے گا کہ وہ آگ کے ان لمبے لمبے ستونوں سے باندھے ہوئے اور جکڑے ہوئے ہوں گے۔

ترکیب نحوی وتحقیق صرفی:

وَیۡلٌ، اسم بمعنی (ہلاکت، عذاب) لِّکُلِّ ہُمَزَۃٍ (لِ۔ کُلِّ۔ ہُمَزَۃٍ) لِ، حرف جار، کیلئے، کُلِّ، مجرور، مضاف، ہر، ہُمَزَۃٍ، مضاف الیہ، ھَمۡزٌ، مصدر سے مبالغہ کا صیغہ، طعن کرنے والا، عیب نکالنے والا، طعنہ دینے والا، (ہر بہت طعنہ دینے والے کیلئے) لُّمَزَۃٍ، لَمۡزٌ، مصدر سے مبالغہ کا صیغہ (بہت عیب لگانے والا، پس پشت برائی کرنے والا، طعن کرنے والا) الَّذِیۡ، اسم موصول واحد مذکر (وہ جس نے) جَمَعَ، فعل ماضی واحد مذکر غائب جَمَعَ یَجۡمَعُ، مصدر جَمۡعًا جمع کرنا، اکٹھا کرنا (اس نے جمع کیا) مَالًا، مفعول (مال) وَ، حرف عطف (اور) عَدَّدَہٗ (عَدَّدَ۔ ہٗ) عَدَّدَ، فعل ماضی واحد مذکر غائب عَدَّدَ یُعَدِّدُ، مصدر تَعۡدِیۡدٌ، گن گن کر رکھنا، اس نے گن گن کر رکھا، ہٗ، ضمیر واحد مذکر غائب، اسے، ضمیر کا مرجع "مالًا" ہے (اس نے اسے گن گن کر رکھا) یَحۡسَبُ، فعل مضارع واحد مذکر غائب حَسِبَ یَحۡسَبُ، مصدر حِسۡبَانًا، خیال کرنا، سمجھنا، گمان کرنا، (وہ گمان کرتا ہے) اَنَّ، حرف مشبہ بالفعل (کہ بے شک) مَالَہٗۤ (مَالَ۔ ہٗ) مَالَ، مضاف، مال، ہٗ، مضاف الیہ، ضمیر واحد مذکر غائب، اس کا (اس کا مال) اَخۡلَدَہٗ (اَخۡلَدَ۔ ہٗ) اَخۡلَدَ، فعل ماضی بمعنی مضارع واحد مذکر غائب اَخۡلَدَ یُخۡلِدُ، مصدر اِخۡلَادٌ، ہمیشہ زندہ رکھنا، ہمیشہ کی زندگی دینا، ہمیشہ رہنا، وہ ہمیشہ زندہ رکھے گا، ہٗ، ضمیر واحد مذکر غائب، اسے (وہ اسے ہمیشہ زندہ رکھے گا) کَلَّا، حرف ردع وزجر (ہرگز نہیں) لَیُنۡۢبَذَنَّ (لَ۔ یُنۡۢبَذَنَّ) لَ، لام تاکید، بلاشبہ، یُنۡۢبَذَنَّ، فعل مضارع مجہول موکد بانون تاکید ثقیلہ واحد مذکر غائب نَبَذَ یَنۡبِذُ، مصدر نَبۡذًا، پھینک دینا، وہ ضرور پھینک دیا جائے گا (بلاشبہ وہ ضرور پھینک دیا جائے گا) فِی الۡحُطَمَۃِ (فِیۡ۔ اَلۡحُطَمَۃِ) فِیۡ، حرف جار، میں، اَلۡحُطَمَۃِ، مجرور، حَطۡمٌ، مصدر سے مشتق ہے اس سے مراد دوزخ ہے، روندنے والی، ریزہ ریزہ کر دینے والی، چورا چورا کر دینے والی آگ، حطمہ (حطمہ میں) وَ، حرف عطف (اور) مَا، استفہامیہ بمعنی، اَیُّ شَیۡءٍ (کس چیز) اَدۡرٰىکَ (اَدۡرٰی۔ کَ) اَدۡرٰی، فعل ماضی واحد مذکر غائب اَدۡرٰی یُدۡرِیۡ، مصدر اِدۡرَآءٌ، معلوم کروانا، خبر دینا، آگاہ کرنا، اس نے معلوم کروایا، کَ، ضمیر واحد مذکر حاضر، آپ کو (اس نے معلوم کروایا آپ کو) مَا، استفہامیہ (کیا) اَلۡحُطَمَۃُ۔ حَطۡمٌ، مصدر سے مشتق (دوزخ کے ایک حصے کا نام، روندنے والی، ریزہ ریزہ کر دینے والی، چورا چورا کر دینے والی آگ، حطمہ) نَارُ اللّٰہِ (نَارُ۔ اَللّٰہِ) نَارُ، مضاف، آگ، اَللّٰہِ، مضاف الیہ، اللہ کی (اللہ کی آگ) اَلۡمُوۡقَدَۃُ۔ اِیۡقَادٌ، مصدر سے اسم مفعول واحد مؤنث (بھڑکائی ہوئی، آگ کی صفت) اَلَّتِیۡ، اسم موصول واحد مؤنث (وہ جو) تَطَّلِعُ، فعل مضارع واحد مؤنث غائب اِطَّلَعَ یَطَّلِعُ، مصدر اِطِّلَاعٌ، پہنچنا، چڑھ جانا، جھانک لینا (وہ پہنچے گی) عَلَی الۡاَفۡـِٕدَۃِ (عَلٰی۔ اَلۡاَفۡـِٕدَۃِ) عَلٰی، حرف جار، پر، اَلۡاَفۡـِٕدَۃِ، مجرور، دلوں، واحد، فُؤَادٌ (دلوں پر) اِنَّہَا (اِنَّ۔ ہَا) اِنَّ، حرف مشبہ بالفعل، یقینا، ہَا، ضمیر واحد مؤنث غائب، وہ، ضمیر کا مرجع "نَارُ" ہے، (یقینا وہ) عَلَیۡہِمۡ (عَلٰی۔ ہِمۡ) عَلٰی، حرف جار، پر، ہِمۡ، مجرور، ضمیر جمع مذکر غائب، ان (ان پر) مُّؤۡصَدَۃٌ۔ اِیۡصَادٌ، مصدر سے اسم مفعول واحد مؤنث (بند کی ہوئی) فِیۡ عَمَدٍ مُّمَدَّدَۃٍ (فِیۡ۔ عَمَدٍ۔ مُّمَدَّدَۃٍ) فِیۡ، حرف جار، میں، عَمَدٍ، مجرور، موصوف، ستونوں، واحد، عَمُوۡدٌ (ستونوں میں) مُّمَدَّدَۃٍ، صفت، تَمۡدِیۡدٌ، مصدر سے اسم مفعول واحد مؤنث (لمبے لمبے) یعنی آگ لمبے لمبے ستونوں کی شکل میں بلند ہوگی۔

(الحمدللہ سورہ ھمزہ مکمل ہوگئی)

[سورۃ الفیل]

آیت ۱ تا ۵

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلَمۡ تَرَ کَیۡفَ فَعَلَ رَبُّکَ بِاَصۡحٰبِ الۡفِیۡلِ (۱) اَلَمۡ یَجۡعَلۡ کَیۡدَہُمۡ فِیۡ تَضۡلِیۡلٍ (۲) وَّ اَرۡسَلَ عَلَیۡہِمۡ طَیۡرًا اَبَابِیۡلَ (۳) تَرۡمِیۡہِمۡ بِحِجَارَۃٍ مِّنۡ سِجِّیۡلٍ (۴) فَجَعَلَہُمۡ کَعَصۡفٍ مَّاۡکُوۡلٍ (۵)

ترجمہ:

کیا تم نے دیکھا نہیں کہ تمہارے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا کیا؟ (۱) کیا اس نے ان لوگوں کی ساری چالیں بیکار نہیں کردی تھیں؟ (۲) اور ان پر جھنڈ کے جھنڈ پرندے بھیجے (۳) جو پھینکتے تھے ان پر پکی ہوئی مٹی کے پتھر (۴) چنانچہ انھیں ایسا کرڈالا جیسے کھایا ہوا بھوسا۔ (۵)

کوائف:

اس سورت کا نام ہے سورۃ الفیل۔ پہلی ہی آیت کریمہ میں فیل کا لفظ موجود ہے۔ جس سے اس کا نام لیا گیا ہے۔ فیل فیلۃ کی جمع ہے۔ فیلۃ کا معنی ہے ہاتھی۔ فیل کا معنی ہے بہت سے ہاتھی۔ یعنی وہ سورت جس میں بہت سے ہاتھیوں کا ذکر ہے۔ نزول کے اعتبار سے اس کا انیسواں نمبر ہے اس سے پہلے اٹھارہ سورتیں نازل ہو چکی تھیں۔ اس کا ایک رکوع اور پانچ آیتیں ہیں۔

ما قبل سے ربط:

گزشتہ سورۃ میں اللہ نے زر پرستی کی مذمت کی تھی اور اس کے برے نتائج سے آگاہ کیا تھا اور مسلمانوں کو خبردار کیا تھا۔ کہ ایسے نظام کو قبول نہ کریں۔ اب اس سورۃ میں اللہ تعالیٰ نے ملوکیت اور شہنشاہیت کا رد فرمایا ہے کہ یہ نظام بھی باطل ہے اور مسلمانوں کو اس سے بچنا چاہیے یہ فاسد نظام ہیں اور اس کے بعد والی سورۃ میں اللہ تعالیٰ نے قومیت پرستی کا رد فرمایا ہے۔ یہ سب بیماریاں ہیں، جو لوگوں کو تباہ کررہی ہیں

تفسیر:

فرمایا؛ کیا تم نے دیکھا نہیں کہ تمہارے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا کیا؟ الخ

اصحاب فیل کا واقعہ:

حبشہ کے بادشاہ کی طرف سے ابرھہ کو یمن کا گورنر مقرر کیا گیا تھا، اس نے صنعاء نامی شہر میں ایک کلیسا بنایا تھا اس نے شاہ حبشہ کو خط لکھا : میں نے آپ کے لیے ایک بہترین گرجا تعمیر کیا، میری خواہش ہے کہ آئندہ عرب کے لوگ کعبہ کو چھوڑ کر اس معبد میں حج اور طواف کیا کریں، جب یہ خبر مکہ میں پہنچی تو بنی کنانہ کے ایک شخص نے غضب میں آ کر اس گرجا میں بول و

براز کردیا، یہ دیکھ کر ابرھہ آگ بگولا ہو گیا اور اس نے کہا :اگر میں نے کعبہ کو نہ گرایا تو میرا نام ابرھہ نہیں، وہ اسی وقت ہاتھیوں کی ایک فوج کے ساتھ کعبہ پر حملہ کرنے کے ارادہ سے روانہ ہوا، وہ مکہ مکرمہ سے دو میل کے فاصلہ پر ٹھہرا، اس نے اپنے ایک سردار کو حکم دیا کہ مکہ کے لوگوں سے چھیڑ چھاڑ کرے، سو وہ سردار قریش کے اونٹ اور دوسرے مویشی چھین کرلے آیا، جن میں دوسو اونٹ حضرت عبد المطلب کے بھی تھے، اس کے بعد ابرھہ نے کسی کو بھیج کر انھیں بلوایا، ابرھہ نے حضرت عبد المطلب کی بہت عزت کی اور ترجمان کے ذریعہ ان میں یہ بات چیت ہوئی، ابرھہ نے کہا : تم کیا چاہتے ہو؟ حضرت عبد المطلب نے کہا : تم میرے اونٹ واپس کردو، ابرھہ نے تعجب سے کہا تمھیں اونٹوں کی فکر ہے اور خانہ کعبہ کی کوئی فکر نہیں، جس کو میں گرانے آیا ہوں، حضرت عبد المطلب نے کہا : میں اونٹوں کا مالک ہوں، اس لیے اپنے اونٹ مانگ رہا ہوں، خانہ کعبہ کا مالک اللہ ہے، وہ اپنا گھر خود بچائے گا، اس گفتگو کے بعد حضرت عبد المطلب اپنے اونٹ لے کر مکہ میں لوٹ آئے اور قریش سے کہا کہ تم لوگ شہر مکہ سے نکل جاؤ اور پہاڑوں کے دروں میں پناہ لے لو، اور خود چند آدمیوں کے ساتھ خانہ کعبہ میں گئے اور وہاں یہ دعا کی :اے اللہ! ہر شخص اپنا گھر بچاتا ہے تو بھی اپنا گھر بچا، ایسا نہ ہو کہ ان کی صلیب اور ان کی تدبیر، تیری تدبیر پر غالب آجائے اور اگر تو ہمارے قبلہ کو ان پر چھوڑنا چاہتا ہے تو تو جو چاہتا ہے وہ کر۔

حضرت عبد المطلب اس دعا کے بعد اپنے ساتھیوں کے ساتھ پہاڑوں کے درے میں پناہ گزین ہو گئے، دوسری صبح کو ابرھہ کعبہ کو گرانے کے لیے اپنی فوج اور ہاتھیوں کو لے کر روانہ ہوا، جب اس نے ہاتھی کا منہ مکہ کی طرف کیا تو وہ بیٹھ گیا اور بہت کوشش کے باوجود نہ اٹھا، پھر اس نے ہاتھی کا منہ دوسری طرف کیا تو وہ تیز بھاگنے لگا، پھر جب وہ اس کا منہ مکہ کی طرف کرتا تو وہ بیٹھ جاتا، آخر کار اللہ تعالی نے ابابیل بھیجے ان کی چونچ اور پنجوں میں کنکریاں تھیں، انھوں نے وہ کنکریاں برسانی شروع کردیں، جس شخص پر وہ کنکریاں گرتیں، وہ ہلاک ہو جاتا، ہر کنکری پر اس شخص کا نام لکھا ہوا تھا، وہ کنکری اس کے سر میں گھستی اور اس کے مقعد سے نکل جاتی، یہ دیکھ کر ابرھہ کا لشکر بھاگ نکلا اور اللہ تعالیٰ نے دشمن سے اپنا گھر بچالیا۔

(دلائل النبوۃ للبیہقیج ۱ ص ۱۲۱۔۱۱۹ ملحضاً دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۳ھ تفسیر کبیر ج ۱۱)

پرندوں سے ابرھہ کے لشکر کو فنا کرنا نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا ارہاص تھا:

پرندوں کے کنکریاں مارنے کا واقعہ اللہ تعالیٰ کے علم اور اس کی قدرت پر دلیل ہے اور اس میں نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے شرف کا ظہور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی بعثت سے پہلے آپ کے لیے ایک خلاف عادت اور خلاف معمول امر ظاہر فرمایا اور نبی کی بعثت سے پہلے بھی معجزہ کا ظہور جائز ہے اور اس کو اصطلاح میں ارہاص کہتے ہیں۔

کفار پر جو آسمانی عذاب آتے رہے ہیں، مثلاً قوم عاد کو آندھی سے ہلاک کردینا اور کفار کی بعض قوموں کو زلزلوں سے ہلاک کردینا، بعض دہریے ان کا انکار کرتے ہیں، لیکن پرندوں نے جو اپنی چونچ اور پنجوں میں کنکریاں لی ہوئی تھیں اور ان کے انھوں نے ابرھہ کی فوج پر اس طرح مارا کہ کنکر جس کے سر پر لگتا اس کی مقعد سے نکل جاتا اور ہر کنکر پر اس شخص کا نام لکھا ہوا

تھا،جس کے سر پر وہ کنکر مارا جاتا تھا اور یہ ایسی چیز ہے کہ اس کے متعلق یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اس میں کوئی شعبدہ یا کوئی حیلہ ہے، اور نہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ احادیث ضعیفہ کی طرح ہے کیونکہ جس سال ہاتھیوں والا واقعہ ہوا تھا، اسی سال ہمارے نبی سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ولادت ہوئی تھی اور اس کے چالیس سال بعد آپ نے اپنی نبوت کا اعلان کیا اور اس کے چھ دن بعد ہی مکہ میں یہ سورت نازل ہوئی، اگر بالفرض یہ واقعہ نہ ہوا ہوتا تو مکہ میں آپ کے بہت مخالفین تھے، وہ سب آسمان سر پر اٹھا لیتے کہ ایسا کچھ نہیں ہوا تھا اور جب کسی نے اس سورت کے نازل ہونے کے بعد اس کی تکذیب نہیں کی تو معلوم ہو گیا یہ واقعہ سب کے نزدیک تسلیم شدہ اور معروف تھا، لہٰذا یہ واقعہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی نبوت پر زبردست دلیل ہے اور یہ وہ معجزہ ہے جو آپ کے اعلان نبوت سے پہلے ظاہر ہو۔

"اصحاب الفیل" سے انتقام لینے میں نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی فضیلت کے نکات

امام رازی لکھتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ اللہ نے یا رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا کیا؟ بلکہ لکھا ہے آپ کے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا کیا؟ اس میں یہ اشارہ ہے کہ کفار مکہ نے دیکھا کہ جو لوگ کعبہ گرانے آئے تھے، ان سے اللہ سبحانہ نے کس طرح انتقام لیا، پھر بھی انھوں نے بت پرستی نہیں چھوڑی، اور اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! آپ نے اس واقعہ کا مشاہدہ نہیں کیا، پھر بھی آپ نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا اعتراف کر کے اس کا شکر ادا کیا اور اس کی اطاعت اور عبادت کی، پس گویا کہ آپ نے اللہ سبحانہ کا یہ انتقام دیکھا، سو آپ ان کفار سے بری ہو گئے اور میں نے سب لوگوں میں سے آپ کو پسند کر کے چن لیا، پس میں کہتا ہوں: "ربک" یعنی میں آپ کا رب ہوں اور آپ کا حامی اور ناصر ہوں نہ کسی اور کا اور اس میں دوسرا اشارہ یہ ہے کہ میں نے اصحاب الفیل سے جو یہ انتقام لیا ہے، وہ محض آپ کے اکرام اور آپ کی تعظیم کے لیے لیا ہے اور آپ کی آمد کی عزت افزائی کے لئے، پس جب میں نے آپ کی آمد سے پہلے آپ کی تکریم کی ہے تو آپ کے ظہور کے بعد میں آپ کی حمایت اور نصرت کیوں نہ کروں گا اور اس میں نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے لیے یہ بشارت ہے کہ آپ ضرور فتح مند اور کامیاب اور سرخرو ہوں گے۔

ابرھہ کے لشکر کا ہاتھیوں سے بھی کم درجہ ہونا:

اس آیت میں "اصحاب الفیل" فرمایا ہے "ارباب الفیل" (ہاتھیوں کے مالکوں) نہیں فرمایا کیونکہ "اصحاب" جب کسی چیز کی طرف مضاف ہو تو وہ مضاف الیہ کی جنس سے ہوتا ہے اس میں یہ اشارہ ہے کہ ابرھہ اور اس کا لشکر ہاتھی کی جنس سے تھا یعنی جس طرح ہاتھی حیوان اور بے عقل ہیں، اسی طرح ابرھہ اور اس کا لشکر بھی حیوانوں کی طرح بے عقل تھا، ورنہ وہ اللہ سبحانہ کے گھر کو گرانے کے لیے نہ آتا اور اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ جب دو شخصوں میں مصاحبت ہو تو ان میں سے ادنیٰ کے لیے کہا جاتا ہے کہ وہ اعلیٰ کا صاحب ہے، جیسے کہا جاتا ہے کہ حضرت ابوبکر، رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے صاحب ہیں، یہ نہیں کہا جاتا کہ آپ ان کے صاحب ہیں اور جو لوگ آپ کی صحبت میں رہے ان کو صحابہ کہا جاتا ہے، پس

ابرھہ اور اس کے لشکر کو داصحاب الفل ـ" فرمایا یعنی وہ ہاتھیوں سے بھی ادنیٰ درجہ کے ہیں کیونکہ جب انھوں نے ہاتھیوں کو مکہ کی طرف چلانا چاہا تو ہاتھی بیٹھ گئے اور ان کی ہزار کوشش کے باوجود وہ مکہ کی طرف ایک قدم بھی نہیں چلے، اس سے معلوم ہوا کہ ہاتھیوں کو یہ معرفت تھی کہ خالق کی معصیت اور اس کے خلاف بغاوت میں مخلوق کی اطاعت نہیں کی جاتی اور ابرھہ اور اس کا لشکر اس معرفت سے خالی تھے، وہ خالق سے بغاوت کرنے اور اس کا گھر گرانے چلے تھے، اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا:

اولئک کالانعام بل ھم اصل (الاعراف ۱۷۹ :) یہ کفار جانوروں کی طرح ہیں بلکہ ان سے زیادہ گم راہ ہیں۔

فرمایا : کیا اس نے ان کے مکر کو باطل نہیں کر دیا؟۔

ابرھہ تو علانیہ فساد کرنے آیا تھا، پھر اس کو "کید" کیوں فرمایا؟:

اس آیت میں ـ" کید ـ" کا لفظ ہے ـ" کید ـ" کا معنی ہے : کسی کو خفیہ طریقہ سے ضرر پہنچانا، اس پر یہ اعتراض ہے کہ ابرھہ اور اس کا لشکر خفیہ طریقہ سے ضرر پہنچانے تو نہیں آئے تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے اس کو ـ" کید ـ" کیوں فرمایا، اس کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ انھوں نے علانیہ کہا تھا کہ وہ کعبہ کو گرانے آئے ہیں لیکن وہ دل میں کعبہ کی تعظیم اور اس کی پذیرائی سے جلتے تھے اور حسد کرتے تھے اور ان کی یہ خواہش تھی کہ جو تعظیم کعبہ کی جا رہی ہے، وہ ان کے بنائے ہوئے کلیسا کی کی جائے۔

فرمایا؛ اور ان پر پرندوں کے جھنڈ کے جھنڈ بھیج دیئے۔

"ابابیل" کا معنی:

اس آیت میں ـ" ابابیل ـ" کا لفظ ہے ـ" ابابیل ـ" کا معنی ہے : متفرق پرندے جو ساتھ مل کر اڑتے ہیں اور اڑنے میں ایک دوسرے کی پیروی کرتے ہیں۔ ابو عبدی نے کہا : اس کا معنی ہے : جماعات متفرقہ، اگر مختلف گھوڑے بھی جماتع کے ساتھ آئیں تو ان کو بھی ـ" ابابیل ـ" کہا جاتا ہے ـ" ابابیل ـ" کے واحد میں اختلاف ہے، بعض نے کہا : اس کا واحد نہیں آتا اور بعض نے کہا : اس کا واح ـ" ابول ـ" یا ـ" ابیل ـ" ہے حضرت ابن عباس نے فرمایا : جو پرندے جھنڈ بنا کر آئے تھے، ان کی سونڈ بھی تھی اور

ان کے پنجے بھی تھے، یہ پرندے سبز، زرد یا سیاہ رنگ کے تھے اور یہ سمندر کی جانب سے آئیت ہے، ان کے منہ اور پنجوں میں کنکر تھے۔ (جامع البیان جز ۳۰ ص ۳۸۲ معالم التنزیل ج ۵ ص ۳۰۸)

فرمایا : جو انھیں مٹی اور پتھر کی کنکریاں مار رہے تھے۔

"سجیل" کا معنی:

اس آیت میں ـ" سجیل ـ" کا لفظ ہے، حضرت ابن عباس (رض) نے فرمایا : ـ" سجیل ـ" کا لفظ فارسی میں سنگ وگل کا مجموعہ ہے، یعنی وہ کنکریاں مٹی کی بھی تھیں اور پتھر کی بھی تھیں۔ (جامع البیان رقم الحدیث ۲۹۳۹۸ :)

قتادہ نے کہا : یہ سفید رنگ کے پرندے تھے، جو سمندر کی طرف سے آئے تھے، ہر پرندہ کے ساتھ تین پتھر ہوتے تھے، وہ پتھر اس کے پنجوں میں تھے اور ایک پتھر اس کی چونچ میں تھا، جس کو بھی وہ کنکر لگتا تھا، اس کے جسم کے آر پار ہو جاتا تھا۔ (جامع البیان رقم الحدیث ۲۹۴۰۱ :)

حضرت ابن مسعود (رض) نے فرمایا : جس شخص کے کسی جانب وہ کنکر لگتا تو اس کے مقابل جانب سے نکل جاتا، اگر سر پر لگتا تو اس کی مقعد سے نکل جاتا ہے۔ (معالم التنزیل ج ۵ ص ۹)

فرمایا : سو انھیں کھائے ہوئے بھوسے کی طرح کر دیا۔

عصف کا معنی:

اس آیت میں "عصف" کا لفظ ہے، اس کا معنی ہے : بھوسا، بھوسی، چھلکا، کھیت کے پتے، وہ بھوسا جس کو ہمارے مویشیا ستعمال کرتے ہیں، پودے کے پتے جس کے اطراف میں ڈنٹھل ہوں اور اس ڈنٹھل کے اطراف میں پتے ہوں، جیسے خوشے کے اوپر پتے ہوتے ہیں، کھائے ہوئے پھل کا چھلکا، گندم، جو وغیرہ کے دانے سے جب چھلکا الگ کر لا جائے تو اس چھلکے کو بھوسا کہتے ہیں اور یہاں یہی مراد ہے۔ جانور جب بھوسے کو کھالیتا ہے تو وہ جگالی کر کے اس کو مزید پیستا ہے، مطلب یہ ہے کہ جس طرح جانور کا کھایا ہوا بھوسا بالکل ریزہ ریزہ ہوتا ہے، اس طرح کنکریاں لگنے کے بعد ان کے اجسام بالکل گل کر ریزہ ریزہ ہو گئے تھے۔

ترکیب نحوی وتحقیق صرفی:

اَلَمۡ تَرَ (اَ۔ لَمۡ تَرَ) اَ، ہمزہ استفہامیہ، کیا، لَمۡ تَرَ، فعل مضارع منفی جحد بلم واحد مذکر حاضر رَاٰی یَرٰی، مصدر رُؤۡیَۃٌ، دیکھنا، لَمۡ، کی وجہ سے ترجمہ، آپ نے نہیں دیکھا (کیا آپ نے نہیں دیکھا) کَیۡفَ، استفہامیہ (کیا) فَعَلَ، فعل ماضی واحد مذکر غائب فَعَلَ یَفۡعَلُ، مصدر فِعۡلًا، کرنا (اس نے کیا) رَبُّكَ (رَبُّ۔ كَ) رَبُّ، مضاف، رب، كَ، مضاف الیہ، ضمیر واحد مذکر حاضر، آپ کے (آپ کے رب نے) بِاَصۡحٰبِ الۡفِیۡلِ (بِ۔ اَصۡحٰبِ۔ الۡفِیۡلِ) بِ، حرف جار، کے ساتھ، اَصۡحٰبِ، مجرور، مضاف، والوں، واحد، صَاحِبٌ، اَلۡفِیۡلِ، مضاف الیہ، ہاتھی (ہاتھی والوں کے ساتھ) اَلَمۡ یَجۡعَلۡ (اَ۔ لَمۡ یَجۡعَلۡ) اَ، ہمزہ استفہامیہ، کیا، لَمۡ یَجۡعَلۡ، فعل مضارع منفی جحد بلم واحد مذکر غائب جَعَلَ یَجۡعَلُ، مصدر جَعۡلًا، کر دینا، بنانا، لَمۡ، کی وجہ سے ترجمہ، اس نے نہیں کر دیا (کیا اس نے نہیں کر دیا) کَیۡدَهُمۡ (کَیۡدَ۔ هُمۡ) کَیۡدَ، مضاف، چال، تدبیر، هُمۡ، مضاف الیہ، ضمیر جمع مذکر غائب، ان کی، (ان کی تدبیر کو) فِیۡ تَضۡلِیۡلٍ ۔ فِیۡ، حرف جار، میں، تَضۡلِیۡلٍ، مجرور، مصدر ہے، غلط، ناکام، اکارت، وَ، حرف عطف (اور) اَرۡسَلَ، فعل ماضی واحد مذکر غائب اَرۡسَلَ یُرۡسِلُ مصدر اِرۡسَالًا بھیجنا (اس نے بھیجے) عَلَیۡهِمۡ (عَلٰی۔ هِمۡ) عَلٰی، حرف جار، پر، هِمۡ، مجرور، ضمیر جمع مذکر غائب، ان (ان پر) طَیۡرًا اَبَابِیۡلَ، طَیۡرًا، پرندوں، واحد، جمع، مذکر، مونث، سب کیلئے آتا ہے، اَبَابِیۡلَ، طَیۡرًا، کی صفت، جھنڈ کے جھنڈ، پرے کے پرے، اس کی واحد نہیں ہے (پرندوں کے جھنڈ کے جھنڈ) تَرۡمِیۡهِمۡ (تَرۡمِیۡ۔ هِمۡ) تَرۡمِیۡ، فعل مضارع واحد مونث غائب رَمٰی یَرۡمِیۡ، مصدر رَمۡیًا، پھینکنا، فاعل طَیۡرًا، جمع ہے، اس لیے ترجمہ، وہ پھینکتے تھے، هِمۡ، ضمیر جمع مذکر غائب، ان (وہ ان پر پھینکتے تھے) بِحِجَارَۃٍ (بِ۔ حِجَارَۃٍ) بِ، حرف جار، ترجمہ کی ضرورت نہیں، حِجَارَۃٍ، مجرور، پتھروں، پتھریاں، واحد، حَجَرٌ (پتھریاں) مِّنۡ سِجِّیۡلٍ۔ مِنۡ، حرف جار، اصل ترجمہ "سے" ضرورتاً ترجمہ "کی" کیا جاتا ہے، سِجِّیۡلٍ

، مجرور، سنگ گل کا معرب ہے، پکی ہوئی مٹی، کھنگر، کنکر (کھنگر کی) فَجَعَلَهُمْ (فَ۔ جَعَلَ۔ هُمْ) فَ، حرف عطف، پھر، جَعَلَ، فعل ماضی واحد مذکر غائب جَعَلَ یَجْعَلُ، مصدر جعلًا، بنانا، کرنا، اس نے بنادیا، هُمْ، ضمیر جمع مذکر غائب، انہیں (پھر اس نے انہیں بنادیا) کَعَصْفٍ مَّأْكُولٍ (کَ۔ عَصْفٍ۔ مَأْكُولٍ) کَ، حرف جار و تشبیہ، مانند، کی طرح، جیسا، عَصْفٍ، مجرور، موصوف، بھس، بھوسہ، مَأْكُولٍ، صفت، اَکْلٌ، مصدر سے اسم مفعول واحد مذکر، کھایا ہوا (کھائے ہوئے بھوسہ کی طرح)۔

(الحمدللہ سورہ فیل مکمل ہوگئی)

[سورۃ قریش]

آیت ۱تا۴

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

لِاِيْلٰفِ قُرَيْشٍ (۱) اِيْلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّيْفِ (۲) فَلْيَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ (۳) الَّذِيْۤ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ (۴)

ترجمہ:

چونکہ قریش عادی ہوگئے ہیں۔(۱) یعنی وہ سردی اور گرمی کے موسموں میں (یمن اور شام کے) سفر کرنے کے عادی ہیں۔ (۲) تو اس لیے ان کو چاہیے کہ اس گھر (کعبہ) کے مالک کی عبادت کریں۔(۳) جس نے ان کو بھوک میں کھانا دیا اور خوف سے امن عطا فرمایا۔(۴)

کوائف:

اس سورت کا نام سورۃ قریش ہے۔ پہلی ہی آیت کریمہ میں قریش کا لفظ موجود ہے۔جس سے اس کا نام لیا گیا ہے۔ یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔اس سے پہلے اٹھائیس سورتیں نازل ہوچکی تھیں۔نزول کے اعتبار سے اس کا انتیسواں نمبر ہے۔ اس کا ایک رکوع اور چار آیتیں ہیں۔

ماقبل سے ربط:

گزشتہ سورت میں اہل مکہ پر خداوند عالم کے اس خاص انعام و کرم کا ذکر تھا کہ مکہ والوں کو اور بیت اللہ کو ابرہہ کے حملہ سے محفوظ رکھا، اور اہل مکہ کی یہ حفاظت تکوینی طور پر صرف اس بناء پر تھی کہ نبی آخر الزمان (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا ظہور قدسی ہونے والا تھا اب اس سورت میں اہل مکہ اور قریش پر مزید یہ انعام بیان کیا جارہا ہے کہ خدا تعالیٰ نے ان کے لیے سفر کی سہولتیں عطا فرمائی تھیں اور موسمی اختلافات کے لحاظ سے گرمیوں اور سردیوں میں ان کے دو سفر ہوتے تھے کیونکہ مکہ تو وادی غیر ذی زرع تھا وہاں نہ کوئی پیداوار تھی اور نہ کسی قسم کی صنعت تو وہاں کے لوگ تجارتی سفر کے محتاج تھے یمن گرم ملک تھا تو سردیوں میں اس طرف کا سفر کرتے اور شام سرد ملک ہے تو موسم گرما میں شام کا سفر کرتے ان دونوں جگہوں کے باشندے

قریش مکہ کا بڑا احترام کرتے تھے، اور ہر قسم کی خدمت کرتے اور ان کے جان و مال کی حفاظت کرتے اس خیال سے کہ یہ لوگ اہل حرم اور بیت اللہ کے نگران ہیں حالانکہ حرم کے چاروں طرف لوٹ کھسوٹ اور قتل و غارت گری کا بازار گرم تھا مگر قریش بڑے ہی سکون وچین سے اپنی زندگی گذارتے، اور جب تجارتی سفر کرتے خواہ یمن کی جانب، خواہ شام کی جانب تو ہر طرح محفوظ رہتے اور اعزاز و اکرام کیا جاتا۔ ان انعامات کو ذکر کرنے کی غرض یہی ہے کہ جس کعبہ اور رسول خدا کی برکت سے قریش پر اللہ کی یہ بیشمار نعمتیں ہیں، ان کو چاہیے کہ اس رسول پر ایمان لائیں، اور اس رب کی عبادت کریں جس نے ان تمام انعامات سے نوازا ہے۔

شانِ نزول؛

ام ہانی بنت ابی طالب سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے ارشاد فرمایا بیشک اللہ نے قریش کو سات چیزوں کے ساتھ فضیلت بخشی جو نہ ان سے پہلے کسی کو عطا فرمائیں اور نہ ان کے بعد کسی کو عطا فرمائے گا، خلافت، خانہ کعبہ کی دربانی، حاجیوں کو پانی پلانا اور نبوت قریش میں ہے ہاتھی والوں پر ان کی مدد کی گئی انھوں نے سات سال تک اللہ کی اس طرح عبادت کی کہ ان کے سوا (ان سات سالوں میں) کسی نے اس کی عبادت نہ کی اور ان کے بارے میں قرآن پاک کی ایک ایسی سورت نازل ہوئی جن میں ان کے سوا کسی کا ذکر نہیں۔

لِاِیْلٰفِ قُرَیْشٍ، قریش کے مانوس کرنے کے سبب، جاڑے اور گرمی کے سفر سے مانوس کرنے کے سبب لوگوں کو چاہیے کہ (اس نعمت کے شکر میں) اس گھر کے مالک کی عبادت کریں۔ (مستدرک 2۔536)

تفسیر؛

فرمایا؛ چونکہ قریش عادی ہو گئے ہیں، الخ

قریش کے لیے الفت؛

اسی موضوع کو اس سورۃ قریش میں آگے چلایا گیا ہے۔ فرمایا اصحاب فیل کی ذلت کی حکمت یہ تھی لایلف قریش تاکہ لوگوں کے دلوں میں قریش کے لیے الفت پیدا ہو جائے اندرون اور بیرون ملک جہاں بھی قریش تجارت کے لیے جاتے تھے۔ لوگ ان سے مانوس تھے اور ان کا ادب واحترام کرتے تھے۔ جب اللہ تعالیٰ نے انھیں اصحاب فیل سے محفوظ رکھا۔ بلکہ الٹا ان کو نیست و نابود کر دیا تو مشرق ومغرب میں قریش کو مزید عزت حاصل ہو گئی تو یہاں یہی بات بیان کی گئی ہے کہ ہاتھی والوں کو شکست فاش قریش کے لیے الفت پیدا کرنے کی غرض سے ہوئی تھی۔

بعض فرماتے ہیں کہ لایلف میں "لام" جار ہے اور اس کا تعلق فعل یا شبہ فعل سے ہوتا ہے۔ اس سے پہلا لفظ ماکول شبہ فعل یعنی مفعول ہے۔ لہذا "لام" کا تعلق ماکول سے قائم ہو گیا۔ تو مطلب یہ ہوا کہ اصحاب فیل کی پامالی قریش کی الفت کی خاطر ہوئی۔

بعض فرماتے ہیں کہ "لام " سے مراد ہے اعجبوا یا تعجبوا یعنی اے لوگو! تعجب کرو کہ اللہ تعالیٰ نے قریش کو کیسا مانوس بنا دیا۔ بعض کا خیال ہے کہ "لام " کا تعلق بعد میں آنے والے فعل فلیعبدوا کے ساتھ ہے۔ اگر یہ سمجھا جائے تو مطلب ہوگا کہ قریش کو چاہیے کہ وہ اس گھر کے رب کی عبادت کریں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسی گھر کی بدولت لوگوں کے دلوں میں ان کے لیے الفت ڈال دی تھی۔ انھیں کفر اور شرک والی عبادت نہیں کرنی چاہیے بلکہ خلاص اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنی چاہیے۔

جس نے ان کو خانہ کعبہ کی

بدولت عزت عطا کی۔

قریش کا شجرہ نسب

حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے سلسلہ نسب میں بارہویں نمبر پر ایک بزرگ نضر بن کنانہ آتے ہیں ان کی اولاد قریش کہلاتی ہے۔ یہ اصل لفظ قرشی ہے۔ مگر تصغیر کے طور پر قریش آتا ہے۔ کسی چیز کی تصغیر یا تو تحقیر کے لیے ہوتی ہے یا تقلیل کے لیے اور یا تعظیم کے لیے یہاں پر لفظ قریش کی تصغیر تعظیم کے لیے وارد ہوئی ہے۔ جس سے خاندان قریش کی عظمت کا اظہار مقصود ہے۔ اس خاندان کے آگے بہت سے قبائل اور شاخیں ہیں۔ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے جد امجد ہاشم قریش ہی کی شاخ میں سے ہیں۔

قریش کا پیشہ تجارت

ہاشم کے زمانے میں وادی مکہ ایک بے آب و گیاہ سرزمین تھی۔ خشک پہاڑوں کے درمیان گھری ہوئی اس وادی میں نہ پانی تھا اور نہ زراعت کا کوئی سامان مکی زندگی بڑی تلخ تھی۔ حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کو اسی وادی غیر ذی زرع میں اللہ کے محترم گھر کے پاس اپنی اولاد کو آباد کرنے کا حکم ہوا تھا جبھی تو انھوں نے کہا تھا۔ "ربنا انی اسکنت من ذریتی بواد غیر ذی زرع عند بیتک المحرم " تو یہ وادی غیر ذی زرع آج تک ویسی کی ویسی بے آب و گیاہ ہے۔

چونکہ قریش کی اقتصادی حالت ان دنوں سخت خراب تھی۔ ہاشم نے انھیں مشورہ دیا کہ انھیں تجارت کا پیشہ اختیار کرنا چاہیے۔ تجارت کے لیے ایک طرف یمن تھا اور دوسری طرف شام یہ دونوں قدیم زمانے سے تجارتی مرکز چلے آرہے تھے۔ یمن کا علاقہ گرم تھا۔ اس لیے موسم سرما میں قریش کا تجارتی رخ اس طرف ہوتا تھا۔ شام کا علاقہ ٹھنڈا اور سرسبز تھا۔ اس لیے گرمی کے زمانے میں وہ شام کا سفر اختیار کرتے تھے۔ عرض ہاشم کا مشورہ قبول کرکے قریش نے تجارت میں بڑا نام پیدا کیا۔ انھیں بڑا منافع ہونے لگا۔ اس زمانے میں ان کے ہاں یہ بڑی اچھی ریت (عادت) تھی کہ قریش کا کل منافع ہر امیر و غریب خاندان پر تقسیم کر دیا جاتا ہے۔ منافع کی مساوی تقسیم کی وجہ سے قریش میں خوشحالی کا دور دورہ شروع ہوگیا۔ سب سے زیادہ ضرورت اناج کی ہوتی ہے جو کہ انھیں جدہ کی قریبی منڈی سے دستیاب ہونے لگا۔ کیونکہ تبالہ یا حرج جیسے زرخیز علاقوں کی گندم کی پیداوار جدے کی منڈی میں آتی تھی۔ اس طرح قریش غلے جیسی بنیادی ضرورت سے بھی بے فکر ہوگئے۔ الغرض یمن

وشام کے سفر میں قریش کی پذیرائی کو الفھم رحلۃ الشتآء والصیف سے تعبیر کیا گیا ہے۔

قریش کا احترام:

عرب میں کوئی باقاعدہ حکومت نہیں تھی۔عرب قبائل بدوی زندگی بسر کرتے تھے تاہم قریش کو عزت واحترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔کیونکہ وہ بیت اللہ کے مجاور تھے عبدالمطلب کے زمانے میں اصحاب فیل کا واقعہ پیش آیا،جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے گھر کی

حفاظت چھوٹے چھوٹے پرندوں کے ذریعے معجزانہ طور پر کرائی۔اس واقعہ کی وجہ سے قریش کی عزت میں اوراضافہ ہوگیا۔ حتیٰ کہ یمن کے عیسائی بھی ان کے معتقد ہوگئے۔شام کا علاقہ بھی عیسائیوں کے قبضے میں تھا۔اصحاب فیل کے واقعہ سے وہ بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔چنانچہ وہ بھی قریش کی عزت اوراحترام کرنے لگے۔قریش کا قافلہ یا کوئی آدمی کہیں بھی جاتا تھا۔کوئی ان سے تعرض نہ کرتا تھا۔چور ڈاکو تک انھیں پیر، پیرزادے اور خدام کعبہ سمجھ کر نہایت عزت سے پیش آتے تھے۔ قریش کو اللہ تعالیٰ نے خاندانی طور پر شرافت بخشی تھی۔حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا ارشاد ہے ان اللہ عزوجل اصطفی کنانۃ من ولد اسماعیل (علیہ السلام) اللہ نے حضرت اسماعیل (علیہ السلام) کی اولاد میں سے کنانہ کو منتخب کیا۔کنانہ کی اولاد میں سے قریش کو۔قریش کی اولاد میں سے خاص طور پر بنی ہاشم کو منتخب فرمایا اور پھر ہاشم کے خاندان میں سے اللہ تعالیٰ نے مجھے منتخب فرمایا۔اسی طرح درجہ بدرجہ خاندانی طور پر فضیلت حاصل تھی۔

قریش کی قومیت پرستی:

قریش کی قدر ومنزلت بڑھ جانے کا ایک معکوس اثر یہ ہوا کہ قریش میں خود پسندی پیدا ہوگئی۔اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے دلوں میں ان کے لیے الفت پیدا کی تھی۔مگر وہ اسے اپنی خاندانی برتری پر محمول کرنے لگے،جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان میں قومیت پرستی پیدا ہوگئی۔وہ سمجھنے لگے کہ واقعی انھیں دنیا بھر کی قوموں پر برتری حاصل ہے۔اگرچہ انھیں حضرت اسماعیل (علیہ السلام) کی اولاد ہونے کا شرف حاصل تھا۔مگر ان میں قومیت پرستی کی فاسدانہ ذہنیت پیدا ہوگئی۔قریب قریب یہ وہی ذہنیت تھی جس کا ذکر گزشتہ سورۃ میں آچاک ہے۔اس مقام پر اللہ نے ملوکیت کی تردید فرمائی ہے اور سرمایہ پرستی کو مفسدانہ ذہنیت قرار دیا ہے۔جس طرح سرمایہ دار محض سرمایہ کو ہی اول وآخر سمجھتا ہے اور اسے گن گن کر رکھتا ہے۔لوگوں کے حقوق ضائع کرتا ہے۔ اسی طرح قوم پرست بھی قومی برتری کے احساس میں مبتلا ہوکر دوسروں کو حقیر سمجھنے لگتا ہے۔اللہ تعالیٰ نے ان دونوں چیزوں کا رد فرمایا ہے۔اصل چیز نہ سرمایہ ہے۔نہ قوم اور نہ خاندان، بلکہ فلاح کا دارومدار دین اور اخلاق پر ہے۔

قریش کو عبادت کی تلقین

اللہ تعالیٰ نے قریش کو قومیت پرستی کا علاج یہ تجویز فرمایا فلیعبدوا رب ھذا البیت اس گھر کے رب کی عبادت کرو۔یعنی قیومت پرستی کی بجائے خدا پرستی اختیار کرو اونچے خاندان میں پیش پر فخر نہیں کرنا چاہیے، بلکہ یہ تو انعام الٰہی ہے۔قابل فخر چیز

تو اللہ تعالیٰ کی عبودیت ہے۔ اسے اختیار کرنا چاہیے۔ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے خود اپنے متعلق فرمایا انا سید ولد آدم یوم القیمۃ ولا فخر میں نوع انسانی کا سردار ہوں مگر میں اس پر فخر نہیں کرتا۔ اسے انعام خداوندی سمجھتا ہوں۔ لہٰذا قریش کو ترغیب دی جارہی ہے کہ وہ اپنے پروردگار کی عبادت کریں۔ یہاں پر ربوبیت کی صفت بیان کی گئی ہے۔ جس سے قریش کو یاد دلانا مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دوسری قوموں کے مقابلے میں ان کی کس طرح پرورش کی اور درجہ کمال تک پہنچایا۔ اگر وہ اللہ کی عطا کی ہوئی نعمت پر فخر کرنے
لگیں اور قومیت پرستی کا شکار ہوجائیں، تو یہ مفسدانہ اور تباہ کن ذہنیت ہوگی قریش کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں۔ اسی طرح اگر کوئی پیر ہے یا مشائخ میں سے ہے۔ تو اس کو تکبر نہیں کرنا چاہیے۔ بلکہ اللہ کا شکریہ ادا کرنا چاہیے کہ اللہ نے اس کے لیے ایسے ذرائع پیدا کردیئے اور اسے اعلیٰ منصب پر فائز کیا۔

پیٹ کا مسئلہ:

جب اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کرنے کی قریش کو تلقین کی تو ان کو ساتھ یہ بھی یاد کرادیا کہ اسی رب کی عبادت کی طرف بلایا جا رہا ہے۔ الذی اطعمھم من جوع جس نے تمہیں بھوک میں کھانا بہم پہنچایا محض حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کی دعا کا اثر تھا۔ کہ قریش کو خوشحالی نصیب ہوئی۔ ورنہ مکہ جیسی غیر ذی زرع وادی میں روزی کے اسباب کہاں تھے اللہ کریم نے ایسے اسباب پیدا کردیئے جن کی وجہ سے انھیں ہر چیز میسر تھی اور آج بھی اور وہاں کے باشندوں کو فاقہ سے دوچار نہیں ہونا پڑتا۔

فرمایا؛ اور خوف سے امن عطا فرمایا۔

امن وامان کے فوائد:

پیٹ کا مسئلہ اور امن وامان کا مسئلہ ساری دنیا کے لیے اہم مسائل ہیں۔ جہاں امن دامان ہوگا۔ وہاں صنعت وتجارت بھی ہوگی۔ ورنہ نہ کوئی کارخانہ چلے گا، نہ تجارت ہوگی، نہ کسی کی جان محفوظ ہوگی نہ مال۔ امن کے بغیر نہ عبادت دلجمعی کے ساتھ ہو سکتی ہے۔ نہ حج کا سفر اختیار کیا جاسکتا ہے۔ لہٰذا امن کو دنیا میں بڑی اہم حیثیت حاصل ہے جو حکومت امن وامان میں غفلت برتے گی، لوگوں کی اقتصادی حالت کی طرف توجہ نہیں دے گی اور اپنے تعیش میں لگی رہے گی، اس کے لیے مشکلات پیدا ہوجائیں گی۔ ہمارے ملک میں امن وامان کا مسئلہ ہمیشہ توجہ طلب رہا ہے۔ روزمرہ کے واقعات سامنے ہیں نہ کسی کی جان محفوظ ہے۔ نہ آبرو۔ الغرض پوری دنیا کے لیے امن وامان اور معیشت کے مسائل بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔ (معالم العرفان)

ترکیب نحوی وتحقیق صرفی:

لِاِیْلٰفِ قُرَیْشٍ (لِ۔ اِیْلٰفِ۔ قُرَیْشٍ) لِ، لام تعلیل، کسی کام کی علت بیان کرنے کیلئے کے سبب، وجہ سے، اِیْلٰفِ، مضاف، مصدر رہے، مانوس کرنا، الفت دلانا، قُرَیْشٍ، مضاف الیہ، قریش (قریش کو مانوس کرنے کی وجہ سے) اٖلٰفِھِمْ (اِلٰفِ۔ ھِمْ) اِلٰفِ، مصدر، مضاف، مانوس کرنا، الفت

ولانا، ہمْ، مضاف الیہ، ضمیر جمع مذکر غائب، انہیں (انہیں مانوس کرنا) رِحْلَةَ الشِّتَآءِ (رِحْلَةَ۔ الشِّتَآءِ) رِحْلَةَ، مضاف، رَحَلَ یَرْحَلُ، کا مصدر، سفر کرنا، سفر، الشِّتَآءِ، مضاف الیہ، سردی کے، موسم سرما کے (موسم سرما کے سفر) وَ، حرف عطف (اور) الصَّیْفِ۔ صَافَ یَصِیْفُ، کا مصدر ہے، شِتَآءِ، کی ضد، گرمی کے موسم میں کسی مقام پر قیام کیلئے آتا ہے، اور گرمی کے موسم کیلئے بطور اسم بھی مستعمل ہے، گرمی (موسم گرما) فَلْیَعْبُدُوْا (فَ۔ لْ۔ یَعْبُدُوْا) فَ، حرف عطف، تو، لْ، لام امر، چاہیے کہ، یَعْبُدُوْا، فعل مضارع جمع مذکر غائب عَبَدَ یَعْبُدُ، مصدر عِبَادَةٌ، عبادت کرنا، وہ عبادت کریں (پس چاہیے کہ وہ عبادت کریں) رَبَّ ہٰذَا الْبَیْتِ (رَبَّ۔ ہٰذَا۔ الْبَیْتِ) رَبَّ، مضاف، رب، پروردگار، ہٰذَا الْبَیْتِ، مضاف الیہ، ھٰذَا، اسم اشارہ واحد مذکر قریب، یہ، اس، الْبَیْتِ، مشار الیہ، گھر (اس گھر کے رب کی) الَّذِیْٓ، اسم موصول واحد مذکر (وہ جس نے) اَطْعَمَہُمْ (اَطْعَمَ۔ ہُمْ) اَطْعَمَ، فعل ماضی واحد مذکر غائب اَطْعَمَ یُطْعِمُ، مصدر اِطْعَامٌ، کھانا دینا، اس نے کھانا دیا، ہُمْ، ضمیر جمع مذکر غائب، انہیں (اس نے انہیں کھانا دیا) مِّنْ جُوْعٍ (مِنْ۔ جُوْعٍ) مِنْ، حرف جار، بمعنی فِیْ، میں، جُوْعٍ، مجرور، بھوک (بھوک میں) وَّاٰمَنَہُمْ مِّنْ خَوْفٍ (رح) ۴۰۰ اور اس نے انہیں (دشمن کے) خوف سے امن دیا۔ وَ، حرف عطف (اور) اٰمَنَہُمْ (اٰمَنَ۔ ہُمْ) اٰمَنَ، فعل ماضی واحد مذکر غائب اٰمَنَ یُؤْمِنُ، مصدر اِیْمَانًا ایمان لانا، امن دینا، اس نے امن دیا، ہُمْ، ضمیر جمع مذکر غائب، انہیں (اس نے انہیں امن دیا) مِّنْ خَوْفٍ (مِنْ۔ خَوْفٍ) مِنْ، حرف جار، سے، خَوْفٍ، مجرور۔

(سورہ قریش مکمل ہوگئی)

[سورۃ الماعون]

آیت ۱تا۷

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَرَءَیْتَ الَّذِیْ یُکَذِّبُ بِالدِّیْنِ (۱) فَذٰلِکَ الَّذِیْ یَدُعُّ الْیَتِیْمَ (۲) وَلَا یَحُضُّ عَلٰی طَعَامِ الْمِسْکِیْنِ (۳) فَوَیْلٌ لِّلْمُصَلِّیْنَ (۴) الَّذِیْنَ ہُمْ عَنْ صَلَاتِہِمْ سَاہُوْنَ (۵) الَّذِیْنَ ہُمْ یُرَآءُوْنَ (۶) وَیَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ (۷)

ترجمہ:

کیا تم نے اسے دیکھا جو جزاء وسزا کو جھٹلاتا ہے؟ (۱) یہ وہی ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے۔ (۲) اور مسکین کو کھانا دینے کی ترغیب نہیں دیتا، (۳) تو ایسے نماز پڑھنے والوں کے لیے تباہی ہے۔ (۴) جو اپنی نمازوں سے غافل ہیں (۵) جو ریاکاری کرتے ہیں۔ (۶) اور دوسروں کو معمولی چیز دینے سے بھی انکار کرتے ہیں۔ (۷)

کوائف:

اس سورت کا نام سورۃ الماعون ہے۔ آخری آیت کریمہ میں ماعون کا لفظ موجود ہے۔ جس سے اس کا نام رکھا گیا ہے۔ اس سے پہلے سولہ سورتیں نازل ہو چکی تھیں۔ نزول کے اعتبار سے اس کا سترہواں نمبر ہے۔ اس کا ایک رکوع اور سات آیتیں ہیں۔

ما قبل سے ربط؛

اس سورت کا پہلی سورت سے ربط ظاہر ہے، وہاں قریش پر خاص انعامات کا ذکر تھا، اور انعامات کو یاد دلا کر ان کو رب البیت کی بندگی کی دعوت دی گئی تھی، تو اس سورت میں قریش کے وہ امراض روحانیہ بیان کیے جا رہے ہیں جو ان کیلئے دین ودنیا کی سعادت سے محرومی کا باعث بنے،

شان نزول؛

مقاتل اور کلبی کہتے ہیں کہ یہ سورت عاص بن وائل سھمی کے بارے میں نازل ہوئی (تفسیر بغوی 4_531،

ابن جریج کہتے ہیں کہ ابوسفیان بن حرب ہر ہفتے دو اونٹ نحر کرتا اس کے پاس کوئی یتیم آتا اور کچھ مانگتا تو یہ اسے لاٹھی سے بھگا تا اس کے بارے میں اللہ نے یہ آیات نازل فرمائیں۔ اَرَءَیْتَ الَّذِیْ یُکَذِّبُ بِالدِّیْنِ ،فَذٰلِکَ الَّذِیْ یَدُعُّ الْیَتِیْمَ) ترجمہ۔ بھلا تم نے اس شخص کو دیکھا جو (روز) جزا کو جھٹلاتا ہے۔ یہ وہی ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے (نیسابوری 375، قرطبی 20_210،تفسیر ابن کثیر 4_554)

تفسیر؛

فرمایا؛ کیا تم نے اسے دیکھا جو جزاء وسزا کو جھٹلاتا ہے؟ الخ

الدین سے کیا مراد ہے؟

علماء مفسرین نے فرمایا ہے کہ ”الدین“ سے مراد انصاف کا دن یعنی قیامت کا دن ہے۔بعض نے فرمایا ہے کہ اس سے مراد ملت اسلامیہ اور دین اسلام ہے۔ بہر حال قیامت کے دن اور ملت اسلامیہ کے سچے اصولوں کو جھٹلانے والوں کا یہی مزاج ہوسکتا ہے کہ وہ ایک غریب اور یتیم کے ساتھ حسن سلوک اور مشفقانہ برتاؤ کرنے کے بجائے اس کو ذلیل وخوار کرتے ہیں اور اس کو خود بھی دھکے دیتے ہیں اور ہر شخص کے سامنے اس کو اس قدر نیچا اور ذلیل کر دیتے ہیں کہ ہر شخص اس کو دھکے دے کر اپنے قریب نہ بیٹھنے دے۔ ایسا شخص نہ تو خود ضرورت مندوں کی مدد کرتا ہے اور نہ دوسروں کو اس راستے پر چلنے کی تلقین کرتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ مجبوروں، غریبوں اور یتیموں کے ساتھ وہ شخص سنگ دلی کا مظاہرہ کرسکتا ہے جس کو اس بات کا یقین ہی نہ ہو کہ اسے بھی ایک دن مر کر اللہ کے سامنے حاضر ہونا ہے اور لمحے لمحے کا حساب دینا ہے۔جس کو آخرت، قیامت اور ملت اسلامیہ کے اصولوں کا لحاظ نہیں ہوتا وہی نمازوں میں سستی کاہلی کرتا ہے۔ اس کا کوئی کام اللہ کی رضا وخوشنودی کے لیے نہیں ہوتا بلکہ سستی شہرت اور وقت واہ واہ کے لیے ہوتا ہے تا کہ ہر شخص اس کی دریا دلی کا قائل ہوجائے۔ وہ زکوۃ تو کیا ادا کرے گا اپنے پڑوسیوں کو وہ معمولی چیزیں دینے سے بھی کنجوسی کرے گا جس کے دینے میں اس کا کوئی نقصان نہیں ہے یعنی وہ برتنے کی معمولی چیزوں سے بھی انکار کردے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ آخرت پر یقین ہی سے انسان کی مزاج، عقیدہ اور ذہن

میں تبدیلی آسکتی ہے۔جس کو قیامت کا یقین ہی نہ ہو اور آخرت کی گرفت اور پکڑ کرا نکار کرتا ہے اس میں انسانیت کی بھلائی اور محبت کے جذبے کے بجائے سنگ دلی کا مزاج پیدا ہو جاتا اور آخرت کی گرفت اور پکڑ کا انکار کرتا ہے اس میں انسانیت کی بھلائی اور محبت کے جذبے کے تحت کرتا ہے کہ اس کے حسن سلوک سے خود اس کو کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے۔

فرمایا؛وہ یتیم کو دھکے دیتا ہے۔

اصل میں جس کے سر سے باپ کا سایہ اٹھ جائے وہ بچہ اس بات کا مستحق ہوتا ہے کہ پورا معاشرہ اور اس کا ہر فرد ایسے بچوں کے ساتھ بہترین حسن سلوک اور اچھا معاملہ کے کیونکہ ملت کا ہر فرد پوری توجہ کا حق دار ہوتا ہے۔اگر یتیم بچوں کو ویسے ہی چھوڑ دیا جائے گا اور اس ان کے اخلاق و کردار کی نگرانی نہیں کی جائے تو ہوسکتا ہے کہ یہی بچے کلپورے معاشرے کی تباہی کا سبب بن جائیں۔لیکن اس کی فکر صرف ان لوگوں کو ہوتی ہے جنہیں اپنے دین اور اپنی ملت سے محبت ہوتی ہے جو لوگ صرف اپنی ذات ہی میں گم رہتے ہوں ان کو صرف اپنی ذات کی فکر ہوتی ہے ان کی نظر قوم کے بچوں پر نہیں ہوتی۔

فرمایا؛وہ مسکین کے کھانے پر آمادہ نہیں کرتا؛

یعنی نہ تو خود اس کو اس بات کی توفیق ہوتی ہے کہ وہ بھوکوں اور فاقہ زدہ لوگوں کی امداد و اعانت کرے نہ اپنے گھر والوں اور دوست احباب کو اس کی طرف متوجہ کرتا ہے کہ وہ غریبوں اور مسکینوں کا خیال رکھیں۔فکر آخرت سے بے نیاز یہ شخص فضولیات میں تو ہزاروں کی رقم خرچ کردے گا لیکن کسی مسکین،محتاج اور فرق فاہ سے بے حال شخص کے حال پر رحم نہیں کرے گا۔اس کے برخلاف ہر وہ شخص جس کو اللہ و رول کے احکامات کا لحاظ ہو گا وہ خود بھی کھائے گا اور اس بات کا بھی خیال رکھے گا کہ اس کے پڑوسی یا رشتہ دار میں کوئی بھوکا تو نہیں ہے۔

فرمایا؛ان لوگوں کے لیے بڑی خرابی ہے جو نمازوں سے غفلت اختیار کرتے ہیں۔

نماز سے غافل ہونے کا مطلب؛

مراد یہ ہے کہ نمازوں سے اس درجہ غفلت اختیار کرتے ہیں کہ نہ تو ان کو اس بات کا احساس ہوتا ہے کہ وہ کس عالی شان دربار میں حاضر ہیں۔نہ خشوع وخضوع کا خیال رکھتے ہیں نہ وقت کی پابندی کا۔کبھی نماز پڑھ لی کبھی نہ پڑھی۔نماز پڑھی تو دو چار ٹھونگیں مارلیں۔قرآن کریم اور احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک مومن اور منافق کی نماز میں بہت فرق ہے۔مومن کی نماز میں اللہ کی عبادت و بندگی کو پورا پورا خیال ہوتا ہے۔وقت کے اندر وہ نماز کو ادا کرتا ہے۔نماز کے پورے آداب اور اصولوں کی پابندی کرتا ہے وہ یہ سمجھتا ہے کہ اللہ کی توفیق سے آج وہ اپنے اللہ کے عالی شان دربار میں حاضر ہے۔وہ فکر آخرت کو سامنے رکھ کر نماز کو پڑھتا ہے۔کسی طرح کی سستی،کاہلی اور دکھاوا نہیں کرتا۔اس کے برخلاف منافق کی نماز کے لیے فرمایا گیا ہے کہ وہ جب بھی دنیا کو دکھانے کے لیے نماز پڑھتا ہے تو اس میں ذوق وشوق کے بجائے کاہلی،سستی اور اکتاہٹ کا انداز نمایاں ہوتا ہے۔نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کہ منافق آدمی کا یہ حال ہوتا ہے کہ عصر کے وقت بیٹھا

سورج کو دیکھتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ جب سورج شیطان کے دوسینگوں کے درمیان پہنچ جاتا ہے (یعنی سورج ڈوبنے لگتا ہے تو) تو اٹھ کر (مرغے کی طرح) دو چار ٹھونگیں مار لیتا ہے۔جس میں وہ اللہ کا ذکر بہت کم کرتا ہے۔ (بخاری۔مسلم۔مسند احمد)۔

حضرت ابن ابی وقاص (رض) سے ان کے صاجزادے حضرت مصعب ابن سعد روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے ان لوگوں کے بارے میں پوچھا جو نماز میں غفلت کرتے ہیں۔آپ نے فرمایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو نماز کا وقت ٹال کر پڑھتے ہیں۔(ابن جریر۔بیہقی)۔

اسی طرح حضرت مصعب (رض) کی ایک دوسری روایت بھی ہے کہ انھوں نے اپنے والد سے پوچھا کہ آپ نے اس آیت پر غور کیا؟ کیا اس کا مطلب نماز کو چھوڑ دینا ہے؟ یا اسے مراد نماز پڑھتے ہوئے آدمی کا خیال ادھر ادھر چلا جاتا ہے۔ اور کیا ہم میں سے ایسا کوئی شخص بھی ہے جس کا خیال ادھر ادھر نہ بھٹک جاتا ہو؟ آپ نے جواب دیا کہ اس سے مراد نماز کے وقت کو ضائع کرنا اور اسے وقت سے ٹال کر پڑھنا ہے۔(ابن جریر۔بیہقی)۔

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں فی صلاتھم ساھون نہی فرمایا بلکہ عن صلاتھم ساھون فرمایا۔یعنی وہ لوگ جو نمازوں سے غفلت اختیار کتے ہیں۔پڑھی نہ پڑھی۔پڑھی تو وقت ٹال کر پڑھی،اوپر سے دل سے اکتاہٹ کے ساتھ پڑھی اور پھر اس نماز میں بھی پورا دھیان نماز کی طرف نہیں بلکہ اپنے وجود اور کپڑوں سے کھیلنے میں گزر جاتا ہے۔

ساھون کی وضاحت اس حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ ایک مرتبہ کسی نے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے عرض کیا۔ ساھون کیا ہے؟ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا اضاعۃ الوقت۔یعنی نماز کے وقت کو ضائع کرنا۔یا وہ منافق مراد ہیں جو نماز پڑھتے ہیں لیکن اس کی طرف توجہ نہیں دیتے اور غفلت میں مبتلا رہتے ہیں۔نمازوں کی پروانہیں کرتے۔اگر نماز جاتی رہے تو اس پر وہ ندامت تک کا اظہار نہیں کرتے۔رکوع اور سجدوں کے آداب کا خیال نہیں کرتے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں نمازوں کو پوری طرح ادا کرنے اور ان کے آداب کا لحاظ رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین

فرمایا؛ وہ لوگ جو ریا کاری کرتے ہیں۔

ریاکاری کا وبال؛

اصل میں مومن کے ہر کام میں ایک اخلاص ہوتا ہے۔اس کے پیش نظر ایک ہی جذبہ ہوتا ہے کہ وہ ایسے کام کرے جس سے اللہ راضی ہوجائے اور اس کی رضا خوشنودی حاصل ہوجائے۔لیکن منافق کی پہچان یہ ہے کہ اس کا ہر کام دنیا کو دکھانے،نمود ونمائش اور ریا کاری کے لیے ہوتا ہے۔دراصل دکھوائے اور ریاکاری کا عمل انسان کی ذہنی اور قلبی بیماری کا دوسرا نام ہے۔وہ ہر وقت اسی فکر میں رہتا ہے کہ لوگ اس کے حسن عمل کو دیکھیں اور اس کی تعریف کریں۔اللہ تعالیٰ ہمیں ریاکاری کے اس بدترین جذبے سے محفوظ رکھے اور ہر وہ کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے جس سے اللہ کی رضا وخوشنودی حاصل ہوسکے۔

فرمایا؛اور دوسروں کو معمولی چیز دینے سے بھی انکار کرتے ہیں۔

بخل اور بخیل کی مذمت؛

وہ عام استعمال کی چیزیں جیسے نمک، مرچ، مصالحہ، دیا سلائی آگ اور کھانے پینے کی معمولی چیزیں جن کی عام طور پر ضرورت پڑتی رہتی ہے ریاکاری کرنے والوں کا یہ حال ہوتا ہے کہ وہ ایسی معمولی چیزوں کے دینے سے بھی کنجوسی اور بخل کا مظاہرہ کرتے ہیں جن کے دیدینے سے اس کا کوئی خاص نقصان نہیں ہوتا۔ مثلاً پڑوس میں ایک خاتون کھانا پکار رہی ہیں۔ ان کے پاس سب کچھ ہے مگر نمک ختم ہوگیا یا مرچ مصالحہ ختم ہوگیا۔ اس کے پاس کوئی ایسا ذریعہ بھی نہیں ہے کہ وہ فوری طور پر منگوا سکے اس حالت میں اگر وہ ان معمولی چیزوں میں سے کسی چیز کو مانگ لے تو یہ نہ تو کوئی عیب ہے اور نہ ان چیزوں کے دینے میں کسی قسم کا نقصان ہے۔ اصل میں اللہ یہ فرمارہے ہیں کہ جس کا آخرت پر یقین کامل ہوتا ہے وہ کبھی ایسی گری ہوئی حرکتیں نہیں کرسکتا کیونکہ ہماری اخلاقی زندگی میں فکر آخرت ایک فیصلہ کن طاقت کا نام ہے۔

ترکیب نحوی وتحقیق صرفی؛

اَرَءَیْتَ (اَ۔ رَءَیْتَ) اَ، ہمزہ استفہامیہ، تعجب کیلئے، کیا، رَءَیْتَ، فعل ماضی واحد مذکر حاضر رَاٰی یَرٰی، مصدر رُؤیَۃٌ، دیکھنا، آپ نے دیکھا (کیا آپ نے دیکھا) اَلَّذِیْ، اسم موصول واحد مذکر (اس کو جو) یُکَذِّبُ، فعل مضارع واحد مذکر غائب کَذَّبَ یُکَذِّبُ، مصدر تَکْذِیْبٌ، جھٹلانا (وہ جھٹلاتا ہے) بِالدِّیْنِ (بِ۔ اَلدِّیْنِ) بِ، حرف جار، کو، اَلدِّیْنِ، مجرور، جزا، دین، شریعت، اطاعت کرنا ((روز) جزا کو) فَذٰلِکَ (فَ۔ ذٰلِکَ) فَ، حرف عطف، تو، ذٰلِکَ، اسم اشارہ واحد مذکر بعید، وہی (تو وہی) اَلَّذِیْ، اسم موصول واحد مذکر (جو) یَدُعُّ، فعل مضارع واحد مذکر غائب دَعَّ یَدُعُّ، مصدر دَعًّا، دھکے دینا (وہ دھکے دیتا ہے) اَلْیَتِیْمَ، یتیم (یتیم کو) وَ، حرف عطف (اور) لَایَحُضُّ، فعل مضارع منفی واحد مذکر غائب حَضَّ یَحُضُّ، مصدر حَضًّا، ترغیب دینا، آمادہ کرنا (وہ ترغیب نہیں دیتا) عَلٰی طَعَامِ الْمِسْکِیْنِ (عَلٰی۔ طَعَامِ۔ اَلْمِسْکِیْنِ) عَلٰی، حرف جار، پر، طَعَامِ، مجرور، مضاف، مصدر، کھانا کھلانا، اَلْمِسْکِیْنِ، مضاف الیہ، مسکین، محتاج (مسکین کو کھانا کھلانے پر) فَوَیْلٌ (فَ۔ وَیْلٌ) فَ، حرف عطف، پس، وَیْلٌ، اسم مرفوع، ہلاکت، رسوائی، تباہی (پس ہلاکت ہے) لِّلْمُصَلِّیْنَ (لِ۔ اَلْمُصَلِّیْنَ) لِ، حرف جار، کیلئے، اَلْمُصَلِّیْنَ، مجرور، تَصْلِیَۃٌ مصدر سے اسم فاعل جمع مذکر، نماز پڑھنے والے، نمازیوں، واحد، مُصَلِّیْ (نمازیوں کیلئے) اَلَّذِیْنَ، اسم موصول جمع مذکر (جو) ہُمْ، ضمیر جمع مذکر غائب (وہ) عَنْ صَلَاتِہِمْ (عَنْ۔ صَلَاۃِ۔ ہِمْ) عَنْ، حرف جار، سے، صَلَاۃِ، مجرور، مضاف، نماز، ہِمْ، مضاف الیہ، ضمیر جمع مذکر غائب، اپنی (اپنی نماز سے) سَاہُوْنَ۔ سَہْوًا، مصدر سے اسم فاعل جمع مذکر (غافل، غفلت کرنے والے) اَلَّذِیْنَ، اسم موصول جمع مذکر (جو) ہُمْ، ضمیر جمع مذکر غائب (وہ) یُرَآءُوْنَ، فعل مضارع جمع مذکر غائب رَآءٰی یُرَآءِیْ، مصدر مُرَآءَۃٌ نمائش کرنا، ریاکاری کرنا، دکھلاوا کرنا (وہ ریاکاری کرتے ہیں) وَ، حرف عطف (اور) یَمْنَعُوْنَ، فعل مضارع جمع مذکر غائب مَنَعَ یَمْنَعُ، مصدر مَنْعٌ، منع کرنا، روکنا، کسی کو کسی چیز کے دینے سے انکار کرنا، مانگے نہ دینا، مانگتے پر نہ دینا، دینے سے گریز کرنا (وہ مانگنے پر نہیں دیتے ہیں) اَلْمَاعُوْنَ، عام استعمال کی معمولی چیزیں، زکوٰۃ۔

(الحمدللہ سورہ ماعون مکمل ہوگئی؛)

[سورۃ الکوثر]

آیت ۱تا۳

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

إِنَّآ أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ (۱) فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ (۲) إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ (۳)

ترجمہ:

بے شک ہم نے آپ کو کوثر عطا فرمائی ہے۔(۱) تو آپ اپنے پروردگار کے لیے نماز پڑھا کیجئے اور قربانی کیا کیجئے۔ (۲) یقیناً آپ کا دشمن ہی بے نام ونشان رہے گا۔(۳)

کوائف:

اس سورت کا نام سورۃ الکوثر ہے۔ پہلی ہی آیت کریمہ میں کوثر کالفظ موجود ہے۔جس سے اس کا نام لیا گیا ہے۔ نازل ہونے کے اعتبار سے اس کا پندرھواں نمبر ہے۔ اس سے پہلے چودہ سورتیں نازل ہو چکی تھیں۔اس کا ایک رکوع اور تین آیتیں ہیں۔

ماقبل سے ربط:

سورۃ ماعون میں حکمت اعتقادیہ عملیہ کے جملہ اقسام کا ذکر فرمایا گیا تھا اور اس کے ساتھ انسانی زندگی کے جو اعمال واخلاق باعث عیب ہیں ان کی مذمت بھی کردی گئی تھی تو اب اس سورت میں خیر کثیر کا ذکر ہے،جس کے باعث انسانی حیات عظمت وبلندی کے مقام تک پہنچتی ہے اور اس خیر کثیر کی شاخیں اور نہریں اس طرح پھیل جاتی ہیں کہ قیامت تک نسل انسانی ان کے ذریعہ ہر قسم کی سیرابی اور شادابی حاصل کرتی رہے اور اس پر پھل وپھول لگے رہیں۔

شان نزول:

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ یہ آیت عاص بن وائل کے بارے میں نازل ہوئی اس نے رسول اللہ کو مسجد سے نکلتے دیکھا یہ مسجد میں داخل ہو رہا تھا، دونوں کی ملاقات ہوئی دونوں نے آپس میں کچھ بات چیت کی اس وقت مسجد میں کچھ سرداران قریش بھی تھے جب یہ مسجد میں داخل ہوا تو انھوں نے کہا تو کس شخص سے بات چیت کر رہا تھا اس نے کہا یہ یعنی نبی ابتر سے اس سے پہلے رسول اللہ کے حضرت خدیجہ سے پیدا ہونے والے صاحبزادے حضرت عبداللہ وفات پا گئے تھے اور یہ لوگ جس کا کوئی بیٹا نہ ہوا ہو اسے ابتر کہتے تھے اس موقع پر اللہ نے یہ سورت نازل فرمائی، یزید بن رومان بیان کرتے ہیں کہ عاص بن وائل جب بھی رسول اللہ کا ذکر کرتا تو کہتا اسے چھوڑ دو تو یہ تو ابتر ہے اس کا کوئی بیٹا نہیں جب یہ ہلاک ہو جائے گا اس کا ذکر بھی ختم کر دیا جائے گا اور تمھیں اس سے سکون مل جائے گا اس بارے میں اللہ نے یہ سورت نازل فرمائی، اِنَّآ اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ۔ الی آخر السورۃ۔ (تفسیر قرطبی 20۔222،تفسیر بغوی 4)

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ عاص بن وائل حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس سے گزرتا اور کہتا کہ میں تجھ سے دشمنی رکھتا ہوں اور تو اولاد سے محروم آدمی ہے تو اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ۔ بیشک تمہارا دشمن ہی دنیا و آخرت کی بھلائی سے محروم ہوگا۔ (نیسابوری 377، تفسیر طبری 30_212، ابن کثیر 4_559)

تفسیر؛

فرمایا؛ بے شک ہم نے آپ کو کوثر عطا فرمائی ہے، الخ

کوثر خیر کثیر؛

کوثر سے مراد حوض کوثر ہے۔ جو اللہ تعالیٰ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو قیامت کے دن عطا فرمائیں گے۔ آپ کی امت کا جو مومن اس حوض پر پہنچ جائے گا۔ اسے اس سے پینا نصیب ہوگا۔ جس کی وجہ سے اسے ہمیشہ کے لیے راحت اور سرور حاصل ہو جائے گا۔ یقینی طور پر کوثر، کثیر کے مادے سے ہے جس کا معنی خیر کثیر ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عباس فرماتے ہیں۔ کہ کوثر کا معنی ہے الخیر الکثیر یعنی بہت زیادہ بھلائی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو جسمانی اولاد بھی عطا فرمائی۔ اگرچہ آپ کے بیٹے نہیں ہیں، مگر بیٹیاں تو ہیں اور یہ اولاد پوری دنیا میں پھیلی ہوئی ہے۔ آپ نے حضرت امام حسین کی طرف اشارہ کر کے فرمایا تھا۔ کہ حسین سبط من الاسباط ہیں۔ یعنی آپ قبیلوں میں سے ایک بڑا قبیلہ ہیں اللہ تعالیٰ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اولاد کو اس قدر کثرت سے پھیلائیگا۔ اور معنوی اولاد یعنی آپ پر ایمان رکھنے والوں کا اندازہ نہیں ہوسکتا کہ ان کی تعداد دنیا میں کتنی ہے۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کے علم میں ہی ہے۔ خود حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کہ قیامت والے دن سب سے زیادہ پیروکار میرے ہوں گے جنت میں داخل ہونے والے لوگوں میں بھی تمام نبیوں سے حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی امتیوں کی تعداد زیادہ ہوگی۔ یہ آپ کے معنوی اولاد ہے۔ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا آل محمد کل تقی۔ ہر مومن متقی میری آل میں شامل ہے (حدیث ضعیف) گویا آپ کی معنوی اولاد شمار سے باہر ہے۔ اتنی کسی دوسرے نبی کو نصیب نہیں ہوگی۔

قرآن کریم خیر کثیر ہے؛

شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم بھی کوثر یعنی خیر کثیر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو قرآن کریم جیسی دولت عطا کی۔ اس میں حکمت کا مکمل کورس بیان کیا گیا ہے۔ دوسرے مقام پر قرآن پاک میں موجود ہے۔ "ومن یوت الحکمۃ فقد اوتی خیراً کثیراً جس کو حکمت دی گئی اس کو خیر کثیر دیا گیا۔ یعنی بہت زیادہ بھلائی دی گئی۔

قرآن پاک ایسا خیر کثیر ہے۔ کہ اس قرآن پاک کا فیض نسلاً بعد نسل اور طبقا بعد طبق دنیا میں پھیلتا رہے گا۔ شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں جو آدمی دنیا میں جس قدر قرآن کریم سے فیضیاب ہوگا۔ اسی نسبت سے اس کو حوض کوثر پر پانی نصیب ہوگا۔ لہٰذا تمام اہل بیان کو قرآن کریم کی اشاعت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا چاہیے۔

اس کے علاوہ علوم وفنون، سلطنت، خزانے اور نماز کو بھی خیر کثیر میں شامل کیا گیا ہے یہ تمام چیزیں خیر کثیر کے تحت آتی ہیں

اورسب سے بڑھ کر قرآن پاک ہے۔ جو شخص اس پر ایمان رکھے گا۔ اسے خدا کا کلام تسلیم کرے گا۔ اس کا فرض ہے کہ وہ اس کی اشاعت میں حصہ لے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام ہے۔ باقی چیزیں قرآن پاک کے مقابلے میں وقیع نہیں ہیں۔ ان سب چیزوں پر قرآن پاک کو ہی فوقیت حاصل ہے۔

فرمایا؛ تو آپ اپنے پروردگار کے لیے نماز پڑھا کیجئے اور قربانی کیا کیجئے۔

فلاح کے دو اصول نماز و قربانی؛

اس شکر کے مقام پر اللہ تعالیٰ نے دو چیزیں بیان فرمائی ہیں۔ یعنی نماز پڑھو، اور قربانی کرو۔ یہ دو عظیم اصول بیان فرمائے۔

نماز تعلق مع اللہ کا ذریعہ ہے؛

پہلا اصول یہ بیان فرمایا فصل لربک اپنے رب کے لیے نماز پڑھیں۔ نماز اللہ تعالیٰ کی رضا کا سب سے اہم ذریعہ اور عبادات میں سب سے اہم عبادت ہے۔ اس کے ذریعے انسان کا تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ استوار ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضری ہے۔ تعلق باللہ کا یہ بہترین ذریعہ ہے۔ اگر تعلق باللہ درست ہوگا۔ تو باقی نظام بھی درست ہوں گے اور اگر یہی بگڑا ہوگا تو پھر کوئی نظام صحیح نہیں ہوگا۔ نہ نظام حکومت درست ہوگا نہ تجارت نہ کاروبار، اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق نماز کے ذریعے ہی صحیح ہوتا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے انعامات کا ذکر فرمانے کے بعد کہا فصل لربک اپنے پروردگار کے لیے نماز پڑھیں۔ تا کہ خدا کی نعمتوں کا شکر بھی ادا ہو۔ اور اشاعت قرآن کا فریضہ بھی ادا ہوتا رہے جو کہ اس کے برکات کو عوام تک پہنچانے کا ایک اہم ذریعہ ہے۔

قربانی قرب الی اللہ کا ذریعہ ہے؛

فلاح کا دوسرا اصول فرمایا وانحر یعنی قربانی کریں۔ نحر اونٹ کی قربانی کو کہتے ہیں حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے عید الاضحیٰ کے خطبے میں فرمایا۔ آج کے دن ہمارے سب سے پہلا کام یہ ہے کہ نماز پڑھیں ثم نرجع فنحر پھر پلٹ کر قربانی کریں گے۔ قربانی محض گوشت کھانے کا نام نہیں، بلکہ یہ تقرب الی اللہ کا ذریعہ ہے قرآن پاک میں ارشاد ہے۔ ”لن ینال اللہ لحومھا ولا دمآءھا اللہ تعالیٰ کے پاس قربانی کا گوشت اور خون نہیں پہنچتا۔ ولکن یناله التقوی منکم۔“ بلکہ تمہارا تقویٰ بارگاہ رب العزت میں پہنچتا ہے۔ قربانی انسان کے عقیدہ توحید کی علامت ہے۔ مشرکین اپنے معبودان باطلہ کے نام پر قربانی کیا کرتے تھے۔ جو کہ شرک اور بہت بڑا جرم ہے۔ اس کے مقابلے میں ایک مومن اللہ کے نام پر قربانی دیتا ہے جس سے اس کے ایمان اور عقیدہ توحید کا اظہار ہوتا ہے۔

وانحر کا معنی بعض نے نماز میں سینے کے نیچے ہاتھ باندھنا بھی کیا ہے۔ مگر یہ روایت ضعیف ہے۔ بعض نے اس کا معنی سینہ قبلہ کی طرف پھیرنا کیا ہے۔ مگر یہ بھی ضعیف روایت ہے۔ اس مقام پر وانحر کا صحیح معنی قربانی کرنا ہی ہے۔

فرمایا؛ یقینا آپ کا دشمن ہی بے نام ونشان رہے گا۔

دشمن کی ناکامی:

اس سورۃ کی ابتداء میں انعامات کا ذکر کیا۔ پھر نماز اور قربانی کا حکم دیا تا کہ انعامات کا شکریہ ادا ہو سکے۔ اب تیسری آیت میں اس پس منظر کا جواب ہے جس میں یہ سورۃ نازل ہوئی۔ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے دو صاحبزادگان کی وفات کی وجہ سے کفار طعنہ زنی کرتے تھے کہ نعوذ باللہ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ابتر یعنی بے نسل ہیں۔ اسی کے جواب میں ارشاد ہے۔ ان شانئک ھو الابتر بیشک آپ کا دشمن آپ کے ساتھ بغض وعناد رکھنے والا ہی ابتر ہے۔ یعنی اے نبی کریم! آپ ابتر نہیں ہیں آپ کی صوری اولاد بھی خوب پھیلے گی۔ اور آپ کا دین بھی قیامت تک قائم رہے گا۔ البتہ آپ کے دشمن کی نہ اولاد باقی رہے گی اور نہ اس کا دین باقی رہے گا۔ چنانچہ آج ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن پاک کی یہ پیشین گوئی حرف بحرف پوری ہو رہی ہے۔ حضور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اولاد دنیا بھر میں پھیلی ہوئی ہے۔ دنیا کا کوئی خطہ ایسا نہیں، جہاں آپ کی صوری اولاد کا کوئی فرد نہ ہو اور آپ کی معنوی اولاد یعنی آپ کے پیروکاروں کا تو شمار ہی نہیں کر دنیا میں ان کی تعداد کس قدر ہے اور ادھر طعن کرنے والے مشرکین مکہ کی نہ صوری اولاد موجود ہے اور نہ معنوی آج ان کا نام ونشان تک دنیا میں باقی نہیں۔ مفسرین ان کا ذکر قرآن پاک کے سیاق وسباق میں کر دیتے ہیں۔ ورنہ ان کے کسی کام یا اخلاق یا دین کی بناء پر وہ دنیا سے بالکل مٹ چکے ہیں۔ جو لوگ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو ابتر کہتے تھے، وہ خود ہر لحاظ سے ابتر ثابت ہو چکے ہیں۔

حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے لیے مقام محمود برخلاف اس کے اللہ تعالیٰ نے نبی (علیہ السلام) کے متعلق فرمایا ورفعنا لک ذکرک ہم نے دنیا میں آپ کا ذکر بلند کر دیا۔ ایسا بلند کیا کہ پانچ وقت نمازیں جہاں اللہ تعالیٰ کا نام لیا جاتا ہے۔ وہاں آپ کی ذات اقدس پر درود پاک پڑھا جاتا ہے۔ دشمن بھی آپ کا نام لیتے ہیں تو نہایت احترام کے ساتھ تاریخ میں بھی آپ کے کارہائے نمایاں کا ذکر عزت واحترام سے کیا جاتا ہے۔ یہ تو دنیا کا حال ہے اور پھر جب آخرت کی منزل آئے گی تو پتہ چلے گا کہ بلند پایہ مقام محمود پر اللہ تعالیٰ آپ کو مبعوث فرمائے گا۔ "عسی ان یبعثک ربک مقاما محموداً" اسی لیے حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کہ میرے لیے وسیلہ کی دعا کیا کرو۔ تا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں بھی اجر دے۔ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کہ مجھے امید ہے کہ مقام محمود پر اللہ تعالیٰ مجھے ہی فائز کرے گا۔ اللہ تعالیٰ نے وہ مقام میرے لیے مخصوص کر رکھا ہے۔ آپ نے فرمایا انا سید ولد آدم یوم القیمۃ ولا فخر میں تمام بنی نوع انسانی کا سردار ہوں۔ مگر یہ بات میں فخر سے نہیں کہتا بلکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کی مہربانی اور اس کا انعام ہے۔ (معالم العرفان)

ترکیب نحوی وتحقیق صرفی:

اِنَّآ (اِنَّ ۔ نَا) اِنَّ، حرف مشبہ بالفعل، بے شک، نَا، ضمیر جمع متکلم، ہم (بے شک ہم) اَعْطَیْنٰکَ (اَعْطَیْنَا ۔ کَ) اَعْطَیْنَا، فعل ماضی جمع متکلم اَعْطٰی یُعْطِیْ، مصدر اِعْطَآءٌ، عطا کرنا، دینا، ہم نے عطا کی، کَ، ضمیر واحد مذکر حاضر، آپ کو (ہم نے آپ کو عطا کی) اَلْکَوْثَرَ۔ کَثْرَۃٌ، مصدر سے ماخوذ (خیر کثیر، کوثر) جنت میں ایک نہر اور حوض کا نام ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو عطا فرمائی۔ فَصَلِّ (فَ ۔ صَلِّ) فَ،

حرف عطف، پس، صَلِّ، فعل امر واحد مذکر حاضر صَلّٰی یُصَلِّیْ، مصدر تَصْلِیَۃٌ نماز پڑھنا (آپ نماز پڑھیں) لِرَبِّکَ (لِ۔رَبِّ۔کَ) لِ، حرف جار، کیلئے، رَبِّ، مجرور، مضاف، رب، پروردگار، کَ، مضاف الیہ، ضمیر واحد مذکر حاضر، اپنے (اپنے رب کیلئے) وَانْحَرْ (وَ۔اِنْحَرْ) وَ، حرف عطف، اور، اِنْحَرْ، فعل امر واحد مذکر حاضر نَحَرَ یَنْحَرُ، مصدر نَحْرًا، قربانی کرنا، ذبح کرنا، آپ قربانی کریں (اور آپ قربانی کریں) اِنَّ، حرف مشبہ بالفعل (بے شک) شَانِئَکَ (شَانِئَ۔کَ) شَانِئَ، مضاف، شَنَاٌ، مصدر سے اسم فاعل واحد مذکر، دشمنی رکھنے والا، دشمن، کَ، مضاف الیہ، ضمیر واحد مذکر حاضر، آپ کا (آپ کا دشمن) ہُوَ، ضمیر واحد مذکر غائب (وہی) اَلْاَبْتَرُ۔بَتْرٌ، مصدر سے صفت مشبہ (دم کٹا، جس کی اولاد نہ ہو، لاولد)۔

(الحمدللہ سورہ کوثر مکمل ہوگئی)

[سورۃ الکافرون]

آیت ۱تا۶

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

قُلْ یٰٓاَیُّھَا الْکٰفِرُوْنَ (۱) لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ (۲) وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ (۳) وَلَآ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ (۴) وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ (۵) لَکُمْ دِیْنُکُمْ وَلِیَ دِیْنِ (۶)

ترجمہ:

آپ کہہ دیجئے کہ اے کافرو (۱) نہ تو میں اس کی عبادت کرتا ہوں جس کی تم عبادت کرتے ہو۔ (۲) اور تم اس کی عبادت نہیں کرتے جس کی میں عبادت کرتا ہوں۔ (۳) اور نہ میں (آئندہ) اس کی عبادت کرنے والا ہوں جس کی عبادت تم کرتے ہو۔ (۴) اور نہ تم اس کی عبادت کرنے والے ہو جس کی میں عبادت کرتا ہوں (۵) تمہارے لیے تمہارا دین ہے اور میرے لیے میرا دین ہے۔ (۶)

کوائف:

اس سورت کا نام سورۃ الکفرون ہے۔ پہلی ہی آیت کریمہ میں کافرون کا لفظ موجود ہے جس سے اس کا نام لیا گیا ہے۔ اس سے پہلے ستر سورتیں نازل ہوچکی تھیں۔ اس کا اٹھارھواں نمبر ہے۔ اس کا ایک رکوع اور چھ آیات ہیں۔

ماقبل سے ربط:

سورۃ کوثر میں خیر کثیر کی بشارت سنائی گئی تھی اور یہ اعلان بھی کر دیا گیا تھا کہ خداوند عالم نے یہ طے کر دیا تھا کہ اس کے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا ہی دین غالب ہوگا۔ اور پیغمبر خدا ہی کامیاب ہوں گے اور جو بھی کوئی بغض اور دشمنی رکھے وہی ناکام ذلیل اور تباہ ہوگا، اب اس سورت میں دنیا کے تمام گمراہوں اور باطل ملت کی پیروی کرنے والوں کو جو باطل کو فروغ دینے کے لیے بڑی ہی محنت اور جدوجہد کر رہے ہیں کھلے عام اعلان کیا جا رہا ہے، اب حق پرستوں کی طرف سے ایسے لوگوں کو مایوس ہو جانا چاہیے وہ ان کی سازشوں سے ہرگز متاثر نہ ہوں گے۔

اور معبود حقیقی کی پرستش کرنے والا اب کبھی بھی باطل کی طرف رخ نہ کرے گا، جبکہ اہل باطل حق قبول کرنے کو تیار نہیں تو پھر اس احمقانہ تصور اور توقع کا کیا مطلب ہے کہ اہل حق اپنے عقیدہ اور طریقوں سے کچھ ہٹ جائیں۔

شان نزول:

حضرت ابن عباس (رض) بیان کرتے ہیں کہ قریش نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے یہ کہا کہ وہ آپ کو اتنا مال دیں گے کہ آپ مکہ کے امیر ترین شخص ہو جائیں گے اور آپ جس عورت سے شادی کرنا چاہیں گے اس سے آپ کی شادی کر دیں گے، بس آپ ہمارے معبودوں کو برا کہنا چھوڑ دیں اور اگر آپ ایسا نہ کریں تو ہم آپ کے سامنے ایک اور پیشکش کرتے ہیں، آپ نے پوچھا: وہ کیا ہے؟ انھوں نے کہا، آپ ایک سال تک ہمارے معبودوں یعنی لات اور عزیٰ کی عبادت کریں اور ایک سال تک ہم آپ کے معبود کی عبادت کریں گے، آپ نے فرمایا: میں دیکھتا ہوں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کیا حکم نازل ہوتا ہے، پھر اس کے جواب میں سورۃ کافرون نازل ہوئی اور یہ آیت نازل ہوئی۔ (جامع البیان رقم الحدیث ۲۹۵۶۳: ، دارالفکر بیروت ۱۴۱۵ھ تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث ۱۹۵۱۸ :)

آپ نے ان کی پیشکش کو از خود رد نہیں کیا بلکہ اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف مفوض کر دیا کیونکہ آپ کو نور نبوت سے یہ معلوم تھا کہ اس سلسلہ میں پوری سورت نازل ہونے والی ہے۔

سعید بن مینا بیان کرتے ہیں کہ الولید بن مغیرہ، العاص بن وائل، الاسود بن المطلب اور امیہ بن خلف رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے ملے اور انھوں نے کہا: یا محمد! آپ ہمارے معبودوں کی عبادت کریں، ہم آپ کے معبودوں کی عبادت کریں اور ہم اور آپ تمام معاملات میں مشترک ہو جائیں، پھر اگر ہمارا موقف آپ کے موقف سے زیادہ صحیح ہو تو آپ ہمارے موقف سے حصہ لے چکے ہوں گے اور اگر آپ کا موقف ہمارے موقف سے زیادہ صحیح ہو تو ہم آپ کے موقف سے حصہ لے چکے ہوں گے، تب اللہ تعالیٰ نے سورۃ کافرون نازل فرمائی۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث، ۱۹۵۱۹، جامع البیان رقم الحدیث: ۲۹۵۶۴)

امام ابو منصور محمد بن محمد ماتریدی حنفی متوفی ۳۳۳ھ لکھتے ہیں:

یہ سورت ان ضدی اور سرکش کافروں کے متعلق نازل ہوئی ہے، جن کے متعلق اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ وہ ہرگز ہرگز کبھی بھی ایمان

نہیں لائیں گے اور وہ بت پرستی کو ترک کر کے توحید اور اسلام کی طرف رجوع نہیں کریں گے، کیونکہ ایسا نہیں تھا کہ ہر کافر کے متعلق یہ کہا جائے کہ وہ کبھی بھی اللہ تعالیٰ کی عبادت نہیں کرے گا، کیونکہ یہ ہوسکتا ہے کہ وہ ایک وقت میں کافر ہو اور دور سے وقت میں اسلام لے آئے، اس سے یہ معلوم ہوا کہ یہ سورت صرف ان ہی کافروں کے متعلق نازل ہوئی ہے، جن کے متعلق اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ یہ تادم مرگ کافر ہی رہیں گے اور اسلام نہیں لائیں گے اور واقع میں ایسا ہی ہوا اور اس میں سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی رسالت کے ثبوت پر دلیل ہے کیونکہ آپ نے خبر دی تھی کہ یہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے اور وہ ایمان نہیں لائے اور کفر پر مر گئے۔ اس سورت میں آپ کی رسالت کی دلیل کے علاوہ یہ بھی دلیل ہے کہ کفار مکہ جو آپ کو اپنے دین کی طرف راغب کرنے کی کوشش کر رہے تھے، وہ مایوس ہو جائیں کیونکہ آپ کبھی بھی ان کے بتوں کی طرف موافقت کرنے والے نہ تھے۔ (تاویلات اہل السنۃ ج ۱۰ ص ٦٤١ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱٤۲٦ھ)

تفسیر:

فرمایا: آپ کہہ دیجئے کہ اے کافرو (۱) نہ تو میں اس کی عبادت کرتا ہوں جس کی تم عبادت کرتے ہو۔ (۲) الخ

(کفر اور اسلام اکھٹے نہیں ہوسکتے:)

اس سورۃ میں حق تعالیٰ کی طرف سے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو خطاب فرما کر حکم دیا جاتا ہے۔ قل یایھا الکفرون اے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ ان کافروں سے صاف کہہ دیجئے لا اعبد ما تعبدون ولا انتم عبدون ما اعبد یعنی اے کافرو میرا اور تمہارا طریقہ متحد نہیں ہوسکتا۔ نہ تو فی الحال اور نہ آئندہ کبھی مستقبل میں۔ خدائے واحد کے سوا جو معبود تم نے بنا رکھے ہیں میں فی الحال ان کو نہیں پوج رہا اور نہ تم اس احد وصمد خدا کو بلا شرکت غیرے پوجتے ہو جس کی میں عبادت و بندگی کرتا ہوں اور آئندہ کے لیے ولا انا عابد ما عبدتم ولا انتم عبدون ما اعبد یعنی آئندہ بھی میں تمہارے معبودوں کو کبھی پوجنے والا نہیں اور نہ تم میرے معبود واحد کی بلا شرکت غیرے پرستش کرنے والے ہو۔ مطلب یہ ہے کہ میں موحد ہو کر شرک نہیں کرسکتا۔ نہ اب نہ آئندہ اور تم مشرک رہ کر موحد نہیں قرار دئیے جاسکتے۔ نہ اب اور نہ آئندہ یعنی توحید اور شرک کبھی متحد نہیں ہوسکتے اور ان میں کبھی کوئی مصالحت نہیں ہوسکتی۔ آگے توحید اور شرک کا انجام ارشاد ہے۔ لکم دینکم ولی دین تم کو تمہاری راہ اور مجھ کو میری راہ۔ یعنی تم کو تمہارا بدلے ملے گا اور مجھ کو میرا بدلہ ملے گا، جو دین قیم اللہ نے مجھے مرحمت فرمایا ہے اس پر ہم نہایت خوش ہیں اور تم نے اپنے لیے بدبختی سے جو روش پسند کی ہے وہ تمہیں مبارک رہے۔ ہر فریق کو اس کی راہ اور روش کا نتیجہ مل کر رہے گا میرا فرض تبلیغ دیں ہے اگر تمہیں اپنی بہتری منظور ہو تو اس ہدایت کو قبول کرو ورنہ تم جانو تمہارا کام تمہیں اپنے کئے کی خود سزا بھگتنی پڑے گی۔ میں تو نہایت پختگی سے اپنی بات پر قائم ہوں۔ الغرض اس سورۃ میں کفار کی طرف سے پیش کی ہوئی مصالحت کی صورتوں کو بالکلیہ رد کر کے اعلان برآت کیا گیا۔

کفار سے مصالحت کی حدود کا تعین:۔

یہاں ایک خیال یہ پیدا ہو سکتا ہے کہ خود قرآن کریم میں دسویں پارہ سورۃ انفال میں ارشاد خداوندی ہے۔ وان جنحوا للسلم فاجنح لھا یعنی کفار اگر صلح کی طرف جھکیں تو آپ بھی جھک جائیے یعنی معاہدہ صلح کر لیجئے اور جب آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو یہود مدینہ سے آپ کا معاہدہ صلح مشہور و معروف ہے۔ اس اشکال کے جواب میں بعض مفسرین نے یہ جواب دیا کہ اس سورۃ کافرون کو منسوخ کہہ دیا اور منسوخ کہنے کی بڑی وجہ آیت لکم دینکم ولی دین کو قرار دیا کیونکہ بظاہر یہ احکام جہاد کے منافی ہے کہ تم کو تمہاری راہ اور مجھ کو میری راہ۔ مگر اس اشکال کا دفع کرنے میں مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا محمد شفیع صاحب نور اللہ مرقدہ نے اپنی تفسیر میں جو تحقیق کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ اس سورۃ میں لکم دینکم کا یہ مطلب نہیں کہ کفار کو کفر کی اجازت یا کفر پر برقرار رکھنے کی ضمانت دے دی گئی بلکہ اس کا حاصل وہی ہے جو قرآن کریم کے ارشاد **لنا اعمالنا ولکم اعمالکم (پ۲ رکوع۱)** کا حاصل ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جیسا کرو گے ویسا بھگتو گے۔ اس لیے راجح اور صحیح جمہور مفسرین کے نزدیک یہی ہے کہ یہ سورۃ منسوخ نہیں۔ جس قسم کی مصالحت سورۃ کافرون کا نزول کا سبب بنی وہ جیسے اس وقت حرام تھی آج بھی حرام ہے اور جس صورت کی اجازت آیت مذکورہ لنا اعمالنا ولکم اعمالکم میں آئی ہے اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے معاہدہ یہود سے عملاً ظاہر ہوئی وہ جیسے اس وقت جائز تھی آج بھی جائز ہے۔ بات صرف موقع اور محل کو سمجھنے اور شرائط صلح کو دیکھنے کی ہے جس کا فیصلہ خود رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ایک حدیث میں فرما دیا ہے۔ جس میں کفار سے معاہدہ کو جائز قرار دینے کے ساتھ ایک استثنا کا ارشاد ہے اور وہ یہ ہے الاصلحاً احل حراما اوحرم حلالا یعنی ہر صلح جائز ہے بجز اس صلح کے جس کی رو سے اللہ کی حرام کی ہوئی کسی چیز کو حلال یا حلال کی ہوئی چیز کو حرام قرار دیا گیا ہو۔ اب غور کیجئے کہ کفار مکہ نے صلح کی جو صورتیں پیش کی تھیں ان سب میں کفر و اسلام کی حدود میں التباس یقینی ہے اور بعض سورتوں میں تو اصول اسلام کے خلاف شرک کا ارتکاب لازم آتا ہے۔ ایسی صلح سے سورۃ کافرون نے اعلان برأت کر دیا اور دوسری جگہ جس صلح کو جائز قرار دیا اور معاہدہ یہود (یا صلح حدیبیہ سے) اس کی عملی صورت معلوم ہوئی اس میں کوئی چیز ایسی نہیں جس میں اصول اسلام کا خلاف کیا گیا ہو۔ یا کفر و اسلام کی حدود آپس میں ملتبس ہوئی ہوں اسلام سے زیادہ کوئی مذہب رواداری۔ حسن سلوک، صلح و مصالحت کا داعی نہیں مگر صلح اپنے انسانی حقوق میں ہوتی ہے۔ خدا کے قانون اور اصول دین یا ضروریات دین میں کسی صلح یا مصالحت کی کوئی گنجائش نہیں۔ (معارف القرآن جلد ۸)

ترکیب نحوی وتحقیق صرفی:

قُلْ، فعل امر واحد مذکر حاضر قَالَ یَقُوْلُ، مصدر قَوْلًا، کہنا (آپ کہہ دیجئے) یٰٓاَیُّہَا الْکٰفِرُوْنَ (یَا، اَیُّہَا، اَلْکٰفِرُوْنَ) یَا، حرف ندا، اے، اَیُّہَا، جب منادٰی مذکر پر " ال " داخل ہو تو، یَا، کے ساتھ اَیُّہَا، لگا دیتے ہیں، اَلْکٰفِرُوْنَ، منادٰی، کُفْرًا، مصدر سے اسم فاعل جمع مذکر، کافرو، واحد، اَلْکَافِرُ (اے کافرو) لَآ اَعْبُدُ، فعل مضارع منفی واحد متکلم عَبَدَ یَعْبُدُ، مصدر عِبَادَۃٌ، عبادت کرنا (میں عبادت نہیں کرتا) مَا، اسم موصول (ان کی جن کی) تَعْبُدُوْنَ،

فعل مضارع جمع مذکر حاضر عَبَدَ یَعبُدُ، مصدر عِبَادَۃٌ، عبادت کرنا (تم عبادت کرتے ہو) وَ، حرف عطف (اور) لَا، نافیہ (نہ) اَنْتُمْ، ضمیر منفصلہ جمع مذکر حاضر (تم) عٰبِدُونَ۔ عِبَادَۃٌ، مصدر سے اسم فاعل جمع مذکر (عبادت کرنے والے) واحد، عَابِدٌ، مَا، اسم موصول (اس کی جس کی) اَعْبُدُ، فعل مضارع واحد متکلم عَبَدَ یَعبُدُ، مصدر عِبَادَۃٌ، عبادت کرنا (میں عبادت کرتا ہوں) وَ، حرف عطف (اور) لَا، نافیہ (نہ) اَنَا، ضمیر واحد متکلم (میں) عَابِدٌ۔ عِبَادَۃٌ، مصدر سے اسم فاعل واحد مذکر (عبادت کرنے والا) جمع، عَابِدُونَ، مَا، اسم موصول (ان کی جن کی) عَبَدْتُّمْ، فعل ماضی جمع مذکر حاضر عَبَدَ یَعبُدُ، مصدر عِبَادَۃٌ، عبادت کرنا (تم نے عبادت کی) وَ، حرف عطف (اور) لَا، نافیہ (نہ) اَنْتُمْ، ضمیر منفصلہ جمع مذکر حاضر (تم) عٰبِدُونَ۔ عِبَادَۃٌ، مصدر سے اسم فاعل جمع مذکر (عبادت کرنے والے) واحد، عَابِدٌ، مَا، اسم موصول (اس کی جس کی) اَعْبُدُ، فعل مضارع واحد متکلم عَبَدَ یَعبُدُ، مصدر عِبَادَۃٌ، عبادت کرنا (میں عبادت کرتا ہوں) لَکُمْ (لَ۔ کُمْ) لَ، حرف جار، لیے، کُمْ، مجرور، ضمیر جمع مذکر حاضر، تمہارے (تمہارے لیے) دِیْنُکُمْ (دِیْنُ، کُمْ) دِیْنُ، مضاف، دین، کُمْ، مضاف الیہ، ضمیر جمع مذکر حاضر، تم کا، تمہارا (تمہارا دین) وَ، حرف عطف (اور) لِیَ (لِ۔ یَ) لِ، حرف جار، لیے، یَ، مجرور، ضمیر واحد متکلم، میرے (میرے لیے) دِیْنِ، اصل میں، دِیْنِیَ، ہے (دِیْنِ۔ یْ) دِیْنِ، مضاف، دین، یْ، مضاف الیہ، ضمیر واحد متکلم، محذوف ہے، میرا (میرا دین)

(الحمدللہ سورہ کافرون مکمل ہوگئی)

[سورۃ النصر]

آیت ا تا ۳

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اِذَا جَآءَ نَصۡرُ اللّٰہِ وَ الۡفَتۡحُ (۱) وَ رَاَیۡتَ النَّاسَ یَدۡخُلُوۡنَ فِیۡ دِیۡنِ اللّٰہِ اَفۡوَاجًا (۲) فَسَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّکَ وَ اسۡتَغۡفِرۡہُ ؕ اِنَّہٗ کَانَ تَوَّابًا (۳)

ترجمہ:

جب آجائے اللہ کی مدد اور فتح (۱) اور آپ لوگوں کو دیکھیں کہ فوج در فوج اللہ کے دین میں داخل ہو رہے ہیں (۲) تو اپنے پروردگار کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرو، اور اس سے مغفرت مانگو یقین جانو وہ بہت معاف کرنے والا ہے۔ (۳)

کوائف:

اس سورت کا نام سورۃ النصر ہے۔ پہلی ہی آیت کریمہ میں نصر کا لفظ موجود ہے۔ اسی سے سورت کا نام اخذ کیا گیا ہے۔ یہ سورت مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی اور نازل ہونے کے اعتبار سے اس کا ایک سو چودھواں نمبر ہے۔ اس سے پہلے ایک سو تیرہ سورتیں نازل
ہوچکیں تھیں۔ اس کا ایک رکوع اور تین آیتیں ہیں۔

ماقبل سے ربط:

اس سے قبل سورۃ کافرون میں اس امر کا حکم تھا کہ مشرکین کی سازشوں سے مسلمانوں کے قدم جادہ استقامت سے کسی درجہ میں متزلزل نہ ہونے چاہئیں ان کو وضح اعلان کی صورت میں کہہ دیا جائے کہ ان کی خواہشات اور کوششیں کامیاب نہ ہوسکیں گی اور اس امر کی کوئی امکان نہیں کہ حق اور باطل میں کوئی باہمی سمجھوتہ ہوا گر کفار مکہ شرک اور کفر سے باز آنے کو تیار نہیں تو پھر حق پرست اور مسلمان کیونکر ایمان و توحید کے تقاضوں سے دست بردار ہوسکتا ہے اس مرحلہ پر تو بس یہی اعلان کرنا پڑے گا۔ (آیت)۔ "لکم دینکم ولی دین"۔ تو اس مناسبت سے اس سورت میں فتح و نصرت کی بشارت کا ذکر کرتے ہوئے ہمیشہ کے لیے غلبہ دین اور ظہور اسلام کی خبر دی گئی، اور چونکہ یہ بات اس نعمت کو متضمن تھی کہ رسول خدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی غرض بعثت الحمدللہ مکمل ہوگئی اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) امت کے کام سے فارغ ہوگئے اس لیے اب آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کلیۃ خالق ہی کی طرف رخ کرلیجئے اور اس کی یہی صورت ہے کہ تمام تر مشغولیت، انہماک الی اللہ ہو جائے حتی کہ یہ انہماک اور رجوع الی اللہ عملا واشتغالا مکمل ہوتے ہوئے اصلا وذاتا بھی رجوع الی اللہ ہو جائے جس کی صورت دنیا سے رحلت کر کے رفیق اعلی کے ساتھ ملحق ہو جانا ہے۔

شان نزول:

یہ آیت نبی کے غزوہ حنین سے واپسی پر نازل ہوئی اس کے نزول کے بعد آپ دو سال تک حیات رہے۔

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ غزوہ حنین سے واپس لوٹے تو اللہ نے یہ سورت نازل فرمائی۔

اِذَا جَاءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ، الی آخر السورۃ۔ چنانچہ آپ نے فرمایا اے علی اور فاطمہ کہو اللہ کی نصرت اور فتح آگئی۔ (نیسابوری 378، تفسیر ابن کثیر 4_561، تفسیر قرطبی 20_229)

حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق بڑی عمر والے بدری مجاہدین صحابہ کے ساتھ مجھے بھی شامل فرمالیا کرتے تھے کسی نے کہا ان جیسے تو ہمارے بچے ہیں ان کو ہماری مجلس میں نہ بلایا کریں، ایک مرتبہ میری برتری ظاہری کرنے کے لیے امیر المومنین نے ان حضرات سے پوچھا کہ سورۃ اذا جاء نصر اللہ۔ کے بارے میں تم کیا جانتے ہو تو مختلف حضرات نے اپنی اپنی رائے پیش کی پھر آپ نے میری طرف توجہ فرمائی اور فرمایا تم کیا کہتے ہو تو میں نے کہا اس سورت میں رسول اللہ کے وصال کی خبر دی گئی ہے حضرت عمر نے فرمایا میں بھی اسی سورت کے بارے میں یہی جانتا ہوں۔ (تفسیر ابن کثیر)

اس سورت کے نازل ہونے کے وقت اکثر رموز شناس صحابہ سمجھ گئے تھے عنقریب آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہم میں سے اٹھ جانے والے اور ہمیں داغ مفارقت دینے والے ہیں چنانچہ صدیق اکبر اس سورت کو سن کر زار و قطار رونے لگے لوگوں نے کہا یہ خوشی کا مقام ہے اللہ نے نصرت اور فتح کی خبر دی اور قوموں کے جوق در جوق اسلام میں داخل ہونے کی خوشخبری سنائی پھر یہ بوڑھا کیوں روتا ہے بعض نے کہا یہ حضرت قدیم رازدار ہے کوئی تو یہ رمز ہے جو یہ سمجھ گیا ہے۔ نبی نے ابوبکر

نے آنسوؤں ڈاڑھی پر بہتے دیکھا اور سمجھ گئے کہ یہ اس رمز کو سمجھ گئے آپ نے فرمایا سب لوگوں سے مجھ پر خدمت گزاری اور مالی درد میں ابوبکر کا بڑا احسان ہے اور اگر میں خدا تعالیٰ کے سوا کسی اور خلیل بناتا تو ابوبکر کو بناتا مگر خلت اسلامی کافی ہے۔ (تفسیر حقانی)

تفسیر؛

فرمایا؛ جب آجائے اللہ کی مدد اور فتح، الخ

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی مدت حیات پوری ہونے پر استدلال؛

مفسرین نے ذکر کیا ہے کہ پہلے لوگ ایک ایک کر کے یا دو دو کر کے اسلام میں داخل ہوتے اور جب مکہ فتح ہو گیا تو پوری پوری فوج اور پورے پورے قبیلے اسلام میں داخل ہونے لگے، نیز اس سورت کے نازل ہونے کے بعد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے مسلمانوں کو اپنی وفات کی خبر دی اور اس پر حسب ذیل امور سے استدلال ہے:

(۱) جب نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے یہ دکھا کہ لوگ فوج درفوج اسلام میں داخل ہو رہے ہیں تو اس سے آپ نے یہ استدلال کیا کہ آپ کا مشن اب پورا ہو چکا ہے، لہٰذا اب اللہ تعالیٰ کے پاس جانے کا وقت آ گیا ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی زندگی پوری ہونے کی کچھ علامات رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو بتادی تھیں، ان علامات سے آپ نے جان لیا تھا کہ اب آپ کا وقت پورا ہو چکا ہے۔

(و) جب لوگوں کے فوج درفوج اسلام میں داخل ہونے سے اب تبلیغ اسلام میں مشقت اٹھانے کی ضرورت نہیں رہی تو آپ نے جان لیا کہ اب آپ کی زندگی پوری ہو گئی ہے۔ (تاویلات اہل السنۃ ج ۱۰ ص 634- 635 دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱٤۲٦ھ)

حضرت ابن عباس (رض) نے " اذا جآء نصر اللہ والفتح۔ " کی تفسیر میں کہا : رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا مجھے اپنی وفات کی خبر دی گئی ہے گویا اس سال میری روح قبض کرلی جائے گی۔ (جامع البیان رقم الحدیث ۲۹۵۷۵ : مسند احمد ج ۃ ص ۲۱۷ طبع قدیم، مسند احمد ج ۳ ص ۲٦٦ موسسۃ الرسالۃ، بیروت المعجم الکبیر رقم الحدیث ۱۱۹۰۷ : دلائل النبوۃ ج ۷ ص ۱٦۷ (سنن ترمذی رقم الحدیث ۱۷۱۲ :)

حضرت ابن عباس (رض) بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر (رض) نے روسل اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے اصحاب کے ساتھ مجھ سے اذا جآء نصر اللہ والفتح۔ " کے متعلق سوال کیا، میں نے کہا، یہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اجل ہے، اس کے بعد دوسری روایت میں ہے، یہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اجل ہے، جس کی اللہ عزوجل نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو تعلیم دی تھی اور بتایا تھا یہ آپ کی وفات کی علامت ہے، سو آپ اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کریں اور اس سے مغفرت طلب کریں بیشک وہ بہت توبہ قبول کرنے ولا ہے۔ (المعجم الکبیر للطبرانی رقم الحدیث صحیح

البخاری رقم الحدیث:(سنن ترمذی رقم الحدیث ۳۴۰۲:)

حمد اور تسبیح کا معنی اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے استغفار کے مطلب؛

فرمایا: سو آپ اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کریں اور اس سے مغفرت طلب کریں، بیشک وہ بہت توبہ قبول فرمانے والا ہے۔

تسبیح کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ کی ان چیزوں سے تنزیہ بیان کرنا جو اس کی شان کے لائق نہیں ہیں اور حمد کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ کی صفات کمالیہ بیان کرنا اور اللہ تعالیٰ کی ان کلمات سے ثناء کرنا، جن کی اس نے آپ کو تعلیم دی ہے۔

اس آیت کا معنی یہ بھی ہوسکتا ہے کہ آپ "سبحان اللہ وبحمدہ" پڑھتے رہیں کیونکہ یہ دو کلمات حمد اور تسلیح کے جامع ہیں۔

اس آیت میں آپ کو مغفرت طلب کرنے کا حکم دیا ہے، اس سے یہ وہم نہ کیا جائے کہ آپ سے کوئی تقصیر یا تفریط ہوئی تھی، جس کی بناء پر آپ کو مغفرت طلب کرنے کا حکم دیا ہے بلکہ بات یہ ہے کہ ہر لحظہ آپ پر اللہ تعالیٰ کی اتنی زیادہ نعمتیں ہیں بلکہ غیر متنہی نعمتیں ہیں جن کا زبان و بیان سے شکر نہیں ادا کیا جاسکتا تو اس لیے آپ کو استغفار کرنے کا حکم دیا کہ اللہ تعالیٰ کی تمام نعمتوں کا کما حقہ جو آپ شکر ادا نہیں کرسکتے تو اس پر اللہ تعالیٰ اس استغفار کریں۔

اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ نبی معصوم جب اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرتے ہیں تو اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ ان کے درجات اور مراتب بلند کئے جائیں۔

اس کا تیسرا جواب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس استغفار سے یہ مراد نہیں ہے کہ آپ اپنے لیے استغفار کریں بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ آپ اپنی امت کے لیے استغفار کریں، جیسا کہ اس آیت میں ہے:

(محمد ۱۹:) آپ اپنے بظاہر خلاف اولیٰ سب کاموں اور مومنین اور مومنات کے گناہوں کے لیے مغفرت طلب کیجئے۔

اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے وعدہ کیا ہو کہ جب آپ دائما استغفار کریں گے تو اللہ تعالیٰ آپ کے درجات بلند فرمائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو "تواب" فرمایا ہے یعنی وہ بہت زیادہ توبہ قبول فرماتا ہے، بندہ ایک بار گناہ کر کے توبہ کرتا ہے، وہ اس کی توبہ قبول کرلیتا ہے، بندہ پھر گناہ کر کے توبہ کرتا ہے تو وہ پھر توبہ قبول فرمالیتا ہے اور یہ سلسلہ یونہی چلتا رہتا ہے، حتیٰ کہ حدیث میں ہے:

حضرت ابوبکر صدیق (رض) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: جس شخص نے (گناہ کے بعد) استغفار کرلیا، اس نے اصرار نہیں کیا، خواہ وہ دن میں ستر بار (بھی) گناہ کرے۔(سنن ترمذی رقم الحدیث ۱۵٤۰: سنن ترمذی رقم الدیث ۳٦۳۰:)

سورۃ النصر کے نزول کے بعد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا بہ کثرت حمد اور تسبیح اور استغفار کرنا؛

حضرت عائشہ (رض) بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) یہ بہت زیادہ پڑھتے تھے: "سبحان اللہ وبحمدہ، استغفر اللہ واتوب الیہ" میں نے کہا: یارسول اللہ! میں دیکھتی ہوں کہ آپ یہ بہت زیادہ پڑھتے ہیں: "سبحان اللہ وبحمدہ، استغفر اللہ واتوب الیہ؟" آپ نے فرمایا: مجھے میرے رب نے یہ خبر دی ہے کہ میں عنقریب اپنی امت میں ایک علامت دیکھوں گا، پس جب میں وہ علامت دیکھ لوں تو میں بہ کثرت پڑھوں: "سبحان اللہ وبحمدہ استغفر اللہ واتوب الیہ" پس بیشک میں نے وہ علامت دیکھ لی ہے، وہ علامت ہے: "اذا جآء نصر اللہ والفتح۔" (النصر ۱:) یعنی فتح مکہ۔
(صحیح مسلم رقم الحدیث ۲۲۰، مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث ۲۹۳۲۳ :)

حضرت ابوہریرہ (رض) بیان بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: اللہ کی قسم! بیشک میں ایک دن میں ستر مرتبہ سے زیادہ اللہ سحبانہ سے مغفرت طلب کرتا ہوں اور اس کی طرف توبہ کرتا ہوں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث ۶۳۰۷ :، (سنن ترمذی رقم الحدیث ۱۲۵٤ :، مسند حمد ج ۲ ص ۳٤۱)

حضرت اغر مزنی (رض) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: بیشک میرے قلب پر (رحمت کا) حجاب آجاتا ہے اور میں ایک دن میں سو مرتبہ اللہ سبحانہ سے استغفار کرتا ہوں۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث ۲۷۰۲ : باب استحباب الاستغفار رقم الحدیث ٤۱ : مسند احمد ج ٤۱۱۵)

نیز حضرت اغر مزنی (رض) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: اے لوگو! اللہ سبحانہ کی طرف توبہ کرو کیونکہ میں ایک دن میں سو مرتبہ اس کی طرف توبہ کرتا ہوں۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث ۲۷۰۲ :، باب الاستغفار رقم الحدیث ٤۲ :)

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے استغفار کے متعلق امام رازی کی توجیہات:

(۱) نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا استغفار آپ کی تسبیح کرنے کے قائم مقام ہے، کیونکہ آپ نے کہا، اللہ تعالیٰ غفار ہے۔

(۲) آپ نے استغفار اس لیے کیا کہ آپ کی امت آپ کی اقتداء کرے، کیونکہ کوئی مکلف اس خطرے سے خالی نہیں ہے کہ اس سے عبادت میں کوئی تقصیر ہو گئی ہو اور اس میں یہ تنبیہ ہے کہ آپ معصوم تھے اور عبادت میں بہت کوشش کرتے تھے، اس کے باوجود جب آپ استغفار سے مستغنی نہیں ہیں تو کوئی دوسرا استغفار کرنے سے کیسے مستغنی ہو سکتا ہے۔

(۳) آپ ترک افضل کی وجہ سے استغفار کرتے تھے۔

(٤) بندہ جو عبادت بھی کرتا ہے، جب اس عبادت کا مقابلہ اپنے رب کی نعمتوں سے کرتا ہے تو اپنی عبادت کو اس کی نعمتوں کے شکر کے مقابل ہمیں بہت کم پاتا ہے تو اس تقصیر شکر کی وجہ سے اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتا ہے۔

(۵) جب سالک ایک عبادت سے دوسرے عبادت کی طرف منتقل ہوتا ہے تو اپنی پہلی عبادت کو قاصر پاتا ہے، لہٰذا اس قصور پر استغفار کرتا ہے اور اللہ کی طرف سیر کے مراتب غیر متناہی ہیں، اس لیے استغفار کے مراتب بھی غیر متناہی ہیں۔

(٦) اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس سے یہ مراد ہو کہ آپ اپنی امت کے لیے استغفار کیجیے اور جب آپ کی امت دن بہ دن زیادہ ہورہی ہے تو آپ کے استغفار کی بھی زیادہ ضرورت ہے، سو آپ زیادہ سے زیادہ استغفار کیجیے۔ (تفسیر کبیر ج ١١ ص دار احیاء التراث العربی، بیروت ١٤١٥ ھ)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ١٢٧٠ ھ لکھتے ہیں:

(١) نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) دائما ترقی کرتے رہتے تھے، جب آپ ترقی کر کے اگلے مرتبہ پر پہنچتے تو پہلے مرتبہ پر استغفار کرتے۔

(٢) آپ اپنے بلند مرتبہ کے اعتبار سے جس کام کو اپنے مرتبہ کے خلاف سمجھتے، اس پر استغفار کرتے۔

(٣) استغفار کا تعلق ان امور سے ہے، جو آپ سے سہواً صادر ہوئے، خواہ اعلان نبوت سے پہلے یا بعد میں

(٤) کوئی شخص بھی کما حقہ اللہ تعالیٰ کے حقوق ادا نہیں کرسکتا، اس کو اللہ تعالیٰ کی جتنی معرفت ہوتی ہے وہ اتنے ہی حقوق ادا کرسکتا ہے اور عارف کو معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حقوق اس سے کہیں زیادہ ہیں، جتنے وہ ادا کررہا ہے تو اس کو اپنے عمل سے حیا آتی ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حقوق ادا کرنے میں تقصیر کررہا ہے، سو اس کو جتنی زیادہ اللہ تعالیٰ کی معرفت ہوتی ہے، اس کو اللہ تعالیٰ کا اتنا زیادہ خوف ہوتا ہے اور اس کو اپنے عمل سے اتنی زیادہ حیا آتی ہے اور وہ اتنا زیادہ استغفار کرتا ہے۔

(٥) یہ بھی ممکن ہے کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس لیے استغفار کرتے ہوں کہ آپ کو اللہ سبحانہ کی عظمت اور جلال کی سب سے زیادہ معرفت ہے اور آپ کو یہ علم ہو کہ ہر چند کہ آپ کی عبادت تمام عابدین کی عبادت سے زیادہ ہے لیکن اللہ عزوجل کی کبریائی اور اس کی عظمت اور جلال کے مقابل ہمیں پھر بھی کم ہے اور اس کمی پر آپ اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتے ہوں۔ (روح المعانی جز ٣٠ ص ٤٦٣، دار الفکر، بیروت، ١٤١٧ ھ)

علامہ ابوالحسن علی بن الماوردی المتوفی ٤٥٠ ھ لکھتے ہیں:

اس سورت کے نازل ہونے کے بعد نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مقاتل کے قول کے مطابق ایک سال زندہ رہے اور حضرت ابن عباس (رض) کے قول کے مطابق دو سال زندہ رہے، اس کے اگلے سال رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے حج کیا، پھر یہ آیت نازل ہوئی:

الیوم اکملت لکم دینکم (المائدہ ٣ :) آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کردیا۔

اس کے بعد آپ اسی (٨٠) دن زندہ رہے، پھر یہ آیت نازل ہوئی:

لقد جآء کم رسول من انفسکم (التوبہ ١٢٨ :) بیشک تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک عظیم رسول آگئے ہیں۔

اس کے بعد آپ پینتیس (٣٥) دن زندہ رہے، پھر یہ آیت نازل ہوئی:

واتقوا یوما ترجعون فیہ الی اللہ(البقرہ ۲۸۱ :)اس دن سے ڈرو جس دن تم سب اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔
مقاتل نے کہا، اس کے بعد آپ سات دن زندہ رہے۔(النکت والعیون ج ٦ ص362)

علامہ ابوعبداللہ قرطبی متوفی ٦٦٨ھ لکھتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمر(رض) بیان کرتے ہیں کہ سورۃ النصر منی میں حجتہ الوداع کے موقع پر نازل ہوئی، پھر یہ آیت نازل ہوئی :"الیوم اکملت لکم دینکم "(المائدہ ۳ :)اس کے بعد آپ اسی (۸۰) دن زندہ رہے، پھر آپ پر آیت کلالہ (النساء ۱۷٦ :) نازل ہوئی، اس کے بعد آپ پچاس دن زندہ رہے، پھر آپ پر یہ آیت نازل ہوئی :"لقد جاءکم رسول من انفسکم (التوبہ ۱۲۸ :) کے بعد نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پینتیس (۳۵) دن زندہ رہے، اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی:"واتقوا یوما ترجعون فیہ الی اللہ"(البقرہ ۲۸۱ :) کے بعد آپ اکیس (۲۱) دن زندہ رہے، مقاتل نے کہا :اس کے بعد آپ سات دن زندہ رہے۔(الجامع لاحکام القرآن جز ۲۰ م 207 – 208 دار الفکر، بیروت ۱٤۱۵ھ)

ترکیب نحوی وتحقیق صرفی:

اِذَا، ظرف زمان، مستقبل پر دلالت کرتا ہے بمعنی شرط (جب) جَآءَ، فعل ماضی واحد مذکر غائب جَآءَ یَجِیۡءُ، مصدر مَجِیۡءٌ، آنا، اِذَا، کی وجہ سے ترجمہ (وہ آجائے) نَصۡرُ اللّٰہِ (نَصۡرُ۔ اَللّٰہِ) نَصۡرُ، مضاف، اسم مصدر مرفوع، مدد، اَللّٰہِ، مضاف الیہ، اللہ کی (اللہ کی مدد) وَالۡفَتۡحُ (وَ۔ اَلۡفَتۡحُ) وَ، حرف عطف، اور، اَلۡفَتۡحُ، اسم فعل (حالت رفع)، فتح مراد، فتح مکہ وَ، حرف عطف (اور) رَاَیۡتَ، فعل ماضی واحد مذکر حاضر رَاٰی یَرٰی، مصدر رُؤۡیَۃٌ، دیکھنا، اِذَا، کا معطوف ہونے کی وجہ سے ترجمہ (آپ دیکھیں) اَلنَّاسَ (لوگوں) یَدۡخُلُوۡنَ، فعل مضارع جمع مذکر غائب دَخَلَ یَدۡخُلُ، مصدر دُخُوۡلٌ، داخل ہونا (وہ داخل ہو رہے ہیں) فِیۡ دِیۡنِ اللّٰہِ (فِیۡ۔ دِیۡنِ۔ اَللّٰہِ) فِیۡ، حرف جار، میں، دِیۡنِ، مجرور، مضاف، دین، اَللّٰہِ، مضاف الیہ، اللہ کے، (اللہ کے دین میں) اَفۡوَاجًا (غول کے غول، فوج در فوج) واحد، فَوۡجٌ، معنی تیز رو جماعت کے ہیں۔ فَسَبِّحۡ (فَ۔ سَبِّحۡ) فَ، حرف عطف، تو، سَبِّحۡ، فعل امر واحد مذکر حاضر سَبَّحَ یُسَبِّحُ، مصدر تَسۡبِیۡحٌ، تسبیح کرنا، آپ تسبیح کریں (تو آپ تسبیح کریں) بِحَمۡدِ (بِ۔ حَمۡدِ) بِ، حرف جار، کے ساتھ، حَمۡدِ، مجرور، حمد، تعریف (تعریف کے ساتھ) رَبِّکَ (رَبِّ۔ کَ) رَبِّ، مضاف، رب، پروردگار، کَ، مضاف الیہ، ضمیر واحد مذکر حاضر، اپنے (اپنے رب کی) وَاسۡتَغۡفِرۡہُ (وَ۔ اِسۡتَغۡفِرۡ۔ ہُ) وَ، حرف عطف، اور، اِسۡتَغۡفِرۡ، فعل امر واحد مذکر حاضر اِسۡتَغۡفَرَ یَسۡتَغۡفِرُ، مصدر اِسۡتِغۡفَارٌ، مغفرت مانگنا، بخشش مانگنا، آپ بخشش مانگیے، ہُ، ضمیر واحد مذکر غائب، اس، ضمیر کا مرجع "رَبِّ" ہے (اور آپ اس سے بخشش مانگیے) اِنَّہٗ کَانَ تَوَّابًا (رح) ۰۰۳ بے شک وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے۔ اِنَّہٗ (اِنَّ۔ ہٗ) اِنَّ، حرف مشبہ بالفعل، بے شک، ہٗ، ضمیر واحد مذکر غائب، وہ (بے شک وہ) کَانَ، فعل ناقص ماضی واحد مذکر غائب کَانَ یَکُوۡنُ، مصدر کَوۡنًا، ہونا (وہ ہے) تَوَّابًا۔ تَوۡبَۃٌ، مصدر سے مبالغہ کا صیغہ، توبہ کرنے والے اور توبہ قبول کرنے والے، دونوں کو، تَوَّابٌ، کہا جاتا ہے، یہاں اللہ تعالیٰ کیلئے ہے (بڑا توبہ قبول کرنے والا)

(الحمدللہ سورہ نصر مکمل ہوگئی)

[سورۃ اللھب]

آیت ۱ تا ۵

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تَبَّتۡ یَدَاۤ اَبِیۡ لَہَبٍ وَّ تَبَّ ؕ﴿۱﴾ مَاۤ اَغۡنٰی عَنۡہُ مَالُہٗ وَ مَا کَسَبَ ؕ﴿۲﴾ سَیَصۡلٰی نَارًا ذَاتَ لَہَبٍ ۚۖ﴿۳﴾ وَّ امۡرَاَتُہٗ ؕ حَمَّالَۃَ الۡحَطَبِ ۚ﴿۴﴾ فِیۡ جِیۡدِہَا حَبۡلٌ مِّنۡ مَّسَدٍ ﴿۵﴾

ترجمہ:

ابولہب کے ہاتھ ٹوٹیں اور وہ ہلاک ہوجائے (۱) نہ اس کے مال نے اسے فائدہ دیا اور نہ اس کی کمائی نے (۲) وہ عنقریب شعلہ والی آگ میں داخل ہوگا۔ (۳) اور اس کی بیوی بھی، جو سر پر لکڑیاں لاد کر لاتی ہے۔ (۴) اس کی گردن میں مونجھ (کھجور کی چھال) کی رسی ہوگی (۵)

کوائف:

اس سورت کا نام سورۃ اللھب ہے۔ پہلی ہی آیت کریمہ میں لہب کا لفظ موجود ہے۔ جس سے اس سورت کا نام لیا گیا ہے۔ یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ نزول کے اعتبار سے اس کا چھٹا نمبر ہے۔ اس سے پہلے پانچ سورتیں نازل ہو چکی تھیں۔ اس کا ایک رکوع اور پانچ آیتیں ہیں۔

ماقبل سے ربط:

گزشتہ سورۃ نصر میں یہ بتایا گیا تھا کہ حق اور ہدایت ہی کو غلبہ و کامیابی حاصل ہوتی ہے اور دنیا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر لیتی ہے کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر اور اپنے دین کو غالب و کامیاب فرمایا ہے، تاریخ عالم میں اس نے اپنی قدرت عظیمہ کا مشاہدہ کرا دیا کہ وہ پیغمبر اور ان کے ساتھی جو مکہ سے مجبور و مظلوم ہو کر ہجرت کر کے مدینہ آئے چند ہی سال گذرنے پر وہی اللہ کا رسول دس ہزار قدسیوں کے ساتھ اسی سرزمین میں فاتح و کامیاب داخل ہو رہا ہے، تو اس کے بالمقابل اس سورت میں یہ بتایا جا رہا ہے کہ دین خداوندی اور اللہ کے رسول کی دشمنی کا انجام کس طرح تباہی اور بربادی کی صورت میں رونما ہوتا ہے چنانچہ وہ سرداران مکہ جن کے مال و دولت اور عزت و حشمت کی کوئی کمی نہ تھی کیسے ذلیل اور تباہ و برباد ہوئے۔

شان نزول:

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ صفا پہاڑی پر چڑھے اور قریش کو پکارا سب لوگ آپ کے بلانے پر جمع ہو گئے اور پوچھا کیا معاملہ ہے؟ تو آپ نے فرمایا بتاؤ اگر میں تم سے کہوں کہ تمہارا دشمن (پہاڑی کی اس طرف سے) تم پر صبح کو یا شام کو حملہ کرنے والا ہے تو کیا تم میری تصدیق کرو گے؟ انھوں نے کہا کیوں نہیں آپ نے فرمایا میں تمہیں ایک سخت عذاب سے ڈراتا ہوں؟ ابولہب نے کہا تو ہلاک ہوجائے کیا تو نے اس بات کے لیے ہم کو سب کو جمع کیا ہے

اس موقع پر اللہ نے یہ سورت نازل فرمائی۔

تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّ تَبَّ ۔ترجمہ۔ابولھب کے ہاتھ ٹوٹیں اور وہ ہلاک ہو(بخاری4688،تفسیر طبری 30۔217)

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ آپ نے کھڑے ہو کر کہا اے اولاد غالب، اے اولاد لوی، اے اولاد مروہ، اے اولاد کلب، اے اولاد عبد مناف، اور اے اولاد قصی میں اللہ کے مقابلے میں تمہارے لیے نفع کا اور دنیا کے معاملے میں کسی حصے کا اختیار نہیں رکھتا مگر یہ کہ تم لا الہ الا اللہ پڑھ لو۔ تو ابولھب نے کہا تو ہلاک ہو گیا تو نے اس بات کے لیے ہمیں بلایا تھا اس موقع پر اللہ نے یہ سورت نازل فرمائی۔ تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّ تَبَّ ۔ ابولھب کے ہاتھ ٹوٹیں اور وہ ہلاک ہو۔ (اسباب النزول نیسابوری379)

حضرت ابن عباس سے ایک اور روایت میں ہے کہ جب اللہ نے آپ پر یہ آیت نازل فرمائی (وانذر عشیرتک الاقربین) (سورۃ شعراء214) ترجمہ۔ اور اپنے قریب کے رشتہ داروں کو ڈر سناؤ۔

تو رسول اللہ نے صفا پہاڑی پر چڑھ کر قریش کو پکارا وہ سب لوگ جمع ہو گئے بعض خود آ گئے اور بعض نے اپنا قاصد دیا آپ نے فرمایا اے بنی عبد المطلب، اے بنی فھر، اے بنی لوی، اگر میں تمہیں کہوں کہ کچھ گھڑ سوار اس پہاڑ کے دامن سے تم پر حملہ کرنے والے ہیں کیا تم میری تصدیق کرو گے انھوں نے کہا کیوں نہیں؟ آپ نے فرمایا پھر میں تمہیں ایک سخت عذاب سے ڈراتا ہوں ابولھب نے کہا تم دن تجھ پر ہلاکت ہو تو نے اس بات کے لیے ہمیں بلایا تھا اس موقع پر اللہ نے یہ سورت نازل فرمائی۔

تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّ تَبَّ ۔ نیسابوری379، تفسیر بغوزادالمسیر 9۔258)

تفسیر؛

فرمایا؛ ابولھب کے ہاتھ ٹوٹیں اور وہ ہلاک ہو جائے، الخ

"تبت" کا معنی

اللھب ۱ : میں " تبت " کا لفظ ہے، اس کا مصدر " تب " اور " تباب " ہے علامہ راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ ھ لکھتے ہیں :اس کا معنی ہے :دائمی نقصان " تبت یدا ابی لھب " کا معنی ہے :ابولھب دائمی نقصان میں رہے، قرآن مجید میں ہے:

وما زادوھم غیر تتبیب ۔(ھود ۱۰۱ :) اور انھوں نے اپنا نقصان ہی زیادہ کیا۔ وما کید فرعون الا فی تباب ۔(المؤمن ۳۷ :) اور فرعون کی ہر سازش نقصان میں رہی ۔(المفردات ج۱ ص ۹۳ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ، ۱۴۱۸ھ)

" تب " معنی ہلاکت اور ٹوٹنا بھی ہے ۔(لغات القرآن ج ۲ ص ۶۶)

ابولہب کا نام اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے اس کی عداوت؛

اللہب ۱ : میں ہے : ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ جائیں اور وہ ہلاک ہو جائے۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ ھ لکھتے ہیں:

ابولہب اس کی کنیت ہے اور اس کا نام عبد العزیٰ بن عبد المطلب ہے، اس کی ماں خزاعیہ ہے، یہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا حقیقی چچا تھا، ابولہب کنیت کی وجہ یہ ہے کہ یا تو اس کا بیٹا لہب تھا، یا اس کے رخسار بہت سرخ تھے، الفاکہی نے کہا ہے کہ اس کی کنیت ابولہب اس وجہ سے تھی کہ لہب کا معنی ہے : شعلہ اور اس کا چہرہ اس کے حسن کی وجہ سے شعلے کی طرح بھڑکتا تھا، نیز اس کا انجام یہ تھا کہ یہ دوزخ کے شعلوں میں جھونکا گیا، اس لیے قرآن مجید نے اس کی کنیت کا ذکر کیا ہے، اس کے اسم کا ذکر نہیں کیا، دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ اپنی کنیت کے بجائے اپنے اسم کے ساتھ زیادہ مشہور تھا، نیز قرآن مجید نے اس کا اسم اس لیے ذکر نہیں کیا کہ اس کا اسم عبد العزیٰ تھا، اور العزیٰ بت تھا، جس کی پرستش کی جاتی تھی اور عبد العزیٰ کا معنی ہوا، عزیٰ کا بندہ، اور قرآن میں اللہ کے سوا کسی اور کی بندگی کا ذکر مناسب نہ تھا۔ یہ تمام لوگ سے زیادہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے عداوت رکھتا تھا، اس کی وجہ یہ تھی کہ اعلان نبوت سے پہلے یہ اور ابوطالب لڑ پڑے اور ابولہب، ابوطالب کے سینہ پر چڑھ کر بیٹھ گیا، اچانک رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آگئے تو آپ نے اس کی بغلوں میں ہاتھ ڈال کر اس کو زمین پر دے مارا، اس نے کہا، ہم دونون تمہارے چچا ہیں، پھر تم نے ایسا کیوں کیا؟ آپ نے فرمایا : اللہ کی قسم! میرے دل میں تمہاری محبت کبھی بھی نہیں رہی، ابولہب یہ سن کر غضب ناک ہوا اور ہمیشہ آپ سے عداوت رکھتا رہا، غزوہ بدر میں ابولہب نہیں گیا تھا اور اس نے اپنی جگہ بدیل کو بھیج دیا تھا اور جب اس کو قریش کی عبرتناک شکست کا پتا چلا تو یہ غم سے مر گیا۔ (فتح الباری ج ٦ ص ١٤٦ دار المعرفہ، بیروت، ١٤٢٦ ھ)

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے اعلان نبوت کے بعد ابولہب آپ سے بدترین عداوت رکھتا تھا، اس کا اندازہ اس حدیث سے کیا جاسکتا ہے۔

ربیعہ بن عابد دیلی پہلے زمانہ جاہلیت میں تھے، پھر اسلام لے آئے، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو اپنی آنکھوں کے سامنے ذوالمجاز کے بازار میں دیکھا، آپ فرما رہے تھے : اے لوگو! ”لا الہ الا اللہ“ کہو، تم کامیاب ہو جاؤ گے۔ آپ اس کے راستوں میں جا رہے تھے اور لوگ آپ کے گرد جمع ہو رہے تھے، میں نے دیکھا کوئی آپ سے کچھ نہیں کہہ رہا تھا اور آپ خاموش نہیں ہو رہے تھے آپ یہی کہہ رہے تھے اے لوگو! ”لا الہ الا اللہ“ کہو تم آخرت میں کامیاب ہو جائے گے اور بیشک آپ کے پیچھے ایک بھینگا آدمی تھا، وہ بہت خوبصورت تھا، وہ کہہ رہا تھا، یہ شخص اپنا دین بدل رہا ہے اور جھوٹا ہے، میں نے کہا، یہ کون شخص ہے؟ لوگوں نے کہا یہ محمد بن عبد اللہ ہیں اور یہ نبوت کا ذکر کر رہے ہیں، میں نے پوچھا اور یہ کون شخص ہے جو ان کو جھوٹا کہہ رہا ہے؟ لوگوں نے کہا : یہ ان کا چچا ابولہب ہے، راوی نے کہا:

تم اس وقت کم عمر تھے؟ انھوں نے کہا نہیں! میں عقل مند تھا۔ (مسند احمد ج ۳ ص ٤٩٢ طبع قدیم، مسند احمد ج ۲۵ ص ٤٠٥۔ مصنف ابن ابی شیبہ جی ١٤ ص ٣٠٠ سنن نسائی ٣١٩)

ابولہب کی عبرت ناک موت؛

فرمایا :ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ جائیں اور وہ ہلاک ہوجائے۔

ابولہب نے چونکہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے متعلق بد دعائیہ کلمہ کہا تھا" تبا لک " آپ کا ہاتھ ٹوٹ جائے یا آپ ہلاک ہوجائیں تو اللہ تعالیٰ نے اس کے مقابلہ میں صورۃ بد دعائیہ کلمہ فرمایا :ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ جائیں، ورنہ اللہ تعالیٰ بد دعا دینے سے پاک ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے خبر دی، وہ ہلاک ہوگیا۔

حافظ عماد الدین اسماعیل بن کثیر دمشقی متوفی ٧٧٤ھ اس کی ہلاکت کے احوال میں لکھتے ہیں:

ابورافع بیان کرتے ہیں :جنگ بدر کے بعد ابولہب سات دن زندہ رہا، حضرت ام الفضل نے خیمہ کی چوب اس کے سر پر مار کر اس کا سر پھاڑ دیا، اس کے بعد وہ عدسہ کی بیماری میں مبتلا ہوا، اس بیماری میں طاعون کی طرح گلٹی سی نکلتی ہے اور یہ ایک قسم کا پھوڑا ہوتا ہے، اسی بیماری میں وہ مرگیا، اس کے جسم سے سخت بدبو آرہی تھی، تین دن تک اس کی لاش پڑی رہی، لوگ اس بیماری سے طاعون کی طرح بھاگتے تھے حتیٰ کہ قریش کے ایک شخص نے اس کے بیٹوں سے کہا، تم کو حیا نہیں آتی، تمہارے گھر میں کہیں ہمیں بھی یہ بمیاری نہ لگ جائے، اس نے کہا، تم اس کو دفن کرو، میں بھی تمہاری مدد کروں گا، ابورافع نے کہا، پس اللہ کی قسم! انھوں نے اس کو غسل نہیں دیا اور مکہ کی ایک بلند جگہ سے اس کو ایک دیوار کے ساتھ پھینک دیا اور اس کے اوپر پتھر ڈال دیئے (نعوذ باللہ منہ) (البدایہ والنہایہ ج ۳ ص 76- 77 دارالفکر بیروت، ١٤١٩ھ تفسیر کبیر ج ١١)

فرمایا :اس کے مال نے اور اس کی کمائی نے اس کو کوئی فائدہ نہیں پہنچایا۔

ابولہب کے بیٹے عتیبہ کا انجام؛

یعنی اس کا مال اور اس کی کمائی اس کو دوزخ کے عذاب سے نہ بچا سکے، اس آیت میں ہم نے کسب کا معنی کمائی کیا ہے اور کسب کا اطلاق اولاد پر بھی ہوتا ہے، حدیث میں ہے:

حضرت عائشہ (رض) بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا، بیشک سب سے پاکیزہ طعام جو تم کھاتے ہو، وہ تمہاری کمائی سے ہے اور تمہاری اولاد بھی تمہاری کمائی سے ہے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث ١٣٥٨ :سنن ابوداؤد رقم الحدیث ٣٥٢٨ :سنن نسائی رقم الحدیث ٤٤٦١ :سنن ابن ماجہ رقم الحدیث ٢٢٩٠ :مسند احمد ج ٦ ص ٣١)

ابولہب کے دو بیٹے تھے، عتبہ اور عتیبہ اور ان دونوں کا نکاح رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی دو صاحب زادیوں سے تھا، رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے عناد کی وجہ سے ابولہب نے اپنے بیٹوں کو حکم دیا کہ وہ آپ کی صاحب زادیوں کو طلاق دے دیں۔ اس سلسلے میں یہ حدیث ہے:

قتادہ بن دعامہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی صاحب زادی حضرت ام کلثوم (رض) کا نکاح عتیبہ بن ابولہب سے ہوا، ابھی رخصتی نہیں ہوئی تھی کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اعلان نبوت فرما دیا اور دوسری صاحب زادی حضرت رقیہ (رض) اس کے بھائی عتبہ بن ابی لہب کے نکاح میں تھیں، جب اللہ تعالیٰ نے سورۃ " تبت یدا ابی لھب " نازل فرمائی تو ابولہب نے اپنے دونوں بیٹوں عتیبہ اور عتبہ سے کہا، میرا سر تم دونوں کے سر کے لیے حرام ہوگا، اگر تم نے (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی بیٹیوں کو طلاق نہ دی اور ابولہب کی بیوی اروی بنت حرب بن امیہ نے کہا، اے میرے بیٹو! تم ان دونوں کو طلاق دے دو، سو ان دونوں نے آپ کی صاحب زادیوں کو طلاق دے دی، اور جب عتیبہ نے حضرت ام کلثوم کو طلاق دے دی تو وہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس آئیں اور عتیبہ نے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے کہا، میں آپ کے دین سے کفر کرتا ہوں اور آپ کی بیٹی کو چھوڑتا ہوں، نہ وہ مجھ سے محبت کرتی ہے نہ میں اس سے محبت کرتا ہوں، پھر وہ آپ پر حملہ آور ہوا اور آپ کی قمیض پھاڑ دی، وہ اس وقت تجارت کی غرض سے شام کی طرف جارہا تھا، تب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا : اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ تو اس کے اوپر اپنے کتے کو مسلط کردے، وہ قریش کے تاجروں کے ساتھ روانہ ہوا حتیٰ کہ وہ سب رات کو شام میں ایک جگہ ٹھہرے، اس جگہ کا نام الزرقاء تھا، اس رات ان کے پاس شیر آیا اور ان کے درمیان چکر لگاتا رہا، عتیبہ نے کہا : ہائے میری ماں کا عذاب! اللہ کی قسم! یہ مجھے پھاڑ کھائے گا، جیسا کہ (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے دعا کی تھی، پھر لوگوں کے درمیان سے شیر اس کے پاس آیا، اس کے سر کو پکڑ کر اس کو جیسا کہ (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے دعا کی تھی، پھر لوگوں کے درمیان سے شیر اس کے پاس آیا، اس کے سر کو پکڑ کر اس کو مار ڈالا۔ (المعجم الکبیر ج ۲۲ ص ٤٦‏٠ - ٥٤٠ ٣ دلائل النبوۃ لابی نعیم رقم الحدیث ٣٨٠ تفسیر کبیر ج ١١ ص ٥٠ و روح المعانی جز ٣٠ ص ٤٧١)

فرمایا، وہ عنقریب سخت شعلوں والی آگ میں جائے گا۔

امام رازی فرماتے ہیں، اس آیت میں تین وجہوں سے غیب کی خبر ہے:

(١) اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا : ابولہب خسارہ میں رہے گا اور ہلاک ہوجائے گا اور ایسا ہی ہوا۔

(٢) اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا : وہ اپنے مال اور اپنی اولاد سے فائدہ نہیں اٹھا سکے گا اور ایسا ہی ہوا۔

(٣) اللہ تعالیٰ نے خبر دی تھی کہ وہ اہل دوزخ میں سے ہے اور ایسا ہی ہوا کیونکہ وہ ایمان نہیں لایا۔ (تفسیر کبیر ج ١١ ص 352 - 353 دار احیاء التراث العربی، بیروت، ١٤١٥ ھ)

دراصل محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی نبوت کے صداقت پر تین دلیلیں ہیں کیونکہ آپ نے قرآن مجید کی وساطت سے تین پیش گوئیاں فرمائیں اور یہ تینوں پیش گوئیاں صحیح ثابت ہوئیں اور یہ آپ کی نبوت کے برحق ہونے کی واضح دلیل ہیں۔

فرمایا : اور اس کی بیوی بھی لکڑیوں کا گٹھا اٹھائے ہوئے۔

ابولہب کی بیوی کی مذمت:

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ ھ لکھتے ہیں:

ابولہب کی بیوی کانی تھی، اس کی کنیت ام جمیل تھی، اس کا نام تھا اروی بنت حرب بن امیہ یہ حضرت معاویہ کے والد ابوسفیان (رض) کی بہن تھی، امام بزار نے سند حسن کے ساتھ حضرت ابن عباس (رض) سے روایت کیا ہے کہ جب سورۃ تبت یدا ابی لھب " نازل ہوئی تو ابولہب کی بیوی آئی، حضرت ابوبکر (رض) نے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے کہا: آپ ایک طرف ہوجائیں، آپ نے فرمایا: عنقریب میرے اور اس کے درمیان کوئی چیز حائل ہوجائے گی (میں اس کو دکھائی نہیں دوں گا) اس نے کہا، اے ابوبکر! تمہارے پیغمبر نے میری ہجو کی ہے، حضرت ابوبکر نے کہا، اس کعبہ کے رب کی قسم! وہ شعر بناتے ہیں نہ شعر پڑھتے ہیں، اور اس نے کہا، تم ان کی تصدیق کرتے ہو، جب وہ پیٹھ پھیر کر چلی گئی تو حضرت ابوبکر نے کہا، اس نے آپ کو نہیں دیکھا، آپ نے فرمایا، جب تک وہ پیٹھ پھیر کر چلی نہیں گئی، ایک فرشتہ مجھے چھپائے ہوئے تھا اور امام ابویعلیٰ اور امام ابن ابی حاتم نے اور حاکم نے حضرت زید بن ارقم (رض) سے روایت کیا ہے کہ جب تبت یدا ابی لھب " نازل ہوئی تو ابولہب کی بیوی سے کسی نے کہا (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے تمہاری ہجو کی ہے، تو وہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے آکر کہنے لگی، کیا آپ نے مجھے لکڑیوں کا گھٹا اٹھائے ہوئے دیکھا ہے؟ کیا آپ نے میری گردن میں رسی دیکھی ہے۔ فتح الباری ج ٦ ص ٤٧ دار المعرفہ، بیروت ١٤٢٦ ھ المستدرک ج ٢ ص ٣٦١)

حمالۃ الحطب " کا معنیٰ:

اس آیت میں " حمالۃ الحطب " کا لفظ ہے " حمالۃ " کا معنی ہے: اٹھا کر لانے والی اور " الحطب " کا معنی ہے: لکڑیاں وہ اپنے بخل کی وجہ سے جنگل سے لکڑیاں اٹھا کر لاتی تھی اور کانٹے لا کر رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے راستہ میں ڈال دیتی تھی تاکہ آپ کو وہ کانٹے چبھیں " حمالۃ الحطب " کا معنی چغلیاں کھانے والی بھی ہے، وہ لوگوں کی چغلیاں کرتی تھی اور ادھر کی بات ادھر لگاتی تھی۔ (جامع اللبیان رقم الحدیث ٢٩٥٩٩ :، تفسیر کبیر ج ١١ ص 353 – 354 فتح الباری ج ٦ ص ١٤٧)

فرمایا: اس کی گردن میں کھجور کی چھال کی بٹی ہوئی رسی ہوگی۔

ابولہب کی بیوی کے لیے دوزخ کی وعید:

اس آیت میں " جید " کا لفظ ہے، اس کا معنی ہے: گردن اور اس آیت میں " مسد " کا لفظ ہے، اس کا معنی کھجور کی چھال کی بٹی ہوئی رسی ہے۔ (القاموس المحیط ص ٢٧٥ القاموس ص 319 موسستہ الرسالتہ، بیروت)

الواحدی نے کہا ہے کہ درخت کی چھال سے جو بہت عمدہ طریقہ سے رسی بٹی جائے، اس کو مسد کہتے ہیں۔

یہ وہ مضبوط رسی تھی، جس سے وہ اپنی لکڑیوں کا گٹھا باندھتی تھی، قیامت کے دن اسی یا اس جیسی رسی کا پھندا اس کے گلے میں پڑا

ہوگا، اس آیت سے مقصود اس کو اور اس کے خاوند کو ایذاء پہنچانا ہے۔ اس کی تفسیر میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ جہنم کی آگ میں وہ ایسی حالت میں ہوگی کہ اس کی پیٹھ پر درخت زقوم کی کانٹے دار لکڑیوں کا گھٹا ہوگا اور اس کی گردن میں آگ کی زنجیروں کا پھندا ہوگا۔

ترکیب نحوی و تحقیق صرفی:

تَبَّتْ، فعل ماضی واحد مونث غائب تَبَّ یَتُبُّ، مصدر تَبًّا وَّتَبَابًا، ہلاک ہونا، مسلسل بدی میں مبتلا رہنا، برباد ہونا، ٹوٹ جانا (وہ ٹوٹ گیا) یَدَآ اَبِیْ لَہَبٍ۔ یَدَا، مضاف، اصل میں، یَدَانِ، تھا، اضافت کی وجہ سے تثنیہ کا نون حذف ہوگیا، دونوں ہاتھ، واحد، یَدٌ، اَبِیْ لَہَبٍ، مضاف الیہ، ابو لہب کے (ابو لہب کے دونوں ہاتھ) وَ، حرف عطف (اور) تَبَّ، فعل ماضی واحد مذکر غائب تَبَّ یَتُبُّ، مصدر تَبًّا وَّتَبَابًا ٹوٹ جانا، ہلاک ہونا، مسلسل بدی میں مبتلا رہنا، برباد ہونا (وہ ہلاک ہوگیا) مَا، نافیہ (نہ) اَغْنٰی، فعل ماضی واحد مذکر غائب اَغْنٰی یُغْنِیْ، مصدر اِغْنَآءٌ، کام آنا (وہ کام آیا) عَنْہُ (عَنْ۔ہُ) عَنْ، حرف جار بمعنی، بَاء، سے، ہُ، مجرور، ضمیر واحد مذکر غائب، اس (اس کے) مَالُہٗ (مَالُ۔ہٗ) مَالُ، مضاف، مال، ہٗ، مضاف الیہ، ضمیر واحد مذکر غائب، اس کا (اس کا مال) وَ، حرف عطف (اور) مَا، اسم موصول (جو) کَسَبَ، فعل ماضی واحد مذکر غائب کَسَبَ یَکْسِبُ، مصدر کَسْبًا، کمانا، حاصل کرنا (اس نے کمایا) مراد اس کی اولاد ہے۔ سَیَصْلٰی (سَ۔یَصْلٰی) سَ، حرف استقبال، فعل مضارع کو مستقبل کے معنی کیلئے مختص کرتا ہے، عنقریب، یَصْلٰی، فعل مضارع واحد مذکر غائب صَلِیَ یَصْلٰی، مصدر صَلْیٌ، داخل ہونا، وہ داخل ہوگا، (عنقریب وہ داخل ہوگا) نَارًا (آگ) ذَاتَ لَہَبٍ۔ ذَاتَ، مضاف، والی، لَہَبٍ، مضاف الیہ، مصدر بمعنی، آگ کا مشتعل ہونا، شعلوں (شعلوں والی) وَّامْرَاَتُہٗ اور اس کی بیوی، وَّامْرَاَتُہٗ (وَ۔ اِمْرَاَتُ۔ہٗ) وَ، حرف عطف، اور، اِمْرَاَۃُ، مضاف، بیوی، جمع، نِسَآءٌ، ہٗ، مضاف الیہ، ضمیر واحد مذکر غائب، اس کی (اس کی بیوی) حَمَّالَۃَ الْحَطَبِ (جو) ایندھن اٹھانے والی ہے۔ حَمَّالَۃَ الْحَطَبِ (حَمَّالَۃَ۔ اَلْحَطَبِ) حَمَّالَۃَ، مضاف، حَمْلٌ، مصدر سے مبالغہ کا صیغہ واحد مونث، اٹھانے والی، اَلْحَطَبِ، مضاف الیہ، لکڑی، ایندھن (ایندھن اٹھانے والی) فِیْ جِیْدِہَا (فِیْ۔جِیْدِ۔ہَا) فِیْ، حرف جار، میں، جِیْدِ، مجرور، مضاف، گردن، جمع، جُیُوْدٌ۔ اَجْیَادٌ، ہَا، مضاف الیہ، ضمیر واحد مونث غائب، اس کی، ضمیر کا مرجع، اِمْرَاَۃٌ، ہے (اس کی گردن میں) حَبْلٌ (رسی) مِّنْ مَّسَدٍ (مِنْ۔مَسَدٍ) مِنْ، حرف جار، سے، ضرورتاً ترجمہ، کی، مَسَدٍ، مجرور، اسم، بٹی ہوئی، مونجھ (مونجھ کی)

(الحمدللہ سورہ لہب مکمل ہوگئی)

[سورۃ الاخلاص]

آیت ۱تا۴

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ
قُلۡ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ ﴿۱﴾ اللّٰهُ الصَّمَدُ ﴿۲﴾ لَمۡ يَلِدۡ وَلَمۡ يُولَدۡ ﴿۳﴾ وَلَمۡ يَكُن لَّهُ كُفُوًا أَحَدٌ ﴿۴﴾

ترجمہ:

آپ کہہ دیجئے: وہ اللہ ایک ہے۔(۱) اللہ بے نیاز ہے۔(۲) نہ اس کی کوئی اولاد ہے، اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے۔(۳) اور نہ کوئی اس کے برابر ہے۔(۴)

کوائف:

اس سورت کا نام سورۃ الاخلاص ہے۔یعنی اس میں انتہائی اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی توحید کا بیان ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صفات کا اقرار ہے۔ یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔نزول کے اعتبار سے اس کا بائیسواں نمبر ہے۔اس سے پہلے اکیس سورتیں نازل ہو چکی تھیں۔اس کا ایک رکوع اور چار آیتیں ہیں۔

ماقبل سے ربط:

سورۃ لہب میں یہ نکتہ سمجھایا گیا ہے کہ جب تک خائن، حریص اور حق کے مخالف لوگ موجود ہیں۔معاشرہ پاک نہیں ہو سکتا اور نہ نظام حکومت درست ہوسکتا ہے۔لہٰذا اب جب کہ سیاسی غلبہ حاصل ہو چکا ہے۔فکر کو درست کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ یہ تمام باتیں بیان کرنے کے بعد اس سورۃ اخلاص میں اس مرکزی بات کا ذکر کیا گیا ہے۔جس کے گرد سارے دین اسلام کی عمارت گردش کرتی ہے۔

شان نزول:

قتادہ اور ضحاک اور مقاتل کہتے ہیں کہ یہود کے کچھ لوگ نبی کے پاس آئے اور آپ سے کہا ہمارے سامنے اپنے رب کی صفت بیان کریں کیونکہ اللہ نے توراۃ میں اپنی صفت بیان فرمائی ہے اور ہمیں بتلائیے کہ وہ کیا چیز ہے اور کس جنس سے ہے کیا وہ سونا، چاندی ہے یا پیتل؟ کیا وہ کچھ کھاتا اور پیتا ہے؟ وہ دنیا کا کس سے وارث بنا اور کسے اپنا وارث بنائے گا؟ اس پر اللہ نے یہ سورت نازل فرمائی اور یہ سورت خاص طور پر اللہ کے ساتھ متعلق ہے۔(نیسابوری 380، ترمذی، 3364، تفسیر بغوی 4۔544، زاد المسیر 9۔266)

ابی بن کعب سے روایت ہے کہ مشرکین نے رسول اللہ سے کہا ہم سے اپنے رب کا نسب بیان کریں اس پر اللہ نے یہ سورت نازل فرمائی۔قُلۡ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ،اَللّٰهُ الصَّمَدُ) الخ

تفسیر:

فرمایا؛ آپ کہہ دیجئے : وہ اللہ ایک ہے، الخ

اللہ تعالیٰ کی توحید پر دلائل؛

(۱) اگر اس کائنات کے متعدد پیدا کرنے والے ہوتے تو فرض کیجیے ایک خدا ارادہ کرتا کہ زید کو پیدا کیا جائے اور دوسرا خدا ارادہ کرتا کہ زید کو پیدا نہ کیا جائے تو دونوں کا اردہ پورا ہونا محال ہے کہ زید پیدا بھی ہو اور نہ بھی ہو، کیونکہ یہ اجتماع نقیضین ہے توجس کا ارادہ پورا ہوگا وہی خدا ہوگا، دوسرا خدا نہیں ہوگا۔

(۲) ہم دیکھتے ہیں کہ تمام دنیا میں پیدائش اور موت، اور تغیر و تبدیل نظام واحد پر چل رہا ہے، سورج ہمیشہ ایک مخصوص جانب سے طلوع ہوتا ہے اور ایک مخصوص جانب میں غروب ہوجاتا ہے، اسی طرح چاند اور ستارے بھی نظام واحد کے موافق طلوع اور غروب کررہے ہیں، زرعی پیداوار اور انسانوں اور حیوانوں کی پیدائش اور متوایک نظام کے تحت ہورہی ہے، اگر یہاں متعدد خدا ہوتے تو کائنات کے نظام متعدد ہوتے، ہر خدا اپنا اپنا نظام جاری کرتا اور اس کائنات میں نظام واحد ہونا اس پر دلیل ہے کہ اس کا نظام اور خالق اور موجد بھی واحد ہے۔

(۳) اللہ تعالیٰ نے یہ دعویٰ کیا کہ وہ اس کائنات کا واحد خالق اور مالک ہے اور اس کے ثبوت میں اس نے نبیوں، رسولوں کو بھیجا اور آسمانی کتابوں کو نازل کیا، اگر اس کے علاوہ بھی اس کائنات کا کوئی خالق تھا تو اس پر لازم تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی توحید کے دعویٰ کو باطل کرنے کے لیے نبی اور رسول بھیجتا، جو آکر یہ بتاتا کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ بھی اس کائنات کا کوئی خالق اور مالک ہے اور وہ اس کائنات کی تخلیق میں اللہ تعالیٰ کا شریک ہے، لیکن جب ایسا کوئی نبی نہیں آیا، ایسی کوئی آسمانی کتاب نہیں آئی تو معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے واحد لاشریک ہونے کا دعویٰ سچا ہے اور ہم پر اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کی عبادت لازم نہیں ہے۔

جب اللہ واحد ہے تو مجوسیوں کا یہ کہنا باطل ہے کہ دو خدا ہیں، ایک خیر کا خالق ہے وہ یزداں ہے اور ایک شر کا خالق ہے وہ اہرمن ہے اور عیسائیوں کا یہ کہنا باطل ہے کہ تین خدا ہیں، اللہ تعالیٰ، حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم اور مشرکین مکہ کا بتوں کو اللہ تعالیٰ کا شریک اور مستحق عبادت ماننا بھی باطل ہوگیا۔

فرمایا : اللہ بے نیاز ہے۔

"الصمد" کے معانی اور مطلب؛

اس آیت میں "صمد" کا لفظ ہے "صمد" کا معنی ہے : اپنی حاجات اور ضروریات میں جس کا قصد کیا جائے اور اسے کسی کی طرف حاجت اور ضرورت نہ ہو، الاصم نے کہا : "الصمدُ وہ ہے جو تمام چیزوں کا خالق ہو، السدی نے کہا : "صمد" وہ ہے جس کا مرغوبات کے حصول میں قصد کیا جائے اور آفات اور مصائب میں اس سے فریاد کی جائے، الحسین بن فضل نے کہا : "صمد" وہ ہے جو جس چیز کو بھی چاہے وہ کرے اور اپنے ہر ارادہ کو پورا کرے اور اس کے حکم اور اس کے فیصلہ کو

کوئی ٹالنے والا نہ ہو" صمد " وہ ہے جو غنی ہو، قرآن مجید میں ہے :" ھوالغنی الحمید۔"(الحدید ۲۴ :) وہ مستغنی ہے اور تعریف کیا ہوا ہے" صمد" وہ ہے جس کے اوپر کوئی نہ ہو" وھوالقاھر فوق عبادہ"(الانعام ۱۸ :) وہ اپنے تمام بندوں پر غالب ہے، قتادہ نے کہا : وہ کھاتا پیتا نہیں ہے" وھو یطعم ولا یطعم "(الانعام ۱ :) وہ کھلاتا ہے اور خود نہیں کھاتا، نیز قتادہ نے کہا : "صمد" وہ ہے جو ہمیشہ باقی رہے اور اس کے سوا ہر چیز فانی ہے :" کل من علیھا فان۔ ویبقی وجہ ربک (الرحمن 27:-26) زمین پر ہر چیز فانی ہے۔ اور آپ کا رب باقی ہے، ابو مالک نے کہا :" صمد" وہ ہے جس کو اونگھ اور موت نہیں آتی :" لا تاخذہ سنۃ ولا نوم "(البقرہ ۲۵۵ :) اس کو نہ نیند آتی ہے نہ موت، مقاتل بن حیان نے کہا :" صمد" وہ ہے جس میں کوئی عیب نہ ہو، ربیع بن انس نے کہا :" صمد" وہ ہے جس پر کوئی آفت اور مصیبت نہ آئے، سعید بن جبیر نے کہا :" صمد" وہ ہے جو اپنی تمام صفات اور افعال میں کامل ہو، امام جعفر صادق نے کہا، جو ہمیشہ غالب ہو اور کبھی مغلوب نہ ہو، " صمد" وہ ہے جو تمام نقصانات اور تغیرات سے منزہ ہو اور زمان و مکان کے احاطہ سے مبرا ہو۔ (تفسیر کبیر ج ۱۱ ص 362 – 363 ملخصاً و موضحاً دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

فرمایا : اس کی کوئی اولاد نہیں اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے۔

اللہ تعالیٰ کی اولاد نہ ہونے پر دلائل:

اس آیت کے پہلے حصہ میں اللہ تعالیٰ نے پہلے اپنی اولاد کی نفی کی ہے اور پھر دوسرے حصہ میں اس کی نفی کی ہے کہ وہ خود کسی کی اولاد ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کا کوئی قائل نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کی اولاد ہے، البتہ اس کے کئی فرقے قائل تھے کہ اللہ تعالیٰ کی اولاد ہے، مشرکین مکہ کہتے تھے کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں، اور یہود یہ کہتے تھے کہ عزیر اللہ کا بیٹا ہے اور عیسائی یہ کہتے تھے کہ مسیح اللہ کا بیٹا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی اولاد اس لیے نہیں ہوسکتی کیونکہ اولاد والد کی جنس سے ہوتی ہے، اور اللہ تعالیٰ واجب اور قدیم ہے، اگر اس کی اولاد ہوتی تو وہ بھی واجب اور قدیم ہوتی اور جو پیدا ہو وہ واجب اور قدیم نہیں ہوسکتا بلکہ وہ ممکن اور حادث ہوگا۔

فرمایا : اور نہ اس کا کوئی ہم سر ہے۔

یہ بھی پچھلی آیت کا تتمہ ہے کیونکہ کوئی شخص اسی کو بیوی بناتا ہے جو اس کے کفو ہو اور اس کی ہم پلہ ہو اس کائنات میں کوئی اس کا ہم پلہ ہی نہیں ہے تو وہ کسی کو بیوی کیسے بنائے گا۔

قرآن مجید میں ہے:

(الانعام ۱۰۱ :) اللہ کی اولاد کیسے ہوسکتی ہے، اس کی تو کوئی بیوی ہی نہیں اور وہ ہر چیز کا خالق ہے۔

ترکیب نحوی و تحقیق صرفی:

قُلْ، فعل امر واحد مذکر حاضر قَالَ یَقُوْلُ، مصدر قَوْلًا، کہنا (آپ کہہ دیجئے) ہُوَ، ضمیر منفصلہ واحد مذکر غائب (وہ) اَللّٰہُ، خالق کائنات کا ذاتی نام (اللہ) اَحَدٌ (ایک، آکیلا) اَللّٰہُ، خالق کائنات کا ذاتی نام (اللہ) اَلصَّمَدُ، اللہ کا صفاتی نام، بمعنی مفعول یعنی مقصود، وہ ہستی جس کی طرف حاجتوں، مصیبتوں اور تمام معاملات میں رجوع کیا جائے اور اسے کسی کی حاجت نہیں (بے نیاز) لَمْ یَلِدْ، فعل مضارع مجزو ممنفی جحد بلم واحد مذکر غائب وَلَدَ یَلِدُ، مصدر وِلَادَۃٌ، پیدا کرنا، جننا، لَمْ، کی وجہ سے ترجمہ (نہ اس نے (کسی کو) جنا) وَلَمْ یُوْلَدْ ۰۰۳ اور نہ وہ (کسی سے) جنا گیا۔ وَ، حرف عطف (اور) لَمْ یُوْلَدْ، فعل مضارع مجہول منفی جحد بلم واحد مذکر غائب وَلَدَ یَلِدُ، مصدر وِلَادَۃٌ، پیدا کرنا، جننا، لَمْ، کی وجہ سے ترجمہ (نہ وہ (کسی سے) جنا گیا) وَ، حرف عطف (اور) لَمْ یَکُنْ، فعل ناقص مضارع منفی جحد بلم واحد مذکر غائب کَانَ یَکُوْنُ، مصدر کَوْنًا ہونا (نہ ہے) لَّہٗ (لَ۔ہٗ) لَ، حرف جار، کا، ہٗ، مجرور، ضمیر واحد مذکر غائب، اس، ضمیر کا مرجع اَللّٰہُ، ہے (اس کا) کُفُوًا، مرتبہ میں برابر، ہمسر، مساوی القدر، اَحَدٌ، (کوئی ایک)۔

(الحمد للہ سورہ اخلاص مکمل ہوگئی)

[سورۃ الفلق]

آیت ۱ تا ۵

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

قُلْ أَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ (۱) مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ (۲) وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ إِذَا وَقَبَ (۳) وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِي الْعُقَدِ (۴) وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ إِذَا حَسَدَ (۵)

ترجمہ:

آپ کہہ دیجئے: میں صبح کے رب کی پناہ مانگتا ہوں۔ (۱) ہر اس چیز کے شر سے جو اس نے پیدا فرمائی (۲) اور اندھیری رات کے شر سے جب کہ وہ چھا جائے (۳) اور ان کے شر سے جو گرہوں میں پھونک مارتی ہیں۔ (۴) اور حسد کرنے والے کے شر سے جب وہ حسد کرنے لگے۔ (۵)

کوائف:

اس سورۃ کا نام سورۃ الفلق ہے۔ یہ مدنی زندگی میں نازل ہوئی۔ اس کی پانچ آیات ہیں۔ اس کی پہلی آیت میں فلق کا لفظ مذکور ہے۔ جس سے سورۃ کا نام لیا گیا ہے۔ اس سورت کے مکی یا مدنی ہونے میں اختلاف ہے، حسن بصری، عکرمہ، عطاء اور حضرت جابر (رض) کے نزدیک یہ سورت مکی ہے اور حضرت ابن عباس (رض) قتادہ اور ایک جماعت کے نزدیک یہ سورت مدنی ہے۔ (روح المعانی جز۰ ۳ ص ۴۹۸ دار الفکر بیروت ۱۴۱۷ھ)

ما قبل سے ربط:

اس سے پہلے سورۃ الاخلاص میں اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید کو بیان فرمایا تھا اور یہ کہ جو چیزیں اس کی شان کے لائق نہیں ہیں،

اس کی ذات اور صفات ان سے منزہ ہے، اور اس سورت الفلق اور اس کے بعد کی سورت الناس میں یہ بتایا ہے کہ اس جہان میں جو بھی شر ہے، اس سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنی چاہیے، اسی طرح شیاطین، انس اور جن جو انسان کو اللہ کے راستہ سے روکتے ہیں اور انسان کے دل میں برائی کے وسوسے ڈالتے ہیں، ان سے بھی اللہ کی پناہ طلب کرنی چاہیے۔

سورہ فلق وسورہ ناس کا شان نزول؛

کلام اللہ کی یہ دو آخری سورتیں معوذتین کہلاتی ہیں دونوں مدنی سورتیں ہیں عبداللہ بن عباس اور جمہور صحابہ وائمہ مفسرین (رض) اسی کے قائل ہیں کہ یہ دونوں سورتیں مدینہ منورہ میں نازل ہوئیں اور اس وقت نازل کی گئیں جب نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر یہود نے سحر کر دیا تھا اور اس جادو کے اثر سے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر ایک طرح کا مرض سا بدن مبارک پر لاحق ہو گیا تھا اور اس دوران کبھی ایسا بھی آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو اپنے کسی دنیا کے کام اور معاملہ میں خیال ہوتا ہے کہ میں نے یہ کام کرلیا حالانکہ وہ نہیں کیا ہوا ہوتا کبھی کوئی چیز نہیں کی اور خیال ہوتا کہ میں نے یہ بات کرلی ہے اس کے علاج کے واسطے یہ دو سورتیں نازل ہوئیں۔

امام بخاری (رح) نے اپنی صحیح میں حضرت عائشہ (رض) کی روایت باسناد عروۃ بن الزبیر (رض) تخریج کی ہے کہ حضرت عائشہ ام المومنین (رض) نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر جادو کر دیا گیا تھا (اور جب اس کے کچھ آثار بدن مبارک اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے معمولات میں محسوس ہوئے) تو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے (ایک روز) فرمایا اے عائشہ (رض) میں نے اللہ رب العزت سے جو بات معلوم کرنی چاہی تھی وہ مجھے نے بتا دی ہے وہ اس طرح کہ میرے پاس دو آدمی آتے ہیں (یعنی اللہ کے فرشتے دو انسانوں کی صورت میں) ایک ان میں سے میرے سر کی طرف بیٹھ گیا اور دوسرا پاؤں کی طرف تو اس نے جو سرہانے بیٹھا تھا دوسرے پوچھا کہ ان صاحب کا کیا حال ہے دوسرے نے جواب دیا ان پر جادو کیا گیا ہے پہلے نے پوچھا اور کس نے ان پر جادو کیا جواب دیا لبید بن الاعصم نے، جو یہودیوں میں سے ایک شخص تھا، منافق تھا دریافت کیا اور کس چیز میں جادو کیا گیا؟ جواب دیا بالوں کے گچھے میں سوال کیا وہ کہاں ڈالا گیا تو بتایا بیئر ذروان میں (ایک کنوئیں کا نام ہے) حضرت عائشہ (رض) فرماتی ہیں کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس کنوئیں پر تشریف لے گئے اور اسکو نکلوایا اس کنوئیں کا پانی دیکھا گیا تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مہندی کا پانی ہے سرخ رنگ کا۔

ابن عباس (رض) کی روایت میں ہے کہ بالوں کو کسی دھاگہ میں باندھ کر اس میں گرہیں لگائی ہوئی تھیں تو اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ دونوں سورتیں نازل فرمائیں آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ایک ایک آیت پڑھتے جاتے تو ہر آیت کی تلاوت پر ایک گرہ کھل جاتی اور دونوں سورتوں کی آیات پوری ہونے اور دم کرنے پر ایسا معلوم ہوا کہ گویا کسی بندش سے کھول دیا گیا تو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر پھر حسب سابق وہ نشاط کی حالت عود کر آئی اور جو گھٹن یا جسمانی تکلیف محسوس ہو رہی تھی وہ

ختم ہوگئی، یہ واقعہ صحیحین میں موجود ہے مسند احمد بن حنبل اور دیگر کتب احادیث میں متعدد سندوں اور صحابہ کی روایات سے یہ قصہ منقول ہے حضرت عائشہ (رض) ابن عباس (رض) اور زید بن ارقم (رض) کی روایات صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں بھی ہیں اور ان روایات و احادیث پر کسی نے جرح نہیں کی اور اس طرح کی کیفیت یا بدنی احوال میں کسی نوع کا تغیر منصب رسالت کے منافی نہیں ہے جیسے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا کسی وقت بیمار ہوجانا یا کسی وقت غشی کا طاری ہونا جیسے کہ مرض الوفات کے زمانہ میں ایسا ہوا یا جیسے غزوہ احد میں آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے چہرہ انور پر زخم لگ جانا اور دندان مبارک کا شہید ہونا یا جس طرح کہ کسی وقت آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو نماز میں سہو پیش آجاتا تو یہ جملہ احوال بمقتضائے بشریت ہیں اور ان کے پیش آنے سے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے مقام رسالت اور وحی الٰہی کے اعتماد میں کسی قسم کا کوئی سقم اور حرج نہیں واقع ہوسکتا اور نہ ہی احوال آپ کے منصب رسالت کے منافی ہیں۔

آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو جب نماز میں سہو پیش آیا تو آپ نے فرمادیا تھا۔ انما انا بشر انسی کما تنسون فاذا نسیت فذکرونی کہ میں بہرحال ایک بشر ہوں اور کسی وقت (حکمت الٰہیہ کے باعث) کوئی چیز بھول جاتا ہوں جیسے تم لوگ بھولتے ہو تو جب میں کوئی چیز بھول جاؤں تو مجھے یاد دلادو۔

تو اس قسم کے سہو یا غشی کے واقعہ سے کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ ایسی صورت میں آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی وحی اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی باتوں پر (العیاذ باللہ) کیسے یقین کرلیا جائے ظاہر ہے کہ اس قسم کے احوال جسمانیہ جواز قسم مرض و حوادث طبیعیہ ہوں سے وحی الٰہی اور فرائض منصب رسالت کی ادائیگی میں ذرہ برابر بھی شک وشبہ کی گنجائش نہیں اور محض اتنی سی بات سے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو کسی کام کرلینے کا خیال ہوگیا حالانکہ نہ کیا ہو قطعاً وحی الٰہی کے اعتماد پر کوئی جرح نہیں کی جاسکتی انبیاء (علیہم السلام) بہرحال جنس بشر سے ہیں اور ان پر ایسے احوال وعوارض بشریہ کا طاری ہونا شریعت اور احکام دین کی حجیت وقطعیت پر کسی طرح بھی اثر انداز نہیں ہوسکتا اور یہ مسحور ہونا اس طرح کا نہ تھا جو کفار ومشرکین آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو بطور طعن کہا کرتے کہ مسحور ومجنون ہیں کہ وحی الٰہی کے جوش اور جذبہ دعوت وتبلیغ میں انہماک جنون کے عنوان سے تعبیر کرتے بعض حضرات اہل علم کا اس قصہ میں یہ تاویل اختیار کرنا ظاہر احادیث کے مضمون کے صریح خلاف ہے۔

اور اگر بالفرض والتقدیر کسی سہو یا سحر کو نقصان تصور کیا جائے تو یہ اس صورت میں ہے جب کہ اللہ کی وحی سے اس سہو یا سحر کو دور نہ کیا گیا ہو جب کہ ہر سہو پر اور اس جادو کے قصہ میں وہ اثرات قدرت خداوندی نے زائل کردیئے تو پھر کیا اشکال ہوسکتا ہے قرآن کریم کی یہ آیت اس حقیقت اور حکمت الٰہیہ کو ظاہر کررہی ہے (آیت)۔ **سنقرئك فلا تنسى الا ما شآء الله**"۔ اس لیے یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ اگر کسی وقت کوئی مرض یا کسی لحہ کوئی سہو یا غشی پیغمبر پر طاری ہوگئی تو اس سے فرائض نبوت میں کوئی خلل نہیں واقع ہوسکتا۔

تفسیر:

فرمایا: آپ کہہ دیجئے : میں صبح کے رب کی پناہ مانگتا ہوں: الخ

اللہ سے پناہ طلب کرنے میں صبح کے وقت کی تخصیص کی توجہات:

فرمایا : آپ کہیے کہ میں صبح کے رب کی پناہ لیتا ہوں۔اس کی بنائی ہو ہر چیز کے شر سے۔اور اندھیری رات کے شر سے جب وہ چھا جائے۔

اکثر مفسرین نے یہ کہا ہے کہ فلق سے مراد صبح کا وقت ہے، زجاج نے کہا، رات کو پھاڑ کر صبح نمودار ہوتی ہے، اور اس وقت اللہ تعالیٰ سے پناہ طلب کرنے کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

(۱) جو ذات رات کے اس شدید اندھیرے کو اس جہان سے زائل کرنے پر قادر ہے، وہ ذات پناہ طلب کرنے والے سے اس چیز کو ضرور زائل کرنے پر قادر ہے جس سے وہ ڈر رہا ہے اور خوف زدہ ہے۔

(۲) صبح کا طلوع ہونا کشادگی کی نوید کی مثل ہے، پس جس طرح انسان رات میں صبح کا منتظر ہوتا ہے، اسی طرح خوف زدہ انسان اپنی مہم میں کامیابی کا منتظر ہوتا ہے۔

(۳) صبح کے وقت کی تخصیص کی یہ وجہ ہوسکتی ہے کہ اس وقت مظلوم اور بے قرار لوگ اپنی حاجات میں اپنے رب سے دعائیں کرتے ہیں، گویا وہ یہ کہتا ہے کہ میں اس وقت کے رب کی پناہ طلب کرتا ہوں، جو ہر رنج اور فکر سے کشادگی عطا فرماتا ہے۔

(٤) ہوسکتا ہے کہ صبح کے وقت کو اس لیے خاص کیا ہو کہ فجر کی نماز قیامت کے تمام احوال کی جامع ہے، کیونکہ فجر کی نماز میں انسان طویل قیام کرتا ہے اور یہ طویل قیام اس کو قیامت کے دن اپنے رب کے سامنے پچاس ہزار سال کے قیام کی یاد دلاتا ہے، قرآن مجید میں ہے:

یوم یقوم الناس لرب العلمین۔ (المطففین ٦:) جس دن تمام لوگ رب العلمین کے سامنے کھڑے ہوں گے۔

اور انسان جب نماز میں امام کی قرأت سنتا ہے تو وہ اس کو قیامت کے دن اپنے اعمال نامہ کی قرأت کی یاد دلاتا ہے :

(الجاثیہ 29:) یہ ہماری کتاب ہے جو تمہارے سامنے سچ سچ بول رہی ہے۔اور جب انسان نماز میں رکوع کرتا ہے تو یہ اس کو اس وقت کی یاد دلاتا ہے جب مجرم اللہ تعالیٰ کے سامنے سر جھکائے کھڑے ہوں گے :**ناکسوا روسھم (السجدہ 12:)** وہ اپنے سروں کو جھکائے ہوئے ہوں گے۔

اور جب وہ نماز میں سجدہ کرتا ہے تو وہ اس کو اس وقت کی یاد دلاتا ہے جب کافروں کو سجدہ کے لیے بلایا جائے اور وہ سجدہ نہ کرسکیں گے۔

(القلم 42) اوران کو سجدہ کیلیے بلایا جائے گا، سو وہ سجدہ نہیں کر سکیں گے۔

اور جب وہ قعدہ میں دوزانو بیٹھا ہوگا تو یہ اس کو اس وقت کی یاد دلائے گا جب تمام امتیں گھٹنوں کے بل گری ہوں گی:

(الجاثیہ 28:) اور آپ دیکھیں گے کہ ہر امت گھٹنوں کے بل گری ہوئی ہوگی۔

پس گویا کہ اللہ سے پناہ طلب کرنے والا یہ کہتا ہے :اے میرے رب کیچ جس طرح تو نے مجھے رات کے اس اندھیرے سے نجات دی ہے مجھے ان ہول ناک مصائب سے بھی نجات عطا فرما۔

(۵) صبح کا وقت بہت سعادت اور استجابت کا وقت ہے، قرآن مجید میں ہے:

ان قران الفجر کان مشھوداً ۔ (بنی اسرائیل 78:) بیشک فجر کے وقت قرآن پڑھنے میں (فرشتے) حاضر ہوتے ہیں۔

اس وقت میں رات اور دن کے فرشتے جمع ہوتے ہیں، اس لیے اس وقت پناہ طلب کرنے والے کی قبولیت زیادہ متوقع ہے۔

(٦) یہ اللہ تعالیٰ سے گڑ گڑا کر دعا کرنے اور استغفار کرنے کا وقت ہے اور اللہ تعالیٰ سے پناہ طلب کرنے کے بہت مناسب ہے، قرآن مجید میں ہے:

والمستغفرین بالاسحار (آل عمران 17:) اور جو لوگ سحر کے قوت اللہ سے استغفار کرتے ہیں۔ (تفسیر کبیر ج ۱۱ ص 371 – 372 ملخصاً وموضحاً دار احیاء التراث العربی، بیروت 1415ھ)

صبح کے قوت اللہ سے پناہ طلب کرنے کے متعلق یہ حدیث ہے:

حضرت معاذ بن عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ ہم پر ہلکی بارش ہوئی اور اندھیرا چھایا ہوا تھا، ہم بح کی نماز میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا انتظار کر رہے تھے، پھر رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہمیں نماز پڑھانے کے لیے آئے، آپ نے فرمایا: پڑھو میں نے عرض کیا، کیا پڑھوں؟ آپ نے فرمایا، پڑھو "قل ھو اللہ احد" اور معوذتین، جب شام ہو اور جب صبح ہو تین تین بار پڑھو، ان کی تلاوت تم کو ہر چیز سے کافی ہوگی۔ (سنن نسائی رقم الحدیث 5443:)

فرمایا اور گرہ میں بہت پھونک مارنے والی عورتوں کے شر سے۔

"نفثت" کا معنی؛

اس آیت میں "نفثت" کا لفظ ہے "نفث" کا معنی ہے :منہ سے ایسی پھونک مارنا جس میں کچھ لعاب کی آمیزش ہو اور بعض نے کہا، اس سے مراد صرف پھونک ہے اور "العقد" "عقدۃ" کی جمع ہے، اس کا معنی گرہ ہے اور اس کا سبب یہ ہے کہ جب جادوگر جادو کے الفاظ پڑھنا شروع کرتا ہے تو وہ ایک دھاگا پکڑ لیتا ہے، وہ اس دھاگے میں ایک گرہ لگاتا ہے اور جادو کے الفاظ پڑھ کر اس گروہ میں پھونک مارتا ہے، پھر اس طرح گرہیں لگاتا جاتا ہے اور اس میں پھونکیں مارتا

جاتا ہے۔

اس آیت میں پھونک مارنے والے جادوگر کے لیے مونث کا صیغہ استعمال فرمایا ہے، اس کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

(۱) جادو کا عمل زیادہ تر عورتیں کرتی ہیں کیونکہ وہ گرہ لگاتی جاتی ہیں اور پھونک ماتری جاتی ہیں ارو اس میں اصل چیز یہ ہے کہ یہ عمل دل سے کیا جائے، اور عورتیں یہ کام زیادہ توجہ سے کرتی ہیں، کیونکہ ان کا علم کم ہوتا ہے اور ان میں شہوت زیادہ ہوتی ہے۔

(۲) مونث کا صیغہ اس لیے لایا گیا ہے کہ اس سے مراد جادوگروں کی جماعت ہے کیونکہ جب کئی جادوگر مل کر جادو کریں گے تو اس کا اثر زیادہ ہوگا۔

(۳) ابوعبیدہ نے کہا: ”نفاثات“ (پھونک مارنے والیاں) سے مراد ہے، لبید بن اعصم یہودی کی بیٹیاں، جنہوں نے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر جادو کیا تھا (لیکن تحقیق یہ ہے کہ اللہ تعالی کے فضل سے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر جادو کا اثر نہیں ہوا تھا

فرمایا: اور حسد کرنے والے کے شر سے جب وہ حسد کرے۔

حسد کی تعریف، اس کا شرعی حکم اور اس کے متعلق احادیث:

حسد کی تعریف یہ ہے کہ انسان کسی شخص کے پاس کوئی نعمت دیکھ کر یہ خواہش کرے کہ اس کے پاس سے وہ نعمت زائل ہوجائے، خواہ اس کو وہ نعمت نہ ملے، اگر اس کی قدرت میں اس نعمت کو چھیننا ہو تو وہ اس نعمت کو چھین لے، اسی لیے اللہ تعالی نے حسد سے پناہ مانگنے کا حکم دیا ہی اور اس سورت میں ہر وہ شر داخل ہے، جس کا انسان کے دین یا اس کی دنیا میں خطرہ ہو۔

اگر انسان کسی شخص کے پاس کوئی نعمت دیکھ کر یہ تمنا کرے کہ اس کے پاس بھی یہ نعمت رہے اور اللہ تعالی مجھے بھی یہ نعمت عطا کردے تو اس کو رشک کہتے ہیں، رشک کرنا جائز ہے اور حسد کرنا حرام ہے حدیث میں ہے:

حضرت ابوہریرہ (رض) بیان کرتے ہیں کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا، تم حسد کرنے سے باز رہو کیونکہ حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ لکڑیوں کو کھا جاتی ہے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث 4903:)

حضرت ابوہریرہ (رض) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: کسی مومن کے پیٹ میں اللہ کی راہ میں غبار اور جہنم کی حرارت جمع نہیں ہوں گی اور نہ کسی بندہ کے دل میں ایمان اور حسد جمع ہوگا۔ (سنن نسائی رقم الحدیث 3106:)

حسد وہ پہلا گناہ ہے جو آسمانوں مین اللہ سبحانہ کی نافرمانی میں کیا گیا اور حسد وہ پہلا گناہ ہے جو اللہ کی نافرمانی میں زمین پر کیا گیا، ابلیسنے حضرت آدم سے حسد کیا اور قابیل نے ہابیل سے حسد کیا۔

ترکیب نحوی وتحقیق صرفی:

قُلْ، فعل امر واحد مذکر حاضر قَالَ یَقُوْلُ، مصدر قَوْلًا، کہنا (آپ کہہ دیجئے) اَعُوْذُ، فعل مضارع واحد متکلم عَاذَ یَعُوْذُ، مصدر عَوْذٌ، پناہ مانگنا (میں پناہ مانگتا ہوں) بِرَبِّ الْفَلَقِ (بِ۔ رَبِّ۔ اَلْفَلَقِ) بِ، حرف جار، کی، رَبِّ، مجرور، مضاف، رب، اَلْفَلَقِ، مضاف الیہ، رات کی تاریکی کو پھاڑ کو سپیدہ صبح کا نکالنا، صبح، اَلْفَلَقِ، کا دوسرا معنی، خَلَقَ، بھی لیے گئے ہیں، کیونکہ ہر چیز جو پیدا ہوتی ہے وہ دوسری چیز کو پھاڑ کر باہر نکلتی ہے، اس معنی کے لحاظ سے، اَلْفَلَقِ، کا لفظ مخلوق کیلئے ہوگا، (صبح کے رب کی، مخلوق کے رب کی) مِنْ شَرِّ۔ مِنْ، حرف جار، سے، شَرِّ، مجرور، شر، برائی جس سے سب کو نفرت ہو (شر سے) مَا، اسم موصول (اس (چیز) کے جو) خَلَقَ، فعل ماضی واحد مذکر غائب خَلَقَ یَخْلُقُ، مصدر خَلْقًا، پیدا کرنا (اس نے پیدا کی) وَ، حرف عطف (اور) مِنْ شَرِّ غَاسِقٍ۔ مِنْ، حرف جار، سے، شَرِّ، مجرور، مضاف، برائی، شر، جس سے سب کو نفرت ہو، غَاسِقٍ، مضاف الیہ، غَسَقٌ، مصدر سے اسم فاعل واحد مذکر، اندھیری رات کا ہونا، تاریک ہونے والا، غروب آفتاب کے بعد تاریکی (اندھیری رات کے شر سے) اِذَا، ظرف زمان، مستقبل پر دلالت کرتا ہے، بمعنی شرط (جب) وَقَبَ، فعل ماضی واحد مذکر غائب وَقَبَ یَقِبُ، مصدر وَقْبًا وَّوُقُوْبًا، چھا جانا، اِذَا، کی وجہ سے ترجمہ (وہ چھا جائے) وَ، حرف عطف (اور) مِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ (مِنْ۔ شَرِّ۔ النَّفّٰثٰتِ) مِنْ، حرف جار، سے، شَرِّ، مجرور، مضاف، برائی، شر، جس سے سب کو نفرت ہو، النَّفّٰثٰتِ، مضاف الیہ، نَفْثٌ، مصدر سے مبالغہ کا صیغہ، جمع مؤنث، خوب دم کرنے والیاں، پھونکیں مارنے والیاں، واحد، اَلنَّفَّاثَۃُ (پھونکیں مارنے والیوں کے شر سے) فِی الْعُقَدِ (فِیْ۔ الْعُقَدِ) فِیْ، حرف جار، میں، الْعُقَدِ، مجرور، گرہیں، وہ گرہیں جن کو جادوگرنیاں جادو پڑھ کر گرہ لگاتی ہیں (گرہوں میں) وَ، حرف عطف (اور) مِنْ شَرِّ حَاسِدٍ۔ مِنْ، حرف جار، سے، شَرِّ، مجرور، مضاف، برائی، شر، جس سے سب کو نفرت ہو، حَاسِدٍ، مضاف الیہ، حَسَدًا، مصدر سے اسم فاعل واحد مذکر، حسد کرنے والا (حسد کرنے والے کے شر سے) اِذَا، ظرف زمان، مستقبل پر دلالت کرتا ہے، بمعنی شرط (جب) حَسَدَ، فعل ماضی واحد مذکر غائب حَسَدَ یَحْسُدُ، مصدر حَسَدًا، حسد کرنا، اِذَا، کی وجہ سے ترجمہ (وہ حسد کرے)۔

(الحمد للہ سورہ فلق مکمل ہوگئی)

[سورۃ الناس]

آیت ۱ تا ۶

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

قُلْ أَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ (۱) مَلِكِ النَّاسِ (۲) إِلٰهِ النَّاسِ (۳) مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ (۴) الَّذِيْ يُوَسْوِسُ فِيْ صُدُوْرِ النَّاسِ (۵) مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ (۶)

ترجمہ:

آپ یوں کہہ دیجئے کہ میں لوگوں کے رب کی پناہ لیتا ہوں (۱) جو لوگوں کا بادشاہ ہے (۲) لوگوں کا معبود ہے (۳) وسوسہ ڈالنے والے کے شر سے جو پیچھے ہٹ جانے والا ہے (۴) جو لوگوں کے سینوں میں وسوسہ ڈالتا ہے، (۵) جنات میں سے اور انسانوں میں سے (۶)

کوائف؛

اس سورۃ مبارکہ کا نام سورۃ الناس ہے۔ یہ قرآن کریم کی آخری سورۃ ہے۔ مدنی زندگی میں نازل ہوئی۔ اس کی چھ آیات ہیں اس سے پہلی سورۃ فلق کی پانچ آیتیں ہیں۔ گیارہ آیات کی یہ دو سورتیں ایک ہی وقت میں اکٹھی نازل ہوئیں۔

ما قبل سے ربط؛

گزشتہ سورت یعنی الفلق میں اللہ رب العزت کی پناہ مانگنے کا حکم دیا گیا تھا ایسے تمام مہالک اور آفات سے جو حسی اور ظاہری ہیں کہ ہر مخلوق کے شر، ہر تاریکی کے فتنہ سے ہر جادو کی مصیبت سے اور ہر حسد اور کید ومکر سے تو یہ تمام آفات ظاہری اور حسی تھیں اب اس سورۃ الناس میں ان آفات اور ہلاکتوں کو ذکر کیا جارہا ہے جو باطنی ہیں، اور وہ نفس سے اور نفس کے دواعی وتقاضوں سے پیدا ہوتی ہیں اور قلب پر وارد ہو کر انسان کے دین اور عقیدہ کو ہلاک و برباد کر دینے والی ہیں تو اس سورت میں ان سے پناہ حاصل کرنے کا حکم دیا جارہا ہے۔

تفسیر؛

فرمایا؛ آپ یوں کہہ دیجئے کہ میں لوگوں کے رب کی پناہ لیتا ہوں؛ الخ

اس آیت میں انسانوں کے رب کی پناہ لینے کا حکم ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کا رب ہے اور سب کا مالک، مربی اور مصلح ہے، اس میں یہ تنبیہ کرنا ہے کہ تمام مخلوق میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک جو مخلوق سب سے افضل ہے وہ انسان ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے رب ہونے کی نسبت انسان کی طرف کی ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے بادشاہ اور انسانوں کے معبود کا ذکر فرمایا، اس میں یہ تنبیہ ہے کہ انسانوں کے بادشاہ بھی ہوتے ہیں، لیکن تمام انسانوں کا بادشاہ صرف اللہ ہے، اور معض انسان ایسے بھی ہوتے ہیں جن کی عبادت کی جاتی ہے، لیکن حقیقت میں وہ عبادت کے مستحق نہیں ہیں، عبادت عکا مستحق وہ ہے جو تمام انسانوں کا معبود ہے۔

جو شخص بادشاہ ہوتا ہے اور ملک کا سربراہ ہوتا ہے، وہی پورے ملک پر حاکم ہوتا ہے، وہی ملک کے باشندوں کے لیے قانون بناتا ہے، پورے ملک میں اسی کی فرماں روائی ہوتی ہے اور اسی کا حکم چلتا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا :۔" ملک الناس ۔" (الناس 2:) یعنی وہی دنیا کے تمام لوگوں کا بادشاہ اور حاکم مطلق ہے، اسی کی تمام جہانوں میں حکومت اور فرماں روائی ہے، اس نے ارشاد فرمایا:

ان الحکم الا للہ (الانعام 57:) حکم دینے کا حق صرف اللہ کا ہے۔ جب سب انسانوں کو پیدا اللہ تعالیٰ نے کیا ہے، اسی نے ان کی پرورش کی ہے تو تمام انسانوں کی معیشت اور معاشرت میں حکم دینے کا حق بھی صرف اللہ تعالیٰ کا ہے۔

نیز فرمایا :۔"الہ الناس ۔(الناس 3:) یعنی وہی سب لوگوں کا معبود ہے، خواہ انسان کسی کی عبادت کریں لیکن تمام لوگوں کی

عبادت کا مستحق وہی واحد لاشریک ہے۔

فرمایا : پیچھے ہٹ کر چھپ جانے والے کے وسوسہ ڈالنے کے شر سے۔

اس آیت ـ" خناس ـ" کا لفظ ہے، ـ" خناس ـ" کا معنی ہے : پیچھے ہٹ جانے والا، چھپ جانے والا، یہ لفظ ـ" خنس ـ" سے بنا ہے، اس کا معنی ہے : پیچھے ہٹنا اور چھپ جانا، قرآن مجید میں ہے : میں چھپنے والے (ستاروں) کی قسم کھاتا ہوں۔ (التکویر 15:)

یہ ستارے دن کے وقت چھپ جاتے اور نظر نہیں آتے یا اپنے منظر سے پیچھے ہٹ جاتے ہیں۔

ـ" خناس ـ" مبالغہ کا صیغہ ہے، اور یہ شیطان کا لقب ہے، جب انسان غافل ہو تو یہ انسان کے دل میں وسوسہ ڈالتا ہے اور جب انسان اللہ کو یاد کر رہا ہو تو یہ پیچھے ہٹ جاتا ہے اور جیسے ہی اللہ کی یاد سے رک جائے تو پھر وسوسہ ڈالنے آجاتا ہے۔

حضرت ابن عباس (رض) میان کرتے ہیں کہ شیطان ابن آدم کے قلب پر بیٹھا رہتا ہے، جب اس کو سہو ہو یا غفلت ہو تو وہ وسوسہ ڈالتا ہے اور جب وہ اللہ کا ذکر کرے تو وہ پیچھے ہٹ جاتا ہے۔ (جامع البیان 29678:) ابن زید نے کہا : ـ" خناس ـ" وہ ہے جو ایک بار وسوسہ ڈالتا ہے اور دوسری بار پیچھے ہٹ جاتا ہے اور موقع کا انتظر رہتا ہے اور یہ شیطان الانس ہے، یہ انسانوں پر شیطان الجن سے زیادہ شدید ہوتا ہے، شیطان الجن وسوسہ ڈالتا ہے اور تم اس کو دیکھتے نہیں ہو اور شیطان الانس کو تم دیکھتے رہتے ہو۔ (جامع البیان رقم الحدیث)

فرمایا : جو لوگوں کے سینہ میں وسوسہ ڈالتا ہے۔

اس آیت میں ـ" یوسوس ـ" کا لفظ ہے، اس کا مصدر ـ" وسواس ـ" ہے اس کا معنی ہے : کسی برے خیال یا گناہ کے کام کو دل میں ڈالنا۔ شیطان انسان کے دل میں اللہ کی معصیت کو القاء کرتا ہے اور اس معصیت کو خوش نما لباس پہنا کر اس کو اس کام کی طرف راغب کرتا ہے۔

امام ابو منصور محمد بن محمد منتریدی حنفی متوفی 333ھ لکھتے ہیں:

وسوسہ ایک امر معروف ہے، شیطان انسان کے دل میں ایسی باتیں ڈالتا ہے جن سے وہ اپنے دین میں حیران ہو جاتا ہے اور اس کے دل میں بری خواہشات ڈالتا ہے اور اس کو برے کام کرنے کی طرف راغب کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ جب شیطان انسان کو برائی کی طرف راغب کرے تو انسان کو شیطان سے اللہ کی پناہ طلب کرنی چاہیے۔

اور اگر شیطان آپ کو کوئی وسوسہ ڈالے تو آپ اللہ کی پناہ طلب کریں، بیشک وہ بہت سننے ولا، بے حد جاننے والا ہے۔

بے شک جو لوگ اللہ سے ڈرتے ہیں جیسے ان کو شیطان کی طرف سے کوئی گناہ کا خیال آتا ہے تو وہ اللہ کو یاد کرتے ہیں پھر یکا یک ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔ (الاعراف 200:۔۔201)

فرمایا : جو جنات اور انسانوں میں سے ہے۔

جنات میں سے جو شیطان انسان کے دل میں وسوسے ڈالتا ہے، اس کے متعلق حدیث میں ہے :

حضرت علی بن حسین (رض) بیان کرتے ہیں کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا : بیشک شیطان انسان کے جسم میں خون کی طرح رواں دواں ہوتا ہے (صحیح البخاری رقم الحدیث 2138: سنن ابوداؤد رقم الحدیث 2471:)

نیز اس آیت سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی انسان کسی شخص کو برے کاموں کی طرف مائل کرے تو وہ بھی شیطان ہے اور اس کے شر سے بھی اللہ کی پناہ طلب کرنی چاہیے۔

ترکیب نحوی وتحقیق صرفی:

قُلْ، فعل امر واحد مذکر حاضر قَالَ یَقُوْلُ، مصدر قَوْلٌ، کہنا (آپ کہہ دیجئے) اَعُوْذُ، فعل مضارع واحد متکلم عَاذَ یَعُوْذُ، مصدر عَوْذٌ، پناہ مانگنا (میں پناہ مانگتا ہوں) بِرَبِّ النَّاسِ (بِ۔ رَبِّ۔ اَلنَّاسِ) بِ، حرف جار، کی، رَبِّ، مجرور، مضاف، رب، پروردگار، اَلنَّاسِ، مضاف الیہ، لوگوں کے، انسانوں کے (لوگوں کے رب کی) مَلِکِ النَّاسِ (مَلِکِ۔ اَلنَّاسِ) مَلِکِ، مضاف، بادشاہ، اَلنَّاسِ، مضاف الیہ، انسانوں کے، لوگوں کے، (لوگوں کے بادشاہ) اِلٰہِ النَّاسِ (اِلٰہِ۔ اَلنَّاسِ) اِلٰہِ، مضاف، معبود، اَلنَّاسِ، مضاف الیہ، انسانوں کے، لوگوں کے (لوگوں کے معبود کی) مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ (مِنْ۔ شَرِّ۔ اَلْوَسْوَاسِ) مِنْ، حرف جار، سے، شَرِّ، مجرور، مضاف، برائی، شر، جس سے سب کو نفرت ہو، اَلْوَسْوَاسِ، مضاف الیہ، اسم مصدر ہے، دل میں برائی کا پیدا ہونا، وسوسہ اس خفیف آواز کو کہتے ہیں جس کا مفہوم تو دل تک پہنچ جائے اور لفظ سنائی نہ دے، یعنی ذہنی آواز، اَلْوَسْوَاسِ، شیطان کو بھی کہا جاتا ہے، یعنی وسوسہ پیدا کرنے والا، اس وجہ سے مصدر کو اسم فاعل استعمال کیا گیا، وسوسہ ڈالنے والا (وسوسے ڈالنے والے کی شر سے) اَلْخَنَّاسِ۔ خَنَّسٌ، مصدر سے مبالغہ کا صیغہ (پیچھے ہٹ جانے والا، چھپ جانے والا) یہ شیطان کی صفت ہے، کیونکہ شیطان پہلی دفعہ کسی بندے کے ذہن میں وسوسہ ڈالتا ہے تو وہ اسے رد کردیتا ہے تو شیطان پیچھے ہٹ جاتا ہے، شیطان بار با وسوسے ڈالتا ہے اور بار بار پیچھے ہٹتا ہے، یہاں تک کہ اگر بندہ اللہ کی پناہ میں نہ ہو تو وہ اسے گمراہ کردیتا ہے۔ اَلَّذِیْ، اسم موصول واحد مذکر (وہ جو) یُوَسْوِسُ، فعل مضارع واحد مذکر غائب وَسْوَسَ یُوَسْوِسُ، مصدر وِسْوَاسٌ وَّوَسْوَسَۃٌ، وسوسہ ڈالنا (وہ وسوسہ ڈالتا ہے) فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ (فِیْ۔ صُدُوْرِ۔ اَلنَّاسِ) فِیْ، حرف جار، میں، صُدُوْرِ، مجرور، مضاف، سینوں، اَلنَّاسِ، مضاف الیہ، لوگوں کے، انسانوں کے (لوگوں کے سینوں میں) مِنَ الْجِنَّۃِ (مِنَ۔ اَلْجِنَّۃِ) مِنَ، حرف جار، سے، اَلْجِنَّۃِ، مجرور، جنوں (جنوں میں سے) وَ، حرف عطف (اور) اَلنَّاسِ (لوگوں، انسانوں)

(ختم شد)

الحمدللہ میری یہ کوشش اپنے اختتام کو پہنچی اللہ تعالیٰ اس کاوش کو قبول فرما کر قبولیتِ عامہ نصیب فرمائے اور مجھ سمیت میرے والدین اساتذہ کرام کے لئے نجات کا ذریعہ بنائے آمین یارب العلمین۔